مجلس شرعی مُبارک پور کے 20 بیس فقہی سیمیناروں
میں 60 ساٹھ جدید مسائل کے متفقہ فیصلے

مجلسِ شرعی کے فیصلے

جلد اوّل

تالیف

حضرت علامہ مولانا مُفتی مُحمد نظام الدین رضوی مصباحی
صدر شعبہ افتاء و ناظم مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ
مُبارک پور، اعظم گڑھ (انڈیا)

والضحیٰ پبلی کیشنز

مجلس شرعی مبارک پور کے بیس[20] فقہی سیمناروں
میں ساٹھ[60] جدید مسائل کے متفقہ فیصلے

مجلسِ شرعی کے فیصلے

جلد اوّل

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی مدظلہ

صدر شعبہ افتاء و ناظم مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ
مبارک پور، اعظم گڑھ (انڈیا)

والضحیٰ پبلی کیشنز

داتا دربار مارکیٹ لاہور۔ پاکستان
Ph:042-37300651
Coll:0300-7259263,0316-4959263

کتاب	مجلسِ شرعی کے فیصلے
مصنف	حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
پروف ریڈنگ	مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، مولانا زاہد علی سلامی مصباحی مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی، مفتی محمد نسیم مصباحی مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، مولانا ساجد علی مصباحی مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی، مولانا محمد قاسم ادروی مصباحی مولانا محمد عرفان عالم مصباحی، اساتذۂ جامعہ اشرفیہ مولانا محمد عارف حسین مصباحی، استاذ جامعہ قادریہ، بگھاڑو
کمپوزنگ	پیامی کمپیوٹر گرافکس، مبارک پور
ناشر	**والضحیٰ** پبلی کیشنز، دربار مارکیٹ، لاہور، پاکستان
لیگل ایڈوائزر	محمد صدیق الحسنات ڈوگر: ایڈووکیٹ ہائی کورٹ لاہور
تاریخ اشاعت	ربیع الاول ۱۴۳۶ھ/ جنوری ۲۰۱۵ء
ضخامت	۵۴۴ صفحات
تعداد	۱۱۰۰
قیمت	640 روپے

مجلسِ شرعی کے فیصلے

جلد اول

ساٹھ (۶۰)

اہم مسائل کی شرعی تنقیح

از: ۱۴۱۴ھ / ۱۹۹۳ء تا ۱۴۳۴ھ / ۲۰۱۳ء

بسم الله الرحمن الرحيم

اَلحمدُ لِلّٰهِ العزيزِ الغفّار.
والصَّلاة وَالسَّلَام على نبيّهِ
المُختار. وعَلى آله وصَحبهِ الأَخيار.
لا سيّما الشّيخَين الصّاحبَين.
الاٰخِذَين مِنَ الشريعة والحقيقة
بكلا الطرفَين. وعلى مجتهِدِي
ملّتهِ. وَفُقَهَاءِ اُمَّتِهِ. وعلى
جميع مَن تمسّك بسنّتهِ

مجلسِ شرعی کے سیمینار اور مدتِ کار

ایک نظر میں

مجموعی سیمینار..................................۲۰

مجموعی اجلاس..................................۱۲۹

کُل فیصلے..................................۶۰

تمام جزئی مسائل واحکام..................................۳۸۰

مُدَّتِ کار

۴ر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ/۱۸ر اکتوبر ۱۹۹۳ء، دوشنبہ، صبح

—تا—

۸ر رجب ۱۴۳۴ھ/۱۹ر مئی ۲۰۱۳ء، شنبہ، سہ پہر

مشمولات—ایک نظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

فیصلے ـــــــ ۱۰۷

پہلا فقہی سیمینار ـــــــ ۱۰۹

فیصل بورڈ کے چار اہم فیصلے ـــــــ ۱۱۹

دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں سیمینار ـــــــ ۱۲۹

چھٹا، ساتواں اور آٹھواں سیمینار ـــــ ۱۶۳

نواں فقہی سیمینار ـــــ ۱۹۱

دسواں فقہی سیمینار ـــــ ۲۰۷

گیارہواں فقہی سیمینار ——— ۲۲۳

بارہواں فقہی سیمینار ——— ۲۴۵

تیرہواں فقہی سیمینار ——— ۲۶۹

چودہواں فقہی سیمینار ——— ۲۹۹

پندرہواں فقہی سیمینار ۳۱۵

سولہواں فقہی سیمینار ۳۳۳

سترہواں فقہی سیمینار ۳۵۵

اٹھارہواں فقہی سیمینار ـــــــ ۳۸۵

انیسواں فقہی سیمینار ـــــــ ۴۰۵

بیسواں فقہی سیمینار ـــــــ ۴۳۳

ضمیمہ

فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت ۔۔۔۔ ۴۵۹

پہلی نوع

عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ کے بدلے ہوئے احکام ۔۔۔۔ ۴۶۹

دوسری نوع

فقہ حنفی کے احکام جو مشائخ حنفیہ کے عہد میں تبدیل ہوئے ۔۔۔۔ ۴۸۲

تیسری نوع

چوتھی نوع

تبرکات

☆ ارشاداتِ کتاب وسنت
☆ اقوال زریں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَنۡ یُّؤۡتَ الۡحِکۡمَةَ
فَقَدۡ اُوۡتِیَ خَیۡرًا کَثِیۡرًا ؕ

(البقرۃ: ۲۶۸)

اور جس کو حکمت دی گئی
اسے بہت بھلائی دی گئی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ.

(التوبة: ۱۲۲)

اور مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہو سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی فقاہت حاصل کرے اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائے اس امید پر کہ وہ بچیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم :

یَدُ اللّٰہِ عَلَی الْجَمَاعَةِ. رواہ الترمذی۔

(مشکوٰۃ المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب والسنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، مجلس برکات)

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اللہ عزوجل کی مدد و توفیق اور حفاظت و رحمت جماعت پر ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَضَّرَ اللّٰہُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِیْثًا فَحَفِظَہٗ حَتّٰی یُبَلِّغَہٗ غَیْرَہٗ ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ إِلٰی مَنْ ھُوَ اَفْقَہُ مِنْہُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْہٍ لَیْسَ بِفَقِیْہٍ.

(ترمذی، کتاب العلم،
باب فی الحثّ علیٰ تبلیغ السماع، ج:۲، ص:۹۰)

رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ اس شخص کو ترو تازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی اور اس کو یاد رکھا، یہاں تک کہ اسے دوسروں تک پہنچایا کہ بہت سے صاحبِ فقہ ایسے لوگوں کے پاس فقہ پہنچاتے ہیں جو ان سے زیادہ فقیہ ہوتے ہیں۔ اور بہت سے حاملِ فقہ خود فقیہ نہیں ہوتے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت اِمام سلیمان بن مہران اعمش رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں:

يَا مَعْشَرَ الْفُقَهَاءِ! اَنْتُمُ الْأَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ. وَأَنْتَ اَيُّهَا الرَّجُلُ أَخَذْتَ بِكِلَا الطَّرَفَيْنِ.

(الخیرات الحسان، ص:٦١، از: علامه احمد بن حجر مکی)

اے گروہِ فقہا! تم طبیب ہو اور ہم محدثین دوافروش۔
اور اے ابو حنیفہ! تم دونوں اوصاف کے جامع ہو۔
(محدث بھی ہو، فقیہ بھی ہو)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ (ولادت: ۸۰ھ/وفات: شعبان ۱۵۰ھ) نے

ارشاد فرمایا

لَا أَتْبَعُ الرَّایَ وَالْقِيَاسَ إِلَّا إِذَا لَمْ أَظْفَرْ بِشَيْءٍ مِنَ الْكِتَابِ أَوِالسُّنَّةِ أَوِالصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَىٰ عنهم.

(عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج: ۷، ص: ۳۰۲، كتاب الحج، باب من أشعر وقلد بذي الحليفة ثم أحرم، از: علامه بدر الدين عينى)

میں اجتہاد وقیاس نہیں کرتا، مگر اس وقت جب کہ مجھے قرآن یا حدیث یا صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کچھ نہ ملے۔

اور فرمایا

إِنِّي أُقَدِّمُ الْعَمَلَ بِالْكِتَابِ، ثُمَّ بِالسُّنَّةِ، ثُمَّ بِأَقْضِيَةِ الصَّحَابَةِ مُقَدِّمًا مَا اتَّفَقُوْا عَلَىٰ مَا اخْتَلَفُوْا، وَ حِيْنَئِذٍ أَقِيْسُ.

(ميزان الشريعة الكبرى، فصل في بيان ضعف قول من نسب الإمام أبا حنيفة إلى أنه يقدم القياس على حديث رسول الله ﷺ، از: عارف بالله امام عبد الوهاب شعرانی رحمه الله تعالىٰ)

میں سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتا ہوں، اس کے بعد احادیث پر، پھر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متفقہ فیصلہ پر، اور ان کے درمیان کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو قیاس کرتا ہوں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حضرت اِمام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ عِیَالٌ فِی الْفِقْهِ عَلٰی أَبِیْ حَنِیْفَةَ

مَا رَأَیْتُ أحدًا اَفْقَهَ مِنْهُ.

(الخیرات الحسان، ص:۲۹، از: علامہ احمد بن حجر مکی)

لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ کے محتاج ہیں،

میں نے کسی کو ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ نے فرمایا

اے عزیز! وہ مسائل جنھیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق و نسبت ہے، جیسے تار برقی وغیرہ، لوگ سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمۂ دین میں ان کا حکم نہ نکلے گا۔ مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالیٰ مساعیھم الجمیلة نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اُٹھا نہیں رکھا ہے۔ تصریحًا، تلویحًا، تفریعًا، تاصیلًا، سب کچھ فرمادیا ہے، زیادہ علم اسے ہے جسے زیادہ فہم ہے اور ان شاء اللہ العزیز زمانہ اُن بندگان خدا سے خالی نہ ہوگا جو مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل کے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف، صدف سے گہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذنِ اللہ تعالیٰ قادر ہوں۔

”لا خلا الکونُ عن افضالھم وکثّر اللہ فی بلادنا من امثالھم اٰمین اٰمین برحمتك یا ارحم الراحمین.“ ملتقطًا

(فتاویٰ رضویہ ص:٥٢٦، ٥٢٧، ج:٤، رضا اکیڈمی ممبئی)

ابتدائیہ

کلماتِ بابرکات

نوازشات اور دعائیں

حضرت امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری دام ظلہ العالی
زیب سجادۂ خانقاہ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف

اہلِ سنت و جماعت کی مایۂ ناز درس گاہ **جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ** اپنی علمی و دینی، ملی و سماجی خدمات کے حوالے سے ہندو بیرونِ ہند امتیاز و انفرادیت کی حامل ہے اور مستقبل میں اس ادارے سے مثبت توقعات ہیں۔

اس عظیم مذہبی ادارے نے جماعتِ اہلِ سنت کو جلیل القدر فقہا، شان دار خطبا، معروف صاحبانِ قلم، باصلاحیت اساتذہ، قادر الکلام مناظر اور ماہرینِ فن عطا کیے۔ آج پوری دنیا میں فرزندانِ اشرفیہ پھیلے ہوئے ہیں اور مختلف انداز میں اپنی اپنی بساط کے مطابق خدمتِ علم و دین اور خدمتِ خلق میں مصروفِ عمل ہیں۔

مجلسِ شرعی کا قیام بھی انھیں گراں قدر خدمات کی ایک کڑی ہے جس کی داغ بیل اب سے بیس سال قبل اس فقیر برکاتی کی شمولیت کے ساتھ ڈالی گئی۔ اس مجلسِ شرعی کے سرپرست سربراہِ اعلیٰ حضرت عزیز ملت صاحب، صدر حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب اور ناظم حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی صاحب ہیں۔

مجلسِ شرعی کے زیرِ اہتمام اب تک بیس فقہی سیمینار ملک کے مختلف شہروں اور صوبوں میں فقہی مسائل کے تحت منعقد ہوئے۔ بیسویں فقہی سیمینار کی میزبانی کا شرف خود فقیر قادری برکاتی کے حصہ میں آیا جو **جامعہ البرکات علی گڑھ** میں منعقد ہوا۔

مجھے یہ جان کر بے حد خوشی ہوئی کہ بیس سال گزرنے کے بعد ساٹھ اہم **جدید فیصلوں**

پر مشتمل فقہی ریسرچ کا انسائیکلوپیڈیا بنام "مجلس شرعی کے فیصلے" منصۂ شہود پر آرہا ہے۔

اس کتاب میں دورِ جدید میں پیدا ہونے والے بے شمار مسائل کا تسلی بخش جواب قرآن و حدیث، اجماعِ امت، قیاس اور ائمۂ مجتہدین کے اقوال کی روشنی میں دیا گیا ہے۔ حالاتِ زمانہ کے تغیر سے شریعت کے فروعی مسائل میں کس قدر تبدیلی آتی ہے، اس کا تفصیلی ذکر حضرت مفتی نظام الدین صاحب نے اپنے معلوماتی مقدمہ میں فرمایا ہے۔ اس سلسلے میں حضرت مفتی صاحب نے بڑی جاں فشانی کے ساتھ ان فیصلوں کو مرتب کر کے منظرِ عام پر لانے کی قابلِ قدر کوشش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کی کوشش کو قبول فرمائے اور جزائے خیر عطا فرمائے۔

ہم سب اس کتاب کی اشاعت پر اراکینِ مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ کے ارکان و اساتذہ و مفتیانِ عظام اور جملہ شرکائے کرام کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے مبارک باد پیش کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے علم و عمر میں برکت عطا فرمائے اور مزید خدمتِ دین و علم و خلق کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

آمین بجاہ حبیبك سید المرسلین علیه الصلاۃ والتسلیم

(سید محمد امین)

صدر البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ

کلماتِ طیبات

فقہ حنفی کے چار اہم ادوار اور عظیم الشان کارنامے

سرپرست مجلس شرعی عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبدالحفیظ صاحب دام ظلہ العالی
سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

امت مسلمہ کا کاروانِ حیات شریعت اسلامیہ سے مربوط ہے۔ ایک مسلمان اپنی عبادات اور اپنے جملہ معاملات میں شریعت کی ہدایات اور تعلیمات کا محتاج ہے۔ دین دار اور خدا ترس مسلمان یہ چاہتا ہے کہ اس کی خانگی، عائلی، معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی قوانین کے تحت بسر ہو۔ رب جلیل اور اس کے رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد بھی یہی ہے۔

اس لیے قرآن حکیم میں جہاں عقائد کا بیان ہے وہیں اعمال واحکام کی بھی تعلیم ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے عقائد اور اخلاق و اعمال ہر ایک کی تبلیغ و تعلیم سے نوع انسانی کو پیکر صلاح و فلاح بنانے کی کوشش کی۔ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام بھی ایمان و عمل کے فروغ میں کوشاں رہے۔ نئے معاملات وواقعات رونما ہوئے تو انہیں بھی کتاب وسنت کی روشنی میں حل کرنے کی سعی بلیغ فرمائی۔

تابعین اور تبع تابعین کا دور آیا تو اسلامی سلطنت کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا اور نئے مسائل کی اتنی کثرت ہو چکی تھی کہ سب کو سمیٹنا اور سب کے احکام کو کتاب وسنت کی روشنی میں متعین کرنا بڑا دشوار اور جاں گسل عمل تھا۔

۱۔ رب کریم کی بے پایاں رحمتیں نازل ہوں سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کہ انہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور اپنے تلامذہ کو ساتھ لے کر فقہ اسلامی کی ایسی تدوین فرمائی کہ ہر باب میں عمل کی راہ آسان ہو گئی۔

ان حضرات نے نہ صرف یہ کہ اپنے عصر کے مسائل واضح کیے بلکہ مستقبل میں پیدا ہونے والے ممکنہ مسائل کے بھی احکام متعین کیے جس کی روشنی میں بعد کے ادوار میں علما وفقہا نو پید امسائل کا حل پیش کرتے رہے۔

۲۔ ہندوستان میں بیان احکام و مسائل کی ضرورت کا احساس سلطان اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمہ (ولادت ۱۰۲۸ھ۔ وفات ۱۱۱۸ھ) کو ہوا تو انہوں نے پورے ملک سے پانچ سو سربرآوردہ علما کو جمع کیا جنہوں نے سرخیلِ فقہا حضرت علامہ نظام الدین علیہ الرحمہ کی سرکردگی میں "فتاویٰ ہندیہ" معروف بہ "فتاویٰ عالمگیری" مرتب کیا جو اپنی جامعیت کے باعث نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک کے علما وفقہا کے لیے بھی مرجع و

رہنما بنا۔

۳- فتاویٰ ہندیہ کے بعد فقہ حنفی میں جو سب سے عظیم مجموعۂ فتاویٰ منظر عام پر آیا وہ "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" ہے جس کی چھ جلدوں (۳ تا ۸) کی تحقیق و تصحیح اور اشاعت کا شرف علمائے اشرفیہ کو حاصل ہوا۔

فتاوی رضویہ پورے بر صغیر کے حنفیوں کے لیے عظیم مرجع و ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں مسائل قدیمہ کے ساتھ زمانہ اعلی حضرت علیہ الرحمہ کے مسائل جدیدہ کا بھی شافی حل موجود ہے۔ اور نادر علمی تحقیقات کا سمندر تو ایسا موج زن ہے کہ اہل علم حیران و ششدر ہیں کہ ایک ذات اور اتنی کثیر تحقیقات!! وہ بھی نہ صرف علم فقہ میں بلکہ دیگر علوم و فنون میں بھی ایسے زریں افادات کہ اہل فن عش عش کرنے پر مجبور ہیں۔ "ذلك فضل الله یوتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم"۔

۴- اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کے وصال کو آج ۹۴ سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے تقریباً ۶ سال بعد سو سال پورے ہو جائیں گے۔ اس طویل زمانے میں عالمی سطح پر جو تمدنی انقلاب آیا ہے اس کی رفتار سابقہ صدیوں کے انقلاب سے بہت زیادہ تیز اور حیرت انگیز ہے۔ برقی اور اثیری توانائیوں کے اثرات سے صرف بیس سال میں اس قدر تبدیلی آجاتی ہے کہ پہلے کا دور ایک قصۂ پارینہ معلوم ہونے لگتا ہے۔

یہ انقلاب ہماری عبادات اور معاملات پر بھی اپنا اثر دکھاتا ہے جس کے نتیجے میں نئے نئے سوالات رونما ہوتے ہیں اور ان کے جوابات سے عہدہ بر آ ہونا علمائے وقت کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

اسی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے ۱۹۹۲ء میں مجلس شرعی کی تشکیل عمل میں آئی اور فقہی مذاکرات کا سلسلہ شروع ہوا۔ تقریباً ساٹھ اہم مسائل حل ہوئے اور ان کے فیصلے ماہنامہ اشرفیہ کے شماروں میں شائع ہوتے رہے۔ مگر ان شماروں کو یاد رکھنا اور الگ محفوظ کرنا عموماً لوگوں کے لیے دشوار ہوتا ہے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اب تک جو فیصلے ہو چکے ہیں انہیں مختصر تمہید و تعارف کے ساتھ یکجا شائع کر دیا جائے۔ اسی خیال کی عملی شکل آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

اس راہ میں کتنے علما اور دیگر احباب نے مجلس شرعی کو اپنے تعاون سے نوازا، نام بنام سب کا شمار مشکل ہے مگر اجمالی طور پر ہم اپنے ہر کرم فرما کے ممنون و مشکور ہیں۔ رب جلیل سب کو اپنی بے کراں نعمتوں سے نوازے۔ آمین

۷ رذی الحجہ ۱۴۳۴ھ
۱۳ ر اکتوبر ۲۰۱۳ء
یک شنبہ

عبد الحفیظ عفی عنہ
سرپرست مجلس شرعی
الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

کلماتِ صدارت

نورِ فقاہت کی جہاں تابی

حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی
صدر مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامدا و مصلیا و مسلما

قرآن کریم کا ارشاد ہے:

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ" (پ ۱۱ توبہ، س ۹، آیت ۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں۔ (کنزالایمان)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ضرور ہونی چاہئے جو "دینی فقاہت" حاصل کرے اور اس فقاہت کا فائدہ اپنی پوری قوم کو پہنچانے کی کوشش کرے، نہ یہ کہ اس عمل کو تعلّی و تفوق، دوسروں پر اپنی برتری ظاہر کرنے، انہیں مرعوب کرنے یا ذلیل و حقیر ٹھہرانے کا ذریعہ بنالے۔ بلکہ مقصد یہ ہونا چاہئے کہ قوم کو دین کی ہدایت اور تعلیم کے ذریعہ خوف خدا کی حامل اور اس کے احکام پر عامل بنائے۔

حدیث پاک میں آیا: من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین۔

"اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین کی فقاہت عطا فرماتا ہے"

میں نے غور کیا تو آیت اور حدیث دونوں میں "فقاہت فی الدین" کا ذکر ہے جو بہت جامع ہے۔

دین کے تحت **ایک** تو وہ عقائد ہوتے ہیں جن کو جاننا، ماننا اور دوسروں تک پہنچانا مطلوب ہوتا ہے۔ **دوسرے** وہ احکام ہوتے ہیں جو عبادات و معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور انہیں جاننے کے بعد حسب موقع خود عمل کرنا اور دوسروں کو بتانا، عمل کرانا ہوتا ہے۔ **تیسرے** وہ فضائل ہوتے ہیں جن سے

اپنے باطن کو آراستہ کرنا ہوتا ہے۔ ان کے ساتھ ان رذائل کا بھی ذکر آتا ہے جن سے دل کو پاک وصاف رکھنا ہوتا ہے۔

ان تینوں علوم کو بالترتیب (۱) علم عقائد یا علم کلام (۲) علم فقہ یا علم احکام (۳) علم اخلاق یا علم تصوف سے موسوم کیا گیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے علم عقائد کو "فقہ اکبر" سے موسوم کیا۔ اور عقائد میں "الفقہ الاکبر" کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی جس کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔

جو حضرات مشکاۃ نبوت سے براہ راست فیض یاب ہوئے انہوں نے بہت کم مدت میں عقائد، احکام اور اخلاق تینوں کی تعلیم حاصل کرلی۔ وہ تینوں میں راسخ ہوئے اور تینوں میں دیگر افراد کے لیے ہادی ومعلّم بنے۔

صحابہ کرام سے دین کی فقاہت حاصل کرنے والے اجلۂ تابعین بھی تینوں علوم کے جامع اور دوسروں کے لیے مبلغ ورہنما اور مربی ومعلم ہوتے۔ اس وقت فقاہت فی الدین کی تین علوم میں تقسیم نہ تھی، بلکہ یکجا تینوں کی تعلیم وتحصیل جاری تھی۔

بعد میں الگ الگ تینوں فنون کی حیثیت سے ان کی تدوین ہوئی اور علم عقائد، علم احکام، علم اخلاق کو جدا جدا بیان کرنے اور سیکھنے سکھانے کا سلسلہ جاری ہوا۔ تینوں کی بنیاد کتاب وسنت ہی پر قائم ہوئی اور انہی سے اخذ واستناد اور تفریع وتفصیل پر "فقہ دین" کی پوری عمارت استوار ہوئی۔

کچھ شخصیات ایسی جامع اور عظیم تھیں جو تینوں علوم میں مرجع اور مقتدا بنیں، اور کچھ حضرات کو صرف دو یا ایک میں شہرت ومرجعیت حاصل ہوئی اگرچہ انہیں تعلق تینوں سے تھا اور ہر ایک سے بہرہ ور ہو کر وہ اپنی ذات میں کامل تھے۔ یہ منظر دور اخیر میں بھی نظر آتا ہے بعض حضرات تینوں میں مرجع ومقتدا ہوئے اور بعض حضرات اپنی جامعیت کے باوجود کسی ایک یا دو میں مرجع ومشہور ہوئے۔

علم عقائد وکلام میں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خداداد فقاہت کا اندازہ ایک واقعے سے کیا جاسکتا ہے جو ان کے بچپن کا ہے۔

خطیب خوارزمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بیان کرتے ہیں کہ روم کے نصرانی بادشاہ نے خلیفۂ بغداد کے یہاں اپنا ایلچی بہت سارا مال دے کر بھیجا اور اسے حکم دیا کہ مسلمانوں کے علما سے تین سوالات کرنا۔ اگر جواب مل جائے تو یہ سارا مال انہیں دے دینا ورنہ مسلمانوں سے خراج کا مطالبہ کرنا۔

وہ قاصد آیا اور تینوں سوالات پیش کیے۔ علمانے اپنے طور پر جواب دیا لیکن وہ خاموش نہ ہوا، بحث کرتا رہا۔ اس وقت امام اعظم کم سن، نابالغ تھے اور اپنے والد کے ساتھ اس مجلس میں موجود تھے سفیر روم کا جواب دینے کے لیے اپنے والد سے اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت نہ دی پھر اٹھ کر خلیفۃ المسلمین سے

اجازت طلب کی، خلیفہ نے اجازت دے دی۔

امیر المومنین کی اجازت کے بعد وہ سامنے آئے اور عیسائی سے کہا: کیا تم سائل ہو؟ اس نے کہا: ہاں۔ فرمایا: منبر سے نیچے آؤ۔ سائل کی جگہ زمین پر ہے، میں مجیب ہوں، میری جگہ منبر ہے۔ رومی نیچے آگیا۔ امام منبر پر پہنچے اور فرمایا: اب بتاؤ تمھارا سوال کیا ہے؟

اس نے پوچھا اللہ سے پہلے کیا تھا؟ امام نے فرمایا: گنتی جانتے ہو؟ کہا: ہاں، جانتا ہوں (ایک دو تین چار پانچ) فرمایا: ایک سے پہلے کیا ہے؟ اس نے کہا ایک سے پہلے کچھ نہیں۔ فرمایا: جب اس واحد مجازی، عددی سے پہلے کچھ بھی نہیں تو اس واحد حقیقی سے پہلے کیا ہوگا؟ وہ خاموش ہو گیا۔

پھر اس نے دوسرا سوال کیا کہ اللہ کس جہت میں ہے؟ امام نے فرمایا: شمع جلاتے ہو تو اس کی روشنی کس جہت میں ہوتی ہے؟ اس نے کہا: کسی جہت میں نہیں ہوتی، چاروں طرف اس کی روشنی نظر آتی ہے۔ فرمایا: جب اس نور مجازی کے لیے کوئی جہت نہیں تو اس نور حقیقی کے لیے کوئی جہت کیسے ہو سکتی ہے؟

اب اس نے تیسرا سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ بے کار رہتا ہے یا کچھ کرتا بھی ہے؟ فرمایا: " کل یوم ھو فی شان" وہ ہر دن ہر وقت کسی کام میں ہے۔ اور اس وقت اس کا کام یہ ہے کہ تجھ جیسے بے دین کو منبر سے اتارا اور مجھ جیسے مومن موحد کو منبر پر بلند کیا، تجھ کو ذلت دی اور مجھ کو عزت دی۔ ایلچی خاموش ہو گیا اور جتنا مال لے کر آیا تھا سب دے کر چلا گیا۔[1]

امام اعظم کی عظیم دینی فقاہت کا یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب وہ نہ امام اعظم تھے نہ امام، نہ ابو حنیفہ بلکہ صرف نعمان بن ثابت نامی ایک خرد سال فرزند تھے بعد میں علم عقائد اور کلام و مناظرہ میں ان کی مہارت کا حال یہ تھا کہ بڑے بڑے ملحدین اور خوارج و معتزلہ وغیرہ کو چند منٹوں میں لاجواب کر دیتے۔ اس طرح انہوں نے اپنے دور کے فتنوں کو سرنگوں کر دیا۔

ان کی **فقاہت باطن** اور **نورانیت قلب** کی بھی ایک شہادت ایک ولیِ کامل کی زبانی سنیے۔ علم شریعت و طریقت کے جامع امام عبد الوہاب شعرانی شافعی م ۹۷۳ھ اپنے شیخ سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں نے سیدی علی خواص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عرفان کے مراتب ایسے دقیق ہیں کہ ان کی معرفت اہل کشف اکابر اولیا ہی کو حاصل ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: امام ابو حنیفہ وضو خانے سے بہتا ہوا پانی دیکھ کر اس میں گرنے والے سارے صغیرہ کبیرہ گناہوں اور مکروہات کو جان لیتے۔ اسی لیے انہوں نے وضو میں استعمال شدہ پانی کی تین حالتیں قرار دیں:

---

(۱) الاشباہ والنظائر للعلامۃ زین بن نجیم المصری، م ۹۷۰، فن سابع، الحکایات والمراسلات، ۳/ ۳۷۱ بہ ایضاح و تلخیص

اول یہ کہ وہ نجاست غلیظہ کی طرح ہے۔ یہ اس احتیاط کے تحت کہ ہو سکتا ہے وضو کرنے والا کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا ہو۔

دوم یہ کہ وہ نجاست متوسطہ کی طرح ہے۔ یہ اس بنا پر کہ ہو سکتا ہے وضو کرنے والا کسی گناہ صغیرہ کا مرتکب ہوا ہو۔

سوم یہ کہ وہ خود پاک ہے مگر دوسرے کو پاک کرنے کی قوت نہیں رکھتا۔ یہ اس لیے کہ ہو سکتا ہے وضو کرنے والا کسی مکروہ یا خلاف اولی کا مرتکب ہوا ہو۔ یہ حقیقتاً گناہ نہیں، اس لیے کہ وہ فی الجملہ جائز ہے۔

کچھ مقلدین امام نے یہ سمجھا کہ یہ تینوں اقوال ایک ہی حالت سے متعلق ہیں، مگر ایسا نہیں، یہ تین اقوال تین حالتوں سے متعلق ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔ یہ اس لحاظ سے کہ شرعی گناہ تین قسموں میں منحصر ہیں۔ مکلفین کی اکثریت ان میں سے کسی ایک کے ارتکاب سے خالی نہیں ہوتی، مگر نادراً۔ (۱)

دوسری جگہ امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول نجاست آبِ مستعمل کے تذکرے میں سیدی علی خواص شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ارشاد اپنے سوال کے جواب میں نقل کرتے ہیں:

ہاں امام ابو حنیفہ اور ان کے شاگرد عظیم ترین اہلِ کشف میں تھے۔ وہ لوگوں کے وضو سے گرنے والا پانی دیکھ کر ان کی اُن خطاؤں کو جان لیتے تھے جو پانی میں گری ہیں، یہ بھی امتیاز کر لیتے کہ کون سا غُسالہ کبائر والا ہے، کون صغائر کا ہے، کون مکروہات کا ہے اور کون خلافِ اولی کی آمیزش رکھتا ہے۔ ہم سے بیان کیا گیا کہ امام ابو حنیفہ جامع مسجد کوفہ کے وضو خانے میں داخل ہوئے، ایک جوان کو وضو کرتے اور اس سے ٹپکتے پانی کو دیکھا تو فرمایا: بیٹا: والدین کی نافرمانی سے توبہ کر۔ اس نے کہا: میں نے خدا کی بارگاہ میں اس سے توبہ کی۔ دوسرے شخص کا غُسالہ دیکھا تو اس سے فرمایا: بھائی زنا سے توبہ کر، اس نے توبہ کی۔ تیسرے کا غُسالہ دیکھا تو اس سے فرمایا: بھائی شراب نوشی اور آلاتِ لہو سننے سے توبہ کر۔ اس نے کہا: میں نے ان سب سے توبہ کی — ان کے نزدیک یہ امور ایسے ہی تھے جیسے محسوس چیزیں ہوتی ہیں۔ بعد میں ہمیں معلوم ہوا کہ امام اعظم نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ان پر اس طرح کا کشف بند کر دے اس لیے کہ اس میں لوگوں کی پوشیدہ برائیوں سے آگاہی ہوتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ (۲)

امام شعرانی نے بتایا ہے کہ تمام ائمۂ مجتہدین اہلِ کشف و مشاہدہ اور صاحبِ ولایت تھے۔ اگر یہ

---

(۱) میزان الشریعۃ الکبریٰ، امام عبد الوہاب شعرانی وصال ۹۷۳ھ۔ ج ۱ ص ۷۶ آخر فصل فیما نقل عن الامام احمد من ذمہ الرای وتقییدہ بالکتاب والسنہ. اشاعت دارالکتب العلمیہ. بیروت. ۱٤۱۸ھ/ ۱۹۹۸ء

(۲) میزان مذکور، ص: ۱۳۰، کتاب الطہارۃ.

حضرات ولی نہ ہوں تو روے زمین پر کوئی ولی نہیں۔ (ص:۵۵) تمام ائمۂ مجتہدین اپنے متبعین کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ ان پر دنیا، برزخ، روزِ قیامت اور پل صراط سے گزرنے تک جو بھی سختیاں در پیش ہوں سبھی ملاحظہ فرماتے اور ان کی دست گیری کرتے ہیں۔ (ص:۱۳۰-ص:۶۵)

وہ لکھتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے چشمۂ شریعت سے آگاہی دے کر مجھ پر احسان فرمایا تو میں نے دیکھا کہ تمام مذاہب اس چشمہ سے مرتبط ہیں۔ میں نے دیکھا کہ مذاہبِ اربعہ کی ساری نہریں جاری ہیں اور جو مذاہب مٹ گئے وہ جامد پتھر کی شکل میں ہو گئے۔ ائمۂ کرام میں سب سے زیادہ لمبی نہر میں نے امام ابو حنیفہ کی دیکھی۔، پھر امام مالک، پھر امام شافعی، پھر امام احمد بن حنبل کی، اور سب سے چھوٹی نہر مذہب امام داؤد کی دیکھی۔ یہ مذہب پانچویں صدی میں ختم ہو گیا۔ میں نے اس کی تاویل ان مذاہب پر عمل کی مدت کے دراز اور کوتاہ ہونے سے کی۔

امام ابو حنیفہ کا مذہب جیسے تدوین میں سب مدوّنہ مذاہب سے پہلے تھا اسی طرح اختتام میں سب مذاہب کے بعد ہے۔ اہلِ کشف کا بھی یہی بیان ہے۔ (میزان، ص:۴۸)

امامِ اعظم کے کشفِ باطن اور معرفتِ اسرار سے متعلق درج بالا شہادتوں سے ان کی فقاہتِ احکام اور تدوینِ فقہ کی عظمت کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ امامِ اعظم اپنے علمِ کلام اور علمِ باطن سے زیادہ اپنے علمِ فقہ اور قوتِ اجتہاد میں عالمی شہرت رکھتے ہیں، اور ایک امام مجتہد کی حیثیت سے پوری دنیا میں متعارف ہیں۔

امامِ اعظم کے زمانے تک دستور یہ تھا کہ کوئی پیچیدہ واقعہ پیش آتا تو اسؐ کا حکم تلاش کیا جاتا مگر امتِ مسلمہ پر امامِ اعظم کا احسان یہ ہے کہ انھوں نے بہت طویل غور و فکر اس پر کیا کہ مستقبل میں کون سے مسائل پیش آسکتے ہیں۔ اس وقت اسلامی سلطنت کا رقبہ بہت وسیع ہو چکا تھا اور روز بروز اس میں اضافہ بھی ہو رہا تھا، اس لیے انھوں نے عالم گیر سطح پر غور کیا کہ آئندہ کس طرح کے عائلی، معاشرتی، تمدنی اور سیاسی مسائل پیش آسکتے ہیں اور نئے حالات میں عامۂ مسلمین، غیر مسلمین، قضاۃ و حکام اور سلاطین کے لیے دستور العمل کیا ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں انھیں کم از کم درج ذیل مراحل سے گزرنا تھا:

۱- نئے حالات میں پیش آنے والے مسائل کی تعیین اور ان سوالات کا استخراج جن کے جوابات سے علما و فقہا کو عہدہ برآ ہونا ہے۔

۲- کتاب و سنت اور اجماع کی روشنی میں اُن اصول و قواعد کی تخریج جن کے تحت مسائل کو حل کیا جائے۔

۳- وہ مسائل جن کا ثبوت کتاب و سنت کی عبارت، اشارت، دلالت یا اقتضا سے ہوتا ہے۔

۴- احادیث کا علم، ان کے الفاظ پر نظر، ان کے راویوں کا علم اور ان کے حالات پر نظر، ایک موضوع

کے تحت چند حدیثیں ہیں تو یہ سب ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں یا ان میں کچھ اختلاف و تعارض نظر آتا ہے؟ اگر اختلاف ہے تو اس کی بنیاد کیا ہے؟ پھر تطبیق یا ترجیح کی صورت کیا ہے؟

۵- جملہ احادیث اور ان کے رُواۃ کے احوال پر نظر کرتے ہوئے یہ فیصلہ کہ کون سی حدیث احکام میں قابلِ استناد ہے اور کون اس درجے کی نہیں ہے۔

۶- جن مسائل کا ثبوت واضح طور پر کتاب و سنت اور اجماع سے نہیں ہوتا ان کا کتاب و سنت کے صریح احکام اور ان کی علتوں کی روشنی میں استنباط۔

ظاہر ہے کہ ان مراحل سے گزرنے کے لیے زبردست علم، ہمہ جہت نظر، طویل غور و فکر، صبر آزما ہمت و استقلال، کامل اخلاص و ہمدردی اور خدا اور رسول کی بارگاہ سے خاص عنایت و فیضان ضروری ہے۔

اس لیے امامِ اعظم نے تدوینِ فقہ کا کام تنہا انجام نہ دیا بلکہ فقہا و مجتہدین کی ایک مجلس تشکیل دی جس کے سامنے ایک ایک مسئلہ پیش ہوتا، ہر شخص اپنے علم و فقاہت اور دلائل کی روشنی میں بحث کرتا، جب ایک حکم پر سب کا اتفاق ہو جاتا تو اسے درج کر لیا جاتا ورنہ اختلاف کے ساتھ لکھا جاتا۔

اس عظیم جد و جہد کا ثمرہ یہ ہوا کہ ایک جامع دستور العمل تیار ہو گیا جس کا فائدہ سلاطین، امرا، قضاۃ، علما و فقہا، عامۂ مسلمین اور غیر مسلمین سبھی کو پہنچا، امامِ اعظم اور اُن کے اصحاب کے احسان کا اعتراف ان جلیل القدر شخصیات نے کیا ہے جو اس کام کی عظمت و اہمیت سے آشنا ہیں۔

حضرت شداد بن حکیم جن کی عبادت کا یہ حال تھا کہ ساٹھ سال تک وہ رات کو سوئے نہیں۔ ظہر کے وقت وضو کرتے پھر اس کے بعد دوسری ظہر کے وقت دوسرا وضو کرتے، یہ بلخ کے امام اور حضرت سفیان ثوری کے شاگرد ہیں۔ ۲۱۳ھ میں وصال ہوا۔ وہ فرماتے ہیں:

"لولا منّ الله علينا بابي حنيفة و أصحابه حيث بينوا هذا العلم و شرحوا، لم نكن ندري مانختار من ذٰلك و مانا خذ به." (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے امامِ اعظم ابو حنیفہ اور ان کے شاگردوں کے ذریعہ ہم پر احسان نہ فرمایا ہوتا تو ہم کو کچھ پتہ نہ چلتا کہ ہم کیا لیں، کیا چھوڑیں، کس پر عمل کریں اور کس پر عمل نہ کریں، لیکن ان حضرات نے علمِ فقہ کو ایسا واضح و آشکارا کر دیا کہ ہمارے لیے کام آسان ہو گیا۔

حضرتِ ابن سُریج رحمہ اللہ کے سامنے کسی نے امامِ اعظم پر کچھ تنقید کی تو انھوں نے فرمایا: اے شخص!

(۱) مناقب امام اعظم، از: امام موفق بن احمد مکی، م:۵٦٨ھ-طبع اول ١٣٢١ھ، دائرة المعارف العثمانيه، حيدر آباد، ص:٦٢

چپ رہ، ان کے لیے تین چوتھائی (۷۵ فیصد) علم بالاجماع تسلیم شدہ ہے اور ایک چوتھائی علم جو باقی رہتا ہے وہ دوسروں کے لیے پورا تسلیم نہیں کرتے۔ اس نے کہا: یہ کیسے؟ فرمایا: اس لیے کہ علم سوال و جواب کا مجموعہ ہے۔ نصف علم سوال اور نصف علم جواب۔ ابو حنیفہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے سوالات وضع کیے۔ تو یہ نصف علم ان کے حق میں مسلّم ہے۔ پھر انھوں نے ان سوالات کے جوابات دیے تو بعض نے کہا: درست ہیں، بعض نے کہا: خطا ہیں۔ ہم اگر مان لیں کہ جوابات میں خطا و صواب کی مقدار برابر ہے تو نصف درست ہوئے نصف غلط۔ تو نصف ثانی کا نصف ان کے لیے مسلّم ہے۔ اب ایک چوتھائی جو باقی ہے اسے وہ دوسروں کے لیے تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ان مسائل میں ان سے بحث کے لیے تیار ہیں تو بقیہ چوتھائی دوسروں کے لیے مسلّم نہیں اور ان کے لیے تین چوتھائی مسلّم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لیے شریعت کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور ابو حنیفہ اس شریعت کی تدوین کرنے والے پہلے شخص ہیں تو یہ بعید ہے کہ ربِّ کریم نے جس شریعت کی حفاظت کا ذمہ لیا اس کی تدوین کرنے والا پہلا ہی شخص خطا پر ہو۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم فرائض میں کتاب لکھی اور علم فرائض نصف علم ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: فرائض سیکھو اس لیے کہ یہ تمھارے دین سے ہے اور یہ نصف علم ہے۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ شرائط کے بارے میں کتاب لکھی۔ شرائط کی تعلیم فرمانے والا اللہ عزوجل ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے: ”ولا یاب کاتب ان یکتب کما علّمه الله“ شرطیں وہی وضع کر سکتا ہے جو نہایت علم کو پہنچا ہوا ہو اور علما کے اقوال و مذاہب سے باخبر ہو۔ اس لیے کہ شرطیں تمام ابواب فقہ پر متفرع ہوتی ہیں اور ان کے ذریعہ تمام مذاہب سے احتراز مقصود ہوتا ہے تاکہ کوئی حاکم اپنے مذہب کی بنیاد پر انھیں توڑنے یا فسخ کرنے کا فیصلہ نہ کر سکے۔ بڑا کمال یہ نہیں ہے کہ جب شرطیں وضع ہو گئیں تو انھیں سیکھ لیا۔ بڑا کمال ان کی ایجاد اور اول اول انھیں وضع کرنا ہے۔ اگر کوئی دعویٰ کرے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ فقہ، فرائض اور شروط کے مدون اول نہیں، ان سے پہلے تدوین ہو چکی تھی تو اس سے کہو لاؤ تم ہمیں صحابہ یا تابعین کی کوئی ایسی کتاب دکھاؤ جس میں یہ علوم جمع شدہ اور مندرج ہوں۔ وہ جھوٹا دعویدار مبہوت ہو کر رہ جائے گا۔ [1]

یحییٰ بن آدم کوفی م: ۲۰۳ھ رجال صحاح ستہ سے عظیم محدث ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ:

کوفہ فقہ سے بھرا ہوا تھا۔ ابن شبرمہ، ابن ابی لیلیٰ، حسن بن صالح اور شریک جیسے کثیر فقہا کوفہ میں موجود تھے۔ لیکن کسی کے اقوال کو رواج عام حاصل نہ ہوا اور امام ابو حنیفہ کا علم بلاد و اقطار میں پھیل گیا۔ اسی کی بنیاد

---

(۱) مناقب موفق، ص: ۱۳۷، طبع مذکور

پر خلفا، ائمہ اور حکام کے فیصلے ہوتے اور اسی پر معاملہ قرار پذیر ہوا۔

مزید فرماتے ہیں:

فقہ میں امام ابو حنیفہ کا قول اللہ کے لیے تھا۔ اگر اس میں غرض دنیا کی کچھ بھی ملاوٹ ہوتی تو اسے آفاق عالم میں یوں نفوذ و قبول حاصل نہ ہوتا خصوصاً جب کہ اُن کے عیب جو اور حاسدین بڑی تعداد میں موجود تھے۔

فرماتے ہیں:

امام ابو حنیفہ نے فقہ میں وہ کوشش اور اجتہاد کیا جو ان سے پہلے کسی سے نہ ہوا تو اللہ نے ان کی رہنمائی فرمائی، راستہ ان کے لیے آسان کر دیا اور خواص و عوام ان کے علم سے نفع یاب ہوئے۔[1]

ابو عاصم نبیل (ضحاک بن مخلد) بصری (م: ۲۱۲ھ) رجالِ صحاح ستہ سے بلند پایہ محدث ہیں، ان سے عثمان بن عفان سجزی روایت کرتے ہیں کہ میں نے ابو عاصم کو فرماتے ہوئے سنا کہ مجھے امید ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حصے میں روزانہ ایک صدیق کا عمل خدا کے یہاں جاتا ہے، میں نے عرض کیا: کیوں؟ فرمایا: اس لیے کہ ان سے اور ان کے اقوال سے انسانوں کو بڑا فائدہ پہنچتا ہے۔[2]

اس فقہ حنفی سے ہر دور میں عظیم فقہا و محدثین وابستہ رہے اور اس کی توضیح و تائید اور بسط و تفصیل میں جلیل الشان کتابیں بھی قید تحریر میں آتی رہیں جن سے عوام و خواص مستفید ہوتے رہے۔

گزشتہ صدی میں اس کی تشریح و تائید اور نشر و اشاعت میں سب سے بڑا حصہ **اعلیٰ حضرت امام احمد رضا** قادری برکاتی قدس سرہ العزیز کا ہے، فقہ حنفی میں ان کی ژرف نگاہی کا اعتراف غیروں کو بھی ہے۔ اسی طرح فتنۂ لامذہبی سے مذاہب ائمہ کے تحفظ میں بھی ان کا دلیرانہ و مجاہدانہ کردار ہے۔ بر صغیر میں فتاویٰ رضویہ سے کوئی حنفی مستغنی نہیں۔ اگر **باضابطہ اس کی تعریب ہو جائے** تو وہ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لیے عموماً اور حنفیوں کے لیے خصوصاً ایک عظیم اور مستند مرجع و ماخذ کی حیثیت سے فیض بخش ہوگی۔

فتاویٰ رضویہ جلد اول جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سامنے طبع ہوئی، صرف اسی کو دیکھیں تو اس میں وہ تحقیقاتِ نادرہ ہیں جنھیں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی کھلی ہوئی کرامت کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً:

(۱)- پانی پر قدرت نہ ہونے کی ۱۷۵ صورتیں ہر ایک پر کلام، ہر ایک کے ماخذ کا بیان، ساتھ ہی کلماتِ فقہا کے اشکالات کا ذکر، پھر تحقیق و تنقیح۔

(۲)- جنسِ ارض کی تعریف و تحقیق، اس کے تحت علما کی ۱۴ مختلف عبارتوں کا ذکر اور اشکالات کا حل۔

(۳)- آبِ مطلق کے بیان میں وہ بلند تحقیقات جن کی نظیر نہیں۔

---

(۱) ص: ۴۱، مناقب مذکور

(۲) ص: ۴۵، مناقب مذکور

(۴)- آب مستعمل کی تعریف اور اس سے متعلق مسائل میں جلیل تحقیقات۔

(۵)- طہارت سے متعلق ۱۴۴ر فتاویٰ کے تحت دیگر ابواب فقہ کے بے شمار مسائل کا بیان جنھیں فہرست میں ابواب کی سرخیوں اور صفحات کی نشاندہی کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔ طہارت، نماز، زکاۃ، روزہ، حج، نکاح، طلاق، عتق، قسم، حدود، سیر، شرکت، وقف، بیع، شہادت، وکالت، دعویٰ، ہبہ، اجارہ، حجر، غصب، قسمت..... حظر واباحت، فرائض وغیرہ ابواب کے مسائل ضمناً موجود ہیں۔

(۶)- ان کے علاوہ فقہی فوائد، رسم المفتی یعنی قواعد افتا، عقائد و کلام، حدیث، اصولِ حدیث، اسماء الرجال، فضائل و مناقب، اصولِ فقہ، طبعیات، ہندسہ وریاضی وغیرہ سے متعلق بیش بہا افادات ہیں۔

(۷)- خود فہرست کی ترتیب اور ضمنی مسائل اور افاداتِ علوم وفنون کا احاطہ ایک بلند پایہ علمی کارنامے کی حیثیت رکھتا ہے۔

ان سب کے باوجود نہ کوئی تعلّی ہے، نہ فخر وغرور بلکہ صاف اعتراف ہے کہ جو کچھ ہے میری قدرت سے ورا اور محض فضل میرے رب کریم پھر میرے نبی رؤف ورحیم کا ہے جل وعلا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ (۱)

کہیں امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیضانِ کرم کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتے ہیں:

"الحمد للہ! کلام اپنے ذروہ اقصیٰ کو پہنچا۔" امید کرتا ہوں کہ اس فصل بلکہ تمام رسالہ میں ایسا کلام شافی ومتین وکافی ومبین برکاتِ قدسیہ روح زکیہ طیبہ علیہ امام الائمہ کاشف الغمہ سراج الامہ سیدنا امامِ اعظم واقدم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حصہ حاشیہ فقیر مہین ہو والحمد للہ رب العالمین۔ (۲)

اپنے ایک رسالے میں تکرار نمازِ جنازہ سے ممانعت پر فقہاے حنفیہ کی دلیلیں ذکر کیں پھر کچھ خاص وہ دلائل بیان کیے جو فیضِ قدیر سے ان کے قلب منیر پر فائض ہوئے۔ آخر میں لکھتے ہیں:

"الحمد للہ! یہ ایک ادنیٰ شِمّہ ہے اس الٰہی عالم، ربانی حاکم کی نظرِ حقائق نگر کا جو مصداق اعلیٰ، عظیم بشارت والا اس حدیث صحیح کا ہے کہ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "لوکان العلم معلّقا بالثریا لتناوله قوم من ابناء فارس" علم اگر ثریا پر معلق ہوتا تو اولادِ فارس سے کچھ لوگ اسے وہاں سے بھی لے آتے۔ اسے امام احمد نے مسند میں اور ابو نعیم نے حلیہ میں حضرت ابو ہریرہ سے اور شیرازی نے القاب میں حضرت قیس بن سعد سے روایت کیا رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔

اعنی امام الائمہ، سراج الامہ کاشف الغمہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی راے منیر و نظر بے نظیر تمام

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الطهارة، باب التیمم، ج:۱، ص:۸۴۹، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲) حاجز البحرین الواق عن جمع الصلاتین ۱۳۱۳ھ آخر فصل سوم مشمولہ فتاویٰ رضویہ، جلد دوم، رضا اکیڈمی، ممبئی

مصالح شرعیہ کو محیط و جامع اور مومنین کے لیے ان کی حیات و موت میں خیر محض و نافع. فجزاه الله عن الاسلام والمسلمين كل خير و وقاه و تابعيه بحسن الاعتقاد كل ضر و ضير آمين.(۱)

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنے دور کے نئے مسائل کا بھی محققانہ جواب رقم فرمایا ہے جن میں سے ایک مسئلہ کرنسی نوٹ کا ہے۔ پہلے سونے چاندی کے سکوں کا رواج تھا۔ ہندوستان میں سونے کے سکے کو اشرفی اور چاندی کے سکے کو روپیہ کہا جاتا۔ عرب میں دینار اور درہم بولتے۔ جب کاغذ کے نوٹ کا چلن شروع ہوا تو مکہ مکرمہ کے علمائے حنفیہ سے اس بارے میں کئی سوالات ہوئے ایک جلیل القدر اور زبردست مفتی حنفیہ شیخ جمال بن عبداللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں صرف یہ لکھا:

"مسئلہ نیا ہے اور علم علما کی گردنوں میں امانت ہے۔"

امام احمد رضا قدس سرہ جب اپنے دوسرے سفر حج میں مکہ مکرمہ وارد ہوئے تو وہ سوالات ان کے سامنے بھی پیش ہوئے۔ اعلیٰ حضرت نے جواب میں وہیں اپنا رسالہ "كفل الفقيه الفاهم فى احكام قرطاس الدراهم" بہت مختصر مدت میں تصنیف فرمایا جس کی متعدد نقلیں علما نے لیں۔ اس کی ایک نقل حرم شریف کی لائبریری میں بھی رکھی گئی۔ اس وقت کے مفتی حنفیہ شیخ عبداللہ بن صدیق بن عباس کی نظر سے وہ قلمی رسالہ گزرا تو اس کا مطالعہ شروع کر دیا جب اس مقام پر پہنچے جہاں فتح القدیر کا یہ جزئیہ مرقوم تھا "لو باع كاغذة بالف يجوز ولا يكره" تو پھڑک اٹھے اور اپنی ران پر ہاتھ مار کر بولے "اين كان جمال بن عبدالله من هذا النص الصريح" حضرت جمال بن عبداللہ اس نص صریح سے کہاں غافل رہے"۔

اس رسالے میں نوٹ سے متعلق جملہ مسائل کا حل واشگاف انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔ رسالہ متعدد بار عربی و اردو میں شائع ہوا، فتاویٰ رضویہ میں بھی شامل ہے۔

یہ صرف ایک مثال ہے ورنہ فتاویٰ رضویہ میں مسائل جدیدہ کی خاصی تعداد موجود ہے جو ایک جامع فہرست کی مقتضی ہے۔ ایسے مسائل کو منتخب کر کے الگ سے بھی شائع کیا جا سکتا ہے۔ کاش کوئی صاحب علم اس پر توجہ مبذول کریں پھر جو اردو میں ہیں ان کی تعریب ہو جائے تو افادیت اور زیادہ عام ہو سکتی ہے۔

کفل الفقیہ کے علاوہ "الكشف شافيا حكم فونو جرافيا" بھی عربی میں ہے جس کی اشاعت صفر ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء میں المجمع الاسلامی مبارک پور و رضا اکیڈمی ممبئی سے پہلی بار ہوئی۔ اس میں رسالہ

---

(۱) النهى الحاجز عن تكرار صلاة الجنائز ۱۳۱۵ھ، آخری صفحہ مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، ص: ۵۱، سنی دار الاشاعت، مبارک پور

"انوار المنان فی توحید القرآن" بھی شامل ہے۔

نئے مسائل ہمارے دور میں بھی پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ ان کے حل کے لئے علما وفقہا کی فکری وقلمی کاوشیں وقت کا اہم تقاضا ہیں، امام احمد رضا قدس سرہ اپنی خداداد فقاہت، اور علوم وفنون کی زبردست مہارت کے باعث تنہا ایک متحرک مجلس علما اور ایک فعال اکادمی کا کام بآسانی اور بتمام حسن وخوبی انجام دیا کرتے تھے جس پر فتاویٰ رضویہ کی بارہ ضخیم جلدیں شاہد عدل ہیں۔ مگر آج نو پیدا پیچیدہ مسائل کا حل کسی ایک ذات سے ہونا انتہائی مشکل بلکہ عادۃً ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ اس ضرورت کا احساس کرتے ہوئے الجامعۃ الاشرفیہ میں ۱۹۹۲ء میں مجلس شرعی کی تشکیل عمل میں آئی جس نے امام اعظم کے اصول وقواعد اور امام احمد رضا قدس سرہ کے فتاوی کی روشنی میں اپنے سفر کا آغاز کیا اور آج بھی جادہ پیما ہے۔ اس نے اپنے سفر میں ملک کے نامور علما اور فقہا کو بھی شریک کیا اور نئے باصلاحیت علما کو بھی فکر وتحقیق سے وابستہ کیا۔ جس کے نتیجے میں ساٹھ اہم مسائل کے فیصلے بھی ہوئے اور نئے علما کی ایسی ٹیم بھی تیار ہوئی جو آئندہ زمام کار سنبھالنے کی اچھی صلاحیت رکھتی ہے۔ رب کریم سب کو اپنی جزائے فراواں اور فضل بے پایاں سے نوازے اور اس مجلس خیر کو ہمیشہ آلام وآفات سے محفوظ و مامون رکھ کر جادۂ صدق وعدل پر گام زن رکھے۔ وهو المستعان وعليه التكلان . وصلى الله تعالىٰ وسلم وبارك على حبيبه سيد الانس والجان وعلى آله وصحبه وفقهاء دينه وعلماء شرعه ماتعا قب الملوان.

محمد احمد مصباحی
صدر مجلس شرعی
وصدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ
مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

المجمع الاسلامی مبارکپور
۶/ ذی الحجہ ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۲/ اکتوبر ۲۰۱۳ء
بروز شنبہ

مجلسِ شرعی کے چند بنیادی اصول

از: محمد نظام الدین رضوی
ناظم مجلسِ شرعی و صدر شعبہ افتا الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

مجلسِ شرعی اور مجلسِ مذاکرہ درج ذیل اصولوں کی روشنی میں ہی مسائل کا حل تلاش کرنے کی پابند ہوگی۔

(۱) کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع سے استناد۔

اجماعی مسائل کی تعداد امام اسفرائینی رحمۃ اللہ علیہ کی صراحت کے مطابق بیس ہزار سے زیادہ ہے، یہ اجماع پہلی، دوسری صدی ہجری میں منعقد ہوئے ہیں، کیوں کہ تیسری صدی سے اجماع کا انعقاد ممکن نہ رہا۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"سبحان اللہ! اجماعِ شرعی: جس میں "اتفاقِ مجتہدین" پر نظر تھی، علمانے تصریح فرمائی کہ بوجہ شیوع و انتشار علما فی البلاد (شہروں میں علما کی کثرت اور ان کے پھیل جانے کی وجہ سے) دو صدی کے بعد اس کے ادراک (وعلم) کی کوئی راہ نہ رہی۔ مسلم الثبوت اور اس کی شرح فواتح الرحموت، میں ہے:

قال الإمام أحمد: "من ادّعى الإجماع على أمر فهو كاذب" والجواب أنه محمول على حدوثه الآن، فانّ كثرة العلماء والتفرّق في البلاد الغير المعروفين مُريبٌ في نقل اتفاقهم. اهـ

نیز اسی میں ہے:

تحقيق المقام: إنّ فى القرون الثلاثة — لا سيما القرن الأول: قرن الصحابة رضي الله تعالى عنهم — كان المجتهدون معلومين بأسمائهم و أعيانهم وأمكنتهم، خصوصًا بعد وفاة رسول الله صلى الله تعالى عليه وآله وأصحابه وسلّم زمانا قليلا ويمكن معرفة اقوالهم و احوالهم للجادّ في الطلب. نعم، لا يمكن معرفة الإجماع ولا النقل الآن، لتفرّق العلماء شرقا

وغربا ولا يحيط بهم علم أحد اھ. ملخصًا.»(۱)

(۲) فقہ حنفی کے راجح، صحیح و مفتٰی بہ مسائل سے استناد۔

(۳) ماضی قریب کے فقہاے کرام میں فقیہ اجل علامہ ابن عابدین شامی، مجدد اعظم امام احمد رضا بریلوی، صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی اعظمی، مفتیِ اعظم حضرت مولانا شاہ مصطفٰے رضا خاں قادری علیہم الرحمۃ والرضوان کی تحقیق کو ترجیح حاصل ہوگی۔ مگر یہ کہ اسبابِ ستّہ میں سے کوئی سبب متحقق ہو جائے (اسبابِ ستّہ کا ذکر دفعہ ۶ میں ہے)۔

الف۔۔۔ خالص مقلد علما کی بحثوں سے استدلال مقبول نہ ہوگا۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے۔

"اور مقلدین صرف کہ کسی طبقہ ۶ اجتہاد میں نہ ہوں، نہ خود اپنی بحث پر حکم لگا سکتے ہیں، نہ دوسرے پر ان کی بحث حجت ہو سکتی ہے۔ والا لكان تقليد مقلدٍ، وهو باطل إجماعًا." (۲)

بحث کا مطلب: وہ تحقیق یا استخراج جو نہ ائمۂ مذہب سے منقول ہو اور نہ ہی کسی قاعدۂ کلیہ کے عموم میں شامل ہو۔

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"بحث وہیں کہیں گے جہاں مسئلہ نہ منقول ہو، نہ صراحۃً کسی کلیۂ منصوصۂ مذہب کے تحت داخل ہو کہ ایسے کلیات سے استناد بحث و نظر پر موقوف نہیں۔" (۳)

(ب) مجتہد علما کی صرف موافقِ مذہب بحث یا تحقیق مقبول ہوگی۔ درج ذیل صراحتوں کے مفہوم مخالف سے یہی عیاں ہوتا ہے۔

اولاً۔ تنہا محقق کی اپنی بحث ہے کہ نہ ائمۂ مذہب سے منقول، نہ محققینِ مابعد میں مقبول۔ خود ان کے تلمیذ علامہ قاسم بن قطلوبغا نے فرمایا: "ہمارے شیخ کی جو بحثیں خلافِ مذہب ہیں، ان کا اعتبار نہ ہوگا۔" (۴)

"خلافِ مذہب بحثیں اگرچہ امام ابن الہمام کی ہوں، مقبول نہیں۔ جب کہ خلاف اختلافِ زمانہ سے ناشی نہ ہو۔" (۵)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ص: ۲۱۰، ج: ۸، رسالہ المنیٰ والدرر. سنی دار الاشاعت، مبارک پور.
(۲) فتاویٰ رضویہ، ص: ۷۳۴، ج: ۳، سنی دار الاشاعت، مبارک پور
(۳) فتاویٰ رضویہ، ص: ۷۳۴، ج: ۳، سنی دار الاشاعت، مبارک پور
(۴) فتاویٰ رضویہ، باب الوضو، ص: ۲۱، ج: ۱، سنی دار الاشاعت، مبارک پور
(۵) حاشیہ فتاویٰ رضویہ، باب الوضو، ص: ۲۱، ج: ۱، سنی دار الاشاعت، مبارک پور

(۵) قیاس (جو مجتہد کے ساتھ خاص ہے) سے گریز ہوگا۔

(الف) علتِ منصوصہ (منصوصۂ شرع، خواہ منصوصۂ مذہب) کی بنیاد پر قیاس درست ہوگا۔

مجددِ اعظم فرماتے ہیں:

"اہلِ علم پر مستتر نہیں کہ استدلال بالفحویٰ، یا اجرائے علت منصوصہ خاصۂ مجتہد نہیں کما نص علیه العلامة الطحطاوی تبعا لمن تقدمه من الاعلام. اور یہاں خود امام مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشیائے ستہ کی علتِ کراہت پر نص فرمایا کہ خباثت ہے۔ اب چاہے اسے دلالۃ النص سمجھیے، خواہ اجرائے علتِ منصوصہ (بہر حال استدلال درست ہے)۔"[1]

(ب) اطلاق و عموم اور الحاق و انطباق قیاس کے باب سے نہیں۔ لہٰذا مجلس کو ان سے استدلال کی اجازت ہوگی — فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اطلاق و عموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے، نہ مجتہد سے خاص کما بینه خاتم المحققین فی اصول الرشاد."[2]

رسائل ابنِ عابدین شامی میں شرح ہدیہ ابنِ عماد سے ہے۔

"فإن المسائل المدونة في الفقه انما يتكلمون عليها من حيث كلّياتها، لا من حيث جزئياتها، فلا يقال في الجزئيات التى انطبق عليها أحكام الكليات أنها غير منقولة، ولا مصرح بها، فكم من جزئي تركوا التنبيه عليه لأنهٗ يُفهم من حكم كلي آخر بطريق الأولوية — وفرّق بين تطبيق الكليات على الجزئيات وبين التخريج بأن التطبيق المذكور تفسير المراد من نفس الكلي مع اولوية، والتخريج نوع قياس. اھ"[3]

(۶) قابلِ تغییر احکام میں مجددِ اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے بیان کردہ اسبابِ ستہ کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگی، آپ رقم طراز ہیں:

"چھ باتیں ہیں، جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے، لہٰذا قولِ ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ اور وہ چھ باتیں یہ ہیں: ضرورت، دفعِ حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ص:۳۲۶، ج:۸، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، رسالہ اجتناب العمال عن فتاوی الجهال، ص:۴۹۳، ج:۳، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔

(۳) رسائل ابن عابدین ص:۱۴۸، ۱۴۹، ج:۱، رسالہ تنبیہ ذوی الالهام

بظن غالب کا ازالہ، ان سب میں بھی حقیقۃً قولِ امام ہی پر عمل ہے۔"(۱)

(۷) یہ نامسلّم کہ حنفیہ اس کے (مفہومِ مخالف کے) قائل نہیں۔

حنفیہ صرف عباراتِ شارع غیر متعلّقہ بعقوبات میں اس کی نفی کرتے ہیں، کلامِ صحابہ ومَن بَعدَ هم مِن العلماء میں مفہوم مخالف بے خلافِ مخالف مرعی ومعتبر۔ کما نص علیه فی تحریر الاصول والنهر الفائق والدّر المختار وغیرها من الأسفار وقد ذکرنا نصوصها في رسالتنا "القطوف الدّانية لِمَن اَحسن الجماعة الثانية." (۲)

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:

☆- اللہ عزوجل اور رسول اللہ ﷺ کے کلام (آیات واحادیث) میں مفہومِ مخالف غیر معتبر ہے۔

☆- ہاں جن آیات واحادیث کا تعلق عقوبات سے ہے، ان میں مفہوم مخالف معتبر ہے۔

☆- یوں ہی کلامِ صحابہ اور بعد کے علما کے کلام میں مفہومِ مخالف بالاتفاق معتبر ہے، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

شرح وقایہ میں ہے:

"ولا خلاف في أن التخصيص بالذكر في الروايات يدلّ على نفى الحكم عما عداه." اھ(۳)

درِمختار میں ہے:

"لأن مفاهيم الكتب حجّة، بخلاف أكثر مفاهيم النصوص، كذا فى النهر، وفيه من "الحدّ": المفهومُ معتبر فى الروايات اتفاقا و منه أقوال الصحابة." اھ(۴)

(۸) کسی مسئلے سے متعلق علمائے مجلس کا ایک نتیجہ پر اتفاق ہوجائے تو اسے مجلس کا فیصلہ قرار دیا جائے گا اور اگر کافی بحث وتمحیص کے باوجود اتفاق نہ ہوسکے تو مسئلہ کو اختلاف آرا کے ساتھ درج کرلیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

---

(۱) حاشیہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱، باب المیاہ، ص:۳۸۵، رسالہ اجلی الاعلام، رضا اکادیمی، مبارک پور۔

(۲) فتاویٰ رضویہ جلد دوم، ص:۳۹۵، باب الاوقات، رسالہ: حاجز البحرین، رضا اکادیمی، ممبئی

(۳) شرح وقایہ، کتاب النکاح، ص:۵۱، ج:۲، باب المهر، مجلس برکات، مبارک پور

(۴) درِ مختار المطبوع مع رد المختار، ص:۲۲۹، ۲۳۰، ج:۱، کتاب الطهارة، دار الكتب العلمية، بیروت

مقدمہ

از: ناظم مجلسِ شرعی

☆فقہی مجالس کی تاریخ، طریقِ کار اور عصر حاضر میں
اس کی تجدید واحیا کے تابندہ نقوش
☆قُضاۃ کے فرائض و مسائل
☆فقہی اختلافات کے حدود، حقائق وشواہد کے اجالے میں
☆فیصل بورڈ کا تعارف
☆یادِ رفتگاں
☆شکرِ احباب

مقدمہ

اَلحمدُ للہ ربِّ العٰلمین، والصّلوٰۃُ والسّلامُ علیٰ حبیبہ سیّد المرسلین و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ و فقہاء امتہٖ اجمعین و علینا معھم یا رب العٰلمین، اما بعد!

مجلسِ شرعی کے فیصلوں کی «فقہی دستاویز» آپ کے ہاتھوں میں ہے جو عصرِ جدید میں سلف و خلف کے نقوشِ قدم کے اتباع میں نو پیدا مسائل کے دینی و فقہی احکام نکالنے کی بہت ہی محتاط روش، کامل سعی اور عظیم کارنامہ ہے۔

ہم ان فیصلوں سے پہلے چند اہم اور ضروری گوشوں پر آپ کی توجہ مبذول کراتے ہیں تاکہ آپ کو ہماری فقہی مجالس کی اہمیت، عظمت، طریقِ کار کی خوبی، شرکا کی انتھک جدو جہد اور سلف و خلف سے مضبوط رشتے کا بخوبی احساس ہو سکے، اس کے لیے ہماری یہ تمہیدی گفتگو چند عناوین کے ذیل میں ہوگی۔

﴿۱﴾

فقہی مجالس کی تاریخ، طریق کار
اور عصرِ حاضر میں اس کی تجدید و اِحیا کے تابندہ نقوش

فقہی مذاکرات کے ذریعہ نو پیدا مسائل کے شرعی احکام نکالنے کی روایت عہد رسالت و عہد صحابہ سے چلی آ رہی ہے، خود حضور سرور کونین ﷺ نے اس کی ہدایت بھی فرمائی ہے۔

حدیث پاک میں ہے:

"عن ابن عباس قال: قلتُ: یارسول اللہ! أرأیتَ إن عرض لنا أمرلم ینزل فیه قرآن، ولم تمض فیه سنة عنك؟ قال تجعلونه شوریٰ بین العابدین من المومنین، ولا تقضونه برأی خاصة." (۱)

ترجمہ:- حضرت ابن عباس سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! اگر کوئی ایسا

(۱) مجمع الزوائد، باب الإجماع من کتاب العلم، ج:۱، ص:۴۲۸، رقم الحدیث: ۸۳۳، دار الفکر.

مسئلہ درپیش ہوجائے جس کے بارے میں قرآن میں کوئی حکم نازل نہ ہو اور آپ کی کوئی سنت بھی نہ ہو تو کیا کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا: اسے فقہاے عابدین کی شوریٰ میں رکھو اور کسی خاص عالم کی رائے پر فیصلہ نہ کرو۔

"وعن عليّ قال: قلتُ: يارسولَ الله، إذا نزل بنا أمرٌ ليس فيه بيان أمرٍ ولا نهيٍ فما تأمرنا؟ قال: شاوروا فيه الفقهاء والعابدين ولا تمضوا فيه بِرائِ خاصّة." (۱)

ترجمہ:- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کی یارسول اللہ! جب ہمارے سامنے ایسا مسئلہ آجائے جس کے بارے میں کوئی امر ونہی نہ ہو تو اس کے تعلق سے آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس کے تعلق سے فقہا اور عبادت گزار علما سے باہم مشاورت کرو اور کسی ایک فرد کی رائے پر حکم مت جاری کرو۔

یہی وجہ ہے کہ فقہاے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نو پیدا مسائل کے بارے میں باہم فقہی مشاورت اور مذاکرے کرتے پھر جب حکم منقح ہوکر سامنے آجاتا تو اسے جاری کر دیتے۔ الامام الحافظ محمد بن حسن الشیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تالیف لطیف «کتاب الآثار» میں ہے:

"أخبرنا أبو حنيفةَ، عَنِ الهَيْثَمِ، عَنِ الشَّعْبِيِّ قَالَ: كَانَ سِتَّةٌ من اصحاب محمّدٍ ﷺ يتذاكرون الفقهَ بينهم، مِنْهُمْ على بن أبي طالب رضى الله تعالىٰ عنه وأُبَيّ رضى الله تعالىٰ عنه و أبو موسىٰ رضى الله تعالىٰ عنه علىٰ حِدَةٍ. وعمرُ رضى الله تعالىٰ عنه و زيدٌ رضى الله تعالىٰ عنه و ابنُ مسعود رضى الله تعالىٰ عنه علىٰ حِدَةٍ." (۲)

ہمیں خبر دی امام اعظم ابو حنیفہ نے، انھوں نے ہیثم بن ابی الہیثم صیرفی سے، انھوں نے امام شعبی سے، وہ فرماتے ہیں کہ: نبی کریم محمد ﷺ کے اصحاب میں سے چھ فقہا، فقہی مسائل میں باہم مذاکرہ کیا کرتے تھے، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت اُبی بن کعب اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس الگ ہوتی اور حضرت عمر، حضرت زید اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مجلس الگ ہوتی۔

حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل اسی کے مطابق تھا۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تاریخ الخلفا میں رقم طراز ہیں:

---

(۱) المصدر السابق.

(۲) كتاب الأثار [رقم الحديث: ۸۷۶] ص: ۸۳۱، ج: ۲، كتاب الادب/ باب فضائل الصحابة ومَن كان يتذاكر الفقه. ايضاً. ذكره الخوارزمى فى جامع المسانيد وعزاه للامام محمد فى كتاب الأثار ۲۰٤/۱، ونقله الشاه ولى الله الدهلوى رحمه الله تعالىٰ فى "إزالة الخفاء عن خلافة الخلفاء" ص: ۳۰۰، ج: ۳.

"میمون بن مہران کہتے ہیں: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی مقدمہ آتا تو آپ اس مسئلہ کو قرآن شریف میں تلاش فرماتے اور قرآن کریم کے موافق فیصلہ کرتے اور اگر قرآن شریف میں نہ ملتا تو سنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے موافق فیصلہ کرتے اور اگر سنتِ رسول اللہ میں کچھ نہ پاتے تو باہر نکل کر صحابہ سے دریافت کرتے کہ میرے پاس ایک ایسا مقدمہ آیا ہے کیا تم میں سے کوئی شخص جانتا ہے کہ ایسے مقدمے میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیا فیصلہ فرمایا ہے۔ پھر آپ کے پاس صحابہ جمع ہوجاتے اور وہ حضرات اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کوئی فیصلہ بیان فرماتے تو آپ اسی کے موافق تصفیہ کرتے اور خوش ہوکر خدا کا شکر بجالاتے کہ الحمد للہ! ہم میں ایسے اشخاص موجود ہیں جو نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث کو یاد رکھتے ہیں: "فان أعياه أن يجد فيه سنة عن رسول الله جمع رؤوس الناس وخيارهم فاستشارهم ، فإن أجمع أمرهم على رأى قضى بهم." اگر آپ کو کامل تفتیش کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی سنت نہ ملتی تو آپ بڑے بڑے صحابہ کو جمع کرکے ان سے مشورہ کرتے اور کسی ایک رائے پر سب کا اتفاق ہوجاتا تو اس کے مطابق فیصلہ سنادیتے۔

اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح کرتے کہ اول آپ قرآن وسنت پر نظر کرتے اگر وہاں مسئلہ کا پتہ نہ چلتا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فیصلہ کے موافق عمل کرتے اور اگر حضرت صدیق کا کوئی فیصلہ نہ پاتے تو آپ کبار صحابہ کو بلاتے، پھر جس بات پر سب کا اتفاق ہوجاتا اسی کو فیصلے کے طور پر نافذ کردیتے۔"(۱)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں فرماتے ہیں:

"كان من سيرة عمر رضى الله عنه أنه كان يشاور الصحابة ويناظرهم حتّٰى تنكشف الغمة ويأتيه الثّلج فصار غالب قضاياه وفتاواه مُتّبَعَةً فى مشارق الأرض و مغاربها."

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عادت کریمہ تھی کہ آپ صحابۂ کرام سے مشورہ اور مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ تردد کا بادل چھٹ جائے اور ایک حکم پر شرح صدر ہوجائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اکثر فیصلوں اور فتاویٰ کی تمام مشرق ومغرب میں پیروی کی گئی۔(۲)

خطیب بغدادی کی کتاب الفقيه والمتفقّه میں ہے:

"حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قاضی شُریح کے نام جو ہدایت نامہ جاری کیا تھا اس میں ایک ہدایت یہ تھی:

فان لم تعلم كل ماقضت به الأئمة المجتهدون فاجْتهِد رايك واستشِر اهلَ العلم

(۱) تاريخ الخلفاء ،ترجمة أبي بكر الصديق، ص:۳۲، تجار الكتب ، ممبئی.

(۲) حجة الله البالغة، ص:۱۳۲، ج:۱، باب كيفية تلقى الامّةِ الشرعَ من النبى صلى الله عليه وسلم، شركة امين، دهلى

والصلاح اھ.

اگر تمھیں امامت واجتہاد پر فائز صحابۂ کرام کے تمام فیصلے معلوم نہ ہو سکیں تو اجتہاد کرو اور اہل علم و صلاح سے مشورہ بھی کر لو۔"(۱)

بلکہ "کلامِ الٰہی" کے عموم واطلاق پر نظر کیجیے تو اجتماعی طور پر "فقہی مشاورت" کا یہ حکم خود کتاب اللہ میں موجود ہے، چناں چہ ارشاد ربانی ہے:

"وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ج"(۲)

اور اے محبوب کاموں میں ان سے مشورہ لو۔

"مشورہ" کے معنی ہیں کسی امر میں رائے دریافت کرنا۔

اس سے اجتماعی طور پر کسی امر میں ارباب علم وفقہ کی رائے معلوم کر کے حکم نکالنے کا ثبوت فراہم ہوتا ہے، ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کریمہ اور فرمانِ الٰہی کی تعمیل ہے۔

نیز ارشاد ربانی ہے:

"وَالَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ ص وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ص"(۳)

اور وہ [انصارِ کرام] جنھوں نے اپنے رب کا حکم مانا اور نماز قائم رکھی اور ان کا کام ان کے آپس کے مشورے سے ہے۔

حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: جو قوم مشورہ کرتی ہے وہ صحیح راہ پر پہنچتی ہے، یہ آیت حضرات انصار کے حق میں نازل ہوئی جنھوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر کے ایمان وطاعت کو اختیار کیا اور اپنے امور میں خود رائی نہیں کی۔ (ماخوذ از خزائن العرفان مع اضافہ)

اس آیۂ کریمہ سے دینی وفقہی امور میں مجلسِ مذاکرہ ومشاورت کے انعقاد کا استحسان ثابت ہوتا ہے۔

امیر المومنین فی الحدیث، امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فقہی ضابطے کی شرعی حیثیت بڑے جامع انداز میں اختصار کے ساتھ واضح کی ہے چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

بابُ قولِ اللهِ: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ ص وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ج، و ان المشاورة قبل العزم والتبيين ... وشاور النبي صلى الله عليه وسلم أصحابه يوم أحد في المقام والخروج فراوا له الخروج...

---

(۱) الفقيه والمتفقه للخطيب البغدادي، الجزء السادس، المكتبة الشاملة.

(۲) القرآن الحكيم، ۱۵۹، آلِ عمران: ۳.

(۳) القرآن الحكيم، ۳۸، الشورىٰ: ۴۲.

وكانت الأئمة بعد النبي صلى الله عليه وسلم يستشيرون الأمناء من أهل العلم فى الأمور المباحة لياخذوا بأسهلها، فإذا وضح الكتاب أو السنةُ لم يتعدوه إلى غيره اقتداءً بالنبي صلى الله عليه وسلم...

وكان القرّاء أصحاب مشورة عمر كهولًا كانوا أو شبابا وكان وقّافا عند كتاب الله. (۱)

اللہ عزوجل کے اس ارشاد کا بیان "اور ان کا کام آپس میں مشورہ کرنا ہے۔" اور فرمایا: "اور کاموں میں ان سے مشورہ کرو" اور مشورہ پختہ ارادے اور حقیقتِ حال ظاہر ہونے سے پہلے ہے... اور نبیِ اکرم ﷺ نے یومِ احد اپنے اصحاب سے مدینے میں رہ کر مدافعت کرنے یا باہر نکل کر مدافعت کرنے کے بارے میں مشورہ کیا۔ لوگوں نے باہر نکل کر مدافعت کی رائے دی...

اور نبی کریم ﷺ کے بعد ائمہ "علم دین کے امینوں" سے امورِ مباحہ میں مشورہ فرماتے؛ تاکہ ان میں سب سے زیادہ جو آسان ہو اسے اختیار کریں، جب کتاب یا سنت واضح ہو جاتی تو نبیِ اکرم ﷺ کی اقتدا میں اس کے غیر کی طرف نہیں بڑھتے۔

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شوریٰ کے ارکان علما ہوا کرتے تھے، خواہ وہ ادھیڑ عمر کے ہوں یا جوان اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کتاب اللہ کے حکم کے آگے ٹھہر جانے والے تھے۔ (ترجمہ صحیح بخاری)

سراج الامۃ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایسے ہی نصوص وارشادات اور حضرات خلفاے راشدین اور دوسرے فقہاے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی اسی سنت کی پیروی میں اپنے ماہر تلامذہ کی ایک عظیم الشان مجلسِ فقہ تشکیل دی تاکہ وہ فقہی مذاکرات ومناقشات کے ذریعہ "تدوینِ فقہ" کا کارنامہ انجام دے، اس مجلس میں بحث کے لیے باری باری ایک ایک مسئلہ پیش کیا جاتا تھا اور اخیر میں جس امر پر سب کا اتفاق ہو جاتا، اسے فقہی صحیفے میں درج کر لیا جاتا اور اگر کافی بحث وتمحیص کے بعد بھی کسی ایک قول پر سب کا اتفاق نہ ہو پاتا تو اختلاف کے ساتھ ان کے اقوال نوٹ کر لیے جاتے۔ سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وضعِ مسائل میں تنہا اپنی رائے کو اپنے طور پر فوقیت نہ دی۔ عارف باللہ امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ سراجیہ کے حوالے سے یہ انکشاف فرمایا ہے۔ عبارت یہ ہے:

"قد اتّفق لأبي حنيفة من الأصحاب مالم يتّفق لغيره وقد وضع مذهبهٗ شورىٰ ولم يستبد بوضع المسائل وإنما كان يلقيها على أصحابه مسألةً مسألة

---

(۱) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب قول الله "وأمرهم شورىٰ بينهم" الخ، ج:۲، ص:۱۰۹۵، ۱۰۹۶، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور.

فیعرف ماکان عندهم و یقول ماعنده و یناظرهم حتّٰی یستقرّ احد القولین، فیُثبِته أبو یوسف حتیٰ أثبت الأصول کلها وقد ادرك بفهمه ما عجزت عنه أصحاب القرائح اھ."(۱)

ترجمہ:- «امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جو تلامذہ ملے وہ دوسرے ائمہ کو نہ مل سکے، آپ نے ان کے مشورے سے اپنا مذہب وضع کیا اور تنہا اپنی رائے سے مسائلِ مذہب نہیں وضع کیے، آپ اپنے تلامذہ کے سامنے ایک ایک مسئلہ رکھتے پھر اس کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرتے اور اپنی رائے بھی انھیں بتادیتے اور اظہارِ حق کے لیے ان کے ساتھ بحث و مباحثہ فرماتے یہاں تک کہ سب کی رائے دو قولوں کے بجائے ایک قول پر جم جاتی۔ تب امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسے فقہی صحیفے میں درج فرمالیتے یہاں تک کہ تمام بنیادی مسائل کو درج فرمالیا اور خود امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی فہم سے ان باریکیوں کو پالیا جو دوسرے ارباب فہم و دانش نہ پاسکے۔»

اس بحث میں سب سے پہلے کتاب اللہ کی آیات سے تخریجِ احکام کی پوری کوشش ہوتی تھی، اس کے ظاہر، نص، مفسّر، محکم، خفی، مجمل، مؤول، مشترک، عام، خاص، عبارت، دلالت، اشارہ، اقتضا وغیرہ کسی سے بھی استخراج کی راہ نہ ملتی تو احادیثِ نبویہ سے اسی طور پر استخراجِ احکام کے لیے کوشش ہوتی، جب تمام تر کوششوں اور بحث و مناظرہ کے بعد بھی احادیث کریمہ سے زیر بحث مسئلے کے حکم کی طرف رہنمائی نہ ہو پاتی تو صحابۂ کرام کے اجماعی مسائل کی طرف توجہ ہوتی، جب اجماعی مسائل نہ ملتے تو فقہاے صحابہ کے مختلف فیہ مسائل میں جن کا قول اقویٰ، اوفق، ارفق، اشبہ ہوتا ان کی پیروی کی جاتی اور جب اس طرح کا بھی کوئی مسئلہ اصحاب نبی سے نہ مل پاتا تب اجتہاد فرماتے اور یہ اجتہاد بھی کتاب و سنت کی بنیادوں پر ہی ہوتا جیسا کہ آپ کے مذہب کے دلائل تلاش کرنے والے فقہا کی تحقیقات و تخریجات شاہد ہیں۔ امام عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مقدمۂ میزان الشریعۃ الکبریٰ میں، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے «الخیرات الحسان فی مناقب النعمان» میں امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے « تہذیب التہذیب » اور آپ کے دوسرے سوانح نگاروں نے اپنی اپنی تصنیفات میں سراج الامہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ طریقۂ اخذ و اجتہاد نقل کیا ہے۔

وكان رضي الله عنه يقول : إنا نأخذ أوّلا بالكتاب ثم بالسنّة ثم بأقضية الصحابة ونعمل بما يتفقون عليه فإن اختلفوا قسنا حكما على حكم بجامع العلّة بين المسئلتين حتّٰى يتضح المعنىٰ. وفي رواية أخرىٰ : إنا نعمل أوّلا بكتاب الله ثم بسنّة رسول الله ﷺ حتىٰ بأحاديث أبي بكر وعمر وعثمان وعلي رضى الله عنهم.

---

(۱) ميزان الشريعة الكبرىٰ، فصول في بيان ما ورد في ذم الرائ عن الشارع الخ، ج:۱، ص:۷۲، دار الكتب العلمية، بيروت ــ و ــ ص: ٥٦، مطبوعه استانبول، تركي.

وکان أبو مطيع يقول : كنت يوما عند الإمام أبي حنيفة في جامع الكوفة فدخل عليه سفيان الثوري ومقاتل بن حيّان و حمّاد بن سلمة وجعفر الصّادق وغيرهم من الفقهاء، فكلموا الإمام أبا حنيفة، وقالوا: قد بلغنا أنك تكثر من القياس فى الدين. فناظرهم الإمام، وقال : إنى اقدم العمل بالكتاب ثم بالسنّة ثم بأقضية الصّحابة مُقدِّما مااتفقوا عليه على مااختلفوا فيه وحينئذ أقيس ، ومما كان كتبه الخليفة أبو جعفر المنصور إلى الإمام أبي حنيفة: بلغني أنك تقدم القياس على الحديث ، فقال: ليس الأمر كما بلغك يا أمير المؤمنين! إنما أعمل أولاً بكتاب الله ثم بسنة رسول الله ﷺ ثم بأقضية أبي بكر و عمر وعثمان وعليّ رضي الله عنهم ثم بأقضية بقية الصحابة ثم أقيسُ بعد ذٰلك إذا اختلفوا۔[1]

ترجمہ: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم سب سے پہلے کتاب اللہ سے احکام اخذ کرتے ہیں، پھر سنتِ رسول اللہ سے، پھر صحابۂ کرام کے متفق علیہ فتاویٰ و فیصلوں سے، اور جس مسئلے میں ان کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تو ہم منطوق پر مسکوت کا قیاس دونوں کے درمیان علت کے اشتراک کی وجہ سے کرتے ہیں تاکہ حکم واضح ہو جائے۔

اور دوسری روایت میں ہے کہ ہم سب سے پہلے کتاب اللہ پر عمل کرتے ہیں، پھر سنتِ رسول اللہ پر، یہاں تک کہ حضرت ابو بکر صدیق و عمر فاروق و عثمان غنی و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی احادیث [فیصلے و فتاوے] پر بھی عمل کرتے ہیں۔

اور ابو مطیع فرمایا کرتے تھے کہ میں ایک روز کوفہ کی جامع مسجد میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضر تھا، آپ کے پاس امام سفیان ثوری، مقاتل بن حیّان، حماد بن سلمہ اور جعفر صادق وغیرہ فقہائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ تشریف لائے اور امام ابو حنیفہ سے گفتگو شروع کر دی، ان حضرات نے فرمایا کہ ہمیں خبر ملی ہے کہ آپ دین میں قیاس زیادہ کرتے ہیں تو امام ابو حنیفہ سے ان سے مناظرہ کیا اور اسی ضمن میں فرمایا کہ میں کتاب اللہ، پھر سنتِ رسول اللہ پر عمل کو فوقیت دیتا ہوں، اس کے بعد صحابۂ کرام کے متفق علیہ فیصلوں کو اختیار کرتا ہوں اور ان کے درمیان اختلاف ہونے کی صورت میں قیاس کرتا ہوں۔

خلیفہ ابو جعفر منصور نے بھی اپنے ایک مکتوب میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہی لکھا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ حدیث پر قیاس کو فوقیت دیتے ہیں، تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ امیر المومنین! واقعہ اس کے خلاف ہے

(۱) مقدمه ميزان الشريعة الكبرىٰ، ص:٦٣، ٦٤، فصلٌ فى بيان ضعف قول من نسب الامام أبا حنيفة إلى إنّهٗ يقدِّم القياس على حديث رسول الله ﷺ مطبع استانبول، تركى

۔میں توسب سے پہلے کتاب اللہ ہی پر عمل کرتا ہوں، پھر سنت رسول اللہ پر، پھر حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فیصلے پر، پھر بقیہ صحابۂ کرام کے فیصلے پر اور جب کسی مسئلے میں ان کے درمیان اختلاف ہوتا ہے تب قیاس کرتا ہوں۔ (مقدمۂ میزان الشریعۃ الکبریٰ)

تدوین فقہ کی یہ مجلس ۱۲۰ھ میں قائم ہوئی جو امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال ۱۵۰ھ تک جاری رہی، اس مجلس کے چالیس ارکان تھے جو مختلف علوم و فنون میں مہارت کاملہ رکھتے تھے یہ تعداد کبھی کم اور کبھی زیادہ بھی ہوجاتی تھی۔ ان میں سے چند ارکان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

(۱)۔امام اعظم ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ	وصال	۱۵۰ھ	صدر مجلس
(۲)۔امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۲ھ	ناظم مجلس
(۳)۔امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۹ھ	رکن
(۴)۔امام حسن بن زیاد لولوی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۲۰۴ھ	//
(۵)۔امام زفر بن ہذیل بن قیس العنبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۵۸ھ	//
(۶)۔امام عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۱ھ	//
(۷)۔امام یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۹۸ھ	//
(۸)۔امام فضیل بن عیاض بن مسعود تمیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۷ھ	//
(۹)۔امام عافیہ بن یزید اودی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۰ھ	//
(۱۰)۔امام اسد بن عمرو بجلی ابو عمرو رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۸ھ	//
(۱۱)۔امام داؤد بن نصیر ابو سلیمان کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۶۵ھ	//
(۱۲)۔امام قاسم بن معن بن عبد الرحمن ہذلی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۷۵ھ	//
(۱۳)۔امام علی بن مسہر کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۹ھ	//
(۱۴)۔امام یحییٰ بن زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۸۲ھ	//
(۱۵)۔امام وکیع بن جراح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۹۹ھ	//
(۱۶)۔امام حفص بن غیاث بن طلق نخعی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۹۴ھ	//
(۱۷)۔امام حبان بن علی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	//	۱۷۲ھ	//

مجلس شرعی نے اپنے اسلاف کرام کی اسی پاکیزہ روایت کی تجدید و احیا کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک ایک مسئلے پر پہلے فقہائے اہل سنت کی خدمات میں سوال نامے پیش کیے جاتے ہیں جن کے ذریعہ حقائق کو کھولنے اور

مسائل کے پیچیدہ گوشوں کو سلجھانے کی کوشش ہوتی ہے پھر ان کے بارے میں ان علما و فقہا کی تحقیقی آرا حاصل کی جاتی ہیں اور اس کے بعد سب کی آرا و دلائل کا خلاصہ مرتب کر کے مع مقالات سب کی خدمات میں نظر ثانی کے لیے پیش کیا جاتا ہے پھر مجلس مذاکرہ قائم ہوتی ہے۔ بسا اوقات ایک ایک مسئلہ کئی کئی سیمیناروں میں موضوع بحث رہتا ہے کہ ایک سیمینار میں کسی ایک قول پر اتفاق نہیں ہو پاتا اور بحث کا امکان باقی رہتا ہے، تو اسے دوسرے سیمینار کے لیے ملتوی کر دیا جاتا ہے پھر اگر بفضلہ تعالیٰ اتفاق ہو گیا تو اسے مع دلائل نوٹ کر لیا جاتا ہے اور اگر یہ محسوس کیا جاتا ہے کہ ہر طبقہ اپنی تحقیق پر قائم ہے اور اسے اپنی رائے پر شرح صدر حاصل ہے اور گھنٹوں مباحثے کے بعد بھی بحث آگے نہیں بڑھ رہی ہے تو ہر ایک کا موقف اختلاف کے ساتھ نوٹ کر لیا جاتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بیس سال کے دوران ایسا موقع صرف دو جزئی امور میں دو بار پیش آیا۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی عالم کو قرارداد کے کسی گوشے پر ذرا تردد ہوتا ہے تو ان سے گزارش کی جاتی ہے کہ وہ قرارداد پر اپنے دستخط ثبت نہ فرمائیں، جب تک کہ انھیں شرح صدر نہ حاصل ہو جائے مگر اس طویل عرصے میں ایسا اتفاق بھی صرف ایک دو بار پیش آیا اور ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کسی ایک دو اہم شخصیت کے موقف کو سب کا فیصلہ قرار دے دیا جائے۔

فیصلوں کو نوٹ کرنے کی ذمہ داری عموماً ایک متقی، پرہیز گار اور محقق عالم حضرت علامہ الحاج محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی کی رہی ہے، کیوں کہ وہ جامع، مختصر، بہتر اور واضح تعبیر پر اچھی قدرت رکھتے ہیں اور فقہی مسائل و حوادث میں ان کی نظر وسیع و دقیق بھی ہے۔ عموماً وہ جو تعبیر اختیار کرتے ہیں اس پر سب کا اتفاق ہو جاتا ہے۔ کم ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی لفظ پر کسی کو کلام ہو اور اس میں ترمیم کی جائے۔ موصوف مجلس شرعی کے سابق ناظم اور موجودہ صدر ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کسی صدر مجلس کا بہت اہم کام ہے۔

شروع شروع میں کچھ مسائل کے فیصلے محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ العالی سابق صدر مجلس شرعی و رکن فیصل بورڈ نے املا کرائے، وہ مسائل یہ ہیں:

(۱)۔ الکحل آمیز دواؤں اور رنگین چیزوں کے استعمال کا حکم۔

(۲)۔ بیمۂ زندگی کے احکام۔

(۳)۔ جبری و اختیاری بیمۂ اموال کے احکام۔

ان میں کہیں کہیں کچھ تعبیرات حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بھی ہیں۔

(۴)۔ مشترکہ سرمایہ کمپنی کے ایک خاص جز «مساواتی حصص کا حکم»۔

جینیٹک ٹیسٹ کا مسئلہ بیسویں فقہی سیمینار میں زیر بحث تھا اس کا فیصلہ عزیز سعید حضرت مولانا مفتی آلِ

مصطفیٰ مصباحی دام مجدہٗ نے کچھ علما کو ساتھ میں لے کر تحریر کیا ہے۔
کچھ فیصلے راقم الحروف نے بھی تحریر کیے ہیں جیسے۔
(۱) موجودہ دور میں زکاۃ کے سرمایے سے بیت المال کا قیام
(۲) انٹرنیٹ کے موادو مشمولات کا حکم۔
(۳) برقی کتابوں کی خرید و فروخت شرعی نقطۂ نظر سے۔
(۴) ڈی این اے ٹیسٹ کا حکم، وغیرہ۔

پہلے فقہی سیمینار سے تیرہویں فقہی سیمینار تک جو فیصلے لکھے گئے، ان میں صرف مسائل کے احکام بیان کیے گئے ہیں اور مسائل کی صورتِ حال اور ضرورت پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے، اس لیے ہم نے ایسے فیصلوں کے آغاز میں ضروری تشریحی نوٹ کا اضافہ کیا ہے تاکہ قارئین ان مسائل سے مانوس ہوں اور فیصلے کو سمجھنا آسان تر ہو جائے، یہ اضافہ تیرہ فیصلوں کے آغاز میں تمہید کی حیثیت سے ہے جسے فیصلوں سے ممتاز رکھنے کے لیے قوسین کے درمیان رکھا گیا ہے۔

چودھویں فقہی سیمینار سے بیسویں فقہی سیمینار تک کے فیصلوں میں مناسب تمہید کے ذریعہ یہ کمی پوری کر دی گئی ہے اس لیے وہاں الگ سے تشریحی نوٹ کا اضافہ نہیں کیا گیا۔

بہت سے مقامات پر فیصلوں میں تفسیر یا فقہ کی کتابوں یا کسی مقالے کا صرف حوالہ درج تھا اور وہاں نصوص فقہیہ و شرعیہ یا شرائط وغیرہ کو نقل نہیں کیا گیا تھا ہم نے ایسی بیشتر جگہوں پر وہ نصوص یا شرائط نقل کر دیے ہیں۔ جو فی الواقع ہمارا اضافہ نہیں بلکہ فیصلوں کی نشاندہی اور علما کی متفقہ رائے کی پیروی ہے۔

بعض مقامات پر فیصلے کے الفاظ دقیق اور مشکل ہو گئے تھے وہاں ہم نے توضیحی حاشیے کے ذریعہ انھیں آسان بنانے کی کوشش کی ہے۔

مجلس شرعی کے ارکان اور مندوبین مختلف طبائع وافکار اور صلاحیتوں کے لوگ ہوتے ہیں، فقیہ، ادیب، مورخ، سیاسی، معقولی، عاداتِ ناس اور احوالِ زمانہ پر نظر رکھنے والے، جدید ایجادات کے واقف کار، دور اندیش، عابد، زاہد اور محدود، وسیع، مثبت، منفی ہر طرح کی سوچ رکھنے والے، جلالی، جمالی، خوش طبع، خاموش طبع، کم گو۔ مسئلہ کسی نامانوس فن کا ہو تو اس کے ماہرین کا اضافہ، اس طرح سے بہت سے اوصاف اور خوبیوں کے جامع افراد کے مہیا ہونے اور اپنی فکر و تحقیق کو برملا ظاہر کرنے کی آزادی کی وجہ سے زیر بحث مسئلے کے تمام ظاہر اور خفی گوشے اجاگر ہو کر سامنے آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ایک وقت ایسا آتا ہے جب سب کو شرح صدر حاصل ہو جاتا ہے کہ اب حکم یہی ہے، اس وقت تجویز کے طور پر حکم کو نوٹ کر لیا جاتا ہے، پھر بعد میں جب بزم علما میں اسے دوبارہ

سنایا جاتا ہے تو اس وقت بھی اپنے خلجان، اشکال اور رائے بدل رہی ہو تو اس کے اظہار کا موقع دیا جاتا ہے۔ تعبیر میں کہیں بھی کسی کو کلام ہوتا ہے تو اسے بھی سنا جاتا ہے۔ ضرورت ہوتی ہے تو مناسب ترمیم بھی کی جاتی ہے، جب یہ مرحلہ بھی اذعان اور اتفاق کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتا ہے تب اسے فیصلے کی شکل دی جاتی ہے۔

جب کسی مسئلے پر بحث شروع ہوتی ہے تو تمام شرکاے سیمینار بڑے انہماک اور توجہ کے ساتھ بحثیں سنتے ہیں اور چھوٹے، بڑے کسی کی گفتگو میں کوئی بات قابل اعتراض نظر آتی ہے تو فوراً اس پر گرفت بھی کرتے ہیں اور اس وقت یہ خیال کسی کو بھی نہیں رہتا کہ وہ جس کی گرفت کر رہا ہے وہ کس پایے کے عالم، فقیہ یا محقق ہیں اور وہ کوئی سن رسیدہ بزرگ ہیں یا ہم عمر۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے کوئی معقول بات بھی کہی مگر اس پر کوئی دلیل نہیں پیش کی تو اس سے فوراً دلیل کا مطالبہ کیا جاتا ہے ایسے پچاسوں واقعات ہیں جو نہ سب مجھے یاد ہیں، نہ سب کو یہاں بیان کیا جا سکتا ہے بس سرِ دست تین نمونے ملاحظہ فرمائیں:

نمونہ (۱)

پیش نظر کتاب میں آپ ایک فیصلہ یہ پڑھیں گے کہ تعاملِ ناس کا اعتبار معاملات میں بھی ہے اور عبادات میں بھی۔ مگر اس فیصلے تک پہنچنے کے لیے کئی سیمیناروں تک مندوبین کو دقیق اور مشکل ابحاث کے راستوں سے گزرنا پڑا ہے، ایک بحث کا لطف آپ بھی اٹھائیے۔

ایک بار یہ بحث شروع ہو گئی کہ **"تعامل" صرف معاملات میں معتبر ہے یا عبادات میں بھی؟** اس بارے میں مندوبین دو طبقات میں تقسیم ہو گئے۔ ایک طبقہ معاملات و عبادات سب میں تعامل معتبر ہونے کا قائل تھا، جب کہ ایک بڑا طبقہ صرف معاملات تک ہی اسے معتبر مانتا تھا اور اتفاق سے متعدد اکابر علما و محققین کا رجحان بھی یہی تھا۔

اس موقف کی نمائندگی کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر صاحب دام مجدھم نے — جو ایک کہنہ مشق مفتی، جیّد عالم دین اور مناظر ہیں — فرمایا:

"تعامل" عمل سے بنا ہے اور معاملہ بھی عمل ہی سے بنا ہے، لہٰذا اس کی تاثیر صرف معاملات تک ہی محدود رہے گی، عبادات میں اس کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔

جب ان سے دلیل کا مطالبہ ہوا تو انھوں نے اپنے مقالے سے "فصول الحواشی شرح اصول الشاشی" کی ایک صریح عبارت پڑھ کر سنا دی جس میں تعامل کی تعریف کرتے ہوئے اسے معاملات کے ساتھ خاص بتایا گیا تھا۔

ایک تو مفتی صاحب کی گفتگو دماغ کو اپیل کر رہی تھی، دوسرے اس پر فصول الحواشی کی صراحت، سونے

پر سہاگہ کا کام کر رہی تھی اس لیے محققین و باحثین کی بھاری اکثریت ان کی ہم نوا ہو گئی۔
مگر جب اس تقریر پر گرفت کرتے ہوئے یہ معروضات پیش کیے گئے کہ:
▫ صاحب فصول الحواشی کون ہیں، اہلِ علم اور اربابِ فقہ کے نزدیک ان کا علمی پایہ اور فقہی مقام کیا ہے؟
▫ نیز فصول الحواشی کی یہ تعریف کثیر فقہی جزئیات اور بلند پایہ فقہا کے ارشادات کے معارض و مخالف ہے۔ ساتھ ہی فقہ و اصول کی کسی مستند و معتمد کتاب سے اس کی تائید بھی نہیں ہو رہی ہے، وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس میں متفرد ہیں اس لیے ان کی تائید میں کچھ دوسرے فقہا کی عبارتیں بھی ہونی چاہئیں۔
تو فوراً تمام باحثین و محققین تلاش و جستجو میں لگ گئے مگر جب کچھ بھی نہ ملا تو پھر وہ اپنے پہلے موقف پر پلٹ آئے ہاں کچھ دوسری حیثیتوں سے بحث کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ اس کے بعد جب دوسرے سیمینار میں اعلیٰ حضرت اور آپ کے والد ماجد علیہما الرحمہ کے صریح ارشادات عبادات میں تعامل کے معتبر ہونے کے سلسلے میں مل گئے تب بحثوں کا سلسلہ تھما اور سب کا ایک حکم پر اتفاق ہو گیا۔
یہاں سے چند باتیں معلوم ہوئیں:
(الف)- حضرت مفتی صاحب ایک تو بجائے خود محقق اور بلند رتبہ عالم دین، دوسرے وہ بہت سے اکابر و محققین کی نمائندگی فرما رہے تھے مگر ان سب سے بے پروا ہو کر ان کے قول و دلیل کی تنقید ہوئی اور سب نے اسے بشاشت کے ساتھ سنا۔
(ب)- یہ بھی معلوم ہوا کہ مجلس شرعی کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ اور آپ کے والد ماجد خاتم المحققین حضرت مولانا نقی علی خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تحقیقات پر کامل اعتماد ہے، یہی وجہ ہے کہ جو ابحاث کئی سیمیناروں تک تھمنے کا نام نہ لے رہی تھیں اور لگتا تھا کہ اب اختلاف کے ساتھ ہی فیصلہ نوٹ کرنا پڑے گا وہ ان دونوں بزرگوں کی تحقیقات کے آگے فوراً سرد پڑ گئیں اور فیصلہ وہی ہوا جو ان بزرگوں نے لکھا ہے۔
(ج)- کچھ کم و بیش ستر علما پوری تیاریوں کے ساتھ چھٹے سیمینار سے آٹھویں سیمینار تک اس مسئلے کے حل کے لیے جگر کاوی کرتے رہے تب جا کر وہ کسی نتیجے تک پہنچنے کے قریب ہو سکے تھے تاہم اختلاف فکر و نظر باقی تھا، اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ سیدی اعلیٰ حضرت اور علامہ نقی علی خاں علیہما الرحمہ نے اس مسئلے کے حل کے لیے کیسی جاں کاہ کوششیں فرمائی ہوں گی، اسی لیے ہم لوگ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو "فقیہِ بے مثال" کہتے ہیں۔
(د)- اس سے علمائے مجلس شرعی کا جذبۂ قبولِ حق بھی بہت نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے کہ تین سیمیناروں تک وہ جس موقف پر جمے رہے، حق واضح ہو جانے کے بعد فوراً اس سے رجوع کر لیا۔

نمونہ (۲)

فقہ کی تین اصطلاحات ہیں: ☆ضرورت۔ ☆حاجت۔ ☆حاجت بمنزلۂ ضرورت۔

ضرورت:-- سے مراد ہے انتہائی مجبوری کی وہ حالت جس میں ممنوع کا ارتکاب کیے بغیر کام نہ چل سکے اور بندہ کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ رہ جائے۔

حاجت:-- سے مراد مجبوری کی وہ حالت ہے جس میں ممنوع کا ارتکاب کیے بغیر بھی کام چل سکے اور چارۂ کار ہو مگر اس کے لیے سخت مشقت اور دشواری اٹھانی پڑے۔

حاجت بمنزلۂ ضرورت:- سے مراد مجبوری کی وہ حالت ہے جس میں بندہ در اصل ممنوع سے بچ سکے یعنی عذر ایسا ہے کہ بندہ کے لیے ممنوع سے بچنے کی گنجائش مشقت کے ساتھ ہو مگر کچھ خارجی اسباب کی بنا پر بعد میں وہ گنجائش ختم ہو جائے اور بندہ کے پاس کوئی چارۂ کار نہ رہ جائے۔

ایک سیمینار میں اسی "حاجت بمنزلۂ ضرورت" پر گفتگو چل رہی تھی مگر کتبِ فقہ میں اس کی تعریف نہ ملنے کی وجہ سے مندوبین میں اختلاف رائے تھا اور باہم رد وقدح کی فضا سے کسی کو طمانیتِ قلب نہیں حاصل ہو پا رہی تھی، اسی دوران نائب مفتی اعظم، شارح بخاری حضرت مولانا مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی تعریف میں وہ بات ارشاد فرمائی جو اوپر ہم نے درج کی ہے۔ حضرت نے یہ تعریف کوئی کتاب دیکھ کر نہیں، بلکہ از راہ تفقُّہ ارشاد فرمائی تھی اور بہت معقول تھی مگر پوری مجلس سے ایک ساتھ حوالہ پیش کرنے کا مطالبہ ہونے لگا۔

یہ مطالبہ نوجوان علما کا تھا جن سے بحثوں کے دوران کبھی کبھی حضرت بھی حوالے طلب فرماتے تھے اب ان کو زریں موقع مل گیا تھا اس لیے انھوں نے اپنے پڑھے ہوئے سبق کا اعادہ کر دیا۔

مگر حضرت شاگرد رشید تھے حضور حافظ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے، جن کی اصاغر نوازی، دل جوئی اور حوصلہ افزائی کے بے شمار واقعات ہیں، حضرت نے اپنے استاذ محترم سے علم بھی حاصل کیا تھا اور عمل بھی، اس لیے ناراض نہ ہوئے بلکہ سب کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے بے پناہ خوشی کا اظہار فرمایا اور خاص طور پر یہ ارشاد فرمایا کہ:

"مجھے تسلی ہو رہی ہے کہ آپ حضرات ہمارے بعد بھی تحقیق کا یہ بلند معیار برقرار رکھیں گے اور یہ کام اعلیٰ پیمانے پر جاری رہے گا۔"

حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے از راہ تفقہ "حاجت بمنزلۂ ضرورت" کی جو تعریف کی تھی، تلاش و جستجو کے بعد اسی مجلس میں وہ تعریف فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت میں مل گئی، جسے آپ فیصلے کے متن میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

نمونہ (۳)

حکومت ہند کے بینکوں میں جو روپے جمع کیے جاتے ہیں ان پر بینک اپنے دستور کے مطابق کچھ مقررہ

نفع بھی دیتے ہیں یہ نفع جب لیجر بک میں درج ہو جائے تو یہ کھاتے دار کی "ملک وقبضہ" کے لیے کافی ہو گا، یا نہیں؟ بلفظ دیگر لیجر بک میں نفع کا اندراج اس پر کھاتے دار کا "قبضہ" ہے یا نہیں؟

اس بارے میں مندوبین مختلف الرائے ہو گئے، کچھ اسے قبضہ اور مفید ملک مانتے تھے اور کچھ نہیں، مگر جب اسے "قبضہ" نہ ماننے والوں نے یہ وضاحت کی کہ فقہانے قبضہ کی تین قسمیں کی ہیں:

☆ قبضۂ حقیقی ☆ قبضۂ حکمی ☆ قبضۂ مجازی

اور لیجر بک میں اندراج ان تینوں میں سے کسی قسم کے تحت نہیں آتا، اور بینک کا نفع شرعی حیثیت سے "مالِ مباح" ہے اور مالِ مباح پر ملک ثابت ہونے کے لیے "ہاتھ سے قبضہ کرنا" ضروری ہے یعنی نفع جب ہاتھ میں آجائے تب ملکیت ثابت ہو گی۔ جیسے جنگل کی لکڑی اور خود رو گھاس کا یہی حکم ہے۔ اس پر تمام مندوبین نے اتفاق کر لیا۔

یہ قصہ چوتھے فقہی سیمینار کا ہے اور یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ اس "اتفاق" کے ساتھ ہی سیمینار کا وقت ختم ہو گیا مگر ابھی ناظم اجلاس نے کارروائی کے موقوف ہونے کا اعلان نہیں کیا تھا کہ حضرت عزیز ملت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی سرپرست مجلس شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ نے یہ اشکال قائم کر دیا کہ:

"مالِ مباح پر جو قبضہ کرلے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے۔" تو فرض کیا جائے کہ کسی کے کھاتے میں صرف نفع کی رقم باقی رہ گئی ہے، اس رقم کا چیک کاٹ کر کسی کو اس نے دیا کہ "تم نکال لاؤ" تو نکالنے والا ہی اس کا مالک ہو جائے گا جیسے جنگل کی گھاس کاٹنے کا کسی کو وکیل بنایا تو وکیل گھاس کاٹ کر خود ہی مالک ہو جائے گا اور ایسے مال کی توکیل ہی باطل ہے۔"

یہ بہت ہی قوی اشکال تھا اور اس کو حل کیے بغیر اس متفقہ رائے کی کوئی حیثیت نہ تھی، مگر دشواری یہ تھی کہ کسی کے پاس اس کا کوئی معقول جواب بھی نہ تھا، خیریت یہ ہوئی کہ سیمینار کا وقت ختم ہو چکا تھا اس لیے یہ کہہ کر سب نے ٹھنڈی سانس لی کہ اب آئندہ سیمینار میں اس پر گفتگو ہو گی۔

پھر پانچویں فقہی سیمینار میں اس پر بحث شروع ہو گئی، یہ بس اللہ عزوجل کی توفیق ہے کہ راقم ہدایہ کا مطالعہ کرتے کرتے "بابُ احیاء الموات" تک پہنچ گیا اور وہاں ایک صریح جزئیہ مل گیا جو اس اشکال کا واضح جواب تھا اور اس مسئلے پر پوری طرح منطبق بھی تھا اسے ہم نے اپنے تنقیحی مقالے میں لکھ کر اس توقع کے ساتھ پیش کیا کہ انشاء اللہ اب اس پر کوئی بحث نہ ہو گی مگر وہ سیمینار کیا جس میں بحث نہ ہو اس پر اعلیٰ سطحی بحث شروع ہو گئی یعنی محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری اور عمدۃ المحققین حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہما کے درمیان، ہم لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ جب کسی مسئلے میں اعلیٰ سطحی بحث جاری ہو جاتی تو ابتداءً خاموش

ہو جاتے، کچھ گنجائش ملتی تو بعد میں بولتے ورنہ جدھر کا پلہ قوتِ دلیل کی وجہ سے بھاری ہوتا اُدھر ہی جھک جاتے مگر یہاں تھوڑی ہی دیر میں، دونوں بزرگوں نے اتفاق کر لیا اور کلام کی کوئی گنجائش تھی نہیں اس لیے انشراحِ صدر کے ساتھ سب نے قبول کر لیا، اب آپ کے ہاتھوں میں ان بحثوں کا مغز ہے اس سے استفادہ کیجیے۔

ایسی بہت ساری بحثیں ہوئی ہیں اور اب بھی ہوتی ہیں کہ آپ سنیں تو لطف اندوز ہوں اور اگر آپ اس کا چشم دید نظارہ کرنا چاہیں تو مجلس شرعی کے "فقہی مذاکرات" میں تشریف لائیں، ہم تو یہاں صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ تمام شرکاے سیمینار بحثوں پر گہری اور تنقیدی نظر رکھتے ہیں، پھر ہم نے یہ صرف ایک حیثیت سے گہری نظر رکھنے کے نمونے پیش کیے ہیں، ورنہ حق یہ ہے کہ بحثیں مختلف جہات سے ہوتی ہیں اور ہمارے مندوبین ہر جہت سے بحث کے لیے تیار رہتے ہیں، استدلال میں پیش ہونے والی عبارتوں، ان سے اخذ کیے جانے والے نتائج اور مصنفین کے علمی و فقہی مراتب اور اس طرح کے دوسرے تمام ضروری گوشوں پر کڑی نظر رکھتے ہیں، پھر بحثوں پر کڑی نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ دقتِ نظر کا مظاہرہ بھی فرماتے ہیں، خداے پاک ان کے اَمثال اور بہتر اَمثال سے جماعت کو سرخرو رکھے اور مجلس شرعی کو "لن یخلو الوجود عمّن یمیّز حقیقۃً لا ظنًّا" کا سچا مصداق بنائے آمین۔ جس اخلاص کے ساتھ یہ کام ہو رہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے یہ ہمیشہ قوم و ملت کے لیے بار آور رہے گا، جیسا کہ ماضی میں تھا اور آج بھی ہے۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

سوال نامے کے انتخاب اور تحقیق و ترتیب سے لے کر فیصلے کی منزل تک پہنچنے کے لیے جو عرق ریزی اور جگر سوزی کرنی پڑتی ہے اسے خدا جانتا ہے۔ خداے پاک اپنے ناتواں بندوں کی یہ علمی خدمات قبول فرمائے اور کہیں بھی کوئی کمی ہو تو اپنے فضلِ خاص سے اس کے تدارک کی توفیق بخشے۔

کام وہ لے لیجیے تم کو جو راضی کرے ٹھیک ہو نامِ رضا تم پہ کروڑوں درود

بیس سال کے عرصے میں بیس فقہی سیمینار منعقد ہوئے جن میں پندرہ سیمینار جامعہ اشرفیہ کے احاطے میں اور پانچ سیمینار ممبئی، اندور، مہاپولی، بھیونڈی اور علی گڑھ میں ہوئے۔ مجموعی طور پر ان سیمیناروں میں ۶۰/ مسائل کے فیصلے ہوئے ان میں بیش تر مسائل ایسے ہیں جن کی تحقیق و تنقیح کے بعد اصل مذہب کے مطابق ان کا حکم بیان کیا گیا ہے اور مسئلہ کفاءت میں اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع ہوا ہے۔

دس مسئلوں میں اپنے اصل مذہب سے مکمل یا من وجہٍ عدول ہے مگر یہ عدول شریعت کی ان سات بنیادوں کے پیش نظر کیا گیا ہے جن کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، ان سات بنیادوں کی تشریح و تاثیر "اسبابِ ستہ کی تنقیح" کے تحت فیصلے میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے، پھر یہ عدول کہیں فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی پیروی میں کیا گیا ہے، اور کہیں بعد کے اکابر کی پیروی میں۔

دیہات میں جمعہ کی نماز پڑھنے کی اجازت امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت نادرہ پر دی گئی ہے اور یہ اجازت فتاویٰ رضویہ جلد سوم، ص: ۷۰۲، ۷۰۳ میں خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے دی ہے۔

"فقدانِ زوج" کی صورت میں حضور سیدی مفتیِ اعظم ہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے اکابر اہلِ سنت قدست اسرارھم نے ضرورت و مصلحت کی بنا پر مذہبِ امام مالک پر فسخِ نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ یوں ہی معدومۃ النفقہ کے نکاح کے فسخ کی اجازت مذہبِ امام شافعی پر ضرورت و مصلحت کی وجہ سے اکابر نے ہی دی ہے۔ «تالاب اور باغات کا ٹھیکہ» بوجہ عمومِ بلویٰ خود فتاویٰ رضویہ میں جائز بتایا گیا ہے۔ الکحل آمیز دواؤں اور چیزوں کے استعمال کی اجازت مجلس شرعی کے فیصل بورڈ نے دی ہے جس کے صدر جانشین مفتیِ اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دام ظلہ العالی ہیں۔ مسائل حج کے عنوان کے تحت آپ جوان خسر کے ساتھ بہو کا اور داماد کے ساتھ جوان ساس کا سفر ممنوع دیکھیں گے۔ حالاں کہ اصل مذہب میں یہ سفر جائز ہے مگر بعد میں فقہائے حنفیہ نے اور اس دورِ اخیر میں ہمارے اکابر نے حالاتِ زمانہ کے خراب ہو جانے کے باعث ممانعت کا فرمان صادر کیا۔ حضور سیدی مفتیِ اعظم ہند کا بھی یہی فتویٰ ہے، اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ایک فتوے سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ مجلس شرعی نے یہ فیصلہ انھیں فقہا و اکابر کی پیروی میں کیا ہے۔

فلیٹوں کی خرید و فروخت اور بیع در بیع والے مسائل میں بیش تر صورتوں میں اصل مذہب کی رعایت ہے البتہ بیع استصناع والے مسئلے میں بوجہ حاجت شرعیہ صاحبین کا مسلک اختیار کیا گیا ہے اور اب کچھ دوسرے علمائے اہل سنت نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

چلتی ٹرین میں فرض اور واجب نمازوں کے جواز کا حکم بادی النظر میں مذہب سے عدول معلوم ہو سکتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ فتاویٰ رضویہ کے مفہوم مخالف کی بنیاد پر ہے اور عہد صحابہ سے لے کر آج تک مفہوم مخالف حجت رہا ہے اور اس سے استدلال اتباع کی ہی ایک قسم ہے، یہ ہرگز اختلاف یا عدول نہیں ہے، صرف "فرق احکام" کی شکل دیکھ کر اس پر اختلاف کا حکم لگانا ناانصافی ہے۔ ہم اس «فقہی گوشے» کی وضاحت اور تفہیم کے لیے ایک مستقل مضمون «فقہی اختلافات کے حدود» شاملِ اشاعت کر رہے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے مطالعہ سے ہر منصف کو تشفی حاصل ہوگی۔

حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے احکام میں تبدیلی عہدِ رسالت سے آج تک جاری ہے

شریعت کے احکام دو طرح کے ہیں، کچھ احکام تو کبھی نہیں بدلتے جیسے نماز، روزہ، زکاۃ و حج کی فرضیت وغیرہ۔

اور زیادہ تر احکام ضرورت، حاجت، عموم بلویٰ، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت وغیرہ اسباب کی بنیاد پر بدل جاتے ہیں بلکہ کتنے بدل چکے ہیں۔ عہدِ رسالت سے لے کر آج تک اس کے بے شمار نظائر ہیں خود سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے عہد میں پہلے کے بہت سے احکام میں تبدیلی ہوئی، جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے۔ پھر آپ کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا اور فتاویٰ رضویہ شریف کے کئی ایک مسائل بعد کے اکابر اہلِ سنت کے فتاویٰ یا تصدیقات و توثیقات کے ذریعہ بدل گئے۔ ہم اس کے ثبوت میں یہاں مسائل فسخ و تفریق کے تعلق سے اکابر اہلِ سنت کی ایک متفقہ قرار داد بنام "قُضاۃ کے فرائض و مسائل" پیش کرتے ہیں۔

جماعتِ اہلِ سنت کے نام ور مفکر و محقق حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

قُضاۃ کے فرائض و مسائل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الیٰ سادۃِ علماء الاسلام

سالِ گزشتہ دار القُضاۃ کے قیام کے سلسلے میں مشاہیر علمائے اہلِ سنت سے ایک استفتا کیا گیا تھا جس کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے:

(۱)- آج کے ہندوستان میں اپنے ان معاملات کے فیصلے کے لیے جن میں "مسلمان حاکم" ہونے کی شرط ہے، جمہور مسلمین کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی عالمِ باشرع کو اپنا قاضی مقرر کر لیں۔ ایسے قاضی کا فیصلہ اپنے حدودِ خاص میں جائز و نافذ ہوگا۔ (شامی، جامع الفصولین، فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت)

(۲)- مفقود الخبر، معدومۃ النفقہ، عِنّین، مجنون، مظلومہ، مُعلَّقہ وغیرہا مسائل میں ازروے شرع مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی عورت کی درخواست پر زن و شوہر کے درمیان تفریق بھی کرا سکتا ہے اور عند الضرورۃ الشّدیدۃ غائب پر حکم بھی نافذ کر سکتا ہے۔ (فتح القدیر، شامی، جامع الرموز، مجمع الانہر)

(۳)- مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی بہ شرائط مخصوصہ و معہودہ فریقین کے بیانات سننے کے بعد اپنی صواب دید پر مقدمات کا فیصلہ کر سکتا ہے اور شرعاً اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ (شامی وغیرہ)

مذکورہ بالا جوابات کی جن علمائے اہلِ سنت نے توثیق فرمائی تھی، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

۱. تاج دارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ
۲. سید العلما حضرت مولانا سید شاہ آلِ مصطفیٰ صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ
۳. امینِ شریعت حضرت مولانا مفتی رفاقت حسین صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ
۴. حافظِ ملت حضرت مولانا عبد العزیز صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ

۵. مجاہدِ ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ دامت برکاتہم
۶. حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ جون پوری دام ظلہ العالی
۷. حضرت علامہ الحاج عبد الرشید خان صاحب قبلہ مفتیِ ناگ پور دام ظلہ العالی
۸. حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی مفتیِ اشرفیہ، مبارک پور، دام ظلہ العالی

دار القضاۃ کے قیام اور قاضی کے اختیارات کا مسئلہ طے ہو جانے کے بعد اب دار القضاۃ کے جزئیات اور مختلف اصنافِ قضا کے طریقۂ کار کے متعلق مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں۔ از راہِ کرم تفصیلی جواب دے کر ممنون فرمائیں۔

۱. شریعت میں فرقت بین الزوجین کی کتنی ممکن صورتیں ہیں؟
۲. ان ممکن صورتوں میں کتنی صورتیں ایسی ہیں جن میں قضائے قاضی شرط نہیں؟
۳. ان ممکن صورتوں میں کتنی صورتیں فسخ کے حکم میں ہیں اور کتنی صورتیں طلاق کے حکم میں ہیں۔
۴. فرقت کی ان تمام صورتوں کو عمل میں لانے کے لیے فقہی ضابطے کیا ہیں، الگ الگ تفصیل وار بیان کیے جائیں؟
۵. کتنی شکلیں ایسی ہیں جن میں بیوی نصف دین مہر کی مستحق ہے؟
۶. کتنی شکلیں ایسی ہیں جن میں بیوی کا سارا دین مہر ساقط ہو جاتا ہے؟
۷. شہادات وتنقیحات کے سلسلے میں مرکزی قاضی کیا اپنے کسی نائب پر بھروسہ واعتماد کر کے فیصلہ کر سکتا ہے، جو ملک کے دور دراز حصوں سے اس کے پاس بھیجی جائیں؟
مدلل طور پر اسے واضح کیا جائے۔

المستفتی: ارشد القادری
ناظمِ اعلیٰ ادارۂ شرعیہ، بہار پٹنہ، ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء

الجواب (۱)

(۱) -فرقت بین الزوجین کی کل ممکن صورتیں تیئیس ۲۳ ہیں:

-۱- معدومۃ النفقہ -۲- مفقود الخبر -۳- خیارِ بلوغ -۴- عدم کفاءت -۵- نقصانِ مہر -۶- فسادِ نکاح -۷- حرمتِ مصاہرت من الزوج -۸- حرمت مصاہرت من الزوجہ -۹- ملک احد الزوجین -۱۰- ارتداد من احدِ الجانبین -۱۱- خیارِ عتق -۱۲- لعان -۱۳- ایلاء -۱۴- جب -۱۵- اباء الزوج او الزوجۃ عن الاسلام

(۱) یہ فتویٰ مجھے جس طور پر ملا میں نے من وعن اسی طور پر شائع کر دیا ہے۔ (مرتب غفرلہ)

-۱۶-عنّت -۱۷-خصاء -۱۸-خنوثت -۱۹-جنون -۲۰-جذام -۲۱-برص -۲۲-خلع -۲۳-طلاق۔

(۲)-پندرہ^۱۵ صورتیں وہ ہیں جن میں قضائے قاضی شرط ہے۔

-۱-معدومۃ النفقہ -۲- مفقود الخبر -۳-خیارِ بلوغ -۴-عدم کفاءت -۵-فسادِ نکاح -۶-جب -۷-لعان -۸- اباء الزوج او الزوجۃ عن الاسلام -۹- عنّت -۱۰-خصاء -۱۱-خنوثت -۱۲-جذام -۱۳-جنون -۱۴-برص -۱۵-نقصان مہر۔

نو^(۹) صورتیں وہ ہیں جن میں قضائے قاضی شرط نہیں۔

-۱-خیار عتق -۲-ایلاء -۳-خلع -۴-ملک احد الزوجین -۵-ارتداد -۶-طلاق -۸،۷-حرمتِ مصاہرت من الزوج او الزوجین -۹-اباء الزوجۃ عن الاسلام۔

نمبر ۷ اور ۸ میں مُتارکہ وقضائے قاضی دونوں ہی صورتیں ہیں، جن کی تفصیل آگے آئے گی۔

(۳)-دس^۱۰ صورتیں فسخ کے حکم میں ہیں:

-۱-خیارِ بلوغ -۲-عدم کفاءت -۳-نقصانِ مہر -۴-حرمت مصاہرت من الزوج -۵-حرمت مصاہرت من الزوجہ -۶-ملک احد الزوجین -۷-ارتداد الزوج او الزوجہ -۸-خیار عتق -۹-اباء الزوجۃ عن الاسلام -۱۰-فسادِ نکاح۔

بارہ^۱۲ صورتیں طلاق کے حکم میں ہیں:

-۱-لعان -۲-ایلاء -۳-اباء الزوج عن الاسلام -۴-جب -۵-عنت -۶-خنوثت -۷-خصاء -۸-جنون -۹-جذام -۱۰-برص -۱۱-معدومۃ النفقہ -۱۲-خلع

نوٹ: مفقود الخبر کی صورت نہ طلاق کے حکم میں ہے نہ فسخ کے، بلکہ یہ موت کے حکم میں ہے۔

(۴)- فرقت کی ان تمام ممکن صورتوں کو عمل میں لانے کے لیے فقہی ضابطے حسب ترتیب مذکور مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱)-**معدومۃ النفقہ:** یعنی ایسی عورت جس کو شوہر کی جانب سے نان ونفقہ نہ ملتے ہوں، اس کی دو صورتیں ہیں:

[الف]-شوہر موجود ہے، مگر افلاس وغربت کی وجہ سے اپنی بیوی کو نان ونفقہ دینے سے عاجز ہے، ایسی صورت میں اگر عورت قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی بعد ثبوتِ عجز، زن وشو کے درمیان تفریق کردے۔

[ب]-شوہر نان ونفقہ دینے پر قادر ہے، مگر غائب ہونے کی وجہ سے نان ونفقہ نہیں دے رہا ہے اور عورت شوہر کے مال سے نان ونفقہ وغیرہ حاصل کرنے پر قدرت بھی نہیں رکھتی ہے تو ایسی صورت میں اگر

عورت قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو بعدِ ثبوتِ صحت دعویٰ قاضی زن و شو کے درمیان تفریق کر دے۔
یہ دونوں صورتیں حضرت امام شافعی کے مسلک پر ہیں۔ لیکن ضرورت اور مصلحت کے پیشِ نظر ہمارے کچھ علمانے اس پر فتویٰ دیا ہے جیسا کہ مجمع الانہر میں ہے:

"وَلَا يفرِّق القاضي بين الزوجين لعجزه أي الزّوج عن النفقة وَلا بِعدمِ إيفاء الزوج حَال كونه غائبا حقّها ولوكان الزوج موسرا لان العجز من الإنفاق لا يؤجب الفراق خلافاً للشافعي فإنّه قال القاضي يُفَرِّق بينهما بالعجز عن النفقة ان طلبت الفُرقَةَ وهذا فيما إذا كان حاضرا و ثبت إعساره عند القاضي وأمّا إذا كان غائباً فالتفريقُ عنده لعدم إيفائه حقّها من النفقة ولو كان موسرا لا يعجزه عن النفقة ، صرّح بهذا في غاية القصوىٰ ، قال في شرحه : لو غاب الزوج حال كونه قادرا على اداء النفقة ولكن لا يوفي حقّها فاظهر الوجهين انه لا فسخ فيه ولكن يبعث الحاكم الى حاكم بلده ليطالبه إن كان موضعه معلوماً.

والثاني ثبوت الفسخ وإليه مال جمع من أصحابنا وأفتوا بذالك للمصلحة كما في الدرر فلا يرد عليه ما في الذخيرة من أن العجز لا يعرف حالة الغيبة لجواز ان يكون قادرا فيكون هذا ترك الإنفاق لاالعجز عن الإنفاق.الخ [1]

(۲)۔مفقود الخبر: یعنی جس عورت کا شوہر غائب ہو اور یہ پتہ نہ ہو کہ کہاں ہے، ایسی صورت میں عورت کو حق ہے کہ قاضی یا حاکمِ شرع کے حضور استغاثہ پیش کرے اور قاضی بعدِ ثبوت دعویٰ، روزِ مرافعہ (نالش) سے چار سال کی مہلت دے۔ اب اگر اس درمیان میں شوہر کا پتہ نہ چل سکا اور چار سال کی مدت گزر گئی تو قاضی کو حق ہوگا کہ تفریق کر دے۔ یہ صورت حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک پر ہے۔ مگر ضرورت و مصلحت کے وقت مذہبِ امام مالک پر عمل کرتے ہوئے قاضی حنفی بھی تفریق کر سکتا ہے، جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمہ نے رد المحتار میں مسئلہ ممتدۃ الطہر کے بیان میں تحریر فرمایا ہے:

قال الزاهدي: وقد كان بعض أصحابنا يُفتون بقول مالكٍ في هذه المسئلة للضرورة اه. ثم رأيت ما بحثته بعينه ذكره محشي مسكين عن السيد الحموي وسياتي نظير هذه المسئلة في زوجة المفقود حيث قيل : انه يفتى بقول مالك أنّها تعتد عدّة الوفاة بعد مضىٰ اربع سنين. [2]

(۱) مجمع الأنهر، ج:۱، ص: ۴۹۰، باب النفقه، بيروت
(۲) رد المحتار، ج:۵، ص: ۱۴۸، كتاب الطلاق، باب العدة مطلب في الافتاء بالضعيف. دار

ایک دوسری جگہ مسئلۂ قضا میں تحریر فرماتے ہیں:

وكذا ما في الفتح من باب المفقود لا يجوز القضاء على الغائب إلا إذا رأى القاضي مصلحة في الحكم له وعليه فَحَكَمَ فإنه ينفذ لانه مجتهد فيه الخ. قلت: وظاهره لو كان القاضي حنفيا ولو في زماننا، ولاينافى مامرلأن تجويز هذه للمصلحة والضرورة.(۱)

(۳) خیار بلوغ: یعنی زوجین صغیرین کا نکاح باپ اور دادا کے علاوہ جس کسی نے بھی کرایا ہو تو ایسی صورت میں لڑکا اور لڑکی دونوں کو بعدِ بلوغ، نکاح کے برقرار رکھنے اور نہ رکھنے کا حق ہوتا ہے۔ اس کی چند صورتیں ہیں:-۱-باکرہ -۲-امرد قریب البلوغ -۳-ثیبہ۔

صغیرہ باکرہ کو خیارِ بلوغ کا حق جب ہوگا کہ وقتِ بلوغ یا وقتِ علمِ نکاح بعدِ بلوغ (جب کہ نکاح کا علم پہلے سے نہ ہو) فوراً کسی گواہ کے سامنے یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کیا۔ اگر کوئی لڑکی رات میں بالغ ہوئی اور اس وقت اس کے پاس کوئی گواہ نہیں تو اپنی زبان سے اس وقت یہ کہے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کیا، پھر صبح گواہ کے سامنے یہ کہے کہ میں نے اس وقت حیض کا خون دیکھا اور میں نے اپنا نکاح فسخ کیا، پھر قاضی کے پاس گواہ کی موجودگی میں یہ بیان دے کہ میں نے وقتِ بلوغ یا وقت علم نکاح بعدِ بلوغ اپنا نکاح فسخ کیا۔

فتح القدیر میں ہے:

وخيار البلوغ في حق البكر لا يمتد الى آخر المجلس بل يبطل بمجرد سكوتها والمراد بالمجلس مجلس بلوغها بأن حاضت في مجلس وقد كان بلغها النكاح أو مجلس بلوغ خبر النكاح إذا كانت بكرا بالغة(الى ان قال)فإن رأته ليلا تطلب بلسانها فتقول: «فسخت نكاحي» وتشهد إذا اصبحت وتقول رأيت الدم الأن.(۲)

امرد قریبِ بلوغ اور ثیبہ کو خیارِ بلوغ کا حق اس وقت تک رہے گا جب تک صراحۃً یا دلالۃً رضا ظاہر نہ ہو جائے۔ مجمع الانہر میں ہے:

وخيار الغلام والثيب لايبطل بالسكوت اعتباراً لهذه الحالة بِحَالَةِ ابتداء النكاح، وكذا لا يبطل لو قاما عن المجلس مالم يرضيا صريحًا كرضيتُ ودلالة

إحياء التراث العربي، بيروت

(۱) رد المحتار، ص:۱۰۷، ج:۸، مطلب المسائل التي يكون القضاء فيها.

(۲) فتح القدير، كتاب النكاح، ج:۳، ص:۲۷۱، ۲۷۲، بركاتِ رضا، پور بندر، گجرات.

كاعطاء المهر و قبوله.[1]

(۴)-عدم کفاءت: یعنی جب کوئی لڑکی اپنا نکاح بذاتِ خود کسی ایسے مرد سے کرے جو اس کا کفو نہ ہو تو ایسی صورت میں لڑکی کے اولیا کو یہ حق ہوگا کہ قاضی کے پاس نالش دائر کر کے نکاح فسخ کرائیں بشرطے کہ وہ لڑکی صاحبِ اولاد نہ ہوئی ہو نیز یہ بھی شرط ہے کہ لڑکی کے اولیا کی طرف سے بعدِ نکاح صراحۃً یا دلالۃً رضا ظاہر نہ ہوئی ہو، مگر فتویٰ اس پر ہے کہ ایسا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوتا،[2] جیسا کہ ملتقی الابحر میں ہے:

وله الاعتراض في غير الكفو وروى الحسن عن الإمام عدم جوازه وعليه فتوىٰ قاضي خان.[3]

اس کی شرح مجمع الانہر میں ہے:

وهذا أصح وأحوط والمختار للفتوىٰ في زماننا.[4]

(۵)-نقصانِ مہر: یعنی جب کوئی بالغہ لڑکی مہرِ مثل سے کم پر خود اپنا نکاح کرے تو ایسی صورت میں اس کے اولیا کو یہ حق ہوگا کہ یا تو مہرِ مثل پورا کرائیں یا قاضی کے پاس نالش کر کے تفریق کرائیں۔

شرح وقایہ بحث کفاءۃ میں ص:۳۰ پر ہے:

وإن نكحت باقل من مهرها أي من مهر مثلها فللولي الإعتراض حتى يُتِمَّ أو يفرق.[5]

(۶)- فسادِ نکاح: یعنی جب مرد و عورت نے بغیر گواہ کے نکاح کیا یا نکاحِ صحیح کے بعد زوجین میں سے کسی سے منافیِ نکاح کوئی امر پایا گیا، مثلاً مرد نے اپنی ساس کو شہوت کے ساتھ چھوا، یا عورت نے شوہر کی اولاد کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا، ایسی صورت میں اگر شوہر متارکہ نہ کرے تو قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرائے۔

كما في الكتب الفقهية۔

---

(۱) مجمع الانهر، ص:۳۳٦، ج:۱، كتاب النكاح / باب الاكفاء.

(۲) یہ حکم پہلے تھا اور اب حالاتِ زمانہ بہت زیادہ بدل جانے کی وجہ سے مجلس شرعی کے انیسویں فقہی سیمینار میں اصل مذہب حنفی پر فتویٰ دینے کا فیصلہ ہوا، اصل مذہبِ حنفی یہ ہے کہ عاقلہ، بالغہ بے اذن ولی غیر کفو سے نکاح کر لے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ ولی کو اختیار ہوگا کہ قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر کے اسے فسخ کرا دے۔ تفصیل کے لیے ص:۴۱۴-تا-ص:۴۲۰ پر اصل فیصلہ پڑھیے۔ (مرتب غفرلہ)

(۳) ملتقى الابحر، ص:۲۳۲، ج:۱، كتاب النكاح باب الأولياء والاكفاء، بيروت.

(۴) ملتقى الابحر، ص:۲۳۲، ج:۱، كتاب النكاح باب الأولياء والاكفاء، بيروت.

(۵) شرح الوقايه، ص:۳٤، ج:۲، كتاب النكاح، مجلس البركات، مبارك پور.

(۷)-حرمتِ مصاہرت من الزوج: یعنی جب کسی مرد نے اپنی ساس کو شہوت کے ساتھ چھوا وغیرہ۔

(۸)-حرمتِ مصاہرت من الزوجہ: یعنی جب کسی عورت نے شوہر کی اولاد کا شہوت کے ساتھ بوسہ لیا وغیرہ۔ توان دونوں صورتوں میں شوہر کو لازم ہے کہ متارکہ کرنے اور اگر شوہر متارکہ نہ کرے تو عورت پر لازم ہے کہ قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرائے۔ عورت بذاتِ خود نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں رکھتی ہے۔ واضح رہے کہ فسادِ نکاح دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک: اصل عقد میں فساد جیسے عورت و مرد کا بغیر گواہ کے نکاح کرنا یا محارم کے ساتھ نکاح کرنا وغیرہ، ایسی صورت میں دونوں ہی کو فسخ نکاح کا اختیار ہے۔ دوسرا: نکاح کے متحقق ہو جانے کے بعد فساد کا پیدا ہونا تو اس ثانی صورت میں شوہر پر ضروری ہے کہ متارکہ کرے یعنی اپنی زبان سے یہ کہے کہ میں نے تجھ کو چھوڑا اور اگر شوہر متارکہ نہ کرے تو عورت پر ضروری ہے کہ قاضی کے پاس نالش دائر کرے اور قاضی ثبوت لے۔ اگر دو گواہان عادل سے حرمتِ مصاہرت کا ثبوت ہو جائے تو قاضی دونوں مرد و عورت میں تفریق کر دے۔ اور یومِ تفریق سے تین حیض کی مدت گزار لے جب کہ مدخولہ ہو۔

فتاویٰ رضویہ باب المحرمات میں ہے:

اقول : يترأي لی - والله أعلم - ان هذا فيما اذا وقع فاسداً كما اذا نكحها بلا شهود أو بعد مامسّ أمّها و ذلك لانه لم يثبت له اليد الشرعية عليها اصلا كان لكل مّنهما فسخه ازالة للمعصية. وما ذكروا ههنا من تخصيص المتاركة بالزوج، فهو فيما اذا طرأ الفساد فحينئذٍ لاتفرد بالفسخ لأنه ليس دفعا، بل رفعا ليد شرعية ثبتت لزوج فلا بد من متاركةٍ. والحكمة فيه انا لو جوّزنا تفردها بالفسخ لشاعت الفتن فكل امرأة تريد ان تفارق زوجها تقبل ابنهٗ مثلا بالشهوة فيفسد النكاح فتفسخه مبتدأة وتنكح من شاءت، وهذا باب يجب سده الخ.(۱)

(۹)-ملک احد الزوجین: اب اس کی صورت مفقود ہے اس لیے بیان کی حاجت نہیں۔

(۱۰)- ارتداد من احد الجانبین: یعنی جب میاں بیوی میں سے کوئی نعوذ باللہ مرتد ہو جائے تو ایسی صورت میں نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، فسخ کرنے کی حاجت نہیں البتہ متاخرین، عورت کے ارتداد کو فسخِ نکاح کے لیے کافی نہیں سمجھتے۔ تفریق کے لیے طلاق یا قضاے قاضی ضروری قرار دیتے ہیں۔ لیکن جب تک عورت اسلام نہ لائے قربت حرام ہوگی۔(۲)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب المحرمات، ص:۳۰۳، ج:۵، رضا اکیڈمی. ۱۷٤، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، ص:٥٦٦، ج:۵، رضا اکیڈمی، ممبئی، و ص:۱٦۱، ج:۵، رضا اکیڈمی ممبئی وغیرہ/ ص:۷۵، در مختار و رد المحتار، ص:٤١٣.

[(۱۱)-خیار عتق: آج کے زمانے میں یہ صورت بھی مفقود ہے اس لیے بیان کی حاجت نہیں۔ مرتب غفرلہ]

(۱۲)-لعان: جب کسی مرد نے اپنی عورت عاقلہ بالغہ، حرہ، مسلمہ عفیفہ پر زنا کی تہمت لگائی تو ایسی صورت میں اس کا طریقہ یہ ہے کہ قاضی کے حضور پہلے شوہر چار مرتبہ شہادت دے، یعنی یہ کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے جو اس عورت پر زنا کی تہمت لگائی ہے اس میں خدا کی قسم میں سچا ہوں۔ پھر پانچویں بار یہ کہے کہ اس پر خدا کی لعنت ہو اگر اس امر میں کہ اس پر زنا کی تہمت لگائی، جھوٹ بولنے والوں سے ہوں اور ہر بار لفظ "اس" سے عورت کی طرف اشارہ کرے، پھر عورت چار مرتبہ یہ کہے کہ "میں شہادت دیتی ہوں کہ خدا کی قسم اس نے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی ہے، اس بات میں جھوٹا ہے۔" اور پانچویں مرتبہ یہ کہے کہ مجھ پر خدا کا غضب ہو اگر یہ اس بات میں سچا ہے جو مجھے زنا کی تہمت لگائی۔

لعان میں لفظ شہادت شرط ہے۔ اگر یہ کہا کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں سچا ہوں، لعان نہ ہوا۔

لعان کے لیے چند شرطیں ہیں:

[۱] زوجیت قائم ہو خواہ دخول ہوا ہو یا نہیں۔ لہٰذا اگر تہمت لگانے کے بعد طلاقِ بائن دی تو لعان نہیں ہو سکتا اگرچہ طلاق دینے کے بعد پھر نکاح کر لیا ہو۔ یوں ہی اگر طلاق بائن دینے کے بعد تہمت لگائی یا زوجہ کے مر جانے کے بعد تو لعان نہیں۔

[۲] نکاح صحیح ہو۔ اگر اس عورت کا نکاح فاسد ہوا ہے اور تہمت لگائی تو لعان نہیں۔

[۳] دونوں آزاد ہوں۔ [۴] دونوں عاقل ہوں۔ [۵] دونوں بالغ ہوں۔

[۶] دونوں مسلمان ہوں۔ [۷] دونوں ناطق ہوں۔ یعنی ان دونوں میں سے کوئی گونگا نہ ہو۔

[۸] ان میں سے کسی پر حدِ قذف نہ لگائی گئی ہو۔ [۹] مرد نے اپنے اس قول پر گواہ نہ پیش کیا ہو۔

[۱۰] عورت زنا سے انکار کرتی ہو اور اپنے کو پارسا کہتی ہو۔ اصطلاحِ شرع میں پارسا اس عورت کو کہتے ہیں جس کے ساتھ وطیِ حرام نہ ہوئی ہو، نہ اس سے متہم ہو۔ اگر طلاق بائن کی عدت میں شوہر نے اس سے وطی کی اگرچہ اپنی نادانی سے یہ سمجھا تھا کہ اس سے وطی حلال ہے تو عورت عفیفہ نہیں۔ یوں ہی اگر نکاح فاسد کر کے اس سے وطی کی تو عفت جاتی رہی۔ یا عورت کی اولاد ہے جس کے باپ کو یہاں کے لوگ نہ جانتے ہوں۔ اگرچہ حقیقۃً ولد الزنا نہیں، یہ صورت متہم ہونے کی ہے۔ اس سے بھی عفت جاتی رہتی ہے۔ اور اگر وطی حرام عارضی سبب سے ہو، مثلاً حیض و نفاس وغیرہ میں جن میں وطی حرام ہے، وطی کی تو اس سے عفت نہیں جاتی۔

[۱۱] صریح زنا کی تہمت لگائی ہو یا اس کی اولاد جو اس کے نکاح میں پیدا ہوئی ہو، اس کو یہ کہتا ہے کہ یہ میری اولاد نہیں۔ یا جو بچہ عورت کا دوسرے شوہر سے ہے اس کے لیے یہ کہتا ہو کہ یہ اس کا نہیں ہے۔

[۱۲] دار الاسلام میں یہ تہمت لگائی ہو۔ [۱۳] عورت قاضی کے پاس اس کا مطالبہ کرے۔
[۱۴] شوہر تہمت لگانے کا اقرار کرتا ہو یا دو مرد گواہوں سے ثابت ہو۔ (بہارِ شریعت)

(۱۳)-ایلاء: یعنی شوہر نے یہ قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی سے قربت نہ کروں گا، یا چار مہینے قربت نہ کروں گا۔ ان دونوں صورتوں میں اگر چار مہینے کے اندر اندر قسم توڑ دی یعنی قربت کر لی تو طلاق واقع نہ ہوگی، مگر قسم کا کفارہ دینا ہوگا ورنہ طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ (بہارِ شریعت وعالمگیری)

(۱۴)-جب: یعنی جس عورت کا شوہر مقطوع الذکر ہو اس عورت کو یہ حق ہوگا کہ قاضی کے پاس تفریق کے لیے نالش دائر کرے۔ اس میں قاضی شوہر کو ایک سال کی مہلت نہیں دے گا۔ (کما فی عامۃ الکتب)

(۱۵)-اباء الزوج او الزوجۃ عن الاسلام: جب کہ زوجین غیر مسلم ہوں اور ان میں سے کوئی اسلام لے آیا تو ایسی صورت میں پہلے دوسرے پر اسلام پیش کیا جائے گا۔ اگر اسلام لے آئے فبہا، ورنہ قاضی تفریق کر دے گا۔ اگر شوہر اسلام لانے سے انکار کرے تو تفریق طلاق بائن قرار دی جائے گی اور عورت انکار کرے تو فسخ۔ (شرح وقایہ)

(۱۶)-عنّت: یعنی وہ مرد جس کا آلہ موجود ہو اور زوجہ کے آگے کے مقام میں دخول نہ کر سکتا ہو تو ایسی صورت میں عورت کو حق ہوگا کہ قاضی کے پاس تفریق کے لیے نالش دائر کرے۔ قاضی ایسی صورت میں بعدِ مرافعہ (نالش) اس کے شوہر سے دریافت کرے، اگر اقرار کرے تو ایک سال کی مہلت دے اگر ایک سال کے اندر جماع کر لے تو عورت کا دعویٰ ساقط ہو جائے گا۔ اور اگر جماع نہیں کیا اور عورت پھر تفریق کی خواستگار ہوئی تو قاضی شوہر سے طلاق دینے کو کہے۔ اگر طلاق دے دے فبہا، ورنہ قاضی تفریق کر دے۔ (بہارِ شریعت)

اگر شوہر اقرار نہ کرے بلکہ یہ کہے کہ میں نے اس سے جماع کیا ہے اور عورت ثیبہ ہے تو شوہر سے قسم کھلائے۔ اگر قسم کھالے عورت کا حق جاتا رہے گا۔ اور اگر قسم سے انکار کرے تو ایک سال کی مہلت دے۔ اگر ایک سال کے بعد بھی وہ اختلاف باقی رہا تو پھر قسم کھلائیں۔ اگر شوہر قسم کھالے تو عورت کا حق ساقط ہو جائے گا، ورنہ عورت کے مطالبۂ تفریق کے بعد قاضی تفریق کر دے۔ (بہارِ شریعت)

اور مجمع الانہر میں اس طرح ہے:

فلو قال الزوج: وطأت ، وأنكرت الزوجة أي الوطي إن كان الإختلافُ قبل التاجيل فلا يخلو من ان تكون ثيبا أو بكرا.

فإن كانت حين تزوجها ثيبًا أو بكراً فقال : وطأت و أنكرت ، فنظرن أي النساء إليها فقلن هي ثيب فالقول له أي الزوج مع يمينه. وإن قلن : هي بكر أجّل سنة وكذا ان نكل.

وإن كان الإختلاف بعد التاجيل وهي ثيب أو بكر فنظرن وقلن : ثيب فالقول

له مع يمينه وإن قلن : بكر خيرت وكذا إن نكل. الخ[1]

اگر عورت وقت دعویٰ اپنے کو بکر بتاتی ہے تو کسی عورت کو دکھائیں اور احتیاط یہ ہے کہ دو عورتوں کو دکھائیں، اگر یہ عورتیں اسے ثیب بتاتی ہوں تو شوہر کو قسم کھلائیں۔ اور اس کی بات مانیں اور اگر یہ عورتیں بکر کہیں تو عورت کی بات بغیر قسم مانی جائے گی۔ اور اگر ان عورتوں کو شک ہو تو کسی طریقہ سے امتحان کرائیں۔

اور اگر ان عورتوں میں باہم اختلاف ہے، کوئی بکر کہتی ہے کوئی ثیب تو کسی اور سے تحقیق کرائیں تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ شوہر نے جماع نہیں کیا ہے تو ایک سال کی مہلت دیں (بہارِ شریعت وعالمگیری)

لیکن آج کل جب کہ جھوٹی قسم کھالینا کوئی بڑی بات نہیں ہے، ایسی صورت میں صرف قسم پر اکتفا کرنے میں فریق ثانی کی حق تلفی ہوگی، لہٰذا صرف قسم پر اکتفا نہ کرے، مرد کی جانچ بھی کرانی چاہیے، جس طرح عورت کو جانچ کرنے کا حکم ہے۔ جیساکہ اس سلسلے میں صاحبِ فتح القدیر نے ایک قول نقل فرمایا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک طشت لایا جائے جس میں ٹھنڈا پانی ہو اور اس میں عنین کو بیٹھا دیا جائے۔ اگر اس کا ذکر سکڑ جائے تو سمجھا جائے کہ یہ عنین نہیں ہے ورنہ عنین سمجھا جائے گا، چناں چہ فتح القدیر کی عبارت یہ ہے:

وما عن الهندواني يوتى بطست فيه ماء بارد فيجلس فيه العنين فإن نقص ذكره وانزوى علم انه لا عنة به وإلا علم انه عنين. الخ[2]

اگرچہ صاحبِ فتح القدیر نے اس بات کی تردید اس نقطۂ نظر سے کی ہے کہ اب ایسی صورت میں تاجیل سنہ (ایک سال کی مہلت) کا کوئی مقصد باقی نہیں رہتا، مگر موجودہ زمانے کے حالات پر نظر رکھتے ہوئے اس قول پر عمل کرنا چاہیے۔ یہاں سال سے مراد شمسی ہے، یعنی تین سو پینسٹھ دن اور ایک دن کا کچھ حصہ۔ ایامِ حیض، ماہِ رمضان اور شوہر کے سفرِ حج کا زمانہ اس میں محسوب ہوگا۔ (بہارِ شریعت)

(۱۷)- خصاء: یعنی جس کے خصیے نکال دیے گئے ہوں، اس کا حکم بھی عنین ہی کی طرح ہے، بشرطے کہ اس کا ذکر منتشر نہ ہوتا ہو۔ جیساکہ مجمع الانہر میں ہے:

والخصي كالعنين يعني إذا لم تنتشر آلته.[3]

(۱۸)- خنوثت: اس کا حکم بھی عنین ہی کی طرح ہے جب کہ مرد کی طرح پیشاب کرے۔ فتح القدیر باب العنین میں ہے:

الخنثى إذا كان يبول من مبال الرجال فتزوّج امرأة فهو جائز فإن وصل اليها،

---

(۱) مجمع الانهر، ج:۲، ص:۸۹، ۹۰، كتاب الطلاق/ باب العنين، دار الاحياء التراث العربي.
(۲) فتح القدير، باب العنين وغيره. ج:٤، ص:۲٦۷، برکاتِ رضا، پوربندر، گجرات
(۳) مجمع الانهر، ج:۲، ص:۹۱، باب العنين، دار الاحياء التراث العربي

وإلا أُجِّلَ كالعنين. ذكر الحاكم إلخ.(۱)

اسی حکم عنین میں سحر بھی داخل ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

وأيضا مما له حكم العنين مسحور.

واضح رہے کہ یہ ساری صورتیں اس وقت ہیں جب کہ وقتِ نکاح عورت کو اس کا علم نہ ہو۔

(۱۹)-جنون: یعنی جس عورت کا شوہر مجنون ہو تو ایسی صورت میں برمذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ عورت کو حق ہوگا کہ قاضی کے پاس مرافعہ کرے۔ اگر یہ جنون حادث ہے تو اس کا حکم عنین کی طرح ہوگا اور اگر جنون مطبق ہو تو اس کا حکم مجبوب کی طرح ہے، جیسا کہ عالمگیری میں ہے:

قال محمد رحمه الله تعالىٰ: إن كان الجنون حادثًا يأجّله سنةً كالعنّة، ثم يخير المرأة بعد الحول إذا لم يبرأ. وإن كان مطبقا فهو كالجب، وبه ناخذ، كذا في الحاوي للمقدسي.(۲)

(۲۰-۲۱)-جذام، برص: فقہ کی کتابوں میں ان دونوں صورتوں کے بارے میں وضاحت نہیں ملی کہ کس حکم میں ان دونوں کو شامل کیا جائے۔

تنبیہ: واضح رہے کہ مسئلہ عنین اور مجبوب وغیرہ میں وقت تفریق قاضی کے پاس زوجین کا حضور شرط ہے۔ (کما فی المنتقی وغیرہ) لیکن اگر صورت ایسی ہو کہ شوہر غائب ہے، یا ایسی جگہ ہے جہاں قاضی نہیں اور زید مجلسِ قضا میں بلانے سے آتا نہیں اور نہ اس پر جبر کی صورت ہے تو ایسی صورت میں قضا کی صورت وہ ہے جسے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ایسی عورت کے بارے میں تحریر فرمایا ہے، جس کے شوہر نے بوقت نکاح اپنے کو عورت کا کفو بتایا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ کفو نہیں ہے اور اب وہ غائب بھی ہے۔ چناں چہ شامی کی ایک عبارت نقل فرماتے ہیں، اور وہ یہ ہے:

لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفء فحق الفسخ ثابت للكل. الخ.(۳)

پھر فرماتے ہیں: مگر اس اختیار کے یہ معنیٰ نہیں کہ عورت یا اولیا خود ہی فسخ کر لیں۔ یہ تو ہرگز جائز نہیں اور اسی پر قناعت کر کے نکاحِ ثانی کر لیں تو زنہار نہ ہوگا۔ بلکہ اس کے یہ معنی کہ قاضیِ شرع کے یہاں رجوع لائیں، جب اس کے نزدیک آفتاب روشن کی طرح ثابت ہو جائے کہ واقعی زید رافضی تھا اور اس نے ان لوگوں کو دھوکا دیا،

---

(۱) فتح القدير، ج:٤، ص:٢٧١، باب العنين، بركاتِ رضا، پوربندر، گجرات

(۲) عالمگیری، ج:١، ص:٥٢٦، باب العنين، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۳) رد المحتار، ج:٤، ص:٢٠٨، كتاب النكاح، باب الكفاءة، دار الكتب العلمية، بيروت.

یہ اس وقت تک اس کے احوال سے واقف نہ تھے، نہ اب زید کا پتہ ہے کہ اسے بلا کر اس کے حضور مقدمہ سنایا جائے یا پتہ معلوم تو ہے مگر وہ ایسی جگہ ہے جہاں قاضی نہیں کہ مقدمہ ترتیب دے کر گواہی سن کر بہ لحاظ شرائطِ کتاب القاضی الی القاضی وہاں بھیج دیں کہ وہ قاضی اسے دار القضاۃ میں حاضر کر کے بمواجہہ فریقین اسے حکم فسخ سنا دے۔ اور زید کو یہاں بلاتے ہیں تو آتا نہیں اور اس پر جبر کا کوئی طریقہ نہیں۔ غرض قاضی مذکور ہر طرح ضرورت اور مجبوری ملاحظہ کرے، اس وقت زید یعنی شوہر کے عزیزوں یا دوستوں میں سے کسی کو اور وہ نہ ملیں تو اور کسی بے لگاؤ متدین آدمی کو زید یعنی شوہر کا نائب و وکیل قرار دے کر اس کے حضور مقدمہ سنے اور بعد ثبوت کامل نکاح فسخ کر دے۔[1]

(۲۲)۔ خلع: یعنی مال کے بدلے میں نکاح زائل کرنا۔ اگر زوج اور زوجہ میں نا اتفاقی رہتی ہو اور یہ اندیشہ ہو کہ زن و شوہر حقوق کی ادائیگی میں احکامِ شرعیہ کی پابندی نہ کر سکیں گے تو خلع میں مضایقہ نہیں اور جب خلع کریں تو طلاقِ بائن واقع ہو جائے گی اور ازالۂ نکاح کے لیے طرفین کے درمیان جو مالی معاوضہ طے پایا ہے عورت پر اس کا دینا واجب ہے۔ (بہارِ شریعت وہدایہ)

(۲۳)۔ طلاق: اس کی چند صورتیں ہیں:

۱۔ رجعی: جس میں شوہر کو اختیار ہے کہ عدت کے اندر اندر اپنی بیوی کو نکاح میں لوٹا لے۔

۲۔ بائن: جس میں عدت کے اندر مرد کو رجعت کا حق نہیں، لیکن غیر مغلظہ کی صورت میں (عدت کے اندر اور) بعدِ عدت (بھی) حلالہ کے بغیر نکاحِ جدید کر سکتا ہے۔

۳۔ مغلظہ: جس میں بغیر حلالہ عورت سے (پہلے شوہر کے ساتھ) نکاح حرام ہوتا ہے۔

(۵) ۔ سات شکلیں ایسی ہیں جن میں بیوی نصف دین مہر کی مستحق ہوتی ہے:

۱۔ فرقت بالطلاق قبل دخول ۔۲۔ فرقت بالایلاء قبل دخول ۔۳۔ فرقت باللعان قبل دخول ۔۴۔ فرقت بالعنۃ قبل دخول ۔۵۔ ارتداد زوج قبل دخول ۔۶۔ فرقت باباء الزوج عن الاسلام قبل دخول ۔۷۔ فرقت بحرمت مصاہرت من الزوج قبل دخول۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

(۶) ۔ چار شکلیں ایسی ہیں جن میں بیوی کا سارا دین مہر ساقط ہو جاتا ہے:

۱۔ فرقت بارتداد الزوجہ ۔۲۔ فرقت باباء الزوج والزوجۃ عن الاسلام قبل دخول ۔۳۔ فرقت بحرمتِ مصاہرت عن الزوجہ قبل دخول ۔۴۔ فرقت بخیارِ بلوغ من جانب الزوجہ۔ (احکامِ شرع)

(۷) ۔ فیصلہ کر سکتا ہے جب کہ اس بات کی پوری شہادت مل جائے کہ یہ فلاں قاضی کی تحریر ہے، اس

---

(۱) فتاوی رضویہ، کتاب النکاح، باب الکفاءۃ، ص: ۴۴۲، سنی دار الاشاعت، مبارک پور.

(۲) شرح وقایہ وھندیہ وغیرہ.

کی تفصیل یہ ہے کہ قاضی کو وہ تحریر کسی مقدمہ سے متعلق دوسرے قاضی کے پاس بھیجی جاتی ہے۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو مقدمہ مدعی نے قاضی کے پاس دائر کیا ہے، اگر مدعی نے اس مقدمہ میں یہ موجودگی مدعا علیہ ایسے گواہ پیش کر دیے جو عند الشرع معتبر ہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ قاضی خود ہی فیصلہ کر دے۔ فیصلہ کے لیے کسی دوسرے قاضی کے پاس دعویٰ اور بیّنہ سے متعلق تحریر بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر اس مقدمہ کے فیصلہ کے بعد مدعی نے قاضی سے یہ التماس کیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ جو آپ نے کیا ہے، اسے تحریر فرمادیں تو قاضی اس کے التماس پر اپنا فیصلہ تحریر فرمادے۔ اس تحریر کو شریعت کی اصطلاح میں "سجل" کہتے ہیں۔ اب اگر یہ سجل کسی دوسرے قاضی کے پاس امضاء کے لیے بھیجی جائے تو اس دوسرے قاضی پر اس کی تنفیذ و امضاء ضروری ہے۔ (کما فی حاشیہ الہدایۃ)

اور اگر مدعی نے قاضی کے پاس ایسا مقدمہ دائر کیا جس میں وہ مدعا علیہ کو حاضر نہ کر سکا تو ایسی صورت میں قاضی کو اس مقدمہ کے فیصلہ کا حق نہ ہوگا، البتہ وہ گواہوں کی شہادت کو بعینہٖ قلم بند کر کے اس قاضی کے پاس بھیج سکتا ہے، جس کے حلقہ میں اس کا مدعا علیہ ہے، تاکہ وہ مکتوب الیہ قاضی اس پر فیصلہ کرے۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں "کتاب القاضی الی القاضی" کہتے ہیں۔ اور یہ در حقیقت شہادت علی الشہادت کی ایک صورت ہے۔ اس کتاب القاضی الی القاضی کے قابلِ اعتبار ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں۔

[۱]- دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی۔

[۲]- ان گواہوں کو اس امر پر گواہ بنائیں کہ یہ فلاں قاضی کی تحریر ہے، نیز جب کتاب القاضی مکتوب الیہ کے پاس پہنچ جائے تو قاضی مکتوب الیہ بغیر مدعا علیہ کی موجودگی کے اس کو قبول نہ کرے، جب مدعا علیہ کی موجودگی میں وہ شہود اس کتاب کو مکتوب الیہ کے حوالے کر دیں تو قاضی اس کی مہر کا جائزہ لے اور معلوم کرے کہ صحیح معنیٰ میں یہ کتاب القاضی ہے یا نہیں۔ جب یقین ہو جائے کہ وہ کتاب القاضی ہے اور شہود یہ گواہی دے دیں کہ وہ فلاں قاضی کی کتاب ہے، جس کو قاضی نے اپنی مجلسِ حکم و قضا میں ہم لوگوں کے سپرد کیا ہے، تب قاضی مکتوب الیہ بموجودگی مدعا علیہ اس کو کھولے اور پڑھے اور اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ (ہدایہ) واللہ أعلم و علمه أتم

عبدہ المذنب

کتبـــــــــــــــہ محمد عبید الرحمٰن غفرلہٗ ربّہٗ

صدر مدرس
مدرسہ فیض العلوم
جمشید پور

مہر
دار الافتا مدرسہ فیض العلوم
جمشید پور

صح الجواب بعون الملک الوہاب والمجیب العلام مصیب و مثاب

عبد العزیز عفی عنه (دار العلوم اشرفیه، مبارك فور)
الجواب صحیح والله تعالیٰ اعلم محمد شریف الحق امجدی
جامعه عربیه انوار القرآن بلرامپور، گونڈہ

تصدیق حضور برہانِ ملت علیہ الرحمہ

الله ربّ محمدٍ صلی علیه وسلم
اللهم هداية الحق والصواب

موجودہ دور میں جب کہ مسائل متعلقہ و مشروطہ بقضاء شرعی کا حل و انفصال سلطان اسلام کی جانب سے مجاز و مختار قاضی شرع کے نہ ہونے کے سبب ناممکن ہے اور بعض بے بس عورتیں اپنے ظالم و نالائق شوہروں کے مظالم، زیادتیوں اور بے اعتنائیوں کی شکار کالمعلقة کس مپرسی کی حالت میں عفت و عصمت کے ساتھ دن کاٹ رہی ہیں اور بعض عورتیں شریعت سے بغاوت کر کے حرام کاری میں مبتلا ہیں — کیوں کہ نہ ان کا کوئی فریادرس ہے نہ پرسانِ حال — حکومتِ وقت کا خلع کا قانون اس خلا کو پر نہیں کرتا، یہ عظیم فتنہ ہے جو اس دور آزادی میں ایسی مظلوم اور بے بس و بے کس عورتوں کو معلوم نہیں کیا تباہی میں مبتلا کر دے۔ دار القضاۃ شرعی کے متعلق یہ محقق، منقح وواضح اور جامع و مستحکم فتویٰ ایک ضابطہ اور قانونِ شرعی ہے جس کے بالاستیعاب مطالعہ سے فقیر مشرف ہوا۔ اصولاً مسائل متعلقہ مشروطہ بقضاء شرعی کے لیے جامع ومانع پایا، تاہم تمام دفعات کے لیے تشریحات ونظائر بھی ضروری ہیں، جس طرح الاحکام الشرعیة فی الاحوال الشخصیة کے لیے شرح الاحکام الشرعیہ تین حصوں میں اور مجلة القوانین الشرعیه والاحکام العدلیه۔ ایک بار اس فتویٰ پر حضرات اکابر ملت مفتیانِ کرام خصوصاً سیدی امام اہلِ سنت شیخ الاسلام والمسلمین مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا الحاج الشاہ مصطفےٰ رضا خاں صاحب شہزادۂ اعلیٰ حضرت پوری توجہ کے ساتھ، ہر ہر دفعہ پر غور و خوض کے ساتھ تنقیحی بحث و تمحیص کے بعد (اگر ضروری ہو) آخری شکل دے کر مہرِ تصدیق ثبت فرمادیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ و باذنہ یہ مبسوط و جامع ضابطۂ قضائے شرعی ہندوستان کے مسلمانوں کی مشکلات کا ایک روشن و تابناک حل ہوگا اور ہوسکتا ہے کہ بہت سے ممالک اسلامیہ اپنی حکومتوں میں دار القضاۃ کے لیے شرعی قانون کی حیثیت سے اسے نافذ کریں۔ واللہ علیٰ ما یشاء قدیر۔

احتیاط: اس فتویٰ پر مفتیانِ شریعت وعلماو اکابرِ ملت کی مجلس خصوصی میں کامل غور و خوض ہونے اور

منظور کیے جانے کے بعد اس قانون وضابطۂ شرعی کے اجرا ونفاذ اور اس پر عمل درآمد سے پہلے احتیاطی تدابیر اور پیش بندیوں اور بندشوں پر غور وتوجہ اشد ضروری ہے، جن سے جانب داری، ناانصافی، غلط طریق کار، رشوت اور اقربا نوازی وغیرہا کے خطرات کا سدِباب ہو سکے۔

فقیر اس فتوی کی تصدیق وتوثیق کے ساتھ اس کے محرک ومرتب کے لیے اجر عظیم کی دعا کرتا ہے۔

والله تعالیٰ أعلم وعلمه جل مجدهٗ أتم وأحكم وصلى الله تعالیٰ على خير خلقه ومظهر لطفه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه وعلماء ملته واولياء أمته أجمعين وبارك وسلم.

كتبه : الفقير عبد الباقی

محمد برهان الحق القادری الرضوی
السلامی الجبلفوری غفرله

۲۷/ رمضان المبارك،
يوم ليلة القدر ۱۳۸۹ھ

موصول بدست اقدس علامہ ارشد القادری صاحب قبلہ

محمد علی فاروقی. مهتمم مدرسه اصلاح المسلمین، رائے پور
۱۹۸۶/۳/۴ء

مجھے یہ فتویٰ محبِ محترم جناب مولانا محمد علی فاروقی صاحب دام مجدہم نے دیا۔

محمد نظام الدین رضوی غفرلہ
۲۰/ شوال ۱۴۳۴ھ/ ۲۸/ اگست ۲۰۱۳ء
بدھ، قبلِ عصر

اس قرارداد سے یہ امر اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضور مفتیِ اعظم ہند اور دوسرے اکابر فقہاے اہلِ سنت نے کم از کم دو مسائل میں فقہ حنفی اور فتاویٰ رضویہ سے عدول کیا ہے۔ ایک معدومۃ النفقہ، اور دوسرا زوجۂ مفقود الخبر۔ پہلے مسئلے میں مذہبِ شافعی پر اور دوسرے مسئلے میں مذہبِ مالکی پر فیصلے وعمل کی اجازت دی ہے، اور اس کے بہت بعد ہمارے موجودہ اکابر نے بھی متعدد مسائل میں فتاویٰ رضویہ سے عدول کر کے دوسرا فیصلہ صادر کیا ہے۔ جس کی قدرے تفصیل میری کتاب «فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت» میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے جو اسی فقہی دستاویز کے اخیر میں ضمیمہ کے طور پر شاملِ اشاعت ہے۔

سیمیناروں میں ہمارے جو علما اور فقہا شریک ہوئے ان میں اکابر اور اصاغر سبھی شامل ہیں اور سب کے علمی تعاون سے ہی تحقیق کا یہ سفر جاری رہا ہے۔ ان کا تعاون کئی طرح کا ہے۔

☆ بہت سے حضرات نے محنت کر کے مقالے لکھے، بحثوں میں حصہ لیا اور فیصلوں پر دستخط فرمائے۔

☆اور بہت سے حضرات نے صرف بحثوں میں حصہ لیا اور فیصلوں پر دستخط کیے، مقالے نہیں لکھے۔
☆اور کچھ حضرات نے بحثیں سنیں، حکم سے اتفاق کیا اور فیصلوں پر دستخط بھی فرمائے۔
مجلسِ شرعی کا ایک اہم مقصد نوجوان علما کی فقہی ٹریننگ بھی ہے اس لیے انھیں بھی لازمی طور پر مدعو کیا جاتا ہے اور انھیں بحثوں میں حصہ لینے کے لیے پورا موقع دیا جاتا ہے، کہیں ضرورت محسوس ہوتی ہے تو ان کی بحثیں سن کر ان کی تفہیم بھی کی جاتی ہے، اس طرح مجلس نے جہاں سنت اسلاف کا اِحیا کیا، بہت سے نئے مسائل کے فقہی احکام منقح کیے وہیں فقہاے اہلِ سنت کی ایک مضبوط ٹیم بھی جماعت کو عطا فرمائی۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

﴿۲﴾

فقہی اختلافات کے حدود- حقائق و شواہد کے اجالے میں

فقہاے امت کے درمیان خیر القرون سے لے کر آج کے دورِ زوال تک بے شمار فقہی فروعی مسائل میں اختلافات رونما ہوئے مگر ان کے دلوں کے درمیان کبھی دوریاں پیدا نہ ہوئیں، وہ حضرات تمام تر اختلافات کے باوجود "رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ"[۱] کا شاندار نمونہ تھے اور ان کی گفتار و کردار سے "مَنْ لَّمْ یَرْحَمْ صَغِیْرَنَا وَلَمْ یُوَقِّرْ کَبِیْرَنَا"[۲] کے جلوے نمایاں طور پر جھلکتے ہوئے محسوس ہوتے تھے۔ چھوٹوں پر بڑوں کی شفقت مثالی تھی اور بڑوں کی تعظیم و توقیر کے لیے چھوٹے فرش راہ بنے رہتے تھے، حدیث پاک میں "رحم و شفقت" اور "توقیر و تعظیم" کی ترتیب کچھ حکیمانہ مصالح کی غماز ہے جس کا لحاظ بڑے اور چھوٹے سب کو کرنا چاہیے، ایک کا لحاظ اُٹھے گا تو دوسرا بھی متاثر ہوگا، اس لیے اکابر و اصاغر سب کو سنت نبوی کے سانچے میں ڈھلنے کی کوشش کرنا چاہیے۔ ہم محض تفہیم حق اور اصلاح و خیر خواہی کے نیک جذبے کے تحت اپنے کرم فرماؤں اور احباب کی خدمت میں چند معروضات پیش کرتے ہیں اور ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے ان کے ساتھ یہ حسن ظن رکھتے ہیں کہ فرمانِ خداوندی: "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی" [انصاف کی بات کہو، یہ تقویٰ و پرہیز گاری سے قریب تر ہے۔[۳]] کا احترام کریں گے۔

(۱)- فقہی فرعی امور میں اکابر سے اختلاف عہد صحابہ سے چلا آرہا ہے اور یہ کبھی بے ادبی و انحراف نہ

---

(۱) صحابہ کرام کی مدح میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ "آپس میں رحم دل ہیں" (آیت: ۲۹، س الفتح ۴۸)
(۲) حضور سید عالم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جو ہمارے چھوٹے پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑے کی تعظیم نہ کرے وہ ہم سے نہیں۔" (سنن الترمذی، باب ما جاء فی رحمۃ الصبیان)
(۳) القرآن المجید، آیت: ۸، المائدہ ۵۔

سمجھا گیا۔

حضرت فاروق اعظم سے ایک خاتون کا اختلاف

حضرت سیدنا فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منبر رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ایک دفعہ یہ فرمان جاری کیا:

"اے لوگو! عورتوں کے مہر بڑھا بڑھا کر کیوں مقرر کرتے ہو حالاں کہ عہد رسالت و عہد صحابہ میں مہر چار سو درہم سے زیادہ نہ ہوتے، اگر زیادہ مہر مقرر کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ و کرامت کی بات ہوتی تو آپ لوگ اس کرامت و فضیلت میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سبقت نہیں لے جا پاتے۔"

پھر وہ منبر اقدس سے اتر آئے تو ایک قریشی خاتون نے ان سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ نے لوگوں کو چار سو درہم سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع فرما دیا، کیا آپ نے اللہ عزوجل کا یہ ارشاد نہ سنا:

"وَاٰتَیْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْـًٔا"[1]

ترجمہ: اور تم اسے (طلاق شدہ عورت کو مہر میں) "مالِ کثیر" دے چکے ہو تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو۔

تو حضرت عمر نے فرمایا:

"اللّٰهم كلٌّ احد اَفقهُ من عمر." اے اللہ ہر ایک عمر سے زیادہ فقیہ و سمجھ دار ہے۔

پھر منبر رسول پر چڑھ کر یہ اعلان فرمایا: "حضرات! میں نے آپ لوگوں کو چار سو درہم[2] سے زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع کیا تھا، اب آپ کو اختیار ہے جو شخص جتنا چاہے مہر مقرر کر سکتا ہے۔ یہ حدیث حضرت ابو یعلیٰ وغیرہ نے حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے۔ ایسا ہی تیسیر میں ہے۔[3]

کہاں حضرت فاروق اعظم جیسا بارعب اور صاحب جلال امیر المومنین، اور کہاں ایک عام خاتون، مگر خاتون نے ان کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے ان پر اعتراض کر دیا تو حضرت عمر نے اسے اپنی شان جلالت و فقاہت و امارت میں بے ادبی نہ سمجھا بلکہ اعتراض کی معقولیت کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے فوراً اپنا فرمان واپس لے لیا۔ کاش کہ یہ جذبۂ خیر آج بھی بیدار ہو جاتا۔

یہاں اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سنت رسول و سنت صحابہ کو دلیل بنا کر ایک حکم شرعی جاری فرمایا تھا اور اس قریشی خاتون نے قرآن حکیم کی آیۂ کریمہ کو دلیل بنا کر ان سے اختلاف کیا تھا۔ "قنطار" کا معنیٰ ہے "مالِ کثیر" اور مالِ کثیر کا اطلاق چار سو درہم سے زیادہ پر بھی ہوتا ہے۔

---

(۱) القرآن المجید، آیت: ۲۰، النساء ٤.

(۲) ۴۰۰ر درہم برابر ۱۱۲ر روپے انگریزی اور یہ ۱۳۰۶ء۶۸ر گرام چاندی کے برابر ہے یعنی ایک کلو ۳۰۶ر گرام ۔ ۶۸ ملی گرام. (از: مرتب غفرلہ)

(۳) فواتح الرحموت، ص: ۲۹۲، ج: ۲، اصل ثالث: اجماع.

یہ الگ الگ دو دلیلوں کی بنیاد پر احکام میں اختلاف ہوا تھا، اور علم و فضل کے لحاظ سے بہت چھوٹے و بڑے کے درمیان ہوا تھا مگر اس اختلاف کا اثر دلائل کی حدوں سے آگے نہ بڑھا، تو آج بھی ان حدوں سے آگے نہیں بڑھنا چاہیے۔

پھر یہاں اس حیثیت سے سوچیے کہ حضرت فاروق اعظم اپنے عہد خلافت میں تمام صحابہ سے بڑے عالم و فقیہ تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے فقیہ جلیل جن کے بحر فقاہت سے فقہ حنفی کا سوتا پھوٹا ہے، حضرت فاروق اعظم کے تلمیذ رشید و تربیت یافتہ تھے۔ آپ کی جلالت علم و فقہ کے آگے اس خاتون کی کیا حیثیت تھی مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ "چھوٹا منہ بڑی بات" چپ رہو، یہ ہے فقہ و شریعت کے معاملے میں آزادی گفتار کا حق، اس کو سامنے رکھ کر سوچا جائے کہ آج ہم کیسی فضا میں سانس لے رہے ہیں، کل کے دور میں یہ نہیں دیکھا گیا کہ "کس نے کہا" بلکہ یہ دیکھا گیا کہ "کیا کہا" آج ہم سب کے لیے یہ سب کچھ مقام عبرت ہے۔

حضرت معاذ بن جبل کا حضرت فاروق اعظم سے اختلاف

ایک عورت خلافت فاروقی میں زنا کی مرتکب ہوئی، وہ حمل سے تھی، جب اس کا مقدمہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدالت میں پیش ہوا تو آپ نے اسے کوڑے مارنے کا ارادہ کر لیا، اس پر حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: "مَا جَعَلَ اللّٰهُ عَلٰى مَافِي بَطْنِها سَبِيْلًا." اللہ نے اس کے پیٹ کے بچے پر (حد قائم کرنے کے لیے) کوئی راہ نہیں رکھی۔ اور کوڑے کی مار کا اثر بچے تک پہنچ سکتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوڑے لگانے سے ہاتھ روک لیا اور دوسرے صحابۂ کرام خاموش رہے جو ان کے اجماع سکوتی کی دلیل ہے۔ (۱)

یہ علم، فضل، منصب ہر لحاظ سے چھوٹے بڑے کا اختلاف ہے، مگر، کیا بڑے کے دل میں ناگواری کا کچھ غبار بھی آیا؟

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس دلیل کی بنا پر حد کا حکم جاری فرمایا کہ قرآن عظیم نے زانیہ کو کوڑے مارنے کا حکم دیا ہے اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اختلاف اس دلیل کی بنا پر تھا کہ مجرمہ عورت ہے، اس کے پیٹ کا بچہ تو نہیں۔

یہ اختلاف دو دلیلوں کی بنیاد پر رونما ہوا تھا وہ بھی کم رتبہ اور بلند رتبہ کے درمیان ہوا تھا مگر کم رتبہ کی دلیل کی بنا پر بچے کو کوڑے کے اثر سے بچانا ضروری تھا اس لیے حد کا حکم پیدائش تک ملتوی ہوا اور حاضرین صحابہ نے اس سے اتفاق کیا۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ فہم دلیل بڑے کا ہی حصہ نہیں اور کم رتبہ کا استدلال وزنی ہو تو بلند رتبہ کو بھی بلا چون و چرا اسے تسلیم کر لینا چاہیے؟ یہی سنت صحابہ ہے۔

---

(۱) فواتح الرحموت، ص: ۲۹۳، ج: ۲، اصل ثالث: اجماع.

میرے دوستو اور مہربانو! اس پر عمل پیرا ہو کر "ما أنا علیه وأصحابی"[1] کے اچھے مصداق بنو۔ سنی ہو تو سنتِ صحابہ پر چلو۔

حضرت علی سے قاضی شُریح کا اختلاف

حضرت قاضی شُریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعلیٰ درجہ کے صحابیِ رسول، وہ بھی خلیفۃُ النبی اور امیر المومنین، دونوں کے علم و فقہ فضل و کمال اور منصب میں بے پناہ تفاوت ہے مگر شیر خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک یہودی کے خلاف اپنے ہی مقرر کردہ قاضی حضرت شُریح کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا اور شہادت کے لیے اپنے بیٹے حسن اور غلام قنبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا تو قاضی شُریح نے ان کی یہ شہادت رد کر دی کیوں کہ بیٹے اور غلام کی گواہی باپ اور آقا کے حق میں مقبول نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے شاہد کی حیثیت سے پیش کیا تھا کہ وہ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں تو اور کسی بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں گو کہ نامقبول ہو مگر جو بیٹا اہل جنت سے ہے اس کی گواہی تو باپ کے حق میں مقبول ہونی چاہیے۔

امیر المومنین اور ان کے قاضی میں یہ اختلاف دو دلیلوں کی بنیاد پر ہوا تھا اور دونوں دلیلیں سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی احادیثِ شریفہ ہیں، اب آپ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کتاب "تاریخ الخلفا" سے یہ حیرت انگیز واقعہ پڑھیے:

"دراج نے حضرت شُریح قاضی سے روایت کی کہ جب حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ صفین میں جانے لگے تو آپ کی زرہ کھو گئی۔ جب جنگ ختم ہو گئی اور آپ کوفہ واپس تشریف لائے تو آپ نے ایک یہودی کے پاس اس زرہ کو دیکھا، آپ نے اس یہودی سے فرمایا کہ "یہ زرہ میری ہے نہ میں نے بیچی، نہ ہبہ کی پھر تیرے پاس کیسے؟" اس نے کہا کہ "میری زرہ ہے اور میرے ہی قبضہ میں ہے۔" آپ نے فرمایا کہ میں قاضی کے یہاں دعویٰ کرتا ہوں، چناں چہ آپ قاضی شُریح کے یہاں گئے۔ قاضی شُریح نے کہا کہ آپ کا دعویٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ میری زرہ ہے نہ میں نے اس کو بیچا نہ ہبہ کیا۔

قاضی شُریح نے یہودی سے کہا کہ تمھارا کیا جواب ہے؟ اس نے کہا کہ "زرہ میری ہے اور میرے قبضہ میں ہے۔" قاضی شریح نے کہا یا امیر المومنین آپ کا کوئی گواہ ہے؟ آپ نے اپنے ایک غلام قنبر اور اپنے بیٹے امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پیش کیا۔ قاضی شریح نے کہا کہ بیٹے کی گواہی باپ کے واسطے ناجائز ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اہل

---

(۱) یہ ارشادِ رسول ہے۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ جنتی گروہ کون ہے؟ تو آپ نے فرمایا: "وہ گروہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر ہو"۔ (جامع الترمذی، کتاب الإیمان، ص:۸۹، جلد ثانی، باب ماجاء فی افتراق هذه الأمة و سنن ابن ماجه، ص:۲۸۷؛ کتاب الفتن، باب افتراق الامم)

جنت کی گواہی ناجائز ہے؟ حالاں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ حسن اور حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما جوانانِ جنت کے سردار ہیں۔ اتنے میں یہودی چلا اٹھا کہ یا امیر المومنین! آپ امیر المومنین ہیں پھر بھی آپ مجھے قاضی کے پاس لائے اور وہ قاضی آپ سے عام آدمیوں کی طرح جرح وقدح کر رہا ہے۔ اور یہی آپ کے دین کی صداقت کی دلیل ہے۔ بے شک یہ زرہ آپ کی ہے میں مسلمان ہوتا ہوں۔ "اَشْهَدُ اَنْ لَّآاِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ"۔ (۱)

یہ اختلاف صغیر وکبیر کا نہیں بلکہ اصغر واکبر کا ہے، مگر حضرت مولائے کائنات نے جن کی شان ہے۔

شاہِ مرداں شیر یزداں قوتِ پروردگار
لَا فتیٰ اِلّا علی لاسیف اِلّا ذوالفقار

ہزار اقتدار اور پاور کے باوجود حضرت قاضی شُریح کو اُف تک نہ کہا، آج بھی اسی طور پر فقہ وفقہا کا احترام ہونا چاہیے، نہ کہ کمزور اور بے سہارا سمجھ کر برا بھلا کہنا چاہیے۔

جداگانہ احکام اور "اختلاف" میں فرق کی وضاحت

پھر ہر جگہ فرقِ احکام کو "اختلاف" نہیں سمجھنا چاہیے۔ "اختلاف" سے پہلے "فرق احکام" کے مختلف مراتب ہیں جن میں قائل اور عامل کی طرف اختلاف کی نسبت نہیں کی جاسکتی۔ ہم یہاں تفہیم کے لیے چند مراتب کی مختصراً وضاحت کرتے ہیں۔

(۱)۔ مفہوم مخالف سے استدلال: ۔یہ اختلاف نہیں، اتباع ہے۔

کسی فقیہ و مجتہد کے کلام سے دو طرح کے معانی کا افادہ ہوتا ہے: ایک **منطوق** یعنی کہی ہوئی بات، کلمات وحروف کے ذریعہ بیان کیا ہوا حکم، جیسے "رمضان کا روزہ فرض ہے" یہ حکم منطوق ہے۔

دوسرا **مفہوم مخالف:** اس کا ذکر الفاظ میں نہیں ہوتا مگر کہی ہوئی بات میں حکم کے لیے جو شرط یا قید یا وصف مذکور ہے اس کے نہ پائے جانے سے ذکر کیے ہوئے حکم کے خلاف دوسرا حکم خود بخود ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی کو کلام کا مفہوم مخالف کہا جاتا ہے۔ مثلاً اوپر ذکر کی ہوئی مثال میں "روزہ فرض ہونے" کا حکم "رمضان" کی قید کے ساتھ ہے اس سے خود بخود یہ ثابت ہوتا ہے کہ "غیر رمضان کا روزہ فرض نہیں" دیکھیے اس حکم کا ذکر منطوق کے الفاظ میں نہیں ہے تاہم اسی منطوق سے ہر صاحب فہم غیر رمضان کا حکم بھی سمجھ لیتا ہے، یہی مفہوم مخالف ہے اور اسے بھی کلام کا ہی مدلول مانا جاتا ہے۔ یا مثلاً کوئی کہے کہ: "جنت میں جاتے وقت ہر عورت جوان ہوگی۔" اور اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ: "کوئی

---

(۱) تاریخ الخلفا، ص: ۱۲۶، ابناء غلام رسول سورتی، ممبئی۔

بڑھیا جنت میں نہ جائے گی۔"

فرض کیجیے کہ وہ خط کشیدہ بات کسی صحابیِ رسول کی ہو اور آج اس کو سامنے رکھ کر کوئی عالمِ دین کہے کہ: "کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی۔" تو کیا اس نے صحابیِ رسول سے اختلاف کر دیا۔ ایسا ہرگز نہیں، وہ تو صحابیِ رسول کے کلام سے ہی استدلال کر رہا ہے، یہ الگ بات ہے کہ یہ استدلال کلام کے مفہومِ مخالف سے ہے مگر ہے تو کلام ہی کا مدلول و مفہوم و مراد۔ اب کوئی یہ کہے کہ تم نے صحابیِ رسول سے اختلاف کیا تو یہ بڑی عجیب بات ہوگی۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان بہت بڑے فقیہ تھے بلکہ سچ یہ ہے کہ فقیہ بے مثال تھے ان کے کلام میں بھی ایسا ہو سکتا ہے، بلکہ ہے۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں:

"اگر پانی پر دشمن ہے اور وہ وضو و غسل کو منع کرتا اور ضرر رسانی کی دھمکی دیتا ہے، جس پر وہ قادر ہے جب تو تیمم سے پڑھ لے اور پھر وضو سے اعادے کرے۔"(۱)

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ: پانی پر دشمن ہے مگر وہ وضو و غسل سے منع نہیں کرتا نہ ضرر رسانی کی دھمکی دیتا ہے تو وہ تیمم سے نہ پڑھے بلکہ وضو کر کے پڑھے۔ تو کیا یہ "فوائد رضویہ" کے خلاف اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے اختلاف ہے؟ اللہ اللہ یہ خلاف و اختلاف کیسا؟ یہ تو صاف صاف اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا اتباع ہے، ایک شخص اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام سے استدلال کرے پھر بھی وہ اختلاف ہو جائے؟

دوستو! اب یہ سوچ بدل ڈالو، ورنہ بہت سے صحابہ و تابعین اور اپنے فقہائے مذہب سے اختلاف لازم آئے گا، بلکہ فقہ شافعی میں تو براہِ راست اللہ جل شانہ اور اس کے رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بھی اختلاف لازم آئے گا۔ کیوں کہ وہ حضرات کتاب و سنت کے نصوص میں بھی مفہوم مخالف کو حجت مانتے ہیں اور ہمارے فقہائے حنفیہ بھی کچھ نصوصِ کتاب و سنت میں مفہوم مخالف کو حجت تسلیم کرتے ہیں۔ ع

مسافرو! روشِ کارواں بدل ڈالو

(۲)- اشباہ و نظائر میں فرقِ احکام:-

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو مسئلے ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے کی نظیر ہوتے ہیں مگر دونوں میں کوئی باریک فرق ہوتا ہے جس کے باعث دونوں کے احکام الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ اب اس باریک فرق کی وجہ سے اگر کوئی فقیہ ایک نظیر کا حکم اس کے مشابہ دوسری نظیر پر جاری کرنے کے بجائے اس کے سوا دوسرا حکم صادر کرے تو اسے اختلاف نہ کہیں گے۔ کیوں کہ یہاں واقع میں صورت مسئولہ الگ الگ ہو گئی ہے، ایک مسئلے کی صورت و صفت

---

(۱) فوائد رضویہ برحاشیہ فتاویٰ رضویہ، باب التیمم، ج:۱، ص:۶۱۶، سنی دار الاشاعت، مبارک پور

کچھ ہے اور دوسرے مسئلے کی صورت وصفت کچھ اور۔ اور جب صورتِ مسئلہ بلفظ دیگر صفتِ مسئلہ ہی بدل جائے تو لازمی طور پر حکم بھی ضرور بدلے گا۔ "اختلاف" اس وقت ہوتا جب دونوں مسئلوں کی صورت وصفت ایک ہوتی پھر بھی ایک فقیہ کچھ حکم دیتا اور دوسرا فقیہ اس کے برخلاف کچھ اور حکم دیتا۔ ہدایہ میں اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں اور فاضل جلیل، محقق ابن نجیم مصری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تو ایسے ہی مسائلِ کثیرہ کے فرق کو واضح کرنے کے لیے اپنی کتاب "الاشباہ والنظائر" کا ایک باب «الفن الثالث فی الجمع والفرق» کے عنوان سے قائم کیا ہے، بلکہ اسی طرح کے مسائل کی وجہ سے اس کتاب کا نام "الاشباہ والنظائر" رکھا ہے، یہ کتاب کافی ضخیم ہے۔

ایک دو مثالیں آپ بھی ملاحظہ کیجیے:

"مشہور صحابیِ رسول حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ ایک اعرابی نے اپنی بیوی کا دودھ پی لیا تو انھوں نے میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے سے جدا ہونے کا حکم صادر کر دیا کیوں کہ ان کے پیشِ نظر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ حدیث تھی کہ " دودھ پینے سے وہ افراد حرام ہو جاتے ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔"

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ فتویٰ جاننے کے بعد ان سے فرمایا:

"إنّ مُدّةَ الرّضاعِ سنتان بالنص"

دودھ پینے کی مدت حدیث سے دو سال ہے۔ (۱)

یہاں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک ہی طرح کے دو مسئلوں میں تشابہ ہو گیا۔ ایک: بچے کا دودھ پینا۔ دوسرا: جوان کا دودھ پینا۔ دونوں جگہ "دودھ پینا" پایا گیا۔ لہٰذا دونوں کا حکم بھی یکساں ہوگا۔ مگر حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وجہِ فرق بیان فرما کر ان کے تشابہ کو دور فرما دیا۔

تو یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عبد اللہ بن مسعود کا اختلاف نہیں ہے بلکہ دو مشابہ مسئلوں سے پیدا ہونے والے اشتباہ کا ازالہ ہے۔

(ب)۔ زمین بیچی تو ☆ اس میں لگے چھوٹے، بڑے پیڑ بھی زمین کی بیع میں شامل ہوں گے ☆ مگر زمین میں لگی ہوئی کھیتی بیع میں شامل نہ ہوگی۔ (۲)

یہ دونوں مسئلے ایک دوسرے کے اشباہ ونظائر سے ہیں اس لیے بادی النظر میں سمجھ میں یہی آتا ہے کہ دونوں کا حکم ایک ہونا چاہیے مگر فقہا کی نظر بڑی دقیق ہوتی ہے وہ وجہِ فرق خوب سمجھتے ہیں اس لیے دونوں کا حکم الگ الگ بیان فرمایا۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں:

---

(۱) فواتح الرحموت، ص: ۲۹۳، ج: ۲، اصل ثالث، اجماع.
(۲) ہدایہ، کتاب البیوع، ص: ۸، ج: ۳، مجلس البرکات.

"لِاَنَّهٗ مُتَّصِل بِهٖ للقرار فَاَشبَهَ البناءَ — لِاَنَّهٗ مُتَّصِلٌ بِهٖ للفصل فشابَهَ المتاعَ الَّذِی فیه."

درخت زمین میں باقی رہنے کے لیے لگا ہے تو وہ عمارت کے مشابہ ہے اور کھیتی کٹنے کے لیے لگی ہے تو وہ مکان میں رکھے سامان کے مشابہ ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

(ج)- پھل خرید کر درخت پر چھوڑ دیا اور درخت کو پھلوں کے پکنے کے وقت تک کے لیے کرائے پر لے لیا تو پھلوں کے بڑھنے سے جو اضافہ ہوگا وہ خریدار کے لیے حلال ہے۔

اور اگر گیہوں یا دھان وغیرہ کی کھیتی خرید کر زمین میں چھوڑ دی اور زمین کو کھیتی کے پکنے کے وقت تک کے لیے کرائے پر لے لیا تو کھیتی میں دانوں کے بڑھنے کی وجہ سے جو اضافہ ہوگا وہ خریدار کے لیے حلال نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ درخت کو کرائے پر لینا باطل ہے اور باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا اس لیے اس کے ساتھ درخت کے مالک کی طرف سے جو اجازت پائی گئی وہ صحیح ہے، اس کے برخلاف زمین کا اجارہ کھیتی پکنے کی میعاد مجہول ہونے کی وجہ سے فاسد ہے یعنی اجارے کا وجود تو ہے مگر ناجائز وجود ہے تو اس کے ضمن میں زمین مالک کی طرف سے جو اجازت پائی گئی وہ بھی ناجائز ہو گئی۔[1]

الغرض اس طرح کے بے شمار مسائل ہیں اگر آپ بہارِ شریعت غور سے پڑھیں تو خود اس میں اس نوع کے سیکڑوں مسائل آپ کو ملیں گے جو دیکھنے میں ایک جیسے ہوں گے مگر احکام میں فرق بہت زیادہ ہوگا۔ مثلاً ایک حلال ہوگا تو دوسرا حرام، ایک صحیح و درست ہوگا تو دوسرا فاسد و نادرست۔

(د)- آج کے زمانے میں بھی اس طرح کے مسائل پیدا ہو چکے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں کئی مقامات پر ہے کہ دربارۂ ہلال تار و خط و ٹیلی فون کی خبر کا کوئی اعتبار نہیں اور اسی میں ایک دوسرے مقام پر ہے کہ حاکمِ شرع کے توپ اور ڈھنڈورا وغیرہ کی آواز دربارۂ ہلال معتبر ہے۔ بظاہر دونوں مسئلے ایک دوسرے کے مشابہ اور ایک دوسرے کی نظیر ہیں مگر دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ وجہِ فرق یہ ہے کہ پہلے مسئلے کا تعلق حاکمِ شرع کے یہاں ثبوتِ ہلال سے ہے اور دوسرے مسئلے کا تعلق عوام الناس کے حق میں ثبوتِ ہلال سے ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تار، خط اور ٹیلی فون کی خبر سے حاکمِ شرع کے حق میں چاند کا ثبوت نہ ہوگا اور توپ وغیرہ کی آواز سے ثابت شدہ چاند کا اعلان عوام کے لیے معتبر اور حجت ہوگا۔

(ہ)- یا مثلاً فرض کیجیے ایک تنظیم نے دہلی جانے کے لیے ریل بک کرائی جسے ڈرائیور چلاتا، روکتا ہے، اور ایک ریل مرکزی حکومت نے دہلی بھیجی اسے بھی ڈرائیور ہی چلاتا روکتا ہے، یعنی دونوں صورتوں میں ریل چلانے، روکنے کا کام بندہ ہی کرتا ہے اور دونوں صورتوں میں وہ بندہ محکمۂ ریل کا ہی ملازم ہے۔ تو یہاں یہ تشابہ لگ سکتا ہے

---

(۱) ھدایہ، کچھ شرح کے ساتھ، ص:۱۱، ج:۳، کتاب البیوع، مجلس البرکات۔

کہ دونوں کا حکم ایک ہوگا۔ مگر حق یہ ہے کہ دونوں کے درمیان ایک بڑا باریک فرق ہے اس لیے دونوں کا حکم الگ الگ ہوگا۔ وجہِ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں ریل خود مختار تنظیم کے ماتحت چل رہی ہے، اس لیے یہاں اس کی مرضی اور اصولوں کا لحاظ ہوگا، اور دوسری صورت میں حکومتِ ہند کے محکمۂ ریل کے ماتحت چل رہی ہے، لہٰذا وہاں حکومت کی مرضی اور اصولوں کا لحاظ ہوگا۔ مزید تفصیل و تحقیق کے لیے راقم کے کتب "چلتی ٹرین میں نماز کے احکام" اور "فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت" مطالعہ فرمائیں۔

آج کل اس طرح کے مسائل میں بھی "اختلاف و انحراف" کی "صدائے بازگشت" سننے میں آرہی ہے، حالاں کہ اس کا اختلاف سے کوئی تعلق نہیں، اس لیے ایسے مسائل کو دقّتِ نظر کے ساتھ سمجھنے کی ضرورت ہے ورنہ تھوڑی عجلت بھی "تشابہ" کا سبب بن سکتی ہے۔

ہاں کسی فقیہ پر وہ فرقِ لطیف واضح نہ ہوا اور اس نے دیانت داری کے ساتھ دل میں خدا کا خوف رکھتے ہوئے اپنی پوری کوشش حقیقت تک رسائی اور حکم کے استخراج میں صرف کر دی مگر اس کا دل اسی پر جمتا ہے کہ دونوں ایک ہیں تو اب یہ "تشابہ" نہیں بلکہ "تحقیق و تحرّیِ قلب" ہوگا۔ ایسے صاحب اجتہاد فقہا کے اقوال کو باہم ایک دوسرے سے اختلاف کہہ سکتے ہیں مگر ان حضرات پر بھی جب فرق واضح ہو جاتا ہے تو فوراً حق کی طرف رجوع فرما لیتے ہیں اور اس وقت ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ اختلاف فی الواقع صورتِ مسئلہ کا اختلاف تھا، نہ کہ اختلافِ حکم۔

ع

اللہ کرے آپ سمجھ جائیں مری بات

(۳)- اکابر فقہا کے درمیان دلائل کی بنیاد پر اختلاف ہوا اور بعد کے لوگوں نے ایک فقیہ کا اتباع کیا تو اسے بھی اختلاف نہیں کہتے۔ مثلاً امام اعظم اور صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان اختلاف ہوا اور بعد میں اصاغر نے امام اعظم کا اتباع کیا، یا صاحبین اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں اختلاف ہوا اور اصاغر صاحبین کا اتباع کریں تو یہ نہیں کہا جائے گا کہ اصاغر نے حضور غوث پاک یا صاحبین سے اختلاف کیا۔

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد ہیں اور طریقت میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سلسلے کے مرید و معتقد، جن کی شان میں آپ نے عرض کیا ہے:

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

اور سب کو معلوم ہے کہ فقہی فرعی مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مذہب الگ ہے اور حضور غوث پاک کا مذہب الگ، تو امام ابو حنیفہ کے اتباع کی وجہ سے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے غوث پاک سے اختلاف کیا۔

اب فرض کیجیے کہ امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کوئی قول مروی ہو اور امام ابو حنیفہ

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اصل مذہب اس کے سوا ہو پھر مشائخ حنفیہ کا ایک طبقہ اصل مذہب پر فتویٰ دے اور دوسرا طبقہ اس سے عدول کر کے قولِ مروی پر فتویٰ دے۔ اس کے ایک زمانہ بعد کسی دینی ضروری مصلحت کی بنا پر بعد کے فقہا پہلے طبقہ کے مشائخ کا قول اپنالیں تو کیا یہ دوسرے طبقہ مشائخ سے اختلاف ہوگا؟ ایسا نہیں۔

ہاں اختلاف ان مشائخِ کرام کے درمیان ہے اور یہ بعد کے فقہا تو انھیں میں سے ایک دوسرے کی پیروی کرنے والے ہیں۔

فتاویٰ عالم گیری میں اِستصناع کے باب میں امام اعظم اور ان کے صاحبین کے درمیان یہ اختلاف مذکور ہے کہ فرمائشی بیع میں سامان دینے کی مدت ایک ماہ سے کم ہو تو امام کے نزدیک اِستصناع ہے ورنہ سَلَم۔ مگر صاحبین رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مدت ایک ماہ یا اس سے زیادہ ہو تو بھی استصناع ہی ہے۔ اس اختلاف کے رونما ہونے کے بارہ سو برس بعد شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف نے ایک دینی مصلحت کی بنا پر صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کو اختیار کر کے اس کے مطابق فیصلہ صادر کر دیا تو کیا یہ اربابِ شرعی کونسل کا امام اعظم سے اختلاف ہے اور ان حضرات نے تو صاحبین کا دامن تھاما ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی طرف "امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اختلاف" کی نسبت نہیں کرنی چاہیے۔

اور یہ ایک حسنِ اتفاق ہے کہ اس باب میں ہمارے فقہاے اہل سنت کی ایک جماعت، مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ کے فقہی سیمینار میں پہلے ہی یہ فیصلہ کر چکی تھی، پھر چار سال بعد شرعی کونسل بھی اسی نتیجے پر پہنچی۔ یہ اللہ کا شکر ہے کہ خاص اس باب میں مجلس شرعی طعن و تشنیع سے محفوظ ہے۔

(۴)- جو احکام زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے بدلتے ہیں وہ بھی "اختلاف" کے دائرے میں نہیں آتے، سات طرح کے احکام ہیں جو- ضرورت، حاجت، عمومِ بلویٰ، عرف، تعامل، دینی ضرورت مصلحت کی تحصیل اور فساد موجود یا مظنون بظنِ غالب کے ازالہ— کی بنیادوں پر گردش کرتے رہتے ہیں اور یہ بنیادیں زمانے کے بدلنے کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں اس لیے احکام بھی بدلتے رہتے ہیں۔

فقہا فرماتے ہیں کہ محتاج کے لیے سودی قرض لینا جائز ہے لیکن زمانے کے بدلنے کے ساتھ "محتاج" غنی ہو گیا تو فقہ کا ایک ادنیٰ طالب عالم بھی کہے گا کہ اسے سودی قرض لینا جائز نہیں، تو کیا یہ فقہا سے طالب علم کا اختلاف ہے، ایسا نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ حالت کے بدل جانے سے حکم خود ہی بدل گیا ہے، اور طالب علم اسی کو بیان کر رہا ہے۔

شیر خوار بچے کو ننگا رہنا جائز ہے اور جوان کو ننگے رہنا حرام۔ اسے تو عوام بھی سمجھتے ہیں کہ یہ دو فقہا کا اختلاف نہیں بلکہ حالات کے بدلنے کا لازمی اثر ہے۔

پھر اختلاف کسے کہا جائے؟

اب سوال یہ ہے کہ جب "اختلاف" یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں تو پھر "اختلاف" کسے کہا جائے؟ تو جواباً عرض ہے کہ جہاں پہلے والے حکم کی دلیل و علت الگ ہو اور بعد والے حکم کی دلیل و علت بھی الگ ہو۔ اور مسئلہ اشباہ و نظائر سے نہ ہو، نہ ہی اختلاف کرنے والے دو فقہا کے مختار و مفتٰی بہ اقوال میں سے کسی کا اختیار و اتباع ہو، نیز اس کی بنیاد ساتوں شرعی اسباب میں سے کسی سبب مثلاً ضرورت، حاجت یا عرف و تعامل وغیرہ پر نہ ہو، نہ ایک ہی قول کے منطوق و مفہومِ مخالف کی وجہ سے فرقِ احکام ہو۔ وہ اختلاف ہے۔

کیوں کہ مسئلہ اگر اشباہ و نظائر سے ہو تو وہاں فرقِ احکام صورت مسئلہ کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہوگا اور یہ فقہا کا باہمی اختلاف نہیں۔

اور اکابر فقہا کے درمیان اختلافِ اقوال و تصحیح ہو تو ان میں سے کسی فقیہ کی پیروی کرنے والے کی طرف اختلاف کی نسبت نہ ہوگی، ہمارا کام ہے ان میں سے کسی ایک کا اتباع، ہم نے وہی کیا ہے۔

اور مسئلے کی بنیاد ساتوں اسباب شرعیہ میں سے کسی سبب پر ہو تو یہ بنیاد بدلنے سے حکم میں تبدیلی ہوگی، نہ کہ یہ فقہا کا باہمی اختلاف ہوگا۔

فرقِ احکام ایک ہی "قول" کے منطوق و مفہومِ مخالف کی وجہ سے ہو تو بہر صورت صاحبِ قول کا اتباع ہے، نہ کہ ان سے اختلاف۔ تو کسی کی طرف اختلاف کی نسبت اس وقت کریں گے جب مسئلہ ان چاروں صورتوں میں سے نہ ہو۔

یہ "اختلافِ فقہی" کا ایک سادہ سا تعارف ہے ورنہ گہرائی میں اتر کر کلام کیا جائے تو اس کا دائرہ اور محدود ہو سکتا ہے اس لیے کسی مسئلے میں اگر آپ "فرقِ احکام" دیکھیں تو درج بالا صورتوں کو سامنے رکھ کر اچھی طرح غور فرمائیں اور بلا تحقیق کسی کی طرف "اختلاف" کی نسبت کرنے سے احتراز کریں اور کم از کم فقہا کو تو یہ لفظ بولتے وقت اپنی عظمت شان کا احترام کرنا ہی چاہیے۔

☆ حنفی مذہب میں کیکڑا حرام ہے اور شافعی مذہب میں حلال۔

☆ ہمارے مذہب میں امام کے پیچھے قرآن پڑھنا ناجائز ہے اور شافعی مذہب میں جائز بلکہ واجب۔

☆ اپنے مذہب میں نماز میں درود شریف پڑھنا سنت ہے اور شافعی مذہب میں فرض۔

☆ اپنے مذہب میں نماز میں بھول کر درود شریف پڑھنے سے سجدۂ سہو واجب ہوگا اور شافعی مذہب میں نہیں۔

☆ اپنے مذہب میں اگر کوئی شخص جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ قصداً نہ پڑھے تو جانور حرام ہے مگر

شافعی مذہب میں حلال۔

☆ ہمارے یہاں شرم گاہ کو چھونا نقضِ وضو نہیں اور شافعی مذہب میں ہے۔

☆ اپنے مذہب میں کوئی عورت کسی عورت کے ساتھ سفرِ حج کو نہیں جا سکتی اور شافعی مذہب میں جا سکتی ہے۔

☆ اپنے مذہب میں بے وضو شخص قرآن پاک کو غلاف منفصل کے ساتھ چھو سکتا ہے اور شافعی مذہب میں نہیں۔

یہ ہے "اختلاف" اور یہ ہے ائمۂ کرام کے درمیان اختلاف مذاہب کی ایک ہلکی سی جھلک، ورنہ چاروں ائمۂ مذاہب کے درمیان ایسے بہت سارے مسائل میں اختلافات ہیں، بلکہ خود اپنے مذہب میں اپنے ائمہ کے درمیان بھی کثیر مقامات پر فروعی اختلافات پائے جاتے ہیں، یہاں تک کہ استاذ اور شاگرد میں اختلافات ہیں اور یہ اختلافات چوں کہ خیرِ امت کے ہیں اس لیے یہ بجائے خود رحمت بھی ہیں۔

اس کی وضاحت کے لیے دو مسئلے پڑھیں:

نائب مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"قنوتِ نازلہ میں دعا قبل رکوع ہے یا بعدِ رکوع؟" اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فتویٰ ہے کہ: «قبل رکوع ہے» اور صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مرادآبادی کا فتویٰ ہے کہ بعدِ رکوع۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا فتویٰ ہے کہ مزامیر کے ساتھ قوالی مطلقاً ناجائز ہے مگر ہمارے اکابر اہل سنت کا ایک طبقہ اسے جائز جانتا ہے اور نہ صرف جائز جانتا ہے بلکہ سلوک میں مُمِد و معاون جان کر اسے سنتا بھی ہے اور سناتا بھی ہے۔[1]

یہ واقعی اختلاف ہے پھر بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اور صدر الافاضل اور حضرت اشرفی میاں علیہم الرحمہ کے درمیان رشتۂ محبت قائم رہا اور فقہی اختلاف قلبی اختلاف کا باعث نہ بن سکا۔

آج کے دور میں ہمارے علمائے محققین نو پیدا مسائل میں جو تحقیقات فرماتے ہیں وہ اختلافات کی حدوں سے بہت دور ہیں وہ تو اپنے بزرگوں کے کلامِ مطلق یا کلامِ عام یا کلام کے مفہوم مخالف کا سہارا لیتے ہیں یا پھر ساتوں شرعی بنیادوں کی گردش سے جہاں حکم میں تبدیلی ہو رہی ہوتی ہے اس کا انکشاف فرماتے ہیں۔

واضح ہو کہ عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ سے لے کر آج کے عہدِ انحطاط تک ساتوں شرعی بنیادوں کی گردش کے باعث بدلنے والے احکام بے شمار ہیں اور آج کے فقہائے محققین جو عرق ریزی فرما رہے ہیں یا فرما چکے

(۱) اسلام اور چاند کا سفر، ص: ۱۰۔

ہیں، اس کا رشتہ عہدِ صحابہ و عہدِ رسالت سے جڑا ہوا ہے اور اس روش نیک پر انگلی اٹھانا اچھی بات نہیں۔ تاہم اب بھی کوئی وہی راگ الاپے جائے تو ہم اسے "سلام" کہیں گے اور امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بقول عرض کریں گے۔ ع

چھوڑ کے نغمۂ حجاز دیس کی چیز گائی کیوں

فیصل بورڈ کا تعارف

فیصل بورڈ کی تشکیل پہلے سیمینار کے دوسرے اجلاس میں مندوبین کے اتفاق رائے سے ہوئی، اس کی تقریب یہ ہوئی کہ "الکحل آمیز دواؤں کے استعمال" پر بحث چل رہی تھی، اس بارے میں علما کی دو مختلف رائیں تھیں اور ہر فریق اپنی اپنی رائے پر قائم تھا۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نائب صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ (حال صدر المدرسین) نے فرمایا: "اتنے سارے مقالے اور بحث کے بعد بھی نتیجہ نہیں نکل سکا تو چند علما پر مشتمل بورڈ بنا لیا جائے جو اس سلسلے میں حتمی فیصلہ کرے اور تمام حضرات اس کو قبول کریں۔

اس کے بعد محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ نے اس رائے کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"اب آخری گفتگو تو یہی ہونی چاہیے کہ متفقہ طور پر چند علما کی ایک مجلس تشکیل دی جائے اور وہ اس مسئلے میں کسی نتیجہ پر پہنچ کر کوئی حکم صادر فرمادیں تو اسے ہم کو قبول کرنا چاہیے۔"

ساتھ ہی حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور دوسرے اکابر علمائے مندوبین نے بھی اس رائے سے اتفاق کیا۔

اس مجلس کے لیے چار علمائے کبار کے نام پیش ہوئے:

(۱)۔تاج الشریعہ حضرت علامہ محمد اختر رضا خاں قادری مد ظلہ العالی جانشین حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۲)۔نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ۔

(۳)۔محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری مد ظلہ العالی۔

(۴)۔فقیہ ملت حضرت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمۃ۔

لیکن حضرت شارح بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معذرت کر لی اور اصرار کے باوجود بھی راضی نہ ہوئے اس لیے درج بالا تین علمائے کبار پر مشتمل مجلس حکم تشکیل پائی جسے "فیصل بورڈ" کے نام سے موسوم کیا گیا، اس بورڈ کے صدر حضرت تاج الشریعہ دام ظلہ منتخب ہوئے اور باقی دو بزرگ اس کے ارکان قرار پائے، مندوبین نے باتفاق رائے یہ طے کیا کہ فیصل بورڈ کے اصل ارکان یہی تین حضرات ہوں گے، البتہ یہ حضرات دوسرے علما

سے تعاون لے سکتے ہیں، یہ واقعہ ۲؍جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹؍اکتوبر ۱۹۹۳ء سہ شنبہ کا ہے۔
فیصل بورڈ کے کل چار اجلاس ہوئے۔

پہلا اجلاس ۳؍۴؍شعبان مطابق ۱۶؍۱۷؍جنوری ۱۹۹۴ء یک شنبہ کو جناب حافظ محمود ایاز کے مکان واقع محلہ مدن پورہ بنارس میں ہوا۔ جس میں علمائے اشرفیہ کے علاوہ علمائے بنارس بھی شریک ہوئے، اس اجلاس میں دو مسائل پہلے فقہی سیمینار کے نتائج ابحاث کے مطابق فیصل ہوئے۔ (۱)- الکحل آمیز دواؤں کا استعمال۔ (۲)- جان و مال کا بیمہ۔

دوسرا اجلاس: چھٹے فقہی سیمینار کے موقع سے ۲۱؍ربیع الاول ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۶؍جولائی ۱۹۹۸ء جمعرات کو بعد مغرب عزیزی ہال، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور میں منعقد ہوا مگر کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

تیسرا سہ روزہ اجلاس: مرکزی دارالافتا محلہ سوداگران بریلی شریف میں ۱۶ تا ۱۸؍ذی الحجۃ ۱۴۱۹ھ مطابق ۴ تا ۶؍اپریل ۱۹۹۹ء یک شنبہ تا سہ شنبہ کو منعقد ہوا، اس میں مسئلہ شیئر بازار کے دو جزوں کا فیصلہ ہوا جب کہ دوسرے امور کا فیصلہ سیمینار میں پہلے ہی ہو چکا تھا۔

چوتھا اور آخری اجلاس: بھی بریلی شریف میں ہی ہوا، اس میں دیہات میں جمعہ کے تعلق سے ایک مسئلہ کا فیصلہ دو شنبہ ۲۳؍ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۶؍جولائی ۲۰۰۱ء کو ہوا جو، ماہنامہ سنی دنیا وغیرہ میں اسی وقت بورڈ نے شائع کر دیا تھا۔

اخیر کے دونوں اجلاس کے مصارف حضرت تاج الشریعہ دام ظلہ العالی نے برداشت کیے اور علما کے شایانِ شان ان کی رہائش اور ضیافت کا اہتمام کیا۔ ساتھ ہی سب کو اپنے عطایا سے بھی نوازا۔ مجلس اس کے لیے حضرت کی شکر گزار ہے۔ خدائے پاک حضرت کی یہ خدمت دینی قبول فرمائے اور صحت و سلامتی کے ساتھ آپ کا سایۂ کرم اہل سنت پر جلوہ فگن رکھے۔ ساتھ ہی مجلس شکر گزار ہے محب گرامی قدر حافظ محمود ایاز صاحب دام مجدہم کی کہ انھوں نے اپنے دولت کدے پر اجلاس کا نہ صرف یہ کہ اہتمام کیا بلکہ اپنی شانِ فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے تمام شرکائے اجلاس کی ضیافت کی اور وہ بھی اس خندہ پیشانی کے ساتھ کہ جیسے ان کے گھر میں خوشی کی کوئی اہم تقریب ہو، خدائے پاک انھیں بھی اس کی بہتر جزا عطا فرمائے۔ آمین۔

۲۳؍اگست ۲۰۰۱ء جمعرات کو حضرت فقیہِ ملت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا وصال ہو گیا اور باقی دونوں بزرگ ”شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف“ قائم کر کے ۲۰۰۴ء سے فقہی سیمینار کا انعقاد کرنے لگے، اس طرح اب ہماری دو مجلسیں نو پید مسائل کے حل کے لیے سرگرم عمل ہیں۔

یادِ رفتگاں

مجلسِ شرعی کا قیام (۲۳ر جمادی الآخرہ ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۹ر دسمبر ۱۹۹۲ء بروز شنبہ) اہل سنت و جماعت کے لیے مژدۂ جاں فزا تھا۔ اہلِ علم نے اس کے قیام پر مسرتوں کا اظہار کیا، مبارک بادیاں دیں اور علما و فقہا کی جماعت اس سے وابستہ ہوگئی۔ ۲۰ر سال سے یہ مجلس علما اجتماعی طور پر نوپیدا مسائل کی تنقیح و تحقیق کا کام کر رہی ہے اور ان شاء اللہ العزیز کرتی رہے گی۔ آج کے دور میں یہ مجلس یدُ اللہِ علی الجماعۃِ کی مصداق ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اسے قبول انام حاصل ہوا۔ یہ کاروان علم و تحقیق آغازِ سفر سے آج تک مسلسل رواں دواں ہے اور اپنے سفر کی ۲۰ر منزلیں طے کرنے کے بعد بھی برابر آگے کی طرف گام زن ہے۔

اس منزل پر پہنچ کر جب ہم نے اس کاروانِ علم کا جائزہ لیا تو نظر آیا کہ ہمارے بہت سے علما و فقہا اللہ کو پیارے ہو چکے بلکہ کچھ ایسے اکابر بھی چلے گئے جو دراصل قافلہ سالار اور اس گلشنِ فقہ کی بہار تھے، گو ان کی دعاؤں کا فیض ہمارے ساتھ ہے۔ ہم یہاں جذبہ احسان شناسی کے طور پر اپنے ایسے بزرگوں اور علما کا ذکر خیر کر رہے ہیں جو اللہ کی رحمت میں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔

(ترتیب باعتبارِ وصال)

(۱) حضرت مولانا خادم رسول رضوی مصباحی علیہ الرحمہ

۱۹۲۵ء ------ ۱۹۹۸ء

دارالعلوم اشرفیہ مصباح العلوم کے ممتاز فضلا سے ہیں۔ ابتدائی تعلیم قصبہ مہراج گنج، ضلع اورنگ آباد، بہار میں ہوئی، اسی قصبہ میں آپ کی ولادت اور پرورش ہوئی۔ درسِ نظامی کی تعلیم کے لیے دارالعلوم اشرفیہ کا رخ کیا اور ۱۹۵۰ء میں فراغت حاصل کی۔ مدرسہ عین العلوم گیا، جامعہ حمیدیہ رضویہ بنارس، جامعہ نظامیہ حیدر آباد، فیض العلوم جمشید پور وغیرہ مدارس میں درس و تدریس سے منسلک رہے۔ پھر اپنے استاذ محترم شہزادۂ صدر الشریعہ علامہ عبد المصطفیٰ ازہری کی دعوت پر دارالعلوم امجدیہ کراچی تشریف لے گئے۔ چند سالوں کے بعد مدرسہ مسعود العلوم چھوٹی تکیہ بہرائچ شریف کے ارکان کے اصرار پر آپ نے اس ادارہ کو زینت بخشی اور شیخ الحدیث کے منصبِ جلیل پر فائز رہ کر تا حیات طالبانِ علوم نبویہ کو درسِ حدیث دیا۔ حضور مفتی اعظم ہند رضی اللہ عنہ سے اجازت و خلافت حاصل ہے۔ مجلس شرعی کے پہلے سیمینار میں شریک ہو کر رونق بخشی۔ مجلس شرعی سے قبل "کل ہند شرعی بورڈ جامعہ اشرفیہ مبارک پور" کے تیس ارکان میں سے ایک تھے۔

(۲) نائب مفتی اعظم ہند شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ

۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء ------ ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

حضرت شارح بخاری بہت سے اوصاف اور خوبیوں کے مالک تھے مثلاً آپ بیک وقت محدث، مفسر،

شارح، متکلم، مناظر، مدرس، مصنف، اصولی، محقق، مرشد، مقرر، مدبر، ناقد، مورخ تھے۔ لیکن آپ کا سب سے نمایاں اور ممتاز وصف یہ ہے کہ آپ ایک "عظیم مفتی وفقیہ" تھے۔ آپ قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ (حال مئو) کے ایک دین دار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ علوم دینیہ کی تحصیل دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور (۸ر سال) مدرسہ عربیہ اندر کوٹ میرٹھ (چند ماہ) اور دارالعلوم مظہر اسلام بریلی شریف (ایک سال) میں کی مؤخر الذکر ادارہ سے ۱۹۴۲ء میں دورۂ حدیث کیا اور فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد ہندوستان کے مختلف مدارس میں رہ کر طالبانِ علوم نبویہ کو علم دین کی دولت بانٹتے رہے۔ ۱۹۷۶ء میں صدر شعبۂ افتا کی حیثیت سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور تشریف لائے اور تاحیات یہاں کی مسند افتا کے صدر نشین رہے۔ اس کے علاوہ جامعہ اشرفیہ کے ناظم تعلیمات اور سرپرست مجلس شرعی کے مناصب جلیلہ پر بھی فائز تھے۔

حضرت شارح بخاری کے فتاویٰ اور فقہی وتصنیفی کارنامے کثیر بھی ہیں، عظیم بھی، نزہۃ القاری شرح صحیح البخاری (۹ر جلد)، فتاویٰ شارحِ بخاری (۹ر جلد) اسلام اور چاند کا سفر، تحقیقات (۲ر جلد)، منصفانہ جائزہ اور مقالاتِ شارحِ بخاری (۳ر جلد) سے آپ کے علمی، فقہی کارناموں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اور فتاویٰ کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ عصر حاضر کے مفتیانِ کرام میں آپ کے فتاویٰ کی تعداد سب سے زیادہ ہے ایک اندازہ کے مطابق آپ کے کل فتاویٰ کی تعداد تقریباً پچاس ہزار ہے۔ جشن تکمیل شرح بخاری کے موقع پر آپ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے رضا اکیڈمی نے آپ کو چاندی سے تولا۔ خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے آپ کو "برکاتی مفتی" اور "فقیہ اعظم ہند" کے تکریمی خطابات سے نوازا گیا۔

آپ مجلس شرعی کے اولین سرپرستوں میں سے ایک ہیں۔ مجلس شرعی کو تاحیات علمی تعاون دیا۔ اور ان سیمیناروں میں راقم سطور کے مقالات کی کھلے دل سے حوصلہ افزائی فرمائی، داد وتحسین اور کلمات خیر سے نوازا۔ آپ کی شخصیت مجالس علمیہ کے لیے ایک شمع انجمن کی حیثیت رکھتی تھی جسے موت نے ابدی نیند کا جامہ پہنا دیا۔

(۳) حضرت مولانا مفتی اختر حسین رضوی مصباحی علیہ الرحمہ

۱۹۴۸ء ------- ۲۰۰۱ء

مولانا موصوف کی ولادت ملک پور، دربھنگہ بہار میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے جدِ امجد میر سید عبد اللطیف مرحوم سے حاصل فرمائی۔ درسِ نظامیہ کے لیے فیض العلوم جمشید پور اور دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کا رخ کیا اور جید علمائے کرام سے اکتسابِ علم کیا۔ آپ کے اساتذۂ کرام میں حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ، حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ، حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ اور حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ۱۹۶۸ء میں دار العلوم اشرفیہ سے دستارِ فضیلت حاصل کی۔ فراغت کے بعد

مدرسہ انوار العلوم جین پور، اعظم گڑھ میں درس و تدریس سے منسلک ہوئے، پھر دار العلوم رضویہ کیتھون، کوٹہ راجستھان میں ۲۷ر سال تک اپنا علمی فیضان عام و تام کیا۔ اس مدرسہ میں آپ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کے اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ پھر کوٹہ شہر میں اپنے قائم کردہ ادارہ دار العلوم رضائے مصطفیٰ وگیان نگر کو زینت بخشی۔ یہاں آپ نے دین وسنیت کی گراں قدر خدمات انجام دیں۔ کئی ایک ادارے بھی قائم فرمائے، مثلاً دار العلوم گلشنِ اجمیر ملک پور، بہار، دار العلوم گلشنِ بغداد کوٹہ، دار العلوم گلشنِ طیبہ سوکیٹ کوٹہ۔ ان کارناموں کے علاوہ "امام احمد رضا تحقیق کے اجالے میں" اور "سوانح اعلیٰ حضرت و حضور غریب نواز" نامی کتابیں بھی لکھیں۔ مجلسِ شرعی کے لیے کئی ایک مقالات بھی تحریر فرمائے، نیز اس کے سیمیناروں میں شرکت بھی فرمائی۔

(۴) فقیہ ملت حضرت مفتی محمد جلال الدین احمد امجدی علیہ الرحمہ

۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء ------ ۱۴۲۲ھ/۲۰۰۱ء

حضرت فقیہ ملت ایک عظیم المرتبت شخصیت اور بہت سی خوبیوں کے مالک تھے۔ آپ ایک صاحب عزیمت عالم دین، فقیہ، مصلح، مدرس اور کثیر کتابوں کے مصنف و مؤلف تھے۔ ابتدائی تعلیم وطن مالوف اوجھا گنج ضلع بستی اور التفات گنج کے مدرسوں میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے مومن پورہ ناگ پور کے مدرسہ شمس العلوم میں وقت کے مایہ ناز عالم دین علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا۔ ۱۹۵۲ء میں سند فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد متعدد مکاتب و مدارس میں درس و تدریس سے منسلک رہے۔ آپ نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ دار العلوم فیض الرسول براؤں شریف میں گزارا۔ اس ادارہ میں فتویٰ نویسی کی خدمات بھی انجام دیتے تھے۔ فتاویٰ فیض الرسول (دو جلد) اسی ادارہ سے صادر کردہ فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس کے علاوہ فتاویٰ فقیہ ملت (دو جلد)، انوار الحدیث، عجائب الفقہ، خطبات محرم وغیرہ آپ کے باوقار علمی کارنامے ہیں۔ دار العلوم امجدیہ اہل سنت ارشد العلوم اور مرکز تربیت افتا کا قیام آپ کا زریں کارنامہ ہے۔ آپ کی علمی، فقہی خدمات کے صلے میں آپ کو امام احمد رضا ایوارڈ اور قبلۂ عالم ایوارڈ سے نوازا گیا۔ آپ تاحیات مجلس شرعی کے فیصل بورڈ کے رکن رہے۔ اور اس کے فقہی سیمیناروں میں شرکت فرماکر زینت بخشتے رہے۔

آپ کی مخلصانہ جد و جہد سے آپ کا پورا علاقہ بدمذہبوں کی دسیسہ کاریوں سے محفوظ ہے اور وہاں آج بھی ہر طرف اہلِ سنت کا بول بالا ہے، امر بالمعروف میں آپ کوئی تامل نہ کرتے، حق گوئی آپ کی شان تھی۔ راقم الحروف ان کا تلمیذ، نہ مرید مگر کھلے دل سے وہ ذرہ نوازی فرماتے، میرے مقالات کو پڑھ کر بے پناہ اظہارِ مسرت فرماتے اور ایک دفعہ تو پیشین گوئی کرتے ہوئے بہت بڑی بات ارشاد فرمادی تو میں نے معذرت کی کہ حضور! براے کرم ایسی بات اب نہ ارشاد فرمائیں، مجھے تکلیف پہنچ سکتی ہے، مگر

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

ادھر کچھ دنوں سے اس کی صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ خدائے پاک اس عاجز کو اس لائق بنائے اور حضرت فقیہ ملت علیہ الرحمہ کو اپنے جوارِ رحمت میں خاص مقام سے سرفراز فرمائے۔ آمین

(۵) رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ

۱۹۲۵ء ------- ۲۰۰۲ء

آپ کی ذات والا صفات کسی تعارف کی محتاج نہیں آپ کا نام نامی اسم گرامی خود ایک تعارف ہے۔ اصل نام "غلام رشید" ہے لیکن قلمی نام "ارشد القادری" سے متعارف ہیں۔ آپ کی ولادت مارچ ۱۹۲۵ء کو سید پور ضلع بلیا میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گھر کے علمی ماحول میں ہوئی اس کے بعد دار العلوم اشرفیہ مصباح العلوم میں تقریباً ۸ر سال تک اکتساب علم کیا۔ فراغت کے بعد مدرسہ شمس العلوم ناگ پور میں تدریس کا فریضہ انجام دیا۔ اس کے بعد حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے حکم سے جمشید پور تشریف لے گئے اور فیض العلوم کے نام سے ایک عظیم اسلامی دینی تعلیم گاہ قائم کی، جہاں سے آج بھی دین کا فروغ ہو رہا ہے۔ آپ ایک ذی استعداد عالم دین، مناظر، ادیب، مصنف اور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم داعی و مبلغ اور جماعت اہل سنت کے قائد و رہنما تھے، مختلف مناظروں میں شرکت فرما کر اہل سنت و جماعت کو فتح و نصرت سے ہمکنار کیا۔ ہند و بیرونِ ہند میں تعلیمی و تبلیغی اداروں اور مساجد کی تعمیر فرمائی۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات کی تعداد تین درجن سے متجاوز ہے جن میں زلزلہ، زیر و زبر، تبلیغی جماعت، لالہ زار بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔ ادارۂ شرعیہ بہار، الدعوۃ الاسلامیۃ العالمیۃ (ورلڈ اسلامک مشن) تحریک دعوتِ اسلامی، جامعہ حضرت نظام الدین اولیا، مدرسہ فیض العلوم جمشید پور اور کل ہند شرعی بورڈ کا قیام آپ کے زریں کارنامے ہیں جو تاریخ کے صفحات پر ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے۔ کل ہند شرعی بورڈ کو مجلس شرعی کی خشت اول سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جو جدید مسائل کے حل کے لیے آپ نے ۳ر ذی قعدہ ۱۴۰۵ھ مطابق ۲۲ر جولائی ۱۹۸۵ء کو قائم کیا یہ بورڈ تیس ارکان پر مشتمل تھا اس کے تحت مختلف اوقات میں ۴ر نشستیں ہوئیں بلفظ دیگر چار فقہی سیمینار ہوئے۔ پہلی نشست ۳۰ر اکتوبر ۱۹۸۵ء کو جامعہ حمیدیہ بنارس میں ہونی طے پائی۔

میرے نام آپ ایک خط میں اس موقع پر مقالہ تحریر فرمانے کا تقاضا یوں کرتے ہیں:

محترمی .... زید احترامکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۳۰ر اکتوبر کی تاریخ قریب آ رہی ہے اور ابھی تک آپ کی طرف سے میرے استفتا کا جواب موصول نہیں

ہوا ہے۔ ازراہ کرم آپ صورت حال کی نزاکت اور مسئلے کی اہمیت محسوس کیجیے۔ چند راتیں ہی اگر آپ غور و فکر اور تلاش و جستجو میں گزار دیں تو مجھے امید ہے آپ ضرور جواب کے قابل مواد فراہم کر لیں گے۔ ابھی تک صرف تین مقامات سے مجھے جواب موصول ہوا ہے۔ والسلام۔ آپ کا مخلص: ارشد القادری

۱۴/۱/۱۹۸۵ء

میری مصروفیت کچھ اور تھی مگر اس حوصلہ افزا مکتوب نے مجھے تعمیل حکم پر مجبور کیا، اور سچ یہ ہے کہ یہی حوصلہ افزائی میری زندگی میں ایک بڑے انقلاب کا سبب بنی، میں عربی ادب و انشا کی تیاری میں لگا ہوا تھا، مگر تعمیلِ حکم کے لیے جب فقہ کی طرف رجوع کیا تو پھر ادھر کا ہی ہو کر رہ گیا، میری دل چسپی کا میدان تو فقہ ہی تھا اور اسی کے لیے عربی ادب و انشا کی تکمیل بھی ضروری سمجھتا تھا مگر خدا کو جو منظور تھا وہ ہوا۔

اس کے بعد حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کی تحریک پر جامعہ اشرفیہ میں مجلس شرعی کا قیام عمل میں آیا اور آپ نے اس کے بعض سیمیناروں میں شرکت فرمائی۔ مجلسِ شرعی کی کامیابیوں کو دیکھ کر آپ قلبی مسرت کا اظہار فرمایا کرتے تھے۔

(۶) خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی قادری

[۱۳۳۹ھ یا ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء ------ ۲۰۰۲ء]

آپ کا شمار جماعتِ اہلِ سنت کے منتخب علمائے کرام اور صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی کے ممتاز تلامذہ میں ہوتا ہے۔ ابتدائی تعلیم قصبہ نگینہ ضلع بجنور کے مدرسہ قاسمیہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم مدرسہ حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ میں حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ اور دیگر لائق و فائق اساتذہ کے زیر سایہ مکمل کی۔ ۱۹۴۳ء میں سند فضیلت تفویض ہوئی۔ مدرسہ عربیہ خدام الصوفیہ گجرات، پنجاب اور مدرسہ عربیہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی میں تدریس کے فرائض انجام دینے کے بعد ۱۹۴۷ء میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے وابستہ ہو گئے اور ۱۹۸۴ء تک استاذ دینیات کی حیثیت سے دین کی تعلیم دیتے رہے۔

درس و تدریس اور تقریر و تحریر کے ذریعہ عظیم علمی و تبلیغی خدمات انجام دیں اردو عربی و فارسی زبان و ادب سے خاصہ شغف رکھتے تھے۔ آپ نے ان تینوں زبانوں میں نعت گوئی فرمائی ہے۔ کئی ایک علمی تحریریں یادگار چھوڑی ہیں، جن میں بہار شریعت انیسواں حصہ اور القواعد الفقهيه والاصول الكلية معروف بہ آداب الافتا کو شہرتِ دوام اور قبول انام حاصل ہے۔ مجلسِ شرعی کی خدمات کو سراہتے اور راقم کو ہمیشہ اپنی دعاؤں سے نوازتے تھے۔ نیز اس بے مایہ کے مقالات کی تعریف و توصیف کر کے حوصلہ افزائی فرماتے تھے۔

(۷) حضرت مولانا مفتی عبد القیوم ہزاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

[۱۳۵۲ھ/۱۹۳۳ء ------- ۲۰۰۳ء]

فتاویٰ رضویہ شریف سے متعلق عظیم خدمات انجام دینے والوں میں ایک زرین نام مفتی عبد القیوم ہزاروی کا ہے۔ پاکستان کے جید علمائے دین میں آپ کا شمار ہوتا تھا۔ آپ کی پیدائش مقام مراہ، علاقہ اپر تناول، مانسہرہ (ہزارہ) کے ایک علمی گھرانے میں ہوئی۔ فنون کی ابتدائی کتابیں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں پڑھنے کے بعد بقیہ تعلیم پاکستان کے مختلف مدارس میں حاصل کی۔ حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری علیہ الرحمہ سے دار العلوم حزب الاحناف اور محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا سردار احمد علیہ الرحمہ سے جامعہ رضویہ مظہر اسلام (فیصل آباد) میں درسِ حدیث لے کر ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۶ء میں دستارِ فضیلت حاصل کی۔ فراغت کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تدریسی فرائض کی انجام دہی کے ساتھ انتظامی امور و معاملات میں بھی بانیِ ادارہ حضرت مولانا غلام رسول رضوی علیہ الرحمہ کی معاونت کی۔ تنظیم المدارس پاکستان کے ناظمِ اعلیٰ، جمعیت علمائے پاکستان لاہور کے صدر اور مرکزی ناظم نشر و اشاعت کی حیثیت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ تحریک ختم نبوت اور تحریک نظامِ مصطفیٰ میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ فتاویٰ رضویہ کو ترجمہ و تخریج کے ساتھ جدید طرز پر ایڈیٹ کرنے کے لیے ۱۹۸۸ء میں "رضا فاؤنڈیشن" کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا اور اس عظیم کام کو انجام دینے کے لیے علما کا ایک پینل تشکیل دیا، جس کے آپ سربراہ و سرپرست منتخب کیے گئے۔ مجلسِ شرعی کے پہلے فقہی سیمینار کے لیے آپ نے مقالہ تحریر فرمایا اور مجلس کی علمی امداد فرمائی۔ راقم الحروف سے غائبانہ تعارف رہا پھر کراچی کے سفر میں حضرت سے ملاقات بھی ہوئی۔ آپ نے میری ایک علمی کاوش پر اپنے تاثرات بھی تحریر فرمائے ہیں۔

(۸) حضرت مولانا مفتی رحمت حسین کلیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

[۱۹۴۰ء ------- ۲۰۰۵ء]

مجلسِ شرعی کے مندوبین اور اس کی علمی تعاون فرمانے والوں میں ایک قابلِ ذکر نام حضرت مولانا مفتی رحمت حسین کلیمی کا ہے۔ ابتدائی تعلیم والد مرحوم صوفی ریاست حسین صاحب اور اپنے گاؤں پانی صدرا، بائسی، پورنیہ کے مکتب میں حاصل کی۔ علمِ دین کی مکمل تعلیم مدرسہ منظر اسلام بریلی شریف میں اپنے وقت کے اجلۂ علمائے کرام سے حاصل فرمائی، جن میں حضرت علامہ مفتی سید افضل حسین مونگیری علیہ الرحمہ، شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ، حضرت مولانا عبد المبین امروہوی علیہ الرحمہ، صدر العلما حضرت مولانا تحسین رضا خاں علیہ الرحمہ جیسی شخصیات شامل ہیں۔ ۱۹۶۲ء میں دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد مدرسہ اشرفیہ لطیفیہ، بہادر گنج، کشن گنج میں منصبِ تدریس پر فائز ہوئے۔ ۱۹۷۳ء میں

میرے مُرشدِ برحق حضور مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کے دستِ اقدس سے دار العلوم تنظیم المسلمین کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور اس کے بعد پوری زندگی اس ادارہ کی تعمیر و ترقی اور عروج و ارتقا کے لیے کوشاں رہے۔ تنظیم المسلمینؔ کا قیام مولانا موصوف کا عظیم کارنامہ ہے۔ اس کے علاوہ دار العلوم امام احمد رضا، رائے گنج، اتر دیناج پور، مدرسہ تنظیمیہ رحمت نگر، ضلع پورنیہ، مدرسہ گلشنِ بغداد کریم نگر، ضلع پورنیہ وغیرہ ادارے بھی قائم فرمائے۔ مجلسِ شرعی کے سیمیناروں میں شریک ہوئے اور اس کے لیے کئی ایک موضوعات پر اپنا گراں قدر علمی تحفہ بھی عنایت کیا، جسے صحیفہ مجلسِ شرعی (ج:۲) میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۹) شرفِ ملت حضرت مولانا عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء ------ ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۷ء

پاکستان کے ایک ممتاز عالمِ دین، بہترین ترجمہ و حاشیہ نگار دو درجن سے زائد کتابوں کے مصنف و مؤلف اور رضویات کے باب میں ایک تابندہ شخصیت کا نام ہے شرف قادری۔ ہند و پاک میں آپ کی خدمات قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کی ولادت مرزاپور ضلع ہوشیار پور، مشرقی پنجاب ہندوستان میں ہوئی، تعلیم جامعہ رضویہ فیصل آباد، جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور اور جامعہ امدادیہ مظہریہ میں حاصل کی۔ پاکستان کے متعدد مدارس میں اپنے علمی فیضان کے چشمے بہائے۔ اپنی تدریسی زندگی کا سب سے زیادہ عرصہ جامعہ نظامیہ لاہور میں گزارا اور شیخ الحدیث و صدر المدرسین کے منصب پر فائز رہے۔ فتاویٰ رضویہ شریف کو جدید طرز پر تخریج و ترجمہ کے ساتھ اشاعت کے لیے جب رضا فاؤنڈیشن کا قیام عمل میں آیا تو اس کے لیے ایک کمیٹی کی تشکیل عمل میں آئی، شرف ملت کو اس کمیٹی کا صدر منتخب کیا گیا۔ فتاویٰ رضویہ کو جدید طرز میں لانے کا عظیم الشان کام آپ کے زیر صدارت پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اشعۃ اللمعات اور تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ کا اردو ترجمہ، اندھیرے سے اجالے تک، شیشے کے گھر، البریلویۃ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ یہ سب آپ کے وہ عظیم علمی کارنامے ہیں جو آپ کو حیاتِ جاودانی عطا کیے ہوئے ہیں۔ اردو، عربی، فارسی زبان و ادب پر دست رس تھی۔ آپ کی کتابیں اس کی شاہد ہیں۔ مجلسِ شرعی کے کارناموں سے حد درجہ خوش تھے اور کئی ایک موضوعات پر مقالے تحریر فرما کر مجلسِ شرعی کو اپنا علمی تعاون دیا۔ راقم کو برابر اپنی دعاؤں سے نوازتے، آپ نے اس بے مایہ احقر العباد کی دو کتابوں پر اپنے گراں قدر تاثرات بھی دیے۔

(۱۰) محترم جناب مولانا شکیل احمد مصباحی مرحوم

۱۹۸۲ء ------ ۲۰۰۹ء

مولانا شکیل احمد مصباحی مرحوم جواں سال عالم دین، صحافی اور قلم کار تھے۔ میدانِ صحافت میں جماعت

اہلِ سنت کو مستقبل میں ان سے امیدیں وابستہ تھیں لیکن مشیت ایزدی کے مطابق ۲۸ر سال کی عمر شباب میں داغِ مفارقت دے گئے۔ مولانا مرحوم کا تعلق ایجورا بزرگ ضلع فتح پور سے تھا۔ دار العلوم امجدیہ رضویہ گھوسی اور الجامعۃ الاشرفیہ وغیرہ مدارس میں علمِ دین کی تحصیل کی ۲۰۰۰ء میں جامعہ اشرفیہ سے فراغت حاصل کی۔ فراغت کے بعد "سہ ماہی جام حضوری" خانقاہ حضوریہ نقش بندیہ مجددیہ، سرتیا، بوڑھن پور سے نکلنے والے پرچہ کے مدیر منتخب ہوئے۔ بعدہٗ ۲۰۰۴ء میں ماہ نامہ اشرفیہ میں نائب مدیر کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ ماہ نامہ اشرفیہ سے منسلک ہونے کے بعد جامعہ اشرفیہ میں منعقد ہونے والے مجلسِ شرعی کے سیمیناروں میں شریک ہوئے اور ان سیمیناروں کے خصوصی شمارے نکالنے میں اعانت کی۔

(۱۱) حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام علیہ الرحمۃ

۱۳۴۴ھ/۱۹۳۵ء ------ ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء

حضرت نسیم اعظمی کا تعلق ضلع مئو کے معروف قصبہ ادری سے تھا۔ آپ کا تعلیمی سفر مدرسہ حافظیہ سعیدیہ علی گڑھ سے ہوتے ہوئے دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف پر ختم ہوا اور اسی ادارہ سے ۱۳۶۰ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضرت صدر الشریعہ، حضور حافظ ملت، حضرت صدر العلما مولانا غلام جیلانی میرٹھی، محدث اعظم پاکستان جیسے اکابر علمائے کرام شامل ہیں۔ انھیں بزرگوں کا فیضانِ نظر تھا کہ آپ بلا خوفِ لومۃ لائم اظہارِ حق فرماتے۔ ہندوستان کے متعدد مدارس میں تقریباً ۶۶ر سال تک درس وتدریس کے ذریعہ تشنگانِ علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ اور اخیر عمر میں دار العلوم شمسیہ تیغیہ، بھدوہی میں درس وتدریس سے منسلک ہوئے اور زندگی کے آخری لمحات تک وہیں سے آپ کا علمی فیضا جاری رہا۔ کئی ایک مقالات ومضامین سپرد قلم کیے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ جلد سوم وچہارم کے کرم خوردہ مسودے کا محنت شاقہ ودیدہ ریزی کے بعد مبیضہ فرمانا یہ آپ کا ایک بہت ہی اہم کام ہے۔ قصبہ سلیم پور، ضلع دیوریا کے ایک اہم مدرسہ «دار العلوم غوثیہ» کے بانی بھی ہیں۔ مجلس شرعی کو آپ نے کئی مرتبہ علمی تعاون بخشا۔ اس بے مایہ کو بھی آپ کی شفقتوں اور نوازشات سے حصہ ملا، تاحیات قلبی روابط استوار رہے، آپ نے کچھ مواقع پر اپنے مفید علمی مشوروں اور تاثرات سے بھی نوازا ہے۔

(۱۲) حضرت مولانا مفتی عنایت احمد نعیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۹۴۶ء ------ ۲۰۱۰ء

مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ سے آپ کے گہرے روابط رہے ہیں، آپ نے اسے اپنا علمی تعاون دیا اور متعدد سیمیناروں میں شرکت فرمائی۔ آپ ایک باصلاحیت عالمِ دین، فرض شناس مدرس، اچھے خطیب اور شریف الطبع نیک انسان تھے، فقہ سے بھی شغف تھا۔ محلہ چھپیا، اترولہ ضلع گونڈہ کے رہنے والے تھے۔ پرائمری درجات کی

تعلیم مدرسہ نور العلوم دھنی موت اترولہ اور ابتدائی عربی وفارسی کی تعلیم جامعہ انوار العلوم تلسی پور گونڈہ میں حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم مدرسہ مظہر اسلام مسجد بی بی جی بریلی شریف میں بلند پایہ اساتذۂ کرام سے حاصل کی۔ ۱۹۶۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد احسن المدارس کان پور، دار العلوم تنویر الاسلام امرڈوبھا میں تدریسی خدمات پر مامور رہے۔ ۱۹۷۹ء میں الجامعۃ الغوثیہ عربی کالج اترولہ تشریف لائے اور تاحیات درس وتدریس اور فتویٰ نویسی سے منسلک رہے۔ اس جامعہ کے عروج وارتقا میں آپ کا اہم کردار رہا ہے۔ حدائقِ بخشش کی ایک شرح "نو بہارِ نوازش بجل حدائق بخشش" تحریر فرمائی تھی جو ۱۹۹۲ء میں شائع ہوئی۔

(۱۳) حضرت مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی علیہ الرحمۃ

۱۹۳۵ء ------ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء

فقہ وافتا کے باب میں ایک معتمد نام حضرت مولانا مفتی قاضی عبد الرحیم بستوی کا ہے۔ یکم جولائی ۱۹۳۵ء کو ڈومریا گنج ضلع بستی میں آنکھ کھولی، متوسطات تک تعلیم دار العلوم فضل رحمانیہ پچپڑوا میں حاصل کرنے کے بعد امام النحو صدر العلما مولانا غلام جیلانی میرٹھی کے زیرِ سایہ مدرسہ اسلامیہ عربی اندر کوٹ میرٹھ میں تعلیم مکمل کی ۱۹۶۱ء میں سند فراغت تفویض ہوئی۔ فراغت کے بعد دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں بہ حیثیت استاذ تشریف لے گئے اور یہیں مرشد گرامی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ سے فتویٰ نویسی کی تربیت حاصل فرماتے رہے۔ شارح بخاری حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ کے بعد مرکزی دار الافتا کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمادی گئی اور تاحیات مرکزی دار الافتا کے مفتی کی حیثیت سے فقہ وافتا کی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کی نظر وسیع تھی، آپ کے فتاویٰ میں حالاتِ زمانہ کی رعایت کے شواہد ملتے ہیں، ایسا نہیں کہ جمودِ محض ہو، قدرت نے آپ کو رجوع الی الحق کے وصف سے نوازا تھا۔ مجلسِ شرعی سے آپ کی وابستگی ہمیشہ رہی سیمیناروں میں شریک ہوئے۔ اپنی مفید معلومات اور مقالات سے مجلس کو علمی تعاون بخشا۔ اس کے فیصلوں سے اتفاق فرمایا۔

(۱۴) حضرت مولانا محمد قاسم عبد الواحد شہید القادری مرحوم

[۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء ------]

مولانا موصوف قصبہ ممبر کھا ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ جامعہ عربیہ ناگ پور، مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور اور دار العلوم مظہر اسلام بریلی شریف میں علومِ دینیہ کی تحصیل کی۔ ۱۹۶۷ء میں مظہرِ اسلام بریلی شریف سے دستار وسند فراغت تفویض ہوئی۔ فراغت کے بعد جبل پور (ایم پی) میں مستقل سکونت اختیار

کرلی اور وعظ و تبلیغ، فتویٰ نویسی کے ذریعہ علم دین کی خدمت انجام دیتے رہے۔ قلم و قرطاس اور شعر گوئی کا بھی خاصہ ذوق تھا۔ کئی ایک کتابیں بھی لکھی ہیں۔ حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ سے شرف بیعت و خلافت حاصل تھا۔ مجلس شرعی کے پہلے فقہی سیمینار کے لیے آپ نے مقالہ تحریر فرمایا۔

(۱۵) شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی علیہ الرحمۃ

۱۹۳۵ء ------- ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء

شیخ القرآن جامعہ اشرفیہ کے عظیم فرزند، بلند پایہ عالم، محقق، متکلم فلسفی، ادیب، فقیہ، مفسر اور مدارس کی دنیا کے نامور استاذ تھے۔ ابتدائی تعلیم اپنے وطن موضع ناؤڈیہ پچپڑوا، ضلع بلرام پور (یوپی) میں حاصل کی۔ علم دینیات کی تحصیل مدرسہ انوار العلوم تلسی پور، بلرام پور اور دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں کی اور موخر الذکر ادارہ سے ۱۹۵۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد مختلف مدارس میں درس و تدریس کا مشغلہ جاری رہا ۱۹۷۳ء میں آپ کے استاذ جلیل الشان حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ نے الجامعۃ الاشرفیہ بلا لیا اور ۱۳؍ سال تک جامعہ اشرفیہ میں علمی گوہر لٹاتے رہے اس کے بعد دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی اور الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی میں اپنی خداداد صلاحیت کے جوہر بکھیرتے رہے۔ علیمیہ جمدا شاہی کو عروج و ارتقا کی منزل تک پہنچانے میں آپ کا بہت بڑا دخل ہے۔ معارف التنزیل شرح مدارک التنزیل، مسائل سود، سفر نامۂ حجاز، انوار نبوت اور تیس سے زائد بیش قیمت مقالات آپ کی عظیم علمی و تصنیفی خدمات ہیں۔ میری بہتر تربیت میں جن اساتذہ کا کردار کسی بھی حیثیت سے نمایاں رہا ان میں حضرت شیخ القرآن سر فہرست ہیں۔ آج میرے پاس جو کچھ بھی تحریری شعور ہے وہ حضرت شیخ القرآن کی کرم فرمائی اور ان کی تربیت کا نتیجہ ہے۔ حضرت بہت اچھے اور مخلص مشیر بھی تھے آپ کی دلی خواہش تھی کہ مدارس اہل سنت کے طلبہ عربی زبان و ادب کے بھی ماہر ہوں، اس لیے آپ نے دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی سے کوشش شروع فرمائی اور آپ اس کوشش میں بفضلہ تعالیٰ کامیاب رہے۔ علیمیہ کی عظیم لائبریری آپ کی کاوشوں کی مرہون منت ہے۔ مجلس شرعی کے سیمینار میں شرکت کی دعوت پر ہمیشہ لبیک کہا اور تاحیات مجلس شرعی اور الجامعۃ الاشرفیہ سے رشتہ استوار رکھا۔ ایک طرف جہاں فقہی سیمینار کو زینت بخشی وہیں دوسری طرف اپنے حوصلہ افزا کلمات اور بے بہا تاثرات سے بھی نوازا۔

(۱۶) محب محترم مولانا مفتی بشیر القادری مصباحی مرحوم

۱۹۶۲ء ------- ۲۰۱۲ء

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے ابنائے قدیم اور ہمارے کرم فرما احباب میں سے تھے، علم دوست اور علما کے قدر داں تھے، ادارۂ شرعیہ جھارکھنڈ (رانچی) کی مجلس قضا کے رکن، مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے مندوب اور دارالعلوم عائشہ اسری بازار کے بانی و مہتمم تھے۔ اصاغر پر شفقت، اکابر کا احترام، ملت کا درد، قومی و ملی کاموں سے دلچسپی اور رابطۂ عامہ کو استوار رکھنا ان کے خاص اوصاف تھے۔ سال میں کئی دفعہ وہ جامعہ اشرفیہ تشریف لاتے۔ حضرت عزیز ملت، اور دوسرے اساتذہ سے ملاقاتیں کرتے، راقم الحروف کو بھی نوازتے اور بہت سے فقہی اور قومی ملی مسائل میں تبادلۂ خیال فرماتے اور مشورے لیتے۔ مسائل فقہیہ میں تو بکثرت راقم کی طرف بذریعہ فون رجوع کرتے اور کبھی کبھار دیر تک گفتگو کرتے۔ آپ قصبہ اسری بازار ضلع گریڈیہ کے قریہ بیرگی کے باشندہ تھے۔ حصولِ علم دین کے لیے مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، مدرسہ فاروقیہ مدن پورہ بنارس، الجامعۃ الاشرفیہ اور مدرسہ شمس العلوم گھوسی کا رخ کیا۔ تحصیل علم کے بعد مدرسہ اشاعت الاسلام جھریا اور مدرسہ عالیہ قادریہ واسع پور، بہار میں تدریس سے منسلک رہے۔ پھر اپنے قائم کردہ ادارہ دارالعلوم عائشہ اسری بازار سے منسلک ہو گئے اور تاحیات اسی ادارہ کے عروج وارتقا کے لیے کوششیں کرتے رہے۔

(۱۷) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان عزیزی اعظمی علیہ الرحمہ

۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء ------ ۱۴۳۴ھ/۲۰۱۲ء

حضرتِ بحر العلوم اہل سنت و جماعت کے جلیل القدر عالم دین، فقہ اسلامی کے ماہر، بہترین انشا پرداز، سحر البیان خطیب، باکمال مدرس اور قادر الکلام شاعر تھے۔ آپ کا تعلق قصبہ مبارک پور کے ایک دین دار گھرانے سے تھا۔ قاعدۂ بغدادی سے لے کر درجۂ فضیلت تک تعلیم دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور میں حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مبارک پوری، علامہ حافظ عبد الرؤف صاحب بلیاوی اور علامہ عبد المصطفیٰ ازہری جیسے اجلۂ علمائے کرام شامل ہیں۔ مدرسہ ضیاء الاسلام گورکھ پور، مدرسہ اہل سنت تلسی پور بلرام پور، دارالعلوم اشرفیہ مبارک پور، دارالعلوم شمس العلوم گھوسی میں درس و تدریس کے فرائض انجام دیے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد ایک عرصہ تک دارالعلوم اشرفیہ میں مسند صدارت کو زینت بخشی۔ آپ کا سب سے عظیم کارنامہ فتاویٰ رضویہ کی تحقیق واشاعت ہے حضرت علامہ حافظ عبد الرؤف علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد چھٹی، ساتویں، آٹھویں جلدوں کی تحقیق واشاعت اور پانچویں جلد کی اشاعت و فہرست سازی کا کارنامہ انجام دیا۔ اس کے علاوہ متعدد علمی و تصنیفی کارنامے ہیں جن میں فتاویٰ بحر العلوم (چھ جلدیں) اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصنیف شمائم العنبر کی تحقیق و اردو ترجمہ کا کارنامہ آب زر سے لکھے جانے کے قابل

ہے۔ آپ کی علمی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ نے چاندی سے تولا۔ مجلس شرعی کے ہمدرد اور بہی خواہ تھے۔ مجلس شرعی کے کئی ایک سیمیناروں میں شرکت فرمائی۔ اور مفید مشوروں سے نوازتے رہے۔

(۱۸) مفتی اعظم راجستھان مفتی اشفاق حسین نعیمی علیہ الرحمۃ

۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء-------۱۴۳۴ھ/۲۰۱۳ء

آپ کی ذات اس زمانے میں بزرگوں کی یادگار اور علمائے ربانیین کا نمونہ تھی۔ آپ فقیہ، مناظر، مدرس، خطیب، مدبر، صالح مصلح اور قوم وملت کے بے لوث خادم تھے۔ طریقت میں رضویت اور اشرفیت کے حسین سنگم تھے۔ پورے صوبۂ راجستھان میں آپ نے اسلام وسنیت کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور بہت سے مقامات پر مساجد ومدارس قائم کر کے علم وعمل کا چراغ جلایا اور دین کا پیغام عام کیا، بالخصوص وہاں پر امت مسلمہ کی جو شیرازہ بندی فرمائی ہے وہ لائق ستائش ہے۔ ابتدائی تعلیم اپنی جائے پیدائش موضع شیونالی، ضلع جے پی نگر، امروہہ یوپی میں حاصل کی۔ مدرسہ اجمل العلوم سنبھل مرادآباد میں درس نظامی کی مکمل تعلیم حاصل فرمائی اور ۱۹۴۳ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ دار العلوم اسحاقیہ جودھپور سے ۱۹۴۸ء میں وابستہ ہوئے اور تاحیات درس و افتا سے منسلک رہے۔ فتاویٰ اشفاقیہ (غیر مطبوعہ) آپ کی اہم علمی کاوش ہے۔ الجامعۃ الاشرفیہ اور اس کے شہرۂ آفاق شعبہ مجلس شرعی کی خدمات کی جابجا تحسین فرمائی اور اپنی قلبی مسرت کا اظہار فرمایا۔ آپ مجلس شرعی کی خدمات سے نہ صرف خوش ہوتے تھے بلکہ اس کے فیصلوں سے اتفاق بھی فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ ایک بار آپ بارہویں فقہی سیمینار کے بعد جامعہ اشرفیہ تشریف لائے تو دار الافتا اور مجلس شرعی کے کاموں کا جائزہ لیا اور پہلے سیمینار سے بارہویں سیمینار تک کے فیصلوں کا مطالعہ کرنے کے بعد اپنی نوکِ قلم سے یہ تحریر فرمایا کہ:

"مجلس شرعی کے جتنے فیصلے آج تک ہوئے ہیں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔"

(۱۹) واقف علوم عقلیہ ونقلیہ حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی علیہ الرحمۃ

۱۹۳۴ء-----------۲۰۱۳ء

واقفِ علومِ نقلیہ وعقلیہ حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یوں تو مختلف علوم وفنون کے ماہر تھے لیکن علم معقولات سے حد درجہ دلچسپی رکھتے تھے۔ اور ہندوستان میں علم معقولات کے واقفین میں صف اول میں شمار کیے جاتے تھے۔ آپ کی ولادت بائسی ضلع پورنیہ صوبہ بہار کے علمی اور خوش حال گھرانے میں مولانا

زین الدین رضوی صاحب کے یہاں ہوئی۔ شرح جامی تک تعلیم والد ماجد سے حاصل کی پھر ملک العلما علامہ ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں حاضری دی اور خوب خوب استفادہ کیا۔ پھر دار العلوم مظہر اسلام میں چند ماہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد دستار فضیلت سے نوازے گئے۔ فراغت کے بعد ۵ر سال تک اسی ادارہ میں اپنا علمی جوہر لٹاتے رہے۔ مختلف مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیتے ہوئے دار العلوم اہل سنت نور الحق چرہ محمد پور فیض آباد تشریف لائے اور تا حیات اسی ادارہ سے منسلک رہے۔ حضور مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیعت وارادت و خلافت و اجازتِ حدیث حاصل ہے۔ مجلس شرعی کی خدمات کو سراہنا، اس سے متعلق وقیع علمی تاثرات دینا، اصاغر کے مقالات کی تعریف وتوصیف فرمانا، مفید اور گراں قدر مشوروں سے نوازنا آپ کا وصف خاص تھا۔ مجلس شرعی کے دس سے زائد سیمیناروں میں شریک ہوئے اور اپنا علمی تعاون دیا، کئی ایک مقالات بھی تحریر فرمائے۔ نقاہت اور پیرانہ سالی کی وجہ سے اخیر کے سیمیناروں میں آنا موقوف ہو گیا جس کا انھیں قلق رہا۔ راقم الحروف سے علمی اختلافات بھی ہوئے لیکن یہ اختلافات «اختلاف امتی رحمۃ» کا مصداق تھے۔ کبھی تلخی نہیں آئی بلکہ بار بار میری تحقیقات کی تعریف فرمائی اور داد وتحسین سے نوازا۔

(۲۰) حضرت مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

۱۹۵۶ء-------------۲۰۱۳ء

مجلسِ شرعی کے تحقیقی مزاج رکھنے والے مقالہ نگاروں میں سے تھے۔ چالیس سے زائد موضوعات پر مجلسِ شرعی کے لیے علمی مقالات تحریر فرمائے۔ مجلس سے غایت درجہ محبت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وصال سے قبل اکیسویں فقہی سیمینار کے مقالات کی تیاری فرما چکے تھے۔ تین موضوعات کا خاکہ بھی تیار کر چکے تھے کہ وقتِ اجل آپہنچا اور مجلس نے اپنے اہم مقالہ نگار کو کھو دیا۔ آپ کا وطن بھیرہ، ولید پور ہے، ابتدائی تعلیم مقامی مدرسہ اسلامیہ رحیمیہ میں ہوئی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دار العلوم اشرفیہ مبارک پور میں داخلہ لیا اور درس نظامی کی تعلیم مکمل کر کے ۱۹۷۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ فراغت کے بعد تدریسی میدان میں قدم رکھا، مدرسہ ضیاء العلوم ادری مئو، دار العلوم غوثیہ نظامیہ ذاکر نگر، میں عہدۂ صدارت کو زینت بخشنے کے بعد ۱۹۷۸ء میں مدرسہ عربیہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ میں درس وتدریس سے منسلک ہوئے اور تا حیات اس ادارہ میں پابندی کے ساتھ اپنے فرائضِ منصبی انجام دیتے رہے۔ مولانا موصوف جماعتِ اہلِ سنت کے باصلاحیت علمائے دین میں شمار ہوتے تھے۔ بہترین مضمون نگار ہونے کے ساتھ ساتھ اچھے مترجم ومحشی بھی تھے۔ فارسی زبان و ادب کی شہرۂ آفاق کتب گلستان اور بوستان، اور علمِ فرائض کی مستند کتاب "سراجی" پر آپ کے گراں قدر حواشی موجود ہیں۔ «ایضاحِ حقیقت ترجمہ شرح حقیقت محمدیہ» آپ کی ترجمہ نگاری کی بہترین مثال ہے۔

شکرِ احباب و مشائخ

ہم اخیر میں اپنے تمام شرکاے سیمینار، اکابر، اصاغر اور مقالہ نگار حضرات کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ ان سب کی مساعی جمیلہ سے یہ کاروانِ تحقیق کامیابی کے ساتھ اپنی منزل پر پہنچتا اور آگے بڑھتا رہا ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ آگے بڑھتا رہے گا، ان کے عزائم اب بھی جوان اور حوصلے بلند ہیں اور وہ ہر مشکل سے مشکل چوٹی کو سر کرنے کے لیے تیار ہیں۔

خصوصیت کے ساتھ ہم درج ذیل احباب کے شکر گزار ہیں:

۱. حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ
۲. حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۳. حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ
۴. حضرت مولانا مفتی نسیم احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۵. حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۶. حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۷. حضرت مولانا ساجد علی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۸. حضرت مولانا محمد عرفان عالم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۹. جناب مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۱۰. جناب مولانا محمد قاسم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۱۱. جناب مولانا محمد عارف حسین مصباحی، استاذ جامعہ قادریہ بگھاڑو، ضلع سون بھدر

حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی دام مجدہٗ نے مجلس کے تمام فیصلوں کی ایک بار اور عزیز سعید مولانا عارف حسین مصباحی سلمہ ربّہ نے تمام فیصلے کی دوبار تصحیح فرمائی۔

۹ر محرم الحرام ۱۴۳۵ھ کو محترم مولانا مفتی زاہد علی سلامی اور فیضی صاحب موصوف نے صبح سے ۱۱ر بجے شب تک میرے ساتھ رہ کر کام کیا اس کے سوا بھی یہ حضرات اور حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی اپنے مفید مشوروں سے نوازتے رہے اور جب ضرورت پیش آئی ساتھ میں رہ کر کام بھی کیا اور بقیہ حضرات نے تھوڑے تھوڑے حصے کا مطالعہ فرما کر تصحیح کے کارِ خیر میں حصہ لیا۔ سچ یہ ہے کہ یہ بے مایہ علالتِ چشم کی وجہ سے یہ ضخیم فقہی صحیفہ نہیں پڑھ سکتا تھا، نہ پڑھ سکا، ایسے میں تھوڑا تھوڑا تعاون بھی بہت اہمیت کا حامل ہوتا ہے اور راقم نے اسی تعاون پر اعتماد بھی کیا ہے۔

۱۲. حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۱۳. حضرت مولانا صدر الوریٰ مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
نے اپنے مفید مشوروں سے نوازا ہے، اس لیے یہ حضرات بھی خصوصی شکریہ کے مستحق ہیں۔
جزئی مسائل واحکام ہمارے ان احباب نے شمار کیے ہیں:
۱۴. مولانا محمد ہارون مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ
۱۵. مولانا جنید احمد مصباحی، معین المدرسین جامعہ اشرفیہ
یہ کام بھی بجائے خود عرق ریزی کا ہے اور مجلس ان کی بھی شکر گزار ہے۔
۱۶. آخری مرحلے میں عزیزی مولوی رضاء المصطفیٰ برکاتی (درجہ تحقیق) کا تعاون بھی حاصل ہوا۔ انھوں نے مختلف مقامات پر ماٰخذ اور حوالوں کی تخریج کی، خدائے پاک انھیں بھی جزائے خیر دے۔

عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ مصباحی سرپرست مجلس شرعی و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کا کردار تو اس کتاب کی اشاعت میں روح رواں کی حیثیت رکھتا ہے، آپ کی تحریک اور دوسرے ارکانِ مجلس کی تائید ہی سے یہ کام شروع ہوا اور الحمد للہ تکمیل کے مرحلے تک پہنچ سکا۔

اس کتاب کی طباعت میں خطیر رقم صرف ہو رہی ہے جس کا ایک خمس محب محترم حضرت مولانا الحاج احمد القادری المصباحی دام ظلہ، بھیرہ، ضلع مئو نے عطا فرمایا ہے اور بقیہ رقم حضرت عزیز ملت دام ظلہ العالی کی عنایتوں کا ثمرہ ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ مجلس اپنے قیام و بقا میں بھی حضرت کی مرہونِ منت ہے، اس لیے حضرت پوری جماعت کی طرف سے شکریہ کے حق دار ہیں۔ خدائے پاک جماعت میں آپ کے امثال پیدا فرمائے۔

حضرت مولانا احمد القادری صاحب دام مجدہم نے کئی سال پہلے اپنے مخلصانہ تعاون سے مجلس کو نوازا تھا اور اس وقت ہم نے دعائے خیر کے ساتھ ان کا شکریہ بھی ادا کر دیا تھا۔ پھر ایک بار ہم ان کی علم دوستی اور حوصلہ افزائی کے شکر گزار ہیں۔ صدر العلما، خیر الاذکیا حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ کے اوقات و اشغال میں خدائے کریم نے بڑی برکتیں دے رکھی ہیں، انھوں نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود پوری کتاب پڑھی اور بہت سے مقامات پر تصحیح بھی فرمائی۔ یہ وقت کے قدر داں ہیں اور کسی بھی کام کو التوا میں ڈالنے کے بجائے کر گزرنے کو پسند کرتے ہیں اور اس خو میں ہمارے تمام رفقائے کار اور ارکانِ مجلس شرعی بھی بہت حد تک شریک ہیں۔ فللّٰہ الحمد والمنۃ.

میرے ولد عزیز محمد فضل الرحمٰن برکاتی سلمہ ربہ (متعلم درجہ ثانیہ، جامعہ اشرفیہ) نے اس کام میں مختلف حیثیتوں سے مجلس کا تعاون کیا ہے اور شروع سے اخیر تک برابر ساتھ دیا ہے۔ اور محترم مہتاب پیامی اور ان کے برادرِ خرد انوار عالم صاحبان نے کمپوزنگ اور تزئین کی ذمہ داری ممکن حد تک بڑی خوبی کے ساتھ

پوری کی۔ آپ اس کمپوزنگ کا جو بھی حسن ملاحظہ فرما رہے ہیں وہ انھیں برادرانِ گرامی کی انگلیوں اور ذہانت کا مرہونِ منت ہے۔ مجلس ان تینوں حضرات کا بھی شکریہ ادا کرتی ہے۔

اور اخیر میں ہم شکریہ ادا کرتے ہیں اس ذاتِ گرامی کا جن کی نگہِ کرم سے مجلس کی نشاۃِ ثانیہ ہوئی، بلکہ اس خزاں رسیدہ چمن میں بہار آئی، اس سے مراد سیدی **امین ملت حضرت پروفیسر سید محمد امین برکاتی** دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشیں خانقاہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف ہیں۔ خدائے کریم آپ کا سایۂ کرم پوری جماعتِ اہلِ سنت پر صحت و سلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔ آمین۔

الغرض ہم مجلس کے سارے معاونین و محسنین کے شکر گزار ہیں، خدائے کریم ان سب کو اور ان کے ساتھ اس ناکارہ، گنہ گار کو اپنے دامنِ عفو و کرم میں جگہ دے، رضوان و غفران سے نوازے اور اپنی رحمتِ بے پایاں سے وافر حصہ عطا فرمائے۔

الٰہ العالمین! یہ تیرے ناتواں، کم علم بندوں کی تحقیق مسائل اور اظہارِ احکام میں طاقت بھر کوشش ہے، تو انھیں اپنے فضلِ خاص سے اجرِ عظیم عطا فرما، ان کی مخلصانہ کوششیں قبول فرما اور لغزشیں در گزر فرما اور ہمیشہ ہم سب کو تحقیقِ حق و قبولِ حق کی توفیق مرحمت فرما۔ آمین آمین بجاہ حبیبك سید المرسلین وعلیٰ آلہ و صحبہ اجمعین.

می توانی کہ دہی اشک مرا حسنِ قبول
اے کہ دُر ساختۂ قطرۂ بارانی را

☆☆☆

۲۷ر رجب ۱۴۳۵ھ
مطابق ۲۷ر مئی ۲۰۱۴ء
منگل، بعدِ ظہر

محمد نظام الدین رضوی
ناظم مجلس شرعی و خادم درس و افتا
جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ

فیصلے

ساٹھ اہم مسائل کی شرعی تنقیح

پہلا فقہی سیمینار

منعقدہ:- یکم ۲/۳/۴/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۴ھ
مطابق ۱۸/۱۹/۲۰/۲۱/ اکتوبر ۱۹۹۳ء
بروز دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

☆ الکحل، اسپرٹ اور ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال
☆ بیمۂ زندگی اور بیمۂ اموال کی شرعی حیثیت

الکحل، اسپرٹ، ٹنچر آمیز دواؤں کا استعمال

سوال نامہ

الکحل کی لفظی تشریح:- ایلکوہل[۱] (Alcohol) کا طبی نام "الکحل" ہے جس کا معنیٰ عربی میں "روح الخمر" اور اردو میں "روحِ شراب" یا "جوہر شراب" ہے، انگریزی زبان کی بڑی مشہور اور مستند لغت "بھارگواز" میں اس کا معنیٰ یہ لکھا ہے۔ خالص شراب کی روح، پیور اسپرٹ آف وائن (Pure Spirit of Wine)[۲] انگریزی کی دوسری مستند و متداول لغت ایڈوانسڈ ٹوئینتھ سنچری ڈکشنری میں اس کا معنیٰ "روحِ شراب" درج ہے۔[۳] مخزن الادویہ ڈاکٹری[۴] میں اس کی تشریح اس طرح ہے: "انگریزی لفظ ایلکوہل مشتق ہے عربی لفظ "الکحل" سے جس کے معنیٰ اصطلاحِ کیمیا میں نہایت مقطر یا روح کے ہیں مگر اب اس لفظ کا اطلاق "مطلق روح شراب" پر ہوتا ہے۔[۵]

شراب حرام ہے اس لیے الکحل آمیز دوائیں بھی حرام قرار دی گئیں مگر اس زمانے میں عوام و خواص ان دواؤں کے استعمال میں مبتلا ہیں اس وجہ سے درج ذیل سوالات کے ذریعہ اس مسئلے میں نظر ثانی کی گئی۔

۱- الکحل، اسپرٹ اور ٹنچر کیا شرعی نقطۂ نگاہ سے "خمر" ہیں؟

۲- اگر یہ خمر نہیں ہیں تو کیا ان شرابوں میں سے ہیں جن کی حرمت پر ہمارے ائمۂ کرام کا اتفاق ہے۔

---

(۱) الکحل کا انگریزی تلفظ "ایلکوہل" ہے۔ ۱۲

(۲) بھارگواز ڈکشنری کلاں، ص:۴۵۔

(۳) ایڈوانسڈ ٹوئینتھ سنچری ڈکشنری، ص:۲۰۔

(۴) مخزن الادویہ ڈاکٹری: یہ اپنے موضوع پر بہت جامع اور منفرد کتاب ہے یہ انگریزی طب کی کئی ایک مستند کتابوں سے ماخوذ ہے۔ مثلاً: (۱) برٹش فارماکوپیا۔ (۲) فارماکوپیڈیا۔ (۳) میٹریا میڈیکا آف انڈیا۔ (۴) برٹش فارماسیوٹیکل کوڈیکس وغیرہ۔ (مرتب غفرلہ)

(۵) مخزن الادویہ ڈاکٹری، ص:۶۲۳، بیان ایلکہال۔

گو وہ حرمت ظنی و اجتہادی ہی سہی؟

۳- یا ان کا شمار ان مشروبات سے ہوگا جو شیخین رحمہما اللہ کے نزدیک حدِ اسکار سے کم میں اغراضِ صحیحہ کے لیے حلال ہیں۔ لیکن امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک وہ بھی شراب ہیں اور ناپاک و حرام؟

۴- شراب کی مختلف فیہ قسم سے ہونے کی تقدیر پر کیا آج کے زمانے میں ایسی شرابوں سے مخلوط دواؤں میں عمومِ بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے یا نہیں؟

۵- اگر عمومِ بلویٰ کی حالت پیدا ہو چکی ہے تو کیا آج کے زمانے میں دواؤں کے استعمال کی حد تک مذہبِ شیخین پر عمل اور فتویٰ جائز ہوگا یا نہیں؟

۶- امام احمد رضا قدس سرہ نے صرف رنگین کپڑوں کے بارے میں حکمِ طہارت دیا ہے، لیکن آج کل دوسری اشیا، مثلاً دیوار، دروازے، کرسیاں، پلنگ، میز وغیرہ بھی مختلف قسم کے رنگوں سے مزین کیے جاتے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہوگا؟

امید کہ مسئلے کے تمام گوشوں کا تحقیقی جائزہ لے کر جواب ارقام فرمائیں گے۔

(از: مرتب غفرلہ)

بیمۂ زندگی اور بیمۂ اموال کی شرعی حیثیت

سوال نامہ

۱- بیمۂ اموال اور بیمۂ زندگی کی شرعی حیثیت کیا ہے؟
یعنی وہ قرض ہیں یا امانت یا کفالت وضمانت یا کچھ اور؟
نیز قرض کی تقدیر پر یہ "ربا" اور بہر حال، قمار ہیں یا نہیں؟

۲- اگر یہ بیمے، ربا ہیں تو یہاں کی کمپنیوں سے (جو حکومت کی ہوں یا خالص غیر مسلموں کی) ایسا عقد یا معاہدہ جائز ہے یا نہیں؟ اور قمار ہونے کی صورت میں کسی ایسی شرط کے ساتھ جس کے ہوتے ہوئے نفع کا حصول مظنون بظن غالب ہو، ان بیموں کی اجازت دی جاسکتی ہے یا نہیں؟
جواب اثبات میں ہو تو شرط کی بھی صراحت فرمائیں۔

۳- کیا ان عقود کو ضمان خطر طریق، ضمان درک، یا حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بیان کردہ سُوکرہ کی جائز شکل سے ملحق کیا جاسکتا ہے، یا نہیں؟

۴- بیموں کے عدم جواز کی تقدیر پر انکم ٹیکس اور اس کے علاوہ دوسرے ٹیکسوں سے بچنے کے لیے بیمہ کی اجازت ہوگی یا نہیں؟ جب کہ ٹیکسوں کے لزوم کی صورت میں جتنے مال کا استحصال متیقن یا مظنون بظن غالب ہے، اتنے یا اس سے کم مال کا ضیاع قمار کی تقدیر پر محض موہوم و متردد ہے؟

۵- بعض صورتوں میں قانونی حیثیت سے بیمہ کرانا لازمی ہوتا ہے تو ان کے بارے میں حکمِ شرع کیا ہوگا؟

۶- بہر حال ان عقود کے عدمِ جواز کی تقدیر پر:
(الف)-کیا یہ جائز ہوگا کہ ان کے ذریعہ حاصل ہونے والی اضافی رقم یا بونس کو فرقہ وارانہ فسادات میں ناحق ضائع ہونے والے جان و مال کا عوض قرار دے کر وصول کرلیں، اور اپنے مصرف میں خرچ کریں؟
(ب)-یا بہر حال (خواہ عوض مانیں یا نہ مانیں) اسے لینا اور اپنے دینی و دنیوی امور میں استعمال کرنا جائز ہوگا، کیوں کہ وہ مال فی الواقع مالِ مباح ہے جو بلا غدر و فریب وصول ہو رہا ہے؟

شرکاے سیمینار کی قرار داد و نتیجۂ بحث

شرکاے سیمینار نے تمام مقالات کی سماعت اور بحث و تمحیص کے بعد یہ "نتیجۂ بحث" فیصل بورڈ کو پیش کیا۔

(۱) میز، کرسی، دیوار وغیرہ میں جو رنگ استعمال ہوتے ہیں اگر بطریقِ شرعی ثابت بھی ہو کہ ان میں اسپرٹ کی آمیزش ہے تو بھی اب بوجہِ عموم بلویٰ و دفع حرج حکم طہارت ہے، جیسا کہ رنگین کپڑوں کے بارے میں مجدد اعظم اعلیٰ حضرت (امام احمد رضا) قدس سرہ نے بوجہ عموم بلویٰ فتاوی رضویہ [ص ۸۹، ج ۱۰، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئ] میں حکم طہارت دیا ہے۔

(۲) الکحل آمیز دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں، محل غور ہے، اکثر شرکا کا رجحان جواز کا ہے۔

(۳) جبری جنرل انشورنس میں جواز راجح نظر آتا ہے۔

(۴) اختیاری جنرل انشورنس کا جواز محل نظر ہے، بلکہ زیادہ تر حالات میں صرف تضییعِ مال[1] ہے۔

---

(۱) تضییع مال: مال کو برباد کرنا۔ اور یہ شرعاً حرام و گناہ ہے۔ مرتب غفرلہ

شرکائے سیمینار

(۱)

اکابر

۱- جانشینِ مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری دامت برکاتہم، بریلی شریف۔

۲- نائبِ مفتیِ اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی، سرپرست مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۳- حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی، سابق استاذ دینیات مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

۴- بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی، شیخ الحدیث دار العلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی۔

۵- عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب، سرپرست مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

۶- حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، صدر مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

۷- حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، مفتی دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف، بستی۔

۸- حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، صدر المدرسین دار العلوم فیضانِ محمدی، چرہ محمد پور، فیض آباد۔

۹- حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی، شیخ الحدیث دار العلوم مظہر اسلام و صدر مفتی رضوی دار الافتا، بریلی شریف۔

وہ حضرات جنھوں نے تحریری طور پر رائے یا فتویٰ یا مقالہ پیش کیا

۱۰- حضرت مولانا مفتی عبد القیوم صاحب ہزاروی — مہتمم جامعہ نظامیہ، لاہور۔

۱۱- حضرت مولانا عبد الحکیم شرف قادری شیخ الحدیث — جامعہ نظامیہ، لاہور۔

۱۲- حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی — بریلی شریف۔

۱۳- حضرت مولانا زین العابدین صاحب — جامع اشرف، کچھوچھہ شریف، ضلع فیض آباد

۱۴- حضرت مولانا مفتی مجیب الاسلام صاحب نسیم اعظمی — جامعہ شمسیہ تیغیہ، بھدوہی، ضلع بنارس

۱۵- حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مضطر پورنوی — دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد

۱۶- حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی — جامعہ اشرفیہ مبارک پور

---

(۱) یہ فہرست حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی نے مرتب فرمائی تھی، پھر دسویں سیمینار کی فہرست راقم الحروف نے اور گیارہویں سے بیسویں سیمینار کی فہرستیں محب محترم جناب مولانا محمد عرفان عالم استاذ اشرفیہ نے اسی نہج پر قدرے اضافہ کے ساتھ مرتب کیں۔ (مرتب غفرلہ)

۱۷- حضرت مولانا مفتی محمد ایوب رضوی	جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
۱۸- حضرت مولانا محمد ہاشم نعیمی	جامعہ نعیمیہ مراد آباد
۱۹- حضرت مولانا عزیز احسن رضوی	دار العلوم غوث اعظم، پور بندر، گجرات
۲۰- حضرت مولانا محمد قاسم عبد الواحد شہید القادری	الجامعۃ الغوثیہ، جبل پور، ایم پی
۲۱- حضرت مولانا رحمت حسین کلیمی	مہتمم تنظیم المسلمین، بائسی، ضلع پورنیہ، بہار
۲۲- حضرت مولانا مفتی اختر حسین رضوی مصباحی	دار العلوم رضویہ، کیتھون، ضلع کوٹہ، راجستھان
۲۳- حضرت مولانا محمد معراج القادری	استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ (رکن مجلس شرعی)
۲۴- حضرت مولانا آل مصطفیٰ مصباحی	استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی (رکن مجلس شرعی)
۲۵- مولانا عبد الحق رضوی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۲۶- مولانا شمس الہدیٰ بستوی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۲۷- مولانا بدر عالم مصباحی فیض آبادی	استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۲۸- مولانا محمد نسیم فیض آبادی	استاذ و نائب مفتی جامعہ اشرفیہ (رکن مجلس شرعی)
۲۹- مولانا انور علی نظامی استاذ	استاد دار العلوم گلشن بغداد، ہزاری باغ، جھارکھنڈ
۳۰- مولانا صدر الوریٰ بستوی	استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی
۳۱- مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	استاذ مدرسہ ضیاء العلوم، بنارس
۳۲- مولانا محمد حسین خاں	صدر المدرسین محبوب یزدانی، بسکھاری، فیض آباد
۳۳- مولانا عبد الرحمن بستوی	استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی
۳۴- پروفیسر سہیل احمد صاحب	گونڈہ

دیگر شرکا

۳۵- حضرت مولانا خادم رسول صاحب مصباحی	شیخ الحدیث جامعہ مسعود العلوم، چھوٹی تکیہ، بہرائچ شریف
۳۶- حضرت مولانا ممتاز احمد اشرف القادری	بریڈ فورڈ (برطانیہ)

۳۷- حضرت مولانا بہاء المصطفیٰ قادری (شہزادۂ صدر الشریعہ) استاذ جامعہ منظر اسلام، بریلی شریف

۳۸- حضرت مولانا صاحب علی صاحب	صدالمدرسین مدرسہ اشاعت العلوم، پرتاول بازار، گورکھپور
۳۹- حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی	صدر المدرسین جامعہ امجدیہ، گھوسی
۴۰- حضرت مولانا عبد العزیز صاحب بستوی	صدر المدرسین مدرسہ تبغیہ، بڑہریا، سیوان

۴۱- حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی رکن المجمع الاسلامی و مہتمم دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ
۴۲- حضرت مولانا نصراللہ رضوی بھیروی استاذ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ
۴۳- حضرت مولانا عارف اللہ صاحب فیضی مصباحی، استاذ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ
۴۴- حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی صدر المدرسین دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ
۴۵- حضرت مولانا منظور احمد مصباحی استاذ دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ
۴۶- حضرت مولانا نوشاد عالم حنفی استاذ مدرسہ سراج العلوم برگدہی، ضلع مہراج گنج
۴۷- مولانا ڈاکٹر محب الحق رضوی دارالشفا، کریم الدین پور، گھوسی
۴۸- مولانا مطیع الرحمٰن مظفرپوری نائب مفتی مرکزی دارالافتا، بریلی شریف
۴۹- مولانا عبدالغفار صاحب استاذ ضیاء العلوم، خیرآباد
۵۰- مولانا عبدالحفیظ اختر جون پوری۔
۵۱- مولانا ارشاد احمد قادری گھوسی
۵۲- مولانا جمال مصطفیٰ قادری گھوسی
۵۳- مولانا اختر حسین فیضی جہانا گنج، اعظم گڑھ
۵۴- مولانا غلام نبی مصباحی شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۵۵- مولانا عبدالمنان رضوی ہواگ، پوسٹ بلسگرا، ہزاری باغ

اساتذۂ اشرفیہ علاوہ مذکورین

۵۶- حضرت مولانا عبدالشکور عزیزی نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۵۷- حضرت مولانا محمد احمد مصباحی رکن مجلسِ شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۵۸- حضرت مولانا اسرار احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۵۹- حضرت مولانا اعجاز احمد مبارک پوری استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۰- حضرت مولانا احمد القادری بھیروی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۱- حضرت مولانا اختر کمال قادری استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۲- حضرت مولانا زاہد علی سلامی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۳- حضرت مولانا نصیر الدین عزیزی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۴- حضرت مولانا غلام حسین مصباحی مبارک پوری، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

۶۵- حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۶- حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی	مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۷- جناب ماسٹر آفتاب احمد خاں	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۸- جناب مولانا احمد رضا مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۶۹- جناب حافظ جمیل احمد صاحب	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۷۰- جناب قاری ابوالحسن صاحب	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۷۱- جناب قاری جلال الدین صاحب	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۷۲- مولانا ارشاد احمد صاحب	ریسرچ اسکالر، شعبۂ اختصاص جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
۷۳- مولانا محمود احمد صاحب	ریسرچ اسکالر، شعبۂ اختصاص جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فیصل بورڈ کے چار اہم فیصلے

فیصل بورڈ کا پہلا اجلاس منعقدہ:۔
۳؍۴؍ شعبان ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۶؍۱۷؍ جنوری ۱۹۹۴ء
بروز یک شنبہ، دوشنبہ
بمقام: محلہ مدن پورہ، بنارس (یوپی)

فیصلہ ① - ② الکحل آمیز دواؤں -اور- رنگین چیزوں کا استعمال
☆- دستخط فیصل بورڈ و دیگر علماے کرام و مفتیانِ عظام
فیصلہ ③ -بیمۂ زندگی کے شرعی احکام
☆- دستخط فیصل بورڈ و دیگر مفتیانِ کرام و عمائد علماے دین
فیصلہ ④ -جبری و اختیاری بیمۂ اموال کے احکام

فیصلہ (۱-۲)

الکحل آمیز دواؤں - اور - رنگین چیزوں کا استعمال☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

مجلس شرعی کی ساری ابحاث اور حضرات مفتیان کرام کے موصولہ مقالات پر غور کرنے کے بعد فیصل بورڈ اس نتیجے پر پہنچا ہے:

اس عہد میں (اسپرٹ یا الکحل آمیز) انگریزی دواؤں کا استعمال عموم بلوی کی حد تک پہنچ چکا ہے، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پڑیا کی رنگت کے بارے میں عموم بلویٰ اور دفع حرج کی بنیاد پر طہارت اور جواز کا فتوی دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد دوم ص ۴۵، اور ص ۵۰ نیز فتاویٰ رضویہ جلد دہم ص ۵۴ رسالہ "الفقه التسجيلي في عجين النارجيلي" میں ہے، اس ارشاد کی روشنی میں فیصل بورڈ کے ارکان اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ انگریزی دواؤں کے استعمال کی بھی بوجہ عموم بلویٰ (دفعِ حرج کے لیے) اجازت ہے، البتہ یہ اجازت صرف انھیں صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن میں ابتلائے عام اور حرج متحقق ہو۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

اقول: ولسنا نعني بهذا أن عامة المسلمين إذا ابتلوا بحرام حلّ، بل الأمر أن عموم البلوى من موجبات التخفيف شرعا، وماضاق أمر إلا اتّسع فإذا وقع ذلك في مسألة

☆ بیمۂ زندگی کا فیصلہ پنج شنبہ ۴ر جمادی الاولی ۱۴۱۴ھ مطابق ۲۱ر اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ہوا تھا، اور یہ مجلسِ شرعی کا سب سے پہلا فیصلہ تھا، پھر اس کے تین ماہ بعد ۳ر ۴ر شعبان ۱۴۱۴ھ بروز یک شنبہ و شبِ دوشنبہ مطابق ۱۶ر جنوری ۱۹۹۴ء کو الکحل آمیز دواؤں پھر بیمۂ اموال کا فیصلہ ہوا۔ یہاں بیمۂ جان و مال کے احکام کو ایک ساتھ رکھنے کے لیے ترتیب میں سب سے پہلے الکحل آمیز دواؤں کے احکام کو رکھا گیا ہے۔ (مرتب غفرلہ)

مختلف فيها ترجّح جانب اليسر صونا للمسلمين عن العسر ولايخفى على خادم الفقه أن هذا كما هو جارٍ في باب الطهارة والنجاسة، كذلك في باب الإباحة والحرمة. ولذا تراه من مسوغات الإفتاء بقول غير الإمام الأعظم رضي الله تعالى عنه كما في مسألة المخابرة وغيرها ... بل هو من مجوزات الميل إلى رواية النوادر على خلاف ظاهرالرواية كما نصوا عليه ... في ردالمحتار في مسألة العلم في الثوب هو أرفق بأهل هذا الزمان لئلا يقعوا في الفسق والعصيان.اهـ... فاندفع ماعسٰى أن يوهم من قول الفاضل اللكنوي أن عموم البلوى إنّما يؤثر في باب الطهارة والنجاسة لا في باب الحرمة والإباحة، صرح به الجماعة.اهـ .[1] والله تعالى أعلم.

(۲)-میز، کرسی، دیوار وغیرہ میں جو رنگ استعمال ہوتے ہیں، اگر بطریق شرعی یہ ثابت بھی ہو کہ ان میں اسپرٹ کی آمیزش ہے تو بھی اب بوجہِ عمومِ بلویٰ و دفعِ حرج حکمِ طہارت ہے، جیسا کہ رنگین کپڑوں کے بارے میں مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بوجہِ عمومِ بلویٰ حکمِ طہارت دیا ہے۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم۔

دستخط فیصل بورڈ

(۱)-فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ (۲)-جلال الدین احمد الامجدی

(۳)-ضیاء المصطفیٰ قادری عفی عنہ

دستخط دیگر علمائے کرام و مفتیانِ عظام

(۱)-محمد شریف الحق امجدی (۲)-قاضی عبدالرحیم بستوی غفرلہ

(۳)-محمد نظام الدین رضوی (۴)-محمد معراج القادری

---

(۱)- فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۳۴۳، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲)- فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰، ص:۸۹، مطبوعہ رضا اکیڈمی، ممبئی

بیمۂ زندگی و بیمۂ اموال کے احکام

"بیمہ فارسی زبان کے لفظ "بیم" سے ماخوذ ہے، جس کا معنیٰ ہے اندیشہ، اور یہاں مراد ہے "اندیشۂ ضرر کا ذمہ، یا ضمانت"۔ بیمہ کو عربی زبان میں "عقد التامین" اور انگریزی میں "انشور" [Insure] کہتے ہیں۔ اس کی بنیادی طور پر دو قسمیں ہیں۔ بیمہ ـــ زندگی، بیمۂ اموال۔ اسے عرف میں جنرل انشورنس کہتے ہیں۔ ان دونوں طرح کے بیموں کے احکام کی تحقیق کے لیے سیمینار کی بحثوں کے دوران متعدد امور تنقیح طلب ہو گئے۔ ان پر فیصل بورڈ نے بحث و نظر کے بعد فیصلہ صادر کیا۔ وہ تنقیح طلب امور یہ ہیں:

تنقیح طلب امور بسلسلۂ "بیمۂ زندگی"

(۱) بیمۂ زندگی کون سا عقد ہے؟

(۲) بیمۂ زندگی عقد صحیح ہے یا عقد فاسد؟

(۳) تین سال متواتر جس نے بیمہ کی قسطیں جمع نہیں کیں اسے تاریخ بیمہ سے پانچ سال کی مہلت دی جاتی ہے کہ وہ باقی ماندہ اقساط مع سود جمع کر کے اپنا بیمہ جاری رکھے اس صورت میں:

الف: شکل قمار ہے جس میں رقم سوخت ہونے کا خطرہ ہے تو کیا جو شخص موجودہ حالات کے پیش نظر تین سال متواتر جمع کرنے کا گمان رکھے تو اس کے لیے جائز ہے یا نہیں اور اس کا یہ غالب ظن، ملحق بہ یقین ہے یا نہیں؟

ب: جو شخص شروع کرنے کے بعد بند کر دے تو مدت موسعہ میں سود جمع کرنا رباے ممنوع ہے یا قرض بہ نیت واپسی کا جز ہے؟

ج: بیمہ سے حاصل شدہ زائد رقم ربا ہے یا مال مباح؟

د: اس ظن غالب کے ساتھ بیمہ شروع کیا کہ تین سال جمع کرلے گا لیکن ایک دو سال میں ترک کر دیا تو اب تضییع مال کی وجہ سے آثم (گنہگار) ہوگا یا نہیں؟

(۴) حاصل شدہ زائد مال اگر مال مباح ہے تو زکاۃ کتنے مال کی ادا کرے اور کب سے؟

فیصلہ (۳)

بیمۂ زندگی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

① بیمۂ زندگی عقد قرض بشرط ربا مشتمل بر عقد قمار ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

② **الف:** عقد قرض ربا کی وجہ سے عقد فاسد اور عقد قمار بھی عقد فاسد ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ب: موجودہ صورت حال میں حکومت ہند کی لائف انشورنس کمپنی کے ساتھ عقود فاسدہ بشرط نفع مسلم مباح ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

③ درج ذیل لوگوں کے لیے بیمۂ زندگی جائز ہے۔

الف: وہ ملازم جس کی تنخواہ سے پریمیم کی رقم مستاجر خود وضع کر کے جمع کرنے کا ضامن ہو۔

ب: وہ صاحب مال جس کو اپنی موجودہ حالت کے ساتھ تین سال کی مدت مقررہ یا اس کے بعد کی مدت موسّعہ تک تین سال کی تمام قسطیں مسلسل جمع کرنے کا ظن غالب ملحق بہ یقین ہو، ایسا ظن غالب جو امام اہل سنت اعلیٰ حضرت نے "الاحلی من السکر" کے مقدمہ سابعہ میں قسم اول کے طور پر بیان فرمایا ہے۔[2] واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) یعنی بیمۂ زندگی کے لیے جمع شدہ رقم کی حیثیت قرض کی ہے، جو بیمہ کمپنی کو انٹرسٹ کی شرط پر دیا جاتا ہے، ساتھ ہی اس کی حیثیت تین سال تک جوا بازی کی ہوتی ہے کہ اگر اتنے دنوں کی ایک قسط بھی جمع ہونے سے رہ گئی تو بیمہ کمپنی ساری رقم مع بونس ضبط کر لے گی اور سب قسطیں جمع ہو گئیں تو بیمہ ہولڈر کامیاب ہو گیا اور قرض پر انٹرسٹ کی شرط ہو تو عام حالات میں وہ انٹرسٹ ربا ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں کی حالت موجودہ سے قطع نظر وہ "عقد قرض بشرط ربا" ہے، مگر موجودہ صورتِ حال میں وہ انٹرسٹ ربا نہیں، مالِ مباح ہے۔ فیصل بورڈ کی مراد یہی ہے۔ (مرتب غفرلہ)

(۲) "الاحلی من السکر" کی وہ عبارت یہ ہے:

"ظن غالب شرعاً معتبر اور فقہ میں بنائے احکام، مگر اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ جانب راجح پر قلب کو اس درجہ وثوق و اعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کر دے اور محض ناقابل التفات سمجھے گویا اس کا عدم و وجود یکساں ہو۔

④ جس شخص کی موجودہ حالت مدت موسّعہ تک تین سال کی پالیسی قائم رکھنے کے قابل نہیں اس کا ظن ملحق بہ یقین نہیں ہے۔ ایسے شخص کو بیمہ پالیسی کی اجازت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑤ مدت موسّعہ میں قسط سے زائد جو رقم ادا کرے وہ سود نہیں ہے بلکہ اپنے مال کو قرض دینا ہے کہ وہ اسے واپس ملے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑥ ظن غالب کے ساتھ شروع کرنے والا اگر تین سال سے قبل اپنی کوتاہی سے بغیر کسی شرعی مجبوری کے اپنی پالیسی بند کردے آثم (گنہ گار) ہے اور اگر کسی شرعی مجبوری مثلاً افلاس وغیرہ کی وجہ سے پالیسی بند ہوگئی تو آثم نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑦ بیمہ (کمپنی۔ن) سے حاصل شدہ زائد رقم مال مباح ہے۔ اسے اپنے امور میں صرف کرنا جائز ہے۔ البتہ اسے صدقہ کر دینا بہتر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

⑧ اصل جمع شدہ رقم کی زکاۃ سال بسال واجب ہے مگر ادا عند الحصول واجب ہے اور مال زائد حاصل ہونے کے بعد اصل نصاب سے ملحق ہو جائے گا۔ لہٰذا اس کی زکاۃ نصاب کے حولان حول پر واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دستخط فیصل بورڈ

(۱)۔فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری۔ (بریلی شریف)

(۲)۔جلال الدین احمد الامجدی غفرلہ۔ (اوجھاگنج، بستی)

(۳)۔ضیاء المصطفیٰ قادری (جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

ایسا ظنِ غالب فقہ میں ملحق بہ یقین ہے۔ ہر جگہ کار یقین دے گا اور اپنے خلاف یقین سابق کا پورا مزاحم ورافع ہوگا۔ اور غالبًا اصطلاحِ علما میں غالبِ ظن واکبر رائے اسی پر اطلاق کرتے ہیں:

فی غمز العیون والبصائر شرح الاشباه والنظائر: الشكّ لغةً مطلق التردّد. وفی اصطلاح الأصول: استواء طرفی الشئ وهو الوقوف بين الشيئين بحيث لايميل القلب إلى أحدهما، فإن ترجح أحدهما ولم يطرح الأخر فهو ظن فإن طرحه فهو "غالب الظن" وهو بمنزلة اليقين وإن لم يترجح فهو وهم.

دوسرے یہ کہ ہنوز جانب راجح پر دل ٹھیک نہ جمے اور جانبِ مرجوح کو محض مضمحل نہ سمجھے بلکہ اُدھر بھی ذہن جائے اگرچہ بضعف وقلت یہ صورت نہ یقین کا کام دے نہ یقینِ خلاف کا معارضہ کرے بلکہ مرتبۂ شک و تردّد ہی میں سمجھی جاتی ہے۔ کلماتِ علما میں کبھی اسے بھی ظن غالب کہتے ہیں۔ اگرچہ حقیقۃً یہ مجرد ظن ہے، نہ غلبۂ ظن... ہاں اس قسم کا اتنا لحاظ کرتے ہیں کہ احتیاط کو بہتر وافضل جانتے ہیں نہ کہ اس پر عمل واجب ومتحتّم ہو جائے۔" اھ ملتقطاً۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص:۹۷،۹۹، باب الانجاس، مقدمہ سابعہ، رسالہ "الأحلى من السكر لطلبة سكر روسر، ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی) [مرتب غفرلہ]

دستخط دیگر مفتیانِ کرام و عمائد علمائے دین

(۱)- محمد شریف الحق امجدی
(۲)- خواجہ مظفر حسین غفرلہ
(۳)- محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی
(۴)- محمد احمد مصباحی
(۵)- عبد الحفیظ عفی عنہ
(۶)- بہاء المصطفیٰ قادری
(۷)- محمد مطیع الرحمٰن رضوی
(۸)- محمد نظام الدین رضوی
(۹)- محمد معراج القادری
(۱۰)- محمد حبیب اللہ مصباحی
(۱۱)- عبد المبین نعمانی قادری
(۱۲)- محمد نصیر الدین
(۱۳)- عبد الشکور عفی عنہ
(۱۴)- رحمت حسین کلیمی
(۱۵)- صاحب علی فردوسی
(۱۶)- اختر حسین قادری
(۱۷)- عبد العزیز قادری
(۱۸)- شمس الہدیٰ عفی عنہ
(۱۹)- محمد عبد الحفیظ رضوی جون پوری
(۲۰)- اعجاز احمد
(۲۱)- غلام حسین
(۲۲)- منظور احمد
(۲۳)- نصر اللہ رضوی مصباحی
(۲۴)- محمد عارف اللہ فیضی
(۲۵)- محمد نسیم مصباحی
(۲۶)- محمد حسین خان
(۲۷)- قاضی فضل احمد
(۲۸)- محمد انور نظامی
(۲۹)- جمال مصطفیٰ قادری
(۳۰)- آل مصطفیٰ مصباحی
(۳۱)- زاہد علی سلامی غفرلہ
(۳۲)- صدر الوریٰ قادری
(۳۳)- نفیس احمد مصباحی
(۳۴)- اختر حسین فیضی مصباحی
(۳۵)- محمد اختر کمال قادری
(۳۶)- ارشاد احمد قادری

فیصلہ (۴)

بیمۂ اموال (جبری)

(۱) انجن سے چلنے والی گاڑیوں کا جبری انشورنس حکومت کی طرف سے ایک جبری ٹیکس ہے، اس کا ادا کرنے والا معذور ہے، گنہگار نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) بینک سے قرض لینے پر جبری بیمۂ اموال درج ذیل دونوں صورتوں میں جائز ہے۔

الف: بینک کا قرض جس پر کچھ زائد رقم دینی پڑتی ہے وہ زائد رقم انکم ٹیکس سے وضع ہو جاتی ہو۔

ب: بینک سے قرض بشرط ادائے مال فاضل لینے میں انکم ٹیکس سے کم از کم مال فاضل کے برابر یا اس سے زائد کی بچت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) ریل گاڑی ہوائی جہاز کے ٹکٹوں میں جو جبری انشورنس کی رقم دینی پڑتی ہے وہ بھی ٹیکس کے قبیل سے ہے بوجہ جبر اس میں بھی کوئی گناہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بیمۂ اموال (اختیاری)

(۱) جو پوسٹ آفس اور ریلوے وغیرہ کے ذریعہ مال کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا اختیاری یا جبری انشورنس ہوتا ہے مثلاً پارسل، وی پی، رجسٹری، منی آرڈر، بیمہ، تو یہ صورتیں اجارۂ حفظ وحمل کی ہیں، جو جائز ہیں۔ تفصیل مجدد اعظم امام احمد رضا قدس سرہ کے رسالۂ مبارکہ «المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر» میں ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) اس رسالہ کی متعلقہ عبارت یہ ہے:

حقیقت امر یہ ہے کہ ڈاک خانہ قطعاً اجیر مشترک اور اس میں جس قدر فیسیں ہیں سب اجرتِ عمل۔ پھر ضوابطِ ڈاک نے ان پر اعمال دو قسم پر منقسم کیے۔

ایک وہ جن میں آفس ذمہ دار وضمین قرار پاتا ہے جیسے پارسل، رجسٹری، بیمہ و منی آرڈر۔

(۲) دُکانات، مکانات اور ذرائع نقل و حمل مثلاً ٹرک، بس، موٹر سائیکل، ٹیکسی وغیرہ کا اختیاری بیمہ ناجائز ہے، اس لیے کہ یہ قمار کے معنیٰ میں ہے جس میں نفع موہوم اور ضیاعِ مال اغلب و اکثر ہے، اس لیے اس کے جواز کی کوئی راہ نہیں، البتہ جب کہ ثابت ہو کہ اختیاری بیمہ اموال سے انکم ٹیکس کی بچت بیمہ کی قسط (پریمیم) کے برابر یا زیادہ ہو جاتی ہے تو خاص اس صورت میں جواز کا حکم ہے اور وہ بھی خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جن پر انکم ٹیکس کا قانون عائد ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۳) انسانی اعضا و صفات کا بیمہ بھی جائز نہیں کہ یہ بھی قمار ہے جس میں نفع موہوم اور ضیاعِ مال اغلب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دستخط فیصل بورڈ اور معاونین مفتیانِ عظام

(۱)۔ فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ

(۲)۔ محمد شریف الحق امجدی

(۳)۔ جلال الدین احمد الامجدی

(۴)۔ ضیاء المصطفیٰ قادری

(۵)۔ قاضی عبد الرحیم بستوی غفرلہ

(۶)۔ محمد نظام الدین رضوی۔

دوسرے وہ جس میں ذمۂ ضمان نہیں جیسے خطوط و پاکٹ بیرنگ و باٹکٹ اور یہیں سے واضح ہو گیا کہ یہ ادائے ضمان بر بنائے قرض نہیں بلکہ ضوابط کی اس تقسیم پر مبنی ہے، ولہٰذا بیمہ میں ضمان دیتے ہیں، حالاں کہ وہاں قرض کا اصلاً احتمال نہیں بلکہ انصاف کیجیے تو روپیہ لینے والے درکنار عام روپیہ داخل کرنے والوں کا بھی ذہن اصلاً اس طرف نہیں جاتا کہ یہ روپے جو ہم دیتے ہیں بوجہ قرار دادِ امساکِ عین و دفعِ مثل ڈاک خانہ کو قرض دے رہے ہیں، ڈاک خانہ ہم سے دست گرداں لے رہا ہے بلکہ یقیناً لینے، دینے والے سب اس عقد کو مثل سائر عقودِ ڈاک خانہ عقدِ اجارہ ہی جانتے ہیں، اور خود اسی کے لیے صیغۂ ڈاک کی وضع اور فیس کو یقیناً اجرت جان کر دیتے لیتے اور در صورتِ تلف تاوان کو مثل بیمہ وغیرہ اسی شرطِ ذمہ داری کی بنا پر سمجھتے ہیں، نہ یہ کہ یہ لوگ سمجھیں، ہم نے قرض دیا تھا اسے ڈاک خانہ سے لینا ہے۔ ڈاک خانہ سمجھے میں ان کا قرض دار تھا مجھے ادا کرنا ہے، ہاں بعد تلف ڈاک خانہ اسی ذمہ داری کے سبب اس وقت سے مدیون سمجھا جاتا ہے، نہ یہ کہ روپیہ بھیجنے کے لیے داخل کرتے ہی عاقدین اپنے آپ کو دائن و مدیون تصور کرتے ہوں، یہ بدیہیات واضحہ سے ہے جس کا انکار مکابرہ، تو یہ قرار دادِ ضمان ہرگز بر بنائے اقراض و استقراض نہیں بلکہ اجیرِ مشترک پر شرطِ ضمان ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۲۰۰، رسالہ "المنی والدرر لمن عمد منی آرڈر" ناشر: رضا اکیڈمی ممبئی)

[مرتب غفرلہ]

دوسرا، تیسرا، چوتھا اور پانچواں سیمینار

دوسرا فقہی سیمینار

۱۹/۲۰/۲۱/۲۲/ رجب ۱۴۱۵ھ
مطابق ۲۳/۲۴/۲۵/۲۶/ دسمبر ۱۹۹۴ء
بروز جمعہ، شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

تیسرا فقہی سیمینار

۱۱/۱۲/۱۳/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ
مطابق ۱۴/۱۵/۱۶/ ستمبر ۱۹۹۷ء
بروز یک شنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

چوتھا فقہی سیمینار

۲۲/۲۳/ رجب ۱۴۱۸ھ
مطابق ۲۳/۲۴/ نومبر ۱۹۹۷ء
بروز یک شنبہ، دوشنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

پانچواں فقہی سیمینار

۱۵/۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ
مطابق ۱۴/۱۵/ مارچ ۱۹۹۸ء
بروز شنبہ، یک شنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

☆شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کھنچانا جائز یا ناجائز؟

فیصلہ ⑤-شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت

☆-تصدیقات علماے کرام اور دوسرے فقہی سیمینار کے شُرکا

☆-مشترکہ سرمایہ کمپنی ایک نظر میں (مرتب کا اضافہ بطور تمہید)

☆-مشترکہ سرمایہ کمپنی میں شرکت کے احکام

☆-توثیقی دستخط بموقع دسواں فقہی سیمینار

فیصلہ ⑥ -فیصل بورڈ کا فیصلہ

☆-دستخط فیصل بورڈ و معاونین

☆-دوامی اجارہ (یعنی پگڑی کے ساتھ معاملہ کرایہ داری)

فیصلہ ⑦ -دوامی اجارہ

☆-دیون اور ان کے منافع کی زکوٰۃ

فیصلہ ⑧ -دُیون کی مختلف صورتوں کے احکام

فیصلہ ⑨ -چک کی خرید و فروخت

☆-تیسرے فقہی سیمینار کے شُرکا

☆-چوتھے اور پانچویں فقہی سیمینار کے شُرکا

شناختی کارڈ کے لیے فوٹو کھنچوانا، جائز یا ناجائز

جاندار کی تصاویر تین طرح سے بنائی جاتی ہیں۔☆ مجسمہ تیار کیا جاتا ہے۔☆ ہاتھ سے صورت کشی کی جاتی ہے جسے "دستی تصویر" کہتے ہیں ☆ مشین کے ذریعہ جاندار کے عکس کو محفوظ کیا جاتا ہے اسے "عکسی تصویر" کہا جاتا ہے۔

مجسمہ سازی اور دستی تصویر تو بالاتفاق حرام ہیں احادیث نبویہ میں ان دونوں کے بارے میں سخت وعیدیں آئی ہیں۔

لیکن "عکسی تصویر" کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ علما کے درمیان مختلف فیہ ہے اور دلائل کے پیش نظر راجح عدمِ جواز ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا فتویٰ یہی ہے۔

۱۴۱۵ھ/۱۹۹۴ء میں جب حکومتِ ہند کے نئے الیکشن کمشنر ٹی این سیشن نے "حق رائے دہی" کے لیے "شناختی کارڈ" (Identity Card) کو لازم قرار دے دیا تو اس وقت "فوٹو کے جواز و عدم جواز کا مسئلہ" موضوع بحث بن گیا کیوں کہ شناختی کارڈ کے لیے فوٹو ناگزیر تھا تو "شناختی کارڈ" کو لازم قرار دینے کا مطلب صاف صاف یہ تھا کہ ہم اپنا "حقِ رائے دہی" اس کارڈ کے ساتھ ہی استعمال کر سکتے ہیں، ورنہ اپنے اس حق سے محروم کر دیے جائیں گے۔

آج ہمارے ملک میں یہاں جو کچھ بھی رہی سہی قوت ہے وہ زیادہ تر اسی "حق رائے دہی" کی مرہونِ منت ہے اور سب کو معلوم ہے کہ حکومتوں پر اس کا اثر زیادہ پڑتا ہے۔ "ووٹ بینک" کی سیاست بھی اسی کی دین ہے۔ ساتھ ہی یہ کارڈ ہماری شہریت اور قومیت کے لیے سرکاری دستاویز بھی ہے جس کی اہمیت سے سب آگاہ ہیں، یہ نہ ہو تو مستقبل میں کسی بھی وقت ہمیں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اس لیے ممکن حد تک اس حق کا تحفظ ضروری تھا اور الیکشن کمشنر کا لازمی فرمان جاری ہونے کے بعد اس کے تحفظ کے لیے سوائے شناختی کارڈ کے اور کوئی چارۂ کار نہ رہ گیا تھا اس لیے علمائے کرام پر یہ ذمہ داری عاید ہو رہی تھی کہ وہ اس بارے میں فوراً امتِ مسلمہ کی شرعی رہنمائی کریں۔

یہی داعیہ تھا جس کی بنا پر جماعت اہلِ سنت کے دور اندیش عالم دین حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رکن مجلس شوریٰ جامعہ اشرفیہ نے مجلس شرعی کے فقہائے مندوبین کے سامنے مذاکرہ و مناقشہ کے لیے یہ مسئلہ رکھا۔ یہ واقعہ دوسرے فقہی سیمینار کی پانچویں نشست کا ہے جو حضرت علامہ کے زیرِ صدارت چل رہی تھی۔ آپ نے دورانِ اجلاس اس اہم مسئلے کی طرف «شرعی ایوان» کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا:

«الیکشن کے سلسلے میں شناختی کارڈ کا مسئلہ اس وقت مسلمانانِ ہند کے لیے سخت اضطراب کا سبب بنا ہوا ہے، ملت کے کروروں افراد سخت کشمکش میں مبتلا ہیں کہ کیا کریں، اس لیے میں اپنے فقہائے کرام سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلے کے ہر پہلو کا جائزہ لے کر شناختی کارڈ کے متعلق کوئی فیصلہ صادر فرمائیں کہ مسلمانانِ ہند کو اب کیا کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ فوراً حل طلب ہے، ایسا نہیں کہ اسے آئندہ کے لیے موقوف رکھا جائے۔»

فوراً اس پر بحث شروع ہوگئی ایک طبقہ عدم جواز کا قائل تھا ان کا استناد حرمت کے عمومی دلائل سے تھا۔

مگر بڑا طبقہ ایمرجنسی حالات میں کام آنے والے شرعی دلائل - ضرورت و حاجت - کے پیش نظر رخصت کا قائل تھا، اس طبقے کی ترجمانی کرتے ہوئے نائبِ مفتیِ اعظم حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

«اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ تصویر کھنچانا شرعاً حرام و گناہ ہے، اس لیے عام حالات میں کسی مسلمان کو تصویر کھنچوانے کی اجازت ہرگز نہیں دی جا سکتی، لیکن اس مسئلے کا دوسرا رخ یہ ہے کہ شناختی کارڈ صرف حقِ رائے دہی کا ہی پروانہ نہیں ہے، بلکہ ہندوستانی شہریت و قومیت کے ثبوت کے لیے وہ ایک سرکاری دستاویز بھی ہے اگر تصویر کی وجہ سے ہم نے یہ سرکاری دستاویز نہ حاصل کی تو مستقبل میں یہ ہمارے لیے سخت مشکلات کا پیش خیمہ بن سکتا ہے، ہم اپنے ملک کے شہری حقوق سے محروم بھی کیے جا سکتے ہیں، اس طرح کے سنگین حالات میں شریعت محظورات کو مباح فرما دیتی ہے، اس لیے ہمیں اس رخ کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔»

تقریباً ایک گھنٹہ کے مذاکرہ و مناقشہ کے بعد فریقین نے ضرورت شرعیہ کی بنا پر "عکسی تصویر" کی اباحت پر اتفاق کیا۔ مگر راقم الحروف کو یہ خلجان تھا کہ ضرورت کے تحقق کے لیے اِضطرار کا پایا جانا ضروری ہے اور ہم ابھی مضطر نہیں اس لیے "دفعِ حرج" یا "فسادِ مظنون بظن غالب" کو جواز کی بنیاد بنانا چاہیے۔

اس پر حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ "جب گرفتار ہو جاؤ گے تب ضرورت متحقق ہوگی۔" مگر میرا خلجان بے بنیاد نہ تھا اس لیے جانشین مفتیِ اعظم حضرت علامہ محمد اختر رضا خاں قادری ازہری دام ظلہ العالی نے فرمایا کہ "ضرورت عند الطلب متحقق ہوگی" اس پر سب کا اتفاق ہوگیا، پھر حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ نے ہی حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب دام ظلہ العالی نائب صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ سے یہ فیصلہ املا کرایا: "چوں کہ اس صورت میں عند الطلب ضرورت ملجیہ یا حاجت شدیدہ متحقق ہوگی۔ لہٰذا خاص شناختی کارڈ کے لیے تصویر کھنچانے کی اجازت ہوگی۔" اس پر اکابر و اصاغر کے دستخط ہوئے۔

آگاہی:۔ یہ مسئلہ پہلے سے اس سیمینار میں زیر غور نہ تھا، اس وجہ سے اس پر نہ تو کوئی "سوال نامہ" مرتب ہوا، نہ مقالات لکھے گئے نہ خلاصۂ مقالات میں اس کا کہیں ذکر آیا۔ اس لیے میں نے مناسب سمجھا کہ اس بارے میں اپنی "یادداشت" افادۂ عام کے لیے مرتب کر کے شامل اشاعت کر دوں۔

وللہ الحمد وعلی حبیبہ الصلاۃ والسلام.

وہ فیصلہ سوال و جواب کی شکل میں آگے درج ہے۔ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۵)

سوال:- کیا شناختی کارڈ کے لیے (جو لازم کیا جارہا ہے) مسلمانوں کو تصویر کھنچوانے کی اجازت ہے؟ اگر یہ نہ بنوائیں تو ووٹ سے اور شہریت سے محروم کر کے ملک بدر کر دیے جائیں گے۔ اور بھی طرح طرح کی مشکلات سے دوچار ہوں گے (عامۂ مسلمین)۔

الجواب:- چوں کہ اس صورت میں عند الطلب ضرورتِ ملجۂ یا حاجتِ شدیدہ متحقق ہوگی۔ لہٰذا خاص شناختی کارڈ کے لیے تصویر کھنچوانے کی اجازت ہوگی۔ الضرورات تبيح المحظورات – والحاجة تنزل منزلة الضرورة – وما أبيح للضرورة يتقدر بقدرها – كذا في الأشباه – والله تعالىٰ أعلم۔

بقلم - محمد احمد مصباحی

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ

شب ۲۲/رجب ۱۴۱۵ھ

۷۸۶

مستقبل میں ضرورتِ ملجۂ کا تحقق مظنون بظن غالب ہے، اس لیے فساد و ضرر مظنون بظن غالب کے ازالے کے لیے تصویر کشی کی اجازت ہے۔ والجواب صحیح و صواب، والله تعالىٰ اعلم.

محمد نظام الدين الرضوی

خادم الافتا دار العلوم اشرفيه، مبارك فور

شب ۲۲/رجب ۱۴۱۵ھ

۲۵/دسمبر ۱۹۹۴ء

تصدیقات علمائے کرام

۱. محمد شریف الحق امجدی (صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۲. ارشد القادری غفرلہ (بانی جامعہ حضرت نظام الدین، دہلی)
۳. ضیاء المصطفیٰ قادری (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۴. عبد الحفیظ عفی عنہ (سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۵. جلال الدین احمد الامجدی (صدر شعبۂ افتا فیض الرسول، براؤں شریف)
۶. بہاء المصطفیٰ قادری (استاذ دار العلوم منظرِ اسلام، بریلی شریف)
۷. شبیر حسن رضوی (مفتی الجامعۃ الاسلامیہ روناہی، فیض آباد)
۸. محمد نصیر الدین (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۹. محمد عبد المبین نعمانی (صدر المدرسین دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو)
۱۰. محمد معراج القادری (رکن مجلس شرعی، مبارک پور)
۱۱. قاضی شمس الدین اشرفی (ناظم ومفتی مدنی عربک کالج، ہبلی)
۱۲. اختر حسین قادری (استاذ دار العلوم ربانیہ، باندہ)

بقیہ شرکائے سیمینار

مذکورہ بالا ناموں کے ساتھ ذیل کے دستخط بھی دوسرے سیمینار کی قرار داد کے تحت ملے۔

۱۳. عبد الشکور (نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور)
۱۴. خواجہ مظفر حسین (صدر المدرسین دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد)
۱۵. اسرار احمد (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۱۶. اعجاز احمد عفی عنہ (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۱۷. محمد عبد الحق رضوی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۱۸. شمس الہدیٰ عفی عنہ (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۱۹. صدر الوریٰ قادری (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۲۰. بدرِ عالم مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۲۱. غلام حسین (لائبریرین جامعہ اشرفیہ مبارک پور)
۲۲. حبیب اللہ نعیمی (استاذ امجدیہ، گھوسی)

۲۳.	مبارک حسین	(مدیر ماہ نامہ اشرفیہ)
۲۴.	آل مصطفیٰ مصباحی	(جامعہ امجدیہ گھوسی)
۲۵.	محمد نسیم	(استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۲۶.	عابد حسین مصباحی	(مفتی فیض العلوم، جمشید پور)
۲۷.	محمد انور نظامی	(ہزاری باغ)
۲۸.	قاضی فضل احمد	(استاذ مدرسہ ضیاء العلوم بنارس)
۲۹.	عبد الحفیظ الرضوی	(بحر العلوم، بے نگر)
۳۰.	محمد اختر کمال قادری	(استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۳۱.	عبد الرحمٰن	(جامعہ امجدیہ، گھوسی)
۳۲.	جمال مصطفےٰ قادری	(استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۳۳.	جلال الدین نوری	(استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۳۴.	ارشاد احمد	(استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)
۳۵.	محمود عالم خاں نوری	(جامعہ قادریہ، بنارس)
۳۶.	غلام نبی	(رفیق دار الافتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

☆☆☆☆

مشترکہ سرمایہ کمپنی ایک نظر میں

یہاں سب سے پہلے یہ بصیرت حاصل کر لینا ضروری ہے کہ

☆ "مشترکہ سرمایہ کمپنی" کیا چیز ہے

☆ اور اس کے "حصص" یعنی "شیرز" کتنے طرح کے ہیں ☆ انھیں شیر بازار کی دنیا میں کن ناموں سے جانا جاتا ہے

☆ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ تاکہ ان کے ذریعہ شرعی احکام تک رسائی ہو سکے۔

اس لیے ہم سب سے پہلے مختصراً ان امور پر روشنی ڈالتے ہیں۔

(۱) کمپنی ایک کاروباری و تجارتی ادارہ ہے جو طے شدہ دستور العمل کے تحت کام کرتا ہے، مگر ماہرینِ معاشیات کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ کمپنی ایک غیر مبصر، و ناقابلِ مَس مصنوعی شخص ہے جس کا اپنے شرکا سے الگ، مستقل قانونی وجود ہوتا ہے۔ ہاں رجسٹریشن سے پہلے تک وہ محض "افراد کی ایک انجمن" ہوتی ہے۔

(۲) کمپنی کا علاحدہ وجود ہونے کی وجہ سے وہ خود اپنے نام سے معاہدے کرتی اور جائداد و اثاثہ جات خریدتی ہے۔

(۳) حصہ داروں کے آنے جانے، مرنے، پاگل ہونے، اپنا حصہ دوسرے کے نام منتقل کرانے سے کمپنی کی حیات پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ بہر حال موجود و باقی رہتی ہے۔

(۴) کمپنی عقل و شعور سے محروم ہوتی ہے، اس لیے اس کے تمام فرائض کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس کے نائب کی حیثیت سے "ہدایت کار بورڈ" مقرر کیا جاتا ہے، جو اصولِ معاشیات کے ماہر افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ بہ لفظِ دیگر یہی بورڈ کمپنی کی آنکھ اور دست و بازو ہوتا ہے۔

(۵) کمپنی کے حصص دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ترجیحی حصص، اور مساواتی حصص۔ بہ لفظِ دیگر

"پریفرینس شیرز اور ایکویٹی شیرز"۔

ترجیحی حصص والے شیر ہولڈر صرف نفع میں شریک ہوتے ہیں، نقصان میں نہیں، اور ان کو ان کے جمع کیے ہوئے روپے پر ایک طے شدہ در سے بہر حال نفع دیا جاتا ہے خواہ کمپنی کو اپنی تجارت میں نفع ہو یا نقصان

اور مساواتی حصص کے شیر ہولڈر اپنے حصے کے تناسب کے لحاظ سے نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں، انھیں نفع صرف اسی صورت میں دیا جاتا ہے جب کمپنی کا کاروبار نفع میں چل رہا ہو۔

(۶) کمپنی حصص سے الگ تھلگ، عوامی قرض تمسکات جاری کرتی ہے، جس پر وہ ایک مقررہ شرح سے اپنے قرض خواہوں کو سود دیتی ہے۔

عوامی قرض تمسکات تمام منظور شدہ سرمایہ جاری ہونے کے بعد جاری کیے جاتے ہیں۔

(۷) کمپنی عوام سے جو سرمایۂ قرض اور سرمایۂ حصص حاصل کرتی ہے وہ بیچے اور خریدے جا سکتے ہیں۔

(۸) کمپنی اپنے حصص اور قرض تمسکات بیچنے کے لیے حصص بازار کے دلالوں کی مدد لیتی ہے، اور ان دلالوں کو فروخت کیے ہوئے حصص پر کمیشن بھی دیتی ہے۔

(۹) کمپنی کے حصہ داروں سے کمپنی کے قرضوں کے لیے اتنے ہی روپے کسی وقت وصول کیے جا سکتے ہیں، جتنے اس کے خریدے ہوئے حصوں پر ادا نہیں کیے گئے۔ اسے "شیر ہولڈروں کی محدود ذمہ داری" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

(۱۰) زیادہ تر کمپنیاں شیر کی پوری رقم یک مشت وصول کرتی ہیں، مگر بعض کمپنیاں جن کی ساکھ مضبوط نہیں ہوتی، آغازِ کار میں دو تین قسطوں میں رقم وصول کرتی ہیں۔ یہ کمپنیاں وقت مقررہ پر قسطوں کی پوری رقم ادا نہ ہونے کی صورت میں جمع شدہ رقم ضبط کر لیتی ہیں۔

البتہ ضبط کرنے سے پہلے حصہ دار کو ادائیگی کے لیے مزید موقع دیا جاتا ہے اور جو شیر ہولڈر ادائیگی سے عجز کی صورت میں جمع شدہ رقم سے از خود کمپنی کے حق میں دست بردار ہو جائے اسے کمپنی کچھ معاوضہ بھی دے سکتی ہے۔

(۱۱) کمپنی کو بہت حد تک انکم ٹیکس سے چھوٹ ملتی ہے، جس کا فائدہ اس کے ممبروں کو ملتا ہے۔ کمپنی کا "جاری شدہ حصہ" ایک فرضی سرمایہ ہوتا ہے، جس کی کوئی قیمت یا مالیت نہیں ہوتی، اور شیر

داروں کے حصص ابتداءً ثمن یعنی نوٹ ہوتے ہیں اور بعد میں جب ان کے عوض مالِ تجارت خرید لیا جاتا ہے تو وہی "متاع وسامان" ہو جاتے ہیں۔

"ترجیحی حصص" اپنی حقیقت کے لحاظ سے "سرمایۂ قرض" ہوتے ہیں۔ ان پر کمپنی سے ایک طے شدہ نفع دیا جاتا ہے اور مساواتی حصص اپنی حقیقتِ شرعیہ کے لحاظ سے "سرمایۂ شرکت" ہیں اور ان کے ذریعہ کمپنی میں زر کاری شرکت کی ایک خاص قسم "شرکتِ عنان" ہے، لیکن کمپنی خسارے کی صورت میں اپنے ذمہ کا سود ادا کرنے کے لیے ہر شریک سے کچھ نہ کچھ لیتی ہے۔

(مرتب غفرلہ)

سوال نامہ

(۱) کمپنی کے ترجیحی شیرز اور مساواتی شیرز کی حقیقت کیا ہے؟

(۲) کمپنی سے براہِ راست ان شیرز کے حصول اور پہلے کے حصہ داروں سے ان کی خرید و فروخت کا حکم شرعی کیا ہے؟

(۳) قرض تمسکات کا کیا حکم ہے؟

فیصلہ (۶)

مشترکہ سرمایہ کمپنی میں شرکت کے احکام

(دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں سیمیناروں کے فیصلے اور قرار داد)

(۱) محدود بہ حصص کمپنی کی سرمایہ کاری کی بنیاد تین امور پر ہے:
(۱) ترجیحی حصص (۲) قرض تمسکات (۳) مساواتی حصص۔
اس پر سیمینار کا اتفاق ہے کہ ترجیحی حصص سرمایہ قرض ہیں جن پر ملنے والا نفع سود ہے، اس لیے ان حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری حرام ہے۔
یہی صورت قرض تمسکات میں بھی ہوتی ہے، اس لیے ان کے ذریعے بھی سرمایہ کاری حرام ہے۔

(۲) کمپنی امور کے کچھ ماہرین اور حصہ داروں سے یہ تحقیق ہوئی کہ قرض دینا شریک کے لیے قطعاً لازم نہیں ہوتا، نہ ہی کمپنی اپنے شرکا سے ایسا کوئی مطالبہ کرتی ہے۔
مذکورہ باخبر لوگوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چار ہزار میں سے تقریباً تین ہزار نو سو اٹھانوے (۳۹۹۸) کمپنیاں ایسی ہیں جو مطلوبہ رقم یک مشت لیتی ہیں اور ایک دو کے یہاں قسط وار ادائگی اور ضبطگی کی صورت ہوا کرتی ہے۔
اس لیے یہ طے ہوا کہ قسط وار ادائگی والی کمپنیوں کی شرکت سے یکسر رد کا جائے۔ جب کہ ان کے یہاں پوری قسطیں وقت پر ادا نہ کرنے کی صورت میں سابق جمع شدہ رقم کی ضبطگی کا رواج ہو یا جن سے ایسا خطرہ ہو۔

(۳) مساواتی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری "شرکت عنان" ہے، اس پر اتفاق ہو گیا۔ عالمگیری ج:۲ ص: ۳۲ مع خانیہ اور بہار شریعت ج:۱۰ ص:۲۹ کے ایک جزئیہ سے یہ معلوم ہوا کہ شریک عنان کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ ابتدا ہی سے اپنے جملہ اختیارات دوسرے شریک کو دیتے ہوئے شرکت کرے۔ اس لیے مساواتی حصص والا عملاً اپنے حصص اور ان کا نفع لینے کے سوا کچھ نہیں کر سکتا تو اس سے اس کی شرکت کے "شرکتِ عنان" ہونے پر کوئی اثر نہیں آتا۔

④ حصص کی خرید و فروخت جائز ہے یا ناجائز؟

جواز پر اشکال یہ ہے کہ مبیع مجہول ہے، قبضہ دینے، دلانے سے خالی، بلکہ غیر مقدور التسلیم، اس لیے یہ بیع ناجائز ہے کیوں کہ جواز بیع کی شرطیں موجود نہیں۔ (یہ رائے راقم محمد نظام الدین رضوی کے سوا بقیہ تمام مندوبین کی ہے۔)

⑤ مساواتی حصص کے ذریعہ شرکت جائز ہے یا نہیں؟

جواز پر اشکال یہ ہے کہ مساواتی حصص والا نفع اور نقصان دونوں میں شریک ہوتا ہے۔ اگر کمپنی نے دس لاکھ روپے جمع کیے، پانچ لاکھ ترجیحی حصص اور قرض تمسکات کے ذریعہ۔ پانچ لاکھ مساواتی حصص کے ذریعہ اور دو لاکھ کا نقصان ہوا تو اس نقصان میں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات والے بالکل شریک نہ ہوں گے۔ بلکہ ان کو مقررہ سود ملتا رہے گا اور ان کا اصل سرمایہ بھی محفوظ رہے گا اور دو لاکھ کا سارا نقصان مساواتی حصص والوں پر عائد ہوگا۔ اس طرح یہ شریک سود دینے اور سودی قرض کا نقصان سہنے کا عملاً مرتکب ہو گیا۔ اگرچہ وہ فارم پر یہ لکھ دے کہ سودی قرض لینے یا سود دینے سے مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا۔ اس لیے یہ شرکت ناجائز ہے۔

یہ رائے حضرت شارح بخاری (علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی)، حضرت محدث کبیر (علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری) اور حضرت (علامہ محمد احمد) مصباحی صاحب دامت برکاتہم القدسیہ کی ہے اور راقم محمد نظام الدین رضوی کی رائے اس کے برخلاف یہ ہے:

شریعت طاہرہ کا ضابطہ ہے کہ مسلمان کا فعل امکانی حد تک حرمت و فساد سے بچایا جائے، اسی لیے فقہائے کرام نے بہت سے مسائل میں امکانی گوشوں کو تلاش کر کر کے تصحیح عقد فرمائی۔ مثلاً بازار میں مال حرام غالب اور حلال مغلوب ہو تو بھی اشیا کی خریداری کو جائز فرمایا (فتاوی رضویہ دوم، رسالہ الأحلی من السکر)

بیع سیف محلّی بحلیۃ میں جز ثمن دے کر کہا خُذْ مِنْ ثَمَنِهِمَا تو اسے من أحدهما قرار دے کر حلیہ کی بیع صرف کو جائز کہا۔

بیع درہم و دینارین بدرہمین و دینار کو مقابلۂ مطلقہ مان کر مُقَابَلَةُ الْجِنْس بِخِلَافِهٖ کے احتمال کو تصحیح عقد کے لیے متعین کیا۔

عبد مشترک کو ایک شریک نے بیچ دیا تو اسے درست قرار دیا۔ وغیرها من المسائل الکثیرة المعتمدة المفتی بها۔

اس لیے کمپنی میں گو سرمایۂ حصص اور سرمایۂ قرض دونوں مخلوط ہیں، لیکن یہاں تصحیح عقد کا امکان یہ ہے کہ سود کی ادائگی کو سرمایۂ شرکت سے نہ مانا جائے بلکہ یہ مانا جائے کہ سود صرف مال قرض کے نفع کا ہے۔ یعنی کمپنی کے پاس جو کچھ روپے ہیں وہ ہو سکتا ہے کہ قرض کے بھی ہوں، حصص کے بھی ہوں۔ لیکن فعل مسلم کو

حرمت وفساد سے بچانے کے لیے یہ قرار دیا جائے گا کہ یہ سرمایہ قرض ہے اور سرمایہ حصص کچھ تو متاع کی شکل میں موجود ہے، کچھ نرخ کے گھٹنے کی وجہ سے خسارہ کی نذر ہو گیا۔

واضح ہو کہ ہدایت کار بورڈ بحیثیت وکیل جو کچھ قرض لیتا ہے، شرعاً اس کی ذمہ داری اسی کے سر ہے۔ مؤکل یعنی عام شرکا کے سر نہیں۔

اس پر اشکال یہ ہے کہ نرخ گھٹنے کی وجہ سے خسارے کا تعلق پورے دس لاکھ مال سے ہے، سودی قرض کے پانچ لاکھ سے جو سامان خریدا گیا اور نرخ گھٹا، اس کا خسارہ مثلاً ایک لاکھ ہے اور بقیہ مال کا خسارہ بھی ایک لاکھ ہے۔

لیکن یہ دونوں نقصان مجتمع ہو کر مساواتی حصص والوں پر ہی عائد ہوتے ہیں اور قرض والوں کا مال بھی سلامت رہتا ہے۔ نفع یعنی سود بھی دستیاب ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے قرض سے متعلق ایک لاکھ نقصان کو کسی اور طرف راجع کرنے کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اوپر ذکر کیے گئے مسائل سے اسی کی توضاحت کی گئی ہے، مگر اس پر اشکال یہ ہے:

ولو استقرض أحد شريكي العنان مالاً للتجارة لزمهما. (۱)

چوں کہ بحث اس سے آگے نہیں بڑھ رہی ہے، اس لیے اسے فیصل بورڈ کے حوالے کیا جاتا ہے۔

توثیقی دستخط

دوسرے سیمینار سے پانچویں سیمینار تک کے شرکا کے اسماے گرامی ان سیمیناروں کے فیصلوں کے آخر میں شامل کر دیے گئے ہیں، یہاں صرف ان حضرات کے اسماے گرامی دیے گئے ہیں جنھوں نے دسویں فقہی سیمینار میں اس فیصلے پر دستخط فرمائے۔ (مرتب غفرلہ)

(۱) محمد احمد مصباحی
(۲) محمد نظام الدین الرضوی
(۳) شبیر حسن رضوی
(۴) خواجہ مظفر حسین
(۵) محمد نصیر الدین
(۶) عنایت احمد نعیمی
(۷) نذر محمد قادری
(۸) محمد علی فاروقی
(۹) محمد عبد المبین نعمانی
(۱۰) محمد ادریس

(۱) بحر الرائق، ج:۵، ص:۱۷۹، مطبوعہ کوئٹہ، پاکستان/ فتاویٰ عالم گیری مع خانية، باب شركة العنان، ج:۲، ص:۳۲۲، مطبع نورانی کتب خانہ، پشاور، پاکستان۔

(۱۱) نصر اللہ رضوی
(۱۲) محمد ایوب رضوی
(۱۳) عبد الغفار اعظمی
(۱۴) محمد اختر کمال قادری
(۱۵) محمد نسیم
(۱۶) قاضی فضل احمد مصباحی
(۱۷) آل مصطفی مصباحی
(۱۸) زاہد علی سلامی
(۱۹) محمد اختر حسین قادری
(۲۰) عبد الحق رضوی
(۲۱) محمد نظام الدین قادری
(۲۲) بدر عالم المصباحی
(۲۳) نفیس احمد مصباحی
(۲۴) محمد سلیمان مصباحی
(۲۵) زین العابدین
(۲۶) محمد ابرار احمد امجدی برکاتی
(۲۷) شمس الہدیٰ
(۲۸) محمد انور نظامی مصباحی
(۲۹) شہاب الدین احمد نوری
(۳۰) محمود احمد برکاتی
(۳۱) شبیر احمد
(۳۲) قاضی فضل رسول
(۳۳) محمد عالم نوری مصباحی
(۳۴) ساجد علی مصباحی
(۳۵) خواجہ آصف رضا
(۳۶) غلام جیلانی مصباحی
(۳۷) محمد عرفان عالم
(۳۸) دستگیر عالم مصباحی
(۳۹) مقصود احمد مصباحی
(۴۰) اختر حسین اعظمی
(۴۱) صدر الوریٰ قادری
(۴۲) احمد رضا
(۴۳) غلام نبی
(۴۴) جمال مصطفی قادری
(۴۵) محمد قاسم مصباحی
(۴۶) محمد رفیع الزماں مصباحی

فیصل بورڈ کا فیصلہ

۱۸/ ذوالحجہ ۱۴۱۹ھ مطابق ۴/ اپریل ۱۹۹۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامدًا و مصلیًا و مسلمًا

❶ مساواتی حصص کے ذریعہ سرمایہ کاری عقود فاسدہ وربا کے دخل کی وجہ سے ناجائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

❷ اپنے روپیہ کا حصہ دوسرے کے ہاتھ بیچنا اور اس کا خریدنا دونوں حرام ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔
(ماخوذ از فتاوی رضویہ ص: ۱۷۳، ج:۸)☆

دستخط فیصل بورڈ

(۱) فقیر محمد اختر رضا خاں ازہری
(۲) ضیاء المصطفیٰ قادری
(۳) تیسرے رکن حضرت فقیہ ملت مفتی جلال الدین احمد امجدی دام ظلہ' علالت کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔

دستخط معاونین:

(۱) عبدالرحیم بستوی (۲) محمد نظام الدین رضوی (۳) مطیع الرحمٰن رضوی
(۴) محمد صالح قادری بریلوی (۵) بہاء المصطفیٰ قادری (۶) محمد احمد مصباحی
(۷) محمد معراج القادری (۸) صدر الوریٰ قادری (۹) قاضی شہید عالم رضوی
(۱۰) محمد مظفر حسین قادری (۱۱) محمد ناظم علی قادری بارہ بنکوی

☆ فیصلے میں میری رائے کے ضمن میں جو دلائلِ جواز نقل کیے گئے ہیں ان سے ہٹ کر میں نے عدمِ جواز کا موقف کیوں اختیار کیا، اسے تحریری شکل میں فیصل بورڈ کے آخری اجلاس منعقدہ بریلی شریف میں پیش کر دیا تھا۔ ہم یہاں اسے اپنی کتاب «شیر بازار کے مسائل» کے مقدمے سے نقل کرتے ہیں۔
عدمِ جواز کے جو دلائل پیش کیے گئے تھے ان کے بارے میں دو طرح کے خلجان میرے دل میں تھے جو بحثوں کے درمیان دور نہ ہو سکے، اس لیے میں نے از سرِ نو فقہی کتابوں کا مطالعہ کر کے حکم شرعی تک پہنچنے کی کوشش کی اور خدائے کریم کی توفیق سے میرا گمان ہے کہ میں حکمِ شرعی تک پہنچنے میں کامیاب بھی ہو گیا، کیوں کہ دلیل اور تحریِ حق میں ہم آہنگی کے ساتھ مجھے "کافی اطمینانِ قلب" حاصل ہوا۔ اب تحقیقِ حق کے سفر کی یہ روداد آپ بھی پڑھیے۔
میرے پیش کردہ دلائلِ جواز پر جو اشکال پیش کیا گیا تھا وہ گو فہم کے زیادہ قریب قریب تھا تاہم میرے لیے تشفی بخش

اس لیے نہ تھا کہ اس کے بارے میں دل میں دو طرح سے خلجان واقع ہو رہا تھا۔

ایک یہ کہ فعل مسلم کو صحت و سداد پر محمول کرنے کے لیے امکانی گوشہ (جن کے اجمالی دلائل میری رائے کے ضمن میں مذکور ہیں) طالبِ تحقیق تھا۔

دوسرے یہ کہ یہ بات محلِ نظر تھی کہ مساواتی حصص والوں کو بھی سودی قرض کا بار اٹھانا پڑتا ہے، کیوں کہ کمپنی کے آئین میں یہ واضح صراحت موجود ہے کہ:

• "ممبران کی ذمہ داری صرف ان کے حصص کی رقم تک ہی محدود ہوتی ہے، اس حد کے بعد ان پر کسی قسم کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور نہ ہی ان سے کمپنی کے واجبات کے سلسلے میں کوئی مطالبہ کیا جاسکتا ہے۔"(۱)

تعبیر کے فرق کے ساتھ اس بندۂ ناچیز نے بھی یہ اشکال اپنے مقالے میں ذکر کر کے اس کا حل پیش کیا تھا۔ اس لیے وہ خلجان ایک فطری امر تھا۔

مسئلہ فیصل بورڈ کے حوالے ہو گیا، پھر بھی میں اپنے طور پر مسلسل غور و فکر کرتا رہا، اسی دوران عروس البلاد بمبئی کے سفر کا اتفاق ہوا، وہاں جاکر میں نے کمپنی امور کے ایک واقف کار کے سامنے یہ سوالات رکھے۔

(۱) مساواتی حصص اور ترجیحی حصص کا حساب کتاب الگ الگ ہوتا ہے یا مشترکہ طور پر ایک میں؟

(۲) ترجیحی حصص پر جو منافع حاصل ہوتے ہیں ان میں سے عام مساواتی حصص والوں کو بھی کچھ دیا جاتا ہے، یا صرف ہدایت کار بورڈ کا حق مانا جاتا ہے؟

(۳) جب کمپنی کے راس المال میں بھی خسارہ واقع ہو جائے تو اس کی تلافی صرف ہدایت کار بورڈ کے شیر سے کی جاتی ہے، یا تمام حصص والوں کے شیر سے؟

تو ان کا جواب انھوں نے یہ دیا:

(۱) سب کا حساب ایک ساتھ مشترکہ طور پر ہوتا ہے۔

(۲) وہ منافع مساواتی اور ترجیحی تمام حصص داروں پر تقسیم کیے جاتے ہیں۔

(۳) یہ تلافی کمپنی کے مال سے ہوتی ہے اور مال سارے شیر داروں کا ہوتا ہے۔

اس جواب سے میرا دوسرا خلجان دور ہو گیا، اور ساتھ ہی یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ درج بالا آئین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ قرض کا بار بالکل مساواتی شیر داروں پر نہیں ڈالا جاتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ضرورت کے وقت ان پر بھی بار پڑتا ہے، مگر اسی قدر جتنا حصہ ان کا کمپنی میں جمع ہے، حصے سے زیادہ ان سے قرض کی ادائیگی کے لیے مزید کوئی مطالبہ نہیں کیا جاتا۔

یہ الگ بات ہے کہ شرعاً قرض کا بار ان کے ذمہ نہیں آتا تو ان کے سرمائے سے کسی بھی وقت قرض کیوں وصول کیا جاتا ہے؟ شریعت کا قانون یہ ہے کہ شرکا میں سے کوئی شخص قرض حاصل کرے تو اس کا ذمہ دار تنہا وہی ہوگا اگرچہ اس میں دوسرے شریک کی مرضی بھی شامل ہو۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

"ولو أقرّ احدُ الشريكَيْنِ أنّه استقرضَ مِن فلانٍ الفاً لتجارتِهما يلزمهُ خاصّة، وكذا لو اذن

---

(۱) جدید طریقۂ تجارت، ص: ۱۷۳، ج: ۱۔

كُلّ واحدٍ منهما لصاحبه بالاستدانةِ عليه يلزمهُ خاصّةً حتّى يكون لِلمُقرضِ ان ياخذهٗ منه، وليس لهٗ أن يرجع علىٰ شريكه، لأنّ التوكيل بالاستقراض باطل، فيستوى فيه الإذنُ وعدمُ الإذن اهـ.(۱)

لیکن کمپنی کی انتظامیہ کو اس سے کیا غرض۔

اس واضح صراحت کے بعد پہلے خلجان کی بنیاد بھی متزلزل ہو چکی تھی لیکن میری طبیعت فقہی دریافت کے بارے میں کچھ غیر قناعت پسند واقع ہوئی ہے، اس لیے هَل مِنْ مزيدٍ کی جستجو میں لگی رہی، مثل مشہور ہے ''جوئندہ یابندہ'' آخر فقہی شہادت مل گئی۔ شبہات کے بادل چھٹ گئے اور اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا، وہ شہادت آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

فقہ حنفی کی اہم ترین کتاب «بہارِ شریعت» میں غصب کے بیان میں «جوہرہ نیرہ» کے حوالے سے یہ دل چسپ مکالمہ درج ہے:

''مسئلہ: علی بن عاصم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں، میں نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا کہ ایک شخص کا ایک روپیہ دوسرے کے دو روپے میں مل گیا، اس کے پاس سے دو روپے جاتے رہے، ایک باقی ہے اور معلوم نہیں یہ کس کا روپیہ ہے، اس کا کیا حکم ہے؟

امام نے فرمایا: وہ جو باقی ہے اس میں سے ایک تہائی ایک روپیہ والے کی ہے اور دو تہائیاں دو روپیہ والے کی۔

علی بن عاصم کہتے ہیں، اس کے بعد میں ابن شبرمہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملا اور ان سے بھی یہی سوال کیا۔ انھوں نے کہا تم نے اس کو کسی اور سے بھی پوچھا ہے؟ میں نے کہا: ہاں! ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا ہے۔ ابنِ شبرمہ نے کہا، انھوں نے یہ جواب دیا ہوگا۔ میں نے کہا، ہاں! امام ابنِ شبرمہ نے کہا: انھوں نے غلط جواب دیا۔ اس لیے کہ دو روپے جو گم ہو گئے ان میں ایک تو یقیناً اس کا ہے جس کے دو روپے تھے، اور ایک میں احتمال ہے کہ اس کا ہو، یا ایک روپیہ والے کا ہو، اور جو باقی ہے اس میں بھی احتمال ہے کہ دو والے کا ہو، یا ایک والے کا۔ دونوں برابر کا احتمال رکھتے ہیں۔ لٰہذا نصف نصف دونوں بانٹ لیں۔

کہتے ہیں: مجھے ابنِ شبرمہ کا جواب بہت پسند آیا، پھر میں امام اعظم سے ملا اور ان سے کہا کہ اس مسئلے میں آپ کے خلاف جواب ملا ہے۔

امام نے فرمایا: کیا تم ابن شبرمہ کے پاس گئے تھے؟ میں نے کہا: ہاں! فرمایا: انھوں نے تم سے یہ کہا ہے۔ وہ سب باتیں بیان کر دیں۔ میں نے کہا: ہاں۔

فرمایا کہ جب تینوں روپے مل گئے اور امتیاز باقی نہیں رہا تو اس صورت میں ہر روپیہ میں دونوں شریک ہو گئے۔ ایک والے کی ایک تہائی، اور دو والے کی دو تہائیاں۔ پھر جب دو گم ہو گئے تو دونوں کی شرکت کے دو روپے گم ہوئے، اور جو باقی ہے، یہ بھی دونوں کی شرکت کا ہے کہ ایک تہائی ایک کی اور دو تہائی دوسرے کی۔''(۲)

یہاں یہ شبہہ نہ کیا جائے کہ گفتگو شرکتِ عقد میں چل رہی ہے اور مکالمہ کا تعلق شرکتِ ملک سے ہے، کیوں کہ

(۱) فتاویٰ قاضی خاں، ج: ٤، ص: ٩٠٧، فصلٌ في شركة العنان، نول کشور.

(۲) بہارِ شریعت، ص: ۴۲، ۴۳، حصہ ۱۵، غصب کا بیان، اتلاف سے وجوبِ ضمان کی بحث، بحوالہ الجوهرة النيرة على مختصر القدوری، ص: ٢٥، ج: ٢، کتاب الغصب قُبیل کتاب الودیعة.

شرکتِ عقد میں بھی شرکتِ ملک اس وقت پائی جاتی ہے، جب شرکا کا مال باہم خلط ملط ہو جاتا ہے۔

اس جزئیہ کی دریافت کے بعد میرا موقف جزوی طور پر تبدیل ہو گیا، پہلے موقف یہ تھا:

- مساواتی حصص کے ذریعہ کمپنی کی شرکت قبول کرنا بھی جائز ہے۔
- اور ان حصص کے سرمائے سے کمپنی کی تجارت بھی جائز ہے۔

لیکن اب موقف یہ ہو گیا کہ شرکت قبول کرنا تو ناجائز ہے لیکن تجارت جائز ہے۔

اس کے چند ہی دنوں بعد دل میں پھر ایک خدشہ یہ رہنے لگا کہ بازار میں مالِ حرام غالب ہو اور مالِ حلال مغلوب، مثلاً کُل دس لاکھ کا مال ہے جس میں تین لاکھ حلال اور سات لاکھ حرام۔ فقہا فرماتے ہیں کہ اس کی خریداری مطلقاً جائز ہے، حالاں کہ تین لاکھ کا مال فروخت ہو جانے کے بعد اشکال مذکور کے پیش نظر خریداری حرام ہونی چاہیے تھی۔

لیکن جلد ہی یہ شبہہ بھی رفع ہو گیا، کیوں کہ بازار کا مال گو بیش تر حرام سہی، مگر یقین کے ساتھ یہ نہیں معلوم ہے کہ کون سا مال حرام ہے تو متعین طور پر کسی بھی مال میں صرف حرام ہونے کا شبہہ ہے، یقین نہیں ہے اور کچھ مال اس میں یقیناً حلال ہے، دوسری طرف بیع و شرا کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی اصل کے لحاظ سے جائز و حلال ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

"وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ(۱) ـــــ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ"(۲)

تو فعلِ مسلم کو حرمت و فساد سے بچانے کے لیے مانا یہ جائے گا کہ اس نے جو مال خریدا ہے حلال ہے، گو اس میں حرام کا بھی شبہہ ہے۔ «اشباہ» میں ہے:

"لكن مع هذا لو اشتراه يطيب له." عن البزازية

اس کے تحت «حاشیہ حموی» میں ہے:

"وجهُهُ أن كون الغالب في السوق الحرام لا يستلزم كون المشتريٰ حراماً لجواز كونه من الحلالِ المغلوب، والأصل الحلُّ اهـ."(۳)

اس کے بر خلاف کمپنی کے مسئلے میں یہ متعین ہے کہ تمام مساواتی حصہ داروں کے سرمائے سے تمام قرض خواہوں کو اتنا مال سود کی ادائیگی کے سلسلے میں دیا گیا، یہاں نام بنام حصہ دار معلوم، ہر قرض خواہ بشمول تمسک دار معلوم، ہر ایک کا حصہ اور مقدارِ سود معلوم تو یہاں ارتکاب حرام سے بچانے کی کوئی امکانی راہ نہیں رہ جاتی۔

آپ شاید اسے میری پریشان نظری کہیں یا سیماب طبعی کہ فکرِ خام نے یہاں ایک کروٹ پھر بدلی اور یہ بے مایہ یہ سوچنے لگا کہ دوسرے کے قرض کی ادائیگی میں ہاتھ بٹانا کوئی معیوب کام نہیں، معیوب تو سود کی ادائیگی میں ہاتھ بٹانا ہے، اور کمپنی جب خسارے کی وجہ سے ختم کی جاتی ہے تو قرض خواہوں اور ترجیحی تمسک داروں کو سود نہیں دیا جاتا، بلکہ کسی طرح سے اصل رقم انھیں ادا کر دی جاتی ہے، حتیٰ کہ بسا اوقات اس میں بھی کمی واقع ہو جاتی ہے۔

(۱) البقرة:۲، آیت:۲۷۵۔
(۲) النساء:٤، آیت:۲۹۔
(۳) غمز العیون والبصائر مع الاشباہ والنظائر، ص:۱۳٦، قاعدہ۲۔

اور اگر خسارے کی کوئی صورت ایسی ہو جس میں سود بھی دیا جاتا ہو، تو اس سے بچنے کی راہ یہ ہے کہ مسلم شیر دار معاہدے کے آغاز میں ہی یہ صراحت کر دے یا فارم پر لکھ دے کہ کمپنی کے خسارے سے دوچار ہونے کے وقت میرا سرمایہ صرف قرض کی ادائیگی میں صرف ہو سکتا ہے، سود سے مجھے کوئی سروکار نہ ہوگا، میں اس سے بے زار ہوں۔

لیکن کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ - جو لوگ اب تک کمپنی کے حصص لیتے رہے ہیں وہ تو قرض مع سود پر راضی رہے، کیوں کہ انھیں اس کی خبر ہی نہیں کہ سود میں تعاون کی نحوست سے کیسے بچا جا سکتا ہے۔

اور آئندہ جو لوگ حصہ لیں گے وہ بچنے کی راہ سے واقف ہو کر بھی شاید و باید اس پر چل سکیں، سب کو تو نہیں کہا جا سکتا مگر عوام کی اکثریت ایسی ہی ہوگی، تجربہ یہی ہے کہ ایک بات کی اجازت شرائط کے ساتھ دی جاتی ہے مگر لوگ شرطوں کو گول کر جاتے ہیں۔ جیسے وہ یہ سمجھتے ہی نہیں کہ شرطوں کی کیا حیثیت ہے۔ علاوہ ازیں اب کمپنی کی دنیا میں بانیان کے ذریعہ بد دیانتی اور دلالوں کے ذریعہ حصص میں سٹہ بازی، فریب دہی، کمپنی پر سرمایہ دار طبقہ کی اجارہ داری عام وبا کی شکل اختیار کرتی جا رہی ہے۔ کمپنی کے اصول جو بھی ہوں، لیکن عمل ان پر کم ہو پاتا ہے۔

ایسے ماحول میں کمپنی سے مشارکت اپنے مال معصوم کو تباہی کے دہانے پر لے جانے کے مساوی، یا کم از کم قریب ہے، نیز فتح باب معصیت بھی ہے جو بجائے خود ناجائز ہے، اس لیے سدِ بابِ معصیت کا تقاضا یہی ہے کہ کمپنی کے کاروبار سے کلی طور پر دور رہنے کا حکم دیا جائے جیسا کہ بہت سے مسائل میں فقہائے کرام نے سدِ باب کے لیے اجتناب کا حکم دیا ہے۔ خلیفہ ہارون رشید کے دورِ خلافت میں خراسان میں غطریف نام کا ایک درہم رائج تھا، جس میں چاندی کم اور کھوٹ زیادہ ہوتا تھا، اس کی بیع اس کے ہم جنس کے عوض کمی بیشی کے ساتھ جائز ہو سکتی تھی۔ لیکن فقہا نے سدِ باب ربا کے لیے اجازت نہیں دی۔ ہدایہ میں ہے:

"فلو أبيح التفاضل فيه ينفتح باب الربو."(۱)

اس مقام پر پہنچ کر میں نے اطمینان کی سانس لی کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اب منزلِ مقصود یہی ہے۔

شکر کہ جمازہ بہ منزل رسید زورق امید بہ ساحل رسید (۲)

اپنی اس تحقیق کی بنیاد پر راقم الحروف نے عدم جواز کے حکم سے اتفاق کیا۔

فتاویٰ رضویہ میں "روپیہ" کا لفظ چاندی کے سکے کے معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے، نوٹ اور کاغذی کرنسی کے معنیٰ میں نہیں، اسی لیے فتاویٰ رضویہ میں روپے سے روپے کی بیع کو "عقدِ صرف" مانا گیا ہے جس کے جواز کے لیے تقابض بدلین ضروری ہے، جب کہ اب شیر بازار میں نوٹ کی بیع نوٹ سے ہوتی ہے، اس کے لیے تقابضِ بدلین شرط نہیں۔ اسے ہم نے تقریراً، تحریراً واضح کر دیا تھا، لہٰذا صرف حکم میں راقم کا اتفاق ہے دلیل میں نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [مرتب غفرلہ]

(۱) هدايه، ج:۳، كتاب الصرف، ص:۹۳، مجلس بركات، مبارك پور۔
(۲) شیر بازار کے مسائل، ص:۱۱ تا ۱۸، مکتبہ برھانِ ملت، مبارك پور۔

دوامی اجارہ
(پگڑی کے ساتھ معاملۂ کرایہ داری)

سوال نامہ

(۱) زمین، مکان اور دکان کو دائمی اجارہ پر دینا، یعنی یوں کہ مالک کو حق خلو، یا حق استرداد (کرایہ دار سے کرایہ کی چیز خالی کرالینے، یا واپس لینے کا حق) حاصل نہ رہے، جائز ہے، یا نہیں؟

(۲) مالک کا حق خلو "حقوق مجردہ" سے ہے یا "حقوق ثابتہ مؤکدہ" سے؟

(۳) **الف:** حق خلو کی بیع جائز ہے یا نہیں؟

ب: حاجتِ ناس اور عرف وتعامل کی وجہ سے کیا اس خصوص میں نادر الروایۃ کی طرف رجوع یا اصل حکم میں تخصیص کی اجازت ہے؟

(۴) حقِ خلو سے دست برداری کے عوض کچھ رقم (خواہ جتنی بھی ہو) وصول کرنا جائز ہے یا نہیں؟

(۵) اصل مذہب کے مطابق فقہا نے پگڑی اور دوامی اجارہ کو ناجائز قرار دیا ہے تو کیا عرفِ ناس کی وجہ سے اس میں تخصیص، اور حاجت یا ضرورت کی وجہ سے تغییر ممکن ہے، یا نہیں؟

اس ذیل میں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ یہاں حاجت یا ضرورت کا تحقق ہے بھی، یا نہیں؟

(۶) تخصیص، اور تغییر، اور بیع، اور بامعاوضہ دست برداری کے سوا بھی کیا یہاں کچھ ایسے شرعی حیل ممکن ہیں جنھیں اختیار کر کے مالک پگڑی کی رقم کسی بھی نام یا عنوان سے لے سکے، اور ساتھ ہی شریعتِ طاہرہ کی خلاف ورزی بھی نہ لازم آئے؟

(۷) کرایہ دار کسی اور شخص کو شیِٔ مستاجَر کرایہ پر دے سکتا ہے، یا نہیں؟

(۸) کرایہ دار اپنے حق خلو، یا حق ابقاے اجارہ کو دوسرے کے ہاتھ کیا بیچ سکتا ہے، یا اس سے دست برداری کے عوض کچھ مال وصول کر سکتا ہے، یا اس کے جواز کے لیے کوئی اور حیلہ (اگر ممکن ہو) اختیار کر سکتا ہے؟

(۹) کرایہ دار کے ذریعہ جب کوئی شخص شئ مُستاجَر کو کرایہ پر لیتا ہے تو بھی قانوناً صرف مالک کو ہی یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ دوسرے کے نام کرایہ داری منتقل کرے۔ تو کیا کرایہ داری دوسرے کو منتقل کرتے وقت اس سے مالک کا کچھ مال وصول کرنا کسی بھی عقد یا حیلہ کے ذریعہ جائز ہے؟

(۱۰) الف: مالک وقتِ عقد، یا اس سے پہلے کرایہ دار سے خطیر رقم اس شرط کے ساتھ وصول کرتا ہے کہ جب وہ مکان یا دکان خالی کرے گا یہ اسے پوری رقم واپس کر دے گا، اس درمیان مالک کو اس رقم میں تصرف کا کامل اختیار حاصل ہوتا ہے۔ اس رقم کی شرعی حیثیت کیا ہے، اور یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

ب:- یا یہ شرط ہوتی ہے کہ اس رقم سے ماہ بماہ نصف کرایہ میں وضع ہوگا اور جب ایک مخصوص مقدار (مثلاً دس ہزار روپے) باقی رہ جائے گی تو وہ رقم دکان یا مکان خالی کرتے وقت یک مشت واپس ہوگی۔ تو جزء رقم جس کی واپسی مشروط ہے اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، اور یہ رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟

ج:- اور باقی رقم جو ماہ بماہ کرایہ میں وضع ہونی طے ہے، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے، اس کے باعث عقد اجارہ پر کوئی منفی اثر تو نہیں پڑے گا؟

(۱۱) اوقاف کی زمین، مکان و دکان کو پگڑی لے کر کرایہ پر دینا تفصیل بالا کی روشنی میں کسی بھی صورت میں جائز ہے، یا نہیں؟ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۷)

بدل خلو (پگڑی) لینے کی حاجت مواجر (مالک مکان، دُکان) کو بعض ہی حالتوں میں متحقق ہوتی ہے۔

ہاں!! مستاجر (کرایہ دار) کو اس کے دینے کی حاجت ان جگہوں میں زیادہ ہوتی ہے جہاں پگڑی کے بغیر مکان، دُکان ملنے کا رواج ہی نہ ہو۔

اسی طرح مستاجر جب شے مستاجَر (دُکان، مکان) مالک کو واپس کرے یا کسی اور مستاجر کو دے تو پگڑی لینے کی اسے حاجت ہوتی ہے۔

لیکن عوام کے لیے اس کی تفصیل اور تحدید کہ کہاں اس کی حاجت ہے اور کہاں نہیں بہت مشکل ہے۔

اور اصل مذہب یہ ہے کہ بدل خلو کا معاملہ ناجائز ہے، اس لیے سلامتی کی راہ یہ ہے کہ عاقدین ایسی صورت اپنائیں جس میں بلا دغدغہ وہ جائز عمل کرنے والے ہوں اور گنہ گار نہ قرار پائیں۔

وہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ:

☆ – زمین کا ایک سال کا اجارہ پگڑی کے بدلے کریں اور عمارت سے انتفاع کا اجارہ ماہانہ کرایہ کی شرح پر کریں۔

☆ – یا روزِ قبضہ کا کرایہ مثلاً ایک لاکھ رکھیں اور ماہانہ مثلاً ایک ہزار روپے رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ڈیون اور ان کے منافع کی زکاۃ

دیون جمع ہے دَین کی، اور دَین سے مراد وہ "حقِ مالی ہے جو کسی کے ذمہ واجب الادا ہو" جیسے سامان کا اُدھار دام جو خریدار کے ذمہ واجب الادا ہوتا ہے اور مالِ قرض جو قرض دار کے ذمہ اور بینک میں جمع کیا ہوا مال بینک کے ذمہ واجب الادا ہوتا ہے، کرائے پر دیے ہوئے مکان کی واپسی کو قابلِ اعتماد بنانے کے لیے جو زرِ ضمانت (سیکورٹی) دیا جاتا ہے، یا مکان، دُکان کو کرایے پر لینے کے لیے جو زرِ پیشگی (ایڈوانس) دیا جاتا ہے، وہ بھی ڈیون ہی کی قبیل سے ہے، یہی حال جی پی ایف (.G.P.F) اور جی آئی ایس (.G.I.S) وغیرہ کا بھی ہے۔

اس لیے اس تنقیح کی ضرورت پیش آئی کہ "دَین" کی زکاۃ کون ادا کرے، مدیون جس کے ذمہ حق مالی واجب ہے یا دائن جو صاحبِ حق ہے، جسے کسی بھی وقت وہ حقِ مالی ملے گا؟

اسی کے ساتھ یہ بات بھی تنقیح طلب تھی کہ بینک میں مختلف ناموں سے مختلف قسم کے جو اموال جمع ہوتے ہیں، جن کی حیثیت دَین کی ہوتی ہے، ان پر بینک ایک خاص شرح سے منافع بھی دیتا ہے تو ان منافع کی زکاۃ کا کیا حکم ہے؟

یہ مسائل دوسرے سیمینار سے پانچویں سیمینار تک بحث و نظر کے مراحل سے گزرتے ہوئے فیصلے کی آخری منزل تک پہنچ سکے۔

ان مسائل میں دو نکات خاص طور سے موضوعِ بحث رہے ہیں۔ ایک یہ کہ زرِ ضمانت قرضِ محض ہے یا رہنِ محض، یا دونوں سے مشابہ، یا کسی ایک سے مشابہ، یا مالِ ضمار کے حکم میں ہے؟ اور بہر صورت اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور جب واجب ہے تو ادائیگی فوراً واجب ہے یا

تاخیر کی بھی گنجائش ہے؟

دوسرا نکتہ یہ کہ منافعِ بینک کی شرعی حیثیت کیا ہے اور لیجر بک میں منافع کا اندراج قبضہ ہے یا نہیں، اور اگر قبضہ نہیں ہے تو یہ منافع سب سے پہلے جس کے ہاتھ میں آجائیں اسی کے حق میں ملک ثابت ہونا چاہیے، حالاں کہ عمل درآمد اس کے خلاف ہے؟؟؟

یہ نکاتِ بحث یا تنقیح طلب امور بڑی اہمیت کے حامل تھے اس لیے بحث طویل سے طویل تر ہوتی گئی۔

اس عنوان کے تحت تین مسائل کے فیصلے ہوئے۔

(۱) زرِ ضمانت (۲) زرِ پیشگی (۳) منافعِ بینک کی زکاۃ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۸)

(۱) زرِ ضمانت (سیکورٹی کی رقم)

زرِ ضمانت قرض محض ہے اور زرِ ضمانت دینے والے پر اس کی زکاۃ واجب ہے جس کی ادائیگی قبضہ میں آنے کے بعد تمام سالہائے گزشتہ کی واجب ہوگی اور سال بہ سال ادا کر دے تو مناسب ہے ـــ رہا! یہ اشکال کہ یہاں اجارہ بہ شرطِ قرض ہے تو اس کی نظیر مسئلہ منی آرڈر ہے، جسے امام احمد رضا قدس سرہ نے تعامل و تعارف کے باعث جائز قرار دیا ہے، یہاں تعامل کے ساتھ حاجت بھی ہے، اس لیے یہ بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) زرِ پیشگی (ایڈوانس رقم)

❶ عقدِ اجارہ کے انعقاد سے پہلے پیشگی رقم قرض ہے اور اس کی زکاۃ تحققِ شرائط کی صورت میں مقرض پر واجب ہوگی۔

❷ عقدِ اجارہ ہو جانے کے بعد پیشگی رقم اجرت ہے وہ حصہ بھی جو وضع ہو گیا اور وہ حصہ بھی جو آئندہ وضع ہوگا۔ (عالمگیری) اور اس کی زکاۃ تحققِ شرائط کی صورت میں مالک مکان پر واجب ہوگی تا آں کہ اجارہ فسخ ہو جائے (بدائع) واللہ تعالیٰ اعلم (۱)

---

(۱) عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

"ثم الاجرةُ تُستَحقُّ بأحد معانٍ ثلاثةٍ: إمّا بشرط التعجيل، أو بالتعجيل، أو باستيفاء المعقود عليه، فإذا وُجد أحد هذه الأشياء الثلاثة فانّهٗ يملكها. كذا فى شرح الطحاوى " اھ.

(ص:٤١٣، ج:٤، الباب الثانى في بيان أنّه متى تجب الاجرة) وكذا فى الهداية ص:٢٧٩، ج:٣، بابُ الأجر متى يستحق، مجلس البركات.

بدائع الصنائع کی عبارت یہ ہے:

وذكر الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل البخاري فى الإجارة الطويلة الّتى تعارفها أهل بخارى: أنّ الزكاة فى الأجرة المعجّلة تجب على الأجر؛ لأنّهٗ ملكهٗ قبل الفسخ، وإن كان يلحقه دينٌ بعد الحول بالفسخ. وقال بعض مشايخنا: أنّهٗ يجب على المستاجر أيضاً، لأنّهٗ يعدّ ذلك مالاً

(۳) منافعِ بینک کی زکاۃ

(الف) ڈاک خانے یا بینک میں جو مال جمع ہے وہ دین قوی ہے، اس پر زکاۃ فی الحال واجب ہے، اگرچہ وجوبِ ادا خمسِ نصاب پر قبضہ کے بعد ہوگا، مگر چاہے تو پورے مال کی زکاۃ ابھی ادا کر دے۔

بحث اس میں ہے کہ بینک راس المال پر جو منافع دیتا ہے اس پر زکاۃ واجب ہے یا نہیں؟ اس پر اتفاق ہے کہ جب تک منافع کا لیجربک میں اندراج نہیں اس پر زکاۃ نہیں۔ مگر لیجربک میں کھاتے دار کے نام اندراج کے بعد وجوب زکاۃ ہوا یا نہیں؟ اس پر یہ بات سامنے آئی کہ راس المال سے زائد جو نفع ملتا ہے وہ مالِ مباح ہے اور وہ مسلم کے قبضہ کے بغیر اس کا مملوک نہیں ہوتا، اور صرف لیجربک میں لکھ دینے سے کھاتے دار کا اس پر قبضہ متحقق نہ ہوا، اس لیے کہ قبضہ کی جو حقیقی، حکمی، مجازی صورتیں کتب فقہ میں بیان ہوئی ہیں یہ ان میں سے کسی صورت میں نہیں آتا۔ ہاں! لکھ دینے کی وجہ سے کھاتے دار کو یہ حق مل جاتا ہے کہ جب چاہے وہ اسے بینک سے نکال کر اپنے قبضہ میں لے لے۔

اس پر یہ اشکال تھا کہ مالِ مباح پر جو قبضہ کر لے وہ اس کا مالک ہو جاتا ہے، تو فرض کیا جائے کہ کسی کے کھاتے میں صرف نفع کی رقم باقی رہ گئی ہے، اس رقم کا چیک کاٹ کر کسی کو اس نے دیا کہ تم نکال لاؤ تو نکالنے والا ہی اس کا مالک ہو جائے گا جیسے جنگل کی گھاس کاٹنے کا کسی کو وکیل بنایا تو وکیل گھاس کاٹ کر خود ہی مالک ہو جائے گا اور ایسے مال کی توکیل ہی باطل ہے۔

اس کا جواب بعد تنقیح یہ طے ہوا کہ: ہندوستان کے نیشنلائزڈ بینکوں اور خالص غیر مسلموں کی فائینس کمپنیوں میں اکاونٹ پر جو منافع ملتے ہیں وہ کھاتے دار کے حق میں مال مباح ہیں، اور ان کی اباحت ڈاک خانے، بینک اور کمپنیوں کی طرف سے صرف کھاتے دار کے حق میں مخصوص رکھی گئی ہے۔ لہٰذا اس حق خاص کی وجہ سے کھاتے دار کسی بھی شخص کو چیک دے کر اس مال مباح پر قبضہ کا وکیل بنا سکتا ہے، اور وکیل کا یہ قبضہ موکل کے حق میں مثبت ملک ہوگا۔ جس طرح سلطان کسی فرد خاص کو ارضِ موات میں حقِ اِحیا دے تو وہ فرد خاص خود احیا کرے یا کسی کو وکیلِ اِحیا بنائے بہر صورت اسی فرد موکل کی ملکیت ثابت ہوتی ہے۔ (رد المحتار و ہندیہ) (۱)

موضوعًا عند الأجر" اھ (بدائع الصنائع، ص:۹، ج:۲، كتاب الزكاة، بركات رضا)
أقول: " والمختار هو ما اختاره الإمام أبو بكر." (المرتب غفرله)

(۱) رد المحتار کی عبارت یہ ہے:

"وفيها (أي في التاتارخانية) قبيل كتاب الإحياء: سُئل السمرقندي في رجل وكّل بإحياء الموات، هل هو للوكيل كما في التوكيل بالاحتطاب والاحتشاش، أم للموكل كما في سائر

بینک وغیرہ کے مذکورہ منافع جس روز قبضے میں آئیں اور کھاتے دار صاحبِ نصاب ہو تو نصاب سے ملحق ہوجائیں گے اور نصاب کے حولانِ حول پر سب کی زکاۃ واجب ہوگی، ورنہ قدرِ نصاب تک پہنچنے کے دن سے ایک سال پورے ہونے پر زکاۃ واجب ہوگی اور اگر کسی صورت میں قدر نصاب کو نہ پہنچے تو زکاۃ واجب نہیں۔

(ب) جی. پی. ایف. وغیرہ کے احکام

بینک کے منافع پر بحث کے ساتھ یہ سوالات بھی سامنے آئے

(۱) جی، پی، ایف کے راس المال اور منافع کا حکم؟ (۲) جی، آئی، ایس کے راس المال اور منافع کا حکم؟

(۳) حکومت کے ملازمین کو ملنے والے بونس کا حکم؟ (۴) اریر کا حکم؟

ان کے حسب ذیل جوابات طے ہوئے۔

(۱)-(۲) جی، پی، ایف اور جی، آئی، ایس کا راس المال جزء تنخواہ ہے جو ملازم کی ملک ہے، لہذا وہ بقدر نصاب ہو یا نصاب کے ساتھ ملحق ہو تو اس پر سال بسال زکوۃ واجب ہوگی، البتہ ادائیگی خمسِ نصاب پر قبضہ کے بعد

التصرفات؟ قال: إن أذن الإمام للموكل بالإحياء، يقع له اهـ
(ج:۵، ص:۲۷۸، أوائل كتاب إحياء الموات، دار إحياء التراث العربي)

ہندیہ کی عبارت یہ ہے:
سئل بعضهم عن رجل وكلّ رجلا بإحياء الموات له فأحياه الوكيل، أهو للوكيل كما في التوكيل في الاحتطاب والاحتشاش، أم يقع للموكل كما في سائر التصرّفات من البيع والإجارة: فقال: إن أذن الإمام الموكل بالإحياء يقع له . كذا في الغرائب:
(ج:۵، ص:۳۸۱، قبيل كتاب التحري ، كوئٹه، پاکستان)

اسی کتاب میں ہے:
وكلّ رجلا بإحياء الموات له فأحياه فهو للموكل إن أذن الإمام له في الإحياء. كذا في القنية.
(أيضاً، ص:۳۸۷، كتاب إحياء الموات)

حدیثِ پاک میں ہے:
ليس للمرء إلا ما طابت به نفس إمامه.
(نصب الراية، ج:٤، ص:۲۹، حديث نمبر ۷۵۲۲، كتاب إحياء الموات)

اور ہدایہ میں ہے:
الإحياء سبب الملك إلا عن عند أبي حنيفة إذن الإمام من شرطه.
(الهداية مع الدراية، ج:٤، ص:٤٦٣، كتاب إحياء الموات، مجلس بركات، مبارك پور)
[مرتب غفرله]

واجب ہوگی، اور دونوں کے منافع پر قبضہ کے بعد اپنے شرائط (بقدر نصاب ہونے یا نصاب کے ساتھ ملحق ہونے) کے ساتھ زکوۃ واجب ہوگی۔

(۳) بونس کی رقم ایک خاص قسم کا انعام ہے، ملازم اس پر قبضہ کے بعد اس کا مالک ہوگا اور زکاۃ اس کے بقدرِ نصاب پہنچنے، یا نصاب کے ساتھ ملحق ہونے پر بعد قبضہ ہی واجب ہوگی۔

(۴) اریر کی رقم تنخواہ کی ہی بقایا رقم ہوتی ہے، اس لیے جس تاریخ کو گورنمنٹ، اریر کا حکم صادر کرے گی اسی تاریخ سے ملازم اریر کا مالک ہوگا، اجرائے حکم (.G.O) سے پہلے جتنے دنوں کے اریر کا حکم ہوا ان دنوں میں ملک ثابت نہیں۔ اور زکاۃ کا وجوب ملک کی تاریخ سے "حسبِ تفصیل بالا ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

☆☆☆☆

چیک کی خرید و فروخت

بینک کے چیک جب پُر کیے جاتے ہیں تو اس پر ہزار، دو ہزار، دس ہزار، بیس ہزار یا کم و بیش روپے لفظوں میں پھر عدد میں لکھے جاتے ہیں، اس کے بارے میں ایک عام خیال یہ تھا کہ چیک بجائے خود مال ہے اور اس کی مالیت اس پر لکھے ہوئے روپے مثلاً بیس ہزار کی مقدار ہے اور مال کی بیع روپے سے کم و بیش جائز ہوتی ہے، خواہ بیع نقد ہو یا اُدھار۔ لہٰذا پُر کیے ہوئے چیک کی بیع بھی اس پر لکھے ہوئے روپے سے کم یا زیادہ میں نقد و اُدھار جائز ہے اور چھوٹے، بڑے تاجر اس پر عام طور سے عمل بھی کرتے ہیں، مثلاً چھوٹا تاجر بیس ہزار روپے کا میعادی چیک انیس ہزار روپے میں بیچ دیتا ہے، مگر شریعتِ طاہرہ کی میزان پر اس فکر و خیال کا کچھ وزن بھی ہے یا نہیں، یہ تحقیق طلب تھا، اس لیے علما نے اس کی تحقیق فرما کر یہ فیصلہ صادر فرمایا۔ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۹)

❶ چیک ایک سندِ زر ہے اور اس حیثیت سے وہ مال متقوم نہیں۔
❷ آج کل میعادی چیک کے لین دین کا جو طریقہ رائج ہے کہ کوئی مالدار تاجر چیک پر لکھی ہوئی رقم سے کچھ حصہ ایک طے شدہ شرح کے مطابق وضع کر کے بقیہ رقم حاملِ چیک کو دے دیتا ہے پھر میعاد مقرر پر بینک سے چیک پر لکھی ہوئی پوری رقم وصول کرتا ہے، یا بینک نے اسے مسترد کر دیا تو وہ اپنے صاحب معاملہ سے پوری رقم وصول کرتا ہے، یہ ناجائز ہے۔

وجہ یہ ہے کہ تاجر دراصل حاملِ چیک کو قرض دیتا ہے پھر بینک سے یا صاحب معاملہ سے میعاد کے معاوضہ کے بطور زائد رقم وصول کرتا ہے جو سود ہے۔ جیسا کہ اسی طرح کے معاملہ میں حضرات صحابہ کرام و تابعین عظام علیہم الرحمۃ والرضوان نے یہی فیصلہ صادر فرمایا۔ اس کی تفصیل احکام القرآن للامام الجصاص الرازی علیہ الرحمۃ ص ۴۶۷، جلد اول میں ہے۔

ہاں! چیک مثلاً ایک ہزار روپے کا ہے اور ایک ہزار روپے نقد لے کر چیک دے دیا تو یہ جائز ہے کیوں کہ یہ حقیقۃً ہزار روپے قرض لے کر ہزار روپے کی تاخیر کے ساتھ ادائیگی ہے اور کمی بیشی کی شرط سے خالی ہونے کی وجہ سے جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تیسرے فقہی سیمینار کے شرکا

دوسرے فقہی سیمینار کے کچھ امور تنقیح طلب رہ گئے تھے ان سے متعلق یہ طے ہوا کہ قریبی اور مقامی علمائے کرام کو مدعو کر کے ان پر بحث کی جائے اور کسی نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش ہو۔ اس قرار داد کے مطابق قریبی اداروں سے چودہ علمائے کرام کو مدعو کیا گیا، مگر ان میں سے صرف سات حضرات ہی تشریف لا سکے، اس وجہ سے اس سیمینار کے شرکا کی تعداد کم رہی

علمائے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱) حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ، سرپرست مجلسِ شرعی وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ
(۲) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب سرپرست مجلس شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ۔
(۳) حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب صدر مجلس شرعی (۴) حضرت مولانا عبد الشکور صاحب
(۵) حضرت مولانا محمد احمد صاحب مصباحی، رکن مجلس (۶) حضرت مولانا اسرار احمد صاحب
(۷) حضرت مولانا نصیر الدین صاحب (۸) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب
(۹) مفتی محمد نظام الدین صاحب، رکن مجلس شرعی (۱۰) مولانا عبد الحق صاحب، رکن مجلس شرعی
(۱۱) مولانا شمس الہدیٰ صاحب (۱۲) مولانا محمد معراج القادری صاحب، رکن مجلس شرعی
(۱۳) مولانا بدر عالم صاحب، رکن مجلس شرعی (۱۴) مولانا مسعود احمد صاحب
(۱۵) مولانا اختر کمال صاحب (۱۶) مولانا غلام حسین صاحب
(۱۷) مولانا مبارک حسین صاحب (۱۸) مولانا زاہد علی سلامی صاحب
(۱۹) مولانا محمد نسیم صاحب، رکن مجلس شرعی (۲۰) مولانا جمال مصطفیٰ صاحب
(۲۱) مولانا جلال الدین صاحب (۲۲) مولانا ناظم علی صاحب
(۲۳) صدر الوریٰ صاحب، رکن مجلس شرعی (۲۴) مولانا ارشاد احمد صاحب، رکن مجلس شرعی

بیرونی علمائے کرام

(۲۵) مفتی عبد المنان صاحب — شمس العلوم، گھوسی
(۲۶) مفتی جلال الدین احمد صاحب — ارشد العلوم، اوجھاگنج، بستی

(۲۷) مولانا اعجاز احمد صاحب — تدریس الاسلام، بسڈیلہ، چاپی کلاں، ضلع بستی
(۲۸) مولانا عبد المبین نعمانی صاحب — دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو
(۲۹) مولانا نصر اللہ صاحب — فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ
(۳۰) مولانا آل مصطفیٰ صاحب — رکن مجلس شرعی، جامعہ امجدیہ گھوسی
(۳۱) مولانا ابو الحسن صاحب بہرائچی — جامعہ امجدیہ، گھوسی

چوتھے اور پانچویں فقہی سیمینار کے شُرکا

ارکان مجلسِ شرعی

(۱) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب دام ظلہ — سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ (سرپرست)
(۲) شارح بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ، ناظمِ تعلیمات جامعہ اشرفیہ (سرپرست)
(۳) محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ (صدر)
(۴) حضرت مولانا محمد احمد مصباحی صاحب — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۵) حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۶) حضرت مولانا عبد الحق رضوی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۷) حضرت مولانا محمد معراج القادری — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۸) حضرت مولانا بدر عالم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۹) حضرت مولانا محمد نسیم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۱۰) حضرت مولانا صدر الوریٰ صاحب — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۱۱) حضرت مولانا ارشاد احمد رضوی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور (رکن)
(۱۲) حضرت مولانا آل مصطفیٰ مصباحی — استاذ جامعہ امجدیہ گھوسی (رکن)

اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۳) حضرت مولانا عبد الشکور صاحب قبلہ، نائب شیخ الحدیث
(۱۴) حضرت مولانا اسرار احمد صاحب
(۱۵) حضرت مولانا نصیر الدین صاحب
(۱۶) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب
(۱۷) حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب
(۱۸) حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی
(۱۹) حضرت مولانا محمد اختر کمال قادری
(۲۰) حضرت مولانا غلام حسین مصباحی

(۲۱) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی
(۲۲) حضرت مولانا زاہد علی سلامی
(۲۳) حضرت مولانا ناظم علی رضوی
(۲۴) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی
(۲۵) حضرت مولانا جمال مصطفیٰ قادری
(۲۶) حضرت مولانا عبدالوحید رضوی

بقیہ شرکائے سیمینار

(۲۷) حضرت مفتی عبدالمنان صاحب	شمس العلوم، گھوسی
(۲۸) حضرت مفتی جلال الدین احمد صاحب امجدی	امجدیہ ارشد العلوم، اوجھاگنج، ضلع بستی
(۲۹) مولانا اختر حسین صاحب بستوی	دار العلوم ربانیہ، علی گنج، باندہ
(۳۰) مولانا مصاحب علی دیوریاوی	مدرسہ انوار العلوم، ضلع پڈرونہ
(۳۱) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	ضیاء العلوم، پکی باغ، وارانسی
(۳۲) مولانا قاضی شہید عالم صاحب	جامعہ نوریہ، بریلی شریف
(۳۳) مولانا نصر اللہ صاحب رضوی	فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ
(۳۴) مولانا آل مصطفیٰ مصباحی	جامعہ امجدیہ، گھوسی
(۳۵) مولانا ابوالحسن بہرائچی	جامعہ امجدیہ، گھوسی
(۳۶) مولانا عبدالمبین نعمانی	دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ
(۳۷) مولانا محمد انور نظامی	کنگھر، پوسٹ سودن، ہزاری باغ
(۳۸) مفتی شبیر حسن صاحب	جامعہ اسلامیہ، روناہی
(۳۹) مولانا حبیب اللہ صاحب نعیمی	دار العلوم فضل رحمانیہ، بچپرُوا، ضلع گونڈہ
(۴۰) حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب	دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد

درج ذیل حضرات نے بھی مذکورہ بالا فیصلوں پر توثیقی دستخط کیے

(۱) مفتی اختر حسین قادری، کوٹہ راجستھان
(۲) مفتی محمد عنایت احمد نعیمی غفرلہ، اترولہ، گونڈہ
(۳) مولانا صاحب علی فردوسی، پرتاول مہراج گنج
(۴) مولانا عبدالغفار اعظمی، خیر آباد، مئو
(۵) مولانا اختر حسین فیضی، سلیم پور، دیوریا
(۶) مولانا محمد نعیم الدین رضوی، چریاکوٹ، مئو
(۷) مولانا سید محمد فاروق رضوی، بنارس
(۸) مفتی محمد عزیر احسن رضوی، بسڈیلہ
(۹) مولانا محمد شہاب الدین، براؤں شریف

☆☆☆

چھٹا، ساتواں اور آٹھواں سیمینار

چھٹا فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۷/۱۸/۱۹/۲۰/۲۱/ ربیع الاول ۱۴۱۹ھ
مطابق ۱۲/۱۳/۱۴/۱۵/۱۶/ جولائی ۱۹۹۸ء
بروز یک شنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

ساتواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۹/۲۰/۲۱/۲۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۹ھ
مطابق ۱۲/۱۳/۱۴/۱۵/ ستمبر ۱۹۹۸ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

آٹھواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۸/۱۹/۲۰/۲۱/ صفر ۱۴۲۰ھ
مطابق ۴/۵/۶/۷/ جون ۱۹۹۹ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ

فیصلہ ⑩ - اسباب ستہ اور عموم بلویٰ کی تنقیح

فیصلہ ⑪ - اعضا کی پیوند کاری

☆- چھٹے فقہی سیمینار کے شرکا
☆- ساتویں فقہی سیمینار کے شرکا
☆- آٹھویں فقہی سیمینار کے شرکا

اسبابِ ستہ وعمومِ بلویٰ کی تنقیح

شریعت کے سات اسباب ایسے ہیں جن کے بدلنے سے شرعی احکام بدل جاتے ہیں اور عہدِ رسالت سے لے کر آج تک بے شمار احکام ہیں جو ان اسباب کے بدلنے سے بدل چکے ہیں، کتنے احکام تو ایسے ہیں جو کئی بار بدل چکے ہیں، خود فتاویٰ رضویہ میں ایسے متعدد مسائل ہیں، وہ اسباب یہ ہیں:

(۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) عمومِ بلویٰ (۴) عُرف (۵) تعامل (۶) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۷) فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے "حاجت اور عمومِ بلویٰ" کی جگہ ایک جامع لفظ "دفعِ حرج" استعمال کر کے ان اسباب کو سات کی جگہ چھ میں منحصر فرما دیا ہے، اس لیے انھیں "اسبابِ ستہ" (چھ اسباب) کہا جاتا ہے۔

یہ شرعی اصطلاحات ہیں جن کی ضرورت علما بالخصوص علماے محققین کو زیادہ پڑتی ہے، اس لیے ان کی تنقیح اور جامع تعارف کی ضرورت تھی تاکہ ان اسباب پر شرعی احکام کی بنیاد رکھنے میں اربابِ تحقیق سے کہیں لغزش نہ واقع ہو۔

اس طرح یہ ساتوں اسباب مجلس شرعی کے تنقیحی مسائل میں شامل ہوئے، ورنہ عوام کو ان اسباب سے کوئی سروکار نہیں، پھر یہ آج کے نو پیدا مسائل سے بھی نہیں، مگر یہ نو پیدا مسائل کی بنیاد بنتے ہیں، اس لیے ان کی تنقیح ضروری ہوئی۔

(مرتب غفرلہ)

سوال نامہ

(۱)-ضرورت، حاجت، عرف، تعامل، حرج، عمومِ بلویٰ کی تعریف کیا ہے اور ان کے درمیان ما بہ الامتیاز کون کون سی چیزیں ہیں؟

(۲)-دینی ضروری مصلحت اور فساد موجود و مظنون کیا چیز ہے اور ان کے مصادیق کیا کیا ہیں؟

(۳)-[الف]-یہ اسباب عبادات، معاملات، عقوبات، اباحات، محظورات، حقوق اللہ، حقوق العباد سبھی میں تغییرِ احکام و تخصیص کے باعث بنتے ہیں، یا صرف بعض میں؟

[ب]-اور ان کی تاثیر صرف اجتہادی امور کے ساتھ خاص ہے، یا اجماعی مسائل و موارد نصوص کو بھی عام ہے؟

(۴) بہت سے نوپیدا مسائل ہیں جن کے احکامِ شرعیہ کی تنقیح سالہا سال تک نہیں ہو پاتی، بلکہ بسا اوقات ان کے حل کی طرف علما کی توجہ بھی نہیں مبذول ہو پاتی، ان میں عرفِ ناس، و تعاملِ مسلمین کا اعتبار ہوگا یا نہیں۔ اور کیا اس طرح کے مسائل میں بھی احکامِ شرعیہ سے لاعلمی دار الاسلام میں معتبر نہ ہوگی؟ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۱۰)

چھٹے، ساتویں اور آٹھویں سمیناروں کی قرار داد

ضرورت وحاجت

(۱) ضرورت وحاجت کی وہ تعریف جو " جلي النص في أماكن الرخص "میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمائی ہے، اسی پر اتفاق ہے۔(۱)

باتفاق رائے طے ہوا کہ ضرورت کی تین قسمیں ہیں۔

☆ضرورت لازمۃ الوقوع بمعنی دائمہ ☆غالبۃ الوقوع ☆نادرۃ الوقوع۔

کسی کو معذور شرعی قرار دینے کے لیے ضرورت کا لازم الوقوع بمعنی دائمی، یا غالب الوقوع ہونا شرط ہے، شلبي علی التبیین کا کلام(۲) اسی بارے میں ہے۔

---

(۱) وہ تعریف یہ ہے: پانچ چیزیں ہیں جن کے حفظ کو اقامتِ شرائع الٰہیہ ہے، دین و عقل و نسب و نفس و مال. عبث محض کے سوا تمام افعال انھیں میں دورہ کرتے ہیں، اب اگر فعل (کہ ترک بمعنیٰ کف وہی مقدور و زیر تکلیف ہے، نہ بمعنیٰ عدم، کما فی الغمز وغیرہ کو بھی شامل) اگر ان میں کسی کا موقوف علیہ ہے کہ بے اس کے یہ فوت یا قریب فوت ہو تو یہ مرتبۂ **ضرورت** ہے جیسے دین کے لیے تعلیم ایمانیات و فرائض عین، عقل و نسب کے لیے ترکِ خمر و زنا، نفس کے لیے اکل و شرب بقدر قیام بِنیہ، مال کے لیے کسب و دفع غصب و امثال ذلك۔ اور اگر توقف نہیں مگر ترک میں لحوقِ مشقت و ضرر و حرج ہے تو **حاجت** جیسے معیشت کے لیے چراغ کہ موقوف علیہ نہیں، ابتدائے زمانۂ رسالت علیٰ صاحبہا افضل الصلوٰۃ والتحیۃ میں ان مبارک مقدس کاشانوں میں چراغ نہ ہوتا۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "والبیوت یومئذ لیس فیها مصابیح" رواہ الشیخان، مگر عامہ (عام انسانوں) کے لیے گھر میں بالکل روشنی نہ ہونا ضرور باعثِ مشقت و حرج ہے۔[مرتب غفرلہ]

(فتاویٰ رضویہ، نہم نصف آخر، ص: ۱۹۹، رضا اکیڈمی، ممبئی)

(۲) علامہ شلبي رحمۃ اللہ علیہ اپنے حاشیۂ تبیین میں فرماتے ہیں:

أَلضَّرورةُ الَّتي يَنَاطُ بها التَّخفيفُ هى الضَّرورةُ اللَّازِمَة أو الغَالِبَةُ الوقوعِ ومُجَرَّدُ عُروضِ مَا هو مُلجِئٌ ليسَ بذالك.

حاجت کب ضرورت کے درجہ میں نازل ہوگی؟

باتفاق رائے طے پایا کہ حاجت بمنزلۂ ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب حاجت کسی ایسے سبب کی طرف مفضی ہو جو بلا واسطہ کلیاتِ خمس [دین، جان، عقل، نسب، مال – مرتب] کے لیے موقوف علیہ ہو جیسے اجارہ کہ یہ کلیات خمس کے لیے موقوف علیہ نہیں مگر مثلاً کبھی مکان نہ ملنے کی وجہ سے شدت حرو برد [سخت گرمی و ٹھنڈی – مرتب] کے باعث آدمی ہلاک یا قریب ہلاک ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہاں حاجت بمنزلۂ ضرورت قرار دی گئی۔(۱)

الا تریٰ أنّ مَن عَرَضَ لهُ فِي الصَّلاةِ مُدَافَعَةُ الأخبَثَيْنِ علىٰ وجهٍ عَجِزَ عَنْ دَفعِهِ حتّٰى خَرَجَ منه لا يقال بِبَقاءِ صَلاتِهِ كما يُحْكَمُ بِهٖ مَعَ السَّلَسِ مع تَحَقّق الضَّرورةِ والإلجاءِ وسُمِّيَ ذٰلكَ معذورًا، دون هٰذا. (حاشیہ تبیین الحقائق، ص: ۳۵۱، ج: ۱، باب الاعتکاف)

• جس ضرورت کی بنا پر شریعت یہ آسانی عطا کرتی ہے کہ منافی نماز کے باوجود نماز کو صحیح تسلیم کرتی ہے یہ وہ ضرورت ہے جو لازمی طور پر برابر بندے کو درپیش رہے یا اکثر و بیشتر درپیش ہوتی رہے۔ یعنی ضرورت لازمہ ہو یا ضرورتِ غالبۃ الوقوع۔ محض ایسی دشواری کا پیش آنا جو وقتی طور پر بندے کو عاجز کر دے باعث تخفیف نہیں۔

آپ دیکھیں کہ جس شخص کو پیشاب یا پاخانے کی ایسی شدید حاجت ہو جس کے روکنے پر وہ قادر نہ ہو اور پیشاب یا پاخانہ نکل ہی آئے تو بھی اس کی نماز کے باقی رہنے کا حکم نہیں دیا جاتا، لیکن اگر پیشاب کے قطرات برابر آتے رہیں اور ضرورت بھی متحقق ہو تو نماز کی صحت کا حکم دیا جاتا ہے اور ایسے ہی شخص کو معذور کہا جاتا ہے۔ [مرتب غفرلہ]

(۱) حاجت کی دو قسمیں ہیں: حاجت خاصہ، حاجت عامہ۔

حاجتِ خاصّہ: وہ حاجت ہے جو کسی ایک فرد یا ایک نوع کے لوگوں کے ساتھ خاص ہو۔ جیسے نوع اعمٰی کے لیے جمعہ و جماعت سے چھوٹ، نوعِ مسافر کے لیے بھی جمعہ و جماعت سے چھوٹ، نیز دوسری رخصتیں، نوعِ مقتدی کے لیے لقمہ دینے کی اجازت، محتاج کے لیے سود پر قرض لینے کی اجازت، وغیرہ۔

حاجتِ عامّہ: جو کسی نوع کے لوگوں کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ وہ کسی صوبے یا ملک یا عامۂ بلاد اسلام کے اکثر لوگوں کی حاجت ہو جیسے اجارہ کا جواز، بیع استصناع کا جواز وغیرہ اور بہر حال یہ حاجت کبھی ضرورت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ مثلاً اجارہ بوجہ حاجت جائز ہے۔ لیکن اب بڑے بڑے شہروں میں اس نے ضرورت کی شکل یوں اختیار کر لی ہے کہ اگر اس کے بطلان کا فیصلہ صادر کر دیا جائے تو دنیا کے کروڑوں انسان بے گھر ہو جائیں گے اور لاکھوں تجارتیں و معیشتیں تباہ و برباد ہو جائیں گی۔ اسی طرح کی پیچیدگی حاجت خاصہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ لہٰذا جب حاجت خاصہ یا عامہ میں اس طرح کی مشکلات سامنے آئیں جن کے باعث آدمی کو ارتکاب محظور کے لیے مجبور ہونا پڑے تو اس وقت حاجت کو ضرورت کے درجے میں تسلیم کیا جاتا ہے بلفظ دیگر یوں سمجھیے۔

حاجت کے درجے والے امور کبھی حالات کی نزاکت کی وجہ سے "ضرورت کے درجے" میں پہنچ جاتے ہیں اور ان کے فوت ہونے سے دین یا جان، یا عقل یا نسب، یا مال فوت ہو جاتا ہے ایسے حالات میں وہ حاجت ضرورت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ بڑے شہروں میں آج اجارے کی یہی حالت ہے۔ (مرتب غفرلہ)

فواتح الرحموت میں ہے:

"وثانيها: حاجية غير واصلة إلى حد الضرورة كالبيع ،والإجارة والمضاربة والمساقاة فإنها لولاها، لم يفت واحد من الخمس الضرورية لكن يحتاج إليها الإنسان في المعيشة فيكون من الحاجية دون الضروريّة إلا قليلا من جزئيات بعض العقود فإنها بفواتها يفوت واحد من الضرورية كاستيجار المرضعة إذ لم يشرع تلف نفس الولد فوصل إلى ضرورة حفظ النفس وكذا شراء مقدار القوت واللباس يتقى به مِنَ الحر والبرد وأمثالها. لكن بقلّتِهَا لاتخرج كليات العقود عن الحاجيّة. اھ"(۱)

باتفاق رائے طے ہوا کہ حاجتِ محضہ محرماتِ قطعیہ میں تخفیف کی موجب نہیں، ہاں! اگر حاجت سبب قوی کے عارض ہونے پر بمنزلہ ضرورت ہوجائے تو وہ حرام قطعی میں تخفیف کا موجب ہوسکتی ہے۔

سوال: قاعدہ "الضرورات تبيح المحظورات" محظور کی تینوں قسموں کو عام ہے یا قسم اول کے ساتھ خاص ہے

جواب: یہ قاعدہ اسی تفصیل کے ساتھ ہے جو بدائع ص:۱۷۷، ج:۷، کتاب الأکراہ، بہارِ شریعت، ص:۶ تا ۸، ج:۱۵، اشباہ، الفن الاول، ج:۱، ص:۱۴۰، قاعدہ نمبر ۵ کی عبارتوں میں درج ہے، یعنی قسم اول میں اباحت، قسم دوم میں رخصت بمعنیٰ رفعِ اثم، قسم سوم میں کوئی اثر نہیں۔(۲)

---

(۱) فواتح الرحموت، فی تقسیمات، الاول: المقاصد، ص:۳۲۰، ج:۲، دار النفائس، الریاض.

(۲) بدائع کی عبارت یہ ہے:

"التصرفات الحسية التي يقع عليها الإكراه في حق أحكام الآخرة ثلاثة انواع، نوع هو مباح، ونوع هو مرخص، و نوع هو حرام ليس بمباح ولا مرخص. أما النوع الذي هو مباح: فأكل الميتة، والدم، ولحم الخنزير وشرب الخمر إذا كان الإكراه تاما بأن كان بوعيد تلف لأن هذه الاشياء مما تباح عند الاضطرار، قال الله تبارك وتعالى:"إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ"...فيباح له التناول بل لا يباح له الامتناع عنه، ولو امتنع عنه صار ملقيا نفسه في التهلكة والله سبحانه وتعالى نهى عن ذلك بقوله تعالى: "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ."

وأما النوع الذي هُوَ مرخص فهو إجراء كلمة الكفر على اللسان مع اطمئنان القلب بالإيمان إذا كان الإكراه تاما وهو محرم في نفسه مع ثبوت الرخصة فأثر الرخصة في تغيرحكم الفعل وهوالمواخذة، لا في تغير وصفه وهوالحرمة لأن كلمة الكفر مما لايحتمل الإباحة بحال، فكانت الحرمة قائمة إلا انه سقط المواخذة لعذر الإكراه.

وأما النوع الذي لايباح ولا يرخص باكراه اصلاً: فهو قتل المسلم بغير حق سواء كان الإكراه ناقصاً أو تاماً، لأن قتل المسلم بغير حق لا يحتمل الإباحة بحال. قال الله تبارك و تعالى:"وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي

سوال: ضرورت کی تاثیر کی شرط میں یہ اضافہ کیسا ہے؟
"ضرورت اپنے ہی حق میں پائی جائے، یہ شرط نہیں۔"

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ" وكذا قطع عضو من أعضائه، والضرب المهلك، قال الله سبحانه وتعالى، "وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا، وكذلك ضرب الوالدين قلّ أو كثر وكذا الزنا من هذا القبيل أنه لا يباح ولا يرخص للرجل بالإكراه، وإن كان تاماً ولو فعل يأثم لأن حرمة الزنا ثابتة في العقول... فلا يحتمل الرخصة بحال كقتل المسلم بغير حق ولو أذنت المرأة به لا يباح أيضا اھ (ص: ۱۷۶، ۱۷۷، ج: ۷، كتاب الاكراه)

بہارِ شریعت کی عبارت یہ ہے:

☆ "معاذ اللہ شراب پینے، یا خون پینے، یا مُردار کا گوشت کھانے، یا سور کا گوشت کھانے پر اکراہ کیا گیا، اگر وہ اکراہ مُلجی ہے یعنی قتل، یا قطعِ عضو کی دھمکی ہے تو ان کاموں کا کرنا جائز، بلکہ فرض ہے اور اگر صبر کیا، ان کاموں کو نہیں کیا اور مار ڈالا گیا تو گنہ گار ہوا کہ شرع نے ان صورتوں میں اس کے لیے یہ چیزیں جائز کی تھیں جس طرح بھوک کی شدت اور اضطرار کی حالت میں یہ چیزیں مباح ہیں۔" در مختار، عالم گیری۔

☆ "معاذ اللہ کفر کرنے پر اکراہ ہوا، اور قتل یا قطعِ عضو کی دھمکی دی گئی تو اس شخص کو صرف ظاہری طور پر اس کفر کے کر لینے کی رُخصت ہے اور دل میں وہی یقینِ ایمانی قائم رکھنا لازم ہے جو پہلے تھا اور اس شخص کو چاہیے کہ اپنے قول و فعل میں توریہ (پہلو دار بات) کرے۔" در مختار، رد المحتار

☆ کفر کرنے پر مجبور کیا گیا اور کفر نہ کیا اس وجہ سے قتل کر دیا گیا تو ثواب پائے گا، اسی طرح نماز یا روزہ توڑنے یا نماز نہ پڑھنے یا روزہ نہ رکھنے پر مجبور کیا گیا، یا حرم میں شکار کرنے، یا حالت احرام میں شکار کرنے، یا جس چیز کی فرضیت قرآن سے ثابت ہو اس کے چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے اس کے خلاف کیا جو مُکرِہ کرانا چاہتا تھا اور قتل کر ڈالا گیا سب میں ثواب کا مستحق ہے۔ (در مختار)

☆ اس پر مجبور کیا گیا کہ فلاں شخص کو قتل کر ڈال، یا اس کا عضو کاٹ ڈال، یا اس کو گالی دے، اگر تو نے ایسا نہ کیا تو میں تجھے مار ڈالوں گا، یا تیرا عضو کاٹ ڈالوں گا تو اس کو ان کاموں کے کرنے کی اجازت نہیں ہے، اگر اس کے کہنے کے موافق کرے گا گنہ گار ہو گا اور قصاص مجبور کرنے والے سے لیا جائے گا کہ مُکرَہ اس کے لیے بمنزلۂ آلہ کے ہے۔ جس کے عضو کاٹنے پر اسے مجبور کیا گیا اس نے اس کو اجازت دے دی کہ ہاں تو ایسا کرے اب بھی اس کو اجازت نہیں ہے۔ (در مختار)

اشباہ کی عبارت یہ ہے: الضرورات تبيح المحظورات.

ومن ثم جاز اكل الميتة عند المخمصة، واساغة اللقمة بالخمر، والتلفظ بكلمة الكفر للاكراه، وكذا اتلاف المال واخذ مال الممتنع من اداء الدين بغير اذنه ودفع الصائل، ولو ادى الى قتله.

...... قالوا: لو اكراه على قتل غيره بقتل لا يرخص له، فان قتله اثم لان مفسدة قتل نفسه أخف من مفسدة قتل غيره... ولا ياكل المضطر طعام مضطر أخر ولا شيئا من بدنه.

(الاشباه والنظائر، ص: ۲۷۵ تا ۲۸۰، ج: ۱، قاعدة خامسه، دار الباز، مكة المكرمة)

[مرتب غفر له]

جواب: یہ اسی تفصیل کے ساتھ ہے جو فتاویٰ رضویہ، ص: ۲۰۰، جلد نہم نصف آخر میں مرقوم ہے[1]۔

(۱)- فتاویٰ رضویہ جلد نہم کی عبارت یہ ہے:

''پھر اپنی ضرورت تو ضرورت ہے ہی، دوسرے مسلم کی ضرورت کا لحاظ بھی فرمایا گیا ہے۔ مثلاً:

[۱] دریا کے کنارے نماز پڑھتا ہے اور کوئی شخص ڈوبنے لگا اور یہ بچا سکتا ہے لازم ہے کہ نیت توڑے اور اسے بچائے، حالاں کہ ابطالِ عمل حرام تھا۔ قال تعالیٰ:

"لَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ۔" اپنے اعمال باطل نہ کرو۔

(۲) نماز کا وقت تنگ ہے ڈوبتے کو بچانے میں نکل جائے گا، بچائے اور نماز قضا پڑھے اگرچہ قصداً قضا کرنا حرام تھا۔

(۳) نماز کا وقت جاتا ہے اور قابلہ (بچہ جنانے والی عورت) اگر نماز میں مشغول ہو بچے پر ضائع ہونے کا اندیشہ ہے، نماز کی تاخیر کرے۔

(۴) نماز پڑھتا ہے اور اندھا کوئیں کے قریب پہنچا، اگر یہ نہ بتائے وہ کوئیں میں گر جائے نیت توڑ کر بتانا واجب ہے۔ اشباہ میں ہے: تخفیفاتُ الشَّرعِ انواعٌ: الخامسُ : تخفیفُ تَاخیرٍ کتَاخِیرِ الصَّلاۃ عَن وَقْتِهَا فِی حقِّ مُشْتَغِلٍ بِاِنْقَاذِ غریقٍ وَ نَحوِہٖ۔

(شریعت کی تخفیفات چند اقسام کی ہیں: پانچویں قسم ''تخفیف تاخیر'' ہے جیسے کوئی کسی ڈوبتے کو بچانے یا اس طرح کے کسی مجبور کو بلا سے چھڑانے میں مشغول ہو تو اسے نماز کو وقت سے موخر کرنا جائز ہے۔ ن۔ ر۔)

رد المحتار کتاب الحج میں ہے: یجاز قطعُ الصَّلاۃِ او تَاخِیرُھا لِخَوفِہٖ علیٰ نَفْسِہٖ او مالِہٖ او نَفْسِ غَیْرِہٖ او مَالِہٖ کخوفِ القَابِلَۃِ عَلَی الوَلَدِ وَالْخَوفِ مِن تَردّی اَعْمٰی و خوفِ الرَّاعِی مِنَ الذِّئبِ وامثالِ ذٰلك.

(جسے اپنی جان، مال یا دوسرے کی جان، مال کا اندیشہ ہو اسے نماز توڑ دینا یوں ہی نماز کو قضا کرنا جائز ہے جیسے بچہ جنانے والی عورت کو بچے کی ہلاکت کا اندیشہ ہو، نماز پڑھنے والے کو کسی نابینا کے کنویں وغیرہ میں گرنے کا خوف ہو، چرواہے کو بھیڑیے کا ڈر ہو تو انھیں نماز وقت سے موخر کرنے، اور نماز میں مشغول ہوں تو اسے توڑ دینے کی اجازت ہے۔ ن۔ ر۔)

اقول: یہ بھی حقیقتاً اپنے نفس کی طرف راجع کہ یہ شرعاً ان کے بچانے پر مامور ہے۔

اگر بینم کہ نابینا و چاہ است   اگر خاموش بنشینم گناہ است

ولہٰذا جن کا نفقہ اس پر لازم ہے بے ان کا بندوبست کیے حج کو نہ جائے اور جن کا نفقہ اس پر نہیں اگرچہ اس کے چلے جانے سے اون کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو اس پر لحاظ لازم نہیں کہ یہ یہاں رہتا جب بھی توانھیں نفقہ دینے کا شرعاً مامور نہ تھا۔ محیط پھر عالم گیریہ میں ہے:

اِن کَرِہ خروجَہٗ (ای لِلحجّ) زوجتُہٗ و اولادُہٗ او مَن سواھم مِمّن یَلزمہٗ نَفقتُہٗ وھو لا یخافُ الضَّیعۃَ عَلَیھِم فلا بأسَ بان یَّخرُجَ ومَن لا تَلزمُہٗ نفقتُہٗ لو کان حاضرًا، فلا باسَ بِالْخُرُوجِ مَعَ کَرَاھَتِہٖ وان کان یَخافُ الضَّیعَۃَ عَلَیھِم۔

(کوئی شخص حج کو جانا چاہتا ہے اور اس کی بیوی بچے اور دوسرے قرابت دار جن کا نفقہ اس پر لازم ہے وہ اس کے جانے سے راضی نہیں مگر اسے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے تو اسے حج کو جانے میں کوئی حرج نہیں۔

اور جن کا نفقہ اس کی موجودگی کی صورت میں بھی اس پر لازم نہ ہو تو اسے حج کو جانے میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اس کے جانے سے ان کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو ہاں: مکروہ ہے۔ ن۔ ر۔)

(فتاویٰ رضویہ، ص: ۲۰۱، نصف آخر، نیز جلد نہم، رضا اکیڈمی)۔ [مرتب غفرلہ]

تاثیر ضرورت کے شرائط یہ ہیں۔

(۱) "ضرورت کا تحقق فی الحال پایا جائے"

آئندہ ضرورت کے تحقق کا اندیشہ ضرورت نہیں، نہ اس کا اعتبار۔(۱)

(۲) محظور کا استعمال صرف بقدرِ ضرورت ہو۔

اشباہ میں ہے: "ما ابیح للضرورة یتقدر بقدرها."

ضرورت کی وجہ سے جو ممنوع مباح ہوتا ہے، وہ بس ضرورت کی مقدار ہی مباح ہوتا ہے۔(۲)

(۳) محظور کا ازالہ اسی کے مثل وہم پلہ دوسرے محظور سے نہ ہو۔

اشباہ میں ہے: "الضرر لایزال بالضرر."

حموی شرح اشباہ میں ہے: "قالوا : الضرر لا یزال بمثله." اھ(۳)

(فقہا فرماتے ہیں کہ ضرر کو اسی کے مثل ضرر سے دور نہ کیا جائے۔ن۔ر۔)

(۴) بہ یقین یا کم از کم ظن غالب ہو کہ محظور کے استعمال سے جان، یا عقل یا دین، یا نسل، یا مال کی حفاظت ہو جائے گی کہ محظور کے ارتکاب کی اجازت اسی بلند مقصد کے پیشِ نظر ہے۔

عُرف و تعامل

عبادات کی تین قسمیں ہیں، **ایک** تو وہ جن کے ارکان من جانب الشرع متعین ہیں، اوقات مقرر ہیں، ان کی ہیئتِ ترکیبیہ منصوص ہے، جیسے فرض نماز، روزہ، حج، اعتکافِ مسنون۔

دوسری وہ جن کے نہ ارکان معین ہیں نہ اوقات، نہ ہیئت ترکیبیہ، بر سبیل اطلاق ان کے کرنے کا حکم دیا گیا، جیسے درود شریف پڑھنا، محبوبانِ خدا کا ذکر کرنا۔

تیسری وہ جن میں کچھ متعین ہوں، کچھ متعین نہ ہوں، جیسے نفل نمازیں، زکاۃ، عمرہ۔

ان تینوں قسموں میں دوسری قسم کا اثبات تعامل سے ہو سکتا ہے، باقی دو قسمیں زیر بحث ہیں۔

---

(۱) یہاں "اندیشہ" سے مراد "ضرر کا گمان" ہے اس کا شرع میں اعتبار نہیں، ہاں اگر "ضرر کا اندیشہ صحیح" ہو جائے یعنی ضرر کا گمان غالب، تو وہ ضرور معتبر ہے کہ ضرورت نام ہے خوف الضرر یعنی ضرر کے اندیشہ صحیح کا۔ اور جب یہ اندیشہ صحیح ہو جائے تو ضرورت متحقق و موجود ہو جاتی ہے جو محظور کو مباح کرتی ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ۔

(۲) الاشباہ والنظائر، ص:۱۰۸، قاعدہ خامسہ، نول کشور

(۳) حموی شرح اشباہ، ص:۱۱۰

تعامل کا اعتبار باب عبادات میں ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ باتفاق رائے طے نہ ہو سکا اگلے سیمینار میں پھر بحث ہوگی۔ (۱)

سوال: عرف و تعامل کے ذریعہ کتنے افراد تک نص میں تخصیص ہو سکتی ہے؟

جواب: عام میں ایک فرد تک تخصیص ہو سکتی ہے اور جمع منکر میں تین تک ہو سکتی ہے، مسلّم و فواتح میں ہے۔

"منتهى التخصيص ما هو؟ فالأكثر قالوا يجوز إلى الأكثر، و فسّر الأكثر بالزائد على النصف، وقيل ينتهي إلى ثلاثة، و قيل إلى اثنتين، و قيل إلى واحد، و هو مختار الحنفية و ما قال الإمام فخرالإسلام إنّ العام إن كان جمعاً فيصح تخصيصه إلى ثلثة، لأنها أقل الجمع، فالمراد منه على ماقال الشيخ ابن الهمام الجمع المنكر على ما سيجيء تحقيقه إن شاء الله تعالى. (۲)

سوال: عرف و تعامل سے تخصیص کے بعد نص قطعی رہے گا یا ظنی ہو جائے گا؟

جواب: ظنی ہو جائے گا، نور الانوار میں ہے:

"التخصيص في الإصطلاح هو قصر العام على بعض مسمياته بكلام مستقل موصول، فإن لم يكن كلاما بأنْ كان عقلاً أو حسا أو عادة أو نحوه لم يكن تخصيصاً اصطلاحاً ولم يصر ظنيا"(۳)

اس پر قمر الاقمار میں ہے:

"وهذا إذا كان المخصص العقل، فإن ما حكم العقل بخروجه يخرج ويبقى الدلالة قطعية على الباقي كما كانت، وأما إذا كان المخصص الحس أو العادة أونحوهما فالظاهر أن لايبقى قطعيا لاختلاف العادات وخفاء الزيادة والنقصان وعدم اطلاع الحس على تفاصيل الأشياء, اللّهم إلا أن يعلم القدر المخصوص قطعا كذا في التلويح. (۴)

☆ عرف کی اس تعریف پر مندوبین کا اتفاق ہے۔

---

(۱) بحمدہ تعالیٰ آٹھویں سیمینار کے پہلے اجلاس اور پہلی نشست میں ۱۹ر صفر ۱۴۲۰ھ صبح کے وقت یہ مسئلہ بھی بہ اتفاقِ رائے طے ہو گیا کہ بابِ عبادات میں تعامل کا اعتبار ہے، جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ (مرتب غفرلہ)

(۲) فواتح الرحموت، ص: ۱۹۳، نولکشور

(۳) نور الأنوار، ص: ۷۵، مجلس برکات، جامعه اشرفیه، مبارك پور

(۴) قمر الأقمار، ص: ۷۵، مجلس برکات، جامعه أشرفیه، مبارك پور

"في المستصفى: العادة والعرف: ما استقرّ في النفوس من جهة العقول و تلقته الطباع السليمة بالقبول. اھ شرح الأشباه."(۱)

☆ قرآن و حدیث میں وارد الفاظ کے غیر متعین معانی کی تعیین اسی عرف سے ہوگی جو زمانہ تنزیل یا زمانہ رسالت میں رائج تھا، اسی طرح اقوال صحابہ و تابعین و اقوال ائمہ و علماے متقدمین و متاخرین کی عبارات کے معانی کا تعین ان کے ادوار کے عرف سے ہوگا، خواہ ان نصوص و اقوال کا تعلق باب عبادات سے ہو یا باب معاملات وغیرہ سے ہو۔

☆ نماز میں جس امر کا موافق عادت ادب ہونا واجب ہو تو عادت ادب کے بدلنے سے حکم بھی بدل جائے گا، مثلاً لبس ثوب موافق عادت ادب ہونا واجب ہے تو عادات کی تبدیلی سے اس حکم پر بھی اثر پڑے گا۔

☆ باب عبادات میں تعامل کا اعتبار ہے یا نہیں؟ یہ مسئلہ منقح نہ ہو سکا، آئندہ پھر اس پر غور ہوگا۔

اگلے سیمینار میں غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ ہوا۔

باب عبادات میں جو امور غیر توقیفی ہیں ان میں تعامل موثر ہے۔ اس سے ان امور کا اثبات، یا ترجیح، تخصیص، تبدیل و تغییر کا عمل ہو سکتا ہے، مگر ان قیود و شروط کے ساتھ جو درج ذیل چار عبارات سے ظاہر ہیں۔

(۱) أصول الرشاد لقمع مباني الفساد (از علامہ نقی علی خاں بریلوی قدس سرہ) میں ہے:

"تعامل جس طرح معاملات میں حجت ہے اسی طرح عبادات میں معتبر ہے کہ لفظ "ما" اثر ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ(۲) اور "سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ" (آیت) کریمہ(۳) اور "اتبعوا السَّواد الأعظم" حدیث میں دونوں طرح کے احکام کو شامل اور علما دونوں طرح کے احکام اس پر بنا کرتے ہیں کہ بعض ہم نے بھی ذکر کیے، اور کوئی فارق عقلی و سمعی محقق نہیں، تو تخصیص اس کی معاملات کے ساتھ محض بے معنی ہے"۔(۴)

---

(۱)- رسائل ابن عابدین ص: ۱۱۲ ج ۲، رسالہ: نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف.

(۲)- وہ اثر یہ ہے: ما رأى المسلمون حسناً فهو عند الله حسن ما رأى سيئاً فهو عند الله سيئ.
ترجمہ: مسلمان جس چیز کو اچھی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے، اور جسے بری سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔
(مسند امام احمد بن حنبل، ص: ۳۷۹، ج: ۱/ مستدرک حاکم، ص: ۷۸، ج: ۳] از مرتب غفرلہ۔

(۳)- پوری آیت کریمہ یہ ہے: "وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا" ترجمہ: اور جو رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور اسے دوزخ میں داخل کریں گے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی۔ (۱۱۵/النساء ۴) [مرتب غفرلہ]

(۴)- اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد، مبحث سوم، قاعدہ ۸، ص: ۷۶، طبع قدیم، و ص: ۱۷۷، ۱۷۸، طبع جدید از: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی.

(۲) حاشیہ اذاقۃ الآثام میں امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

☆ عبادات میں وہ امور جن کی طرف عقل کو اہتدا نہیں مثل تعیینِ اوقات وعدد رکعات و ترتیب افعال و وحدت رکوع و تعدد سجدات و تحدید نصاب و مصرف زکاۃ و وقت و مکانِ وقوف و مطاف وعدد اشواطِ سعی و طواف وغیرہا قطعاً توقیفی ہیں۔

☆ یوں ہی وہ اوضاع وہیآت کہ شارع نے ایسے امور میں محدود و معین فرمائے، اور مجملات کتاب کے بیان واقع ہوئے جن کی تعیین کی طرف اَمثال "صلوا كما رأيتموني أصلي" نے اشارہ فرمایا۔

☆ اسی طرح وہ اذکار و افعالِ مخصوصہ کہ اوقات خاصہ پر غایات و مقاصد معینہ کے لیے علی وجہ التعیین مقرر ہوئے اور مکلفین ان کی طرف مطلقات و عموم سے دعوت نہ کیے گئے جیسے تکبیر تحریمہ و تحلیل نماز و تشہد و اذان واقامت وغیرہا، یہی وہ اشیا ہیں جنھیں توقیفی کہا جاتا ہے۔

☆ ان کے سوا باقی تمام امور جن میں نصاً و دلالۃً شرع مطہر سے تحدید و حظر و توقیف و حجر ثابت نہیں اگرچہ وہ انہیں توقیفات سے علاقہ رکھتے ہوں ان میں بھی توقیف پر توقف نہیں اگرچہ بوجہ تعلق توقیفی وقوف اولیٰ ہو۔ ولہذا دعائے قعدۂ اخیرہ صرف الفاظ وارِدہ پر مقصور نہیں ہر شخص جو چاہے دعا کر سکتا ہے بعد اس کے کہ کلام ناس سے مشابہ نہ ہو۔

اسی طرح عیدین وغیرہا کے خطبے خصوصاً خطبۂ جمعہ کہ شرطِ صحت نماز ہے ان میں بھی الفاظ مرویہ پر اقتصار نہیں، یہ صورت چہارم اعنی متعلقات بلکہ بعض افراد سوم بھی انظارِ مجتہدین کے جولان گاہ ہیں، بعض نے ان میں کسی کو قسم اول سے خیال فرمایا اور وقوف لازم ٹھہرایا اور بعض نے قسم دوم سے سمجھا اور رخصت کا حکم بتایا، ورنہ نہ قسم اول میں ارسال و اطلاق معقول، نہ دوم میں، جہاں شرع نے اطلاق کو کام فرمایا تحدید و تقیید مقبول۔ ہاں! کسی سنت ثابتہ کو اٹھا دینا، کوئی نیا امر مزاحم و مراغم سنت پیدا کرنا کسی حال روا نہیں"(۱)

(۳) شمائم العنبر میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"انما التوارث التعامل في جميع القرون فإذا لم يتحقق إلى الآن، كيف يثبت من سالف الزمان، واذ قد أرشد الحديث الصحيح أن الذي فى عهد الرسالة والخلافة الراشدة، كان على خلاف ما يزعمون، فانى يصح التوارث، و الى من يسندونه و عمن يرثون؟

قال المحقق حيث اطلق في فتح القدير: "مسئلة الجهر في الأولين والإخفاء فى

---

(۱) ص ۱۳۵ حاشیہ إذاقة الآثام لما نعی عمل المولد والقيام. مطبع اهل سنت و جماعت بریلی. (مطبوعہ زمانہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ)

الآخرين" (قوله هذا هو المتوارث) يعنى انا اخذنا عمن يلينا الصلوٰة هكذا فعلاً وهم عمن يليهم كذلك وهكذا إلى الصحابة رضى الله تعالىٰ عنهم وهم بالضرورة أخذوه عن صاحب الوحى ﷺ فلا يحتاج الى ان ينقل فيه نص معين. اه

فهذا معنى التوارث المحتج به شرعا مطلقاً المستغنى عن إبداء سند خاص، و أنى لهم بذلك، وكيف يصح فيما قد علمنا عن صاحب الوحى ﷺ وعن خلفائه الراشدين رضى الله تعالىٰ عنهم خلافه.

أقول: وتحقيق المقام أن الأحوال أربع:

(١) العلم بعدم الحدوث (٢) عدم العلم بالحدوث (٣) والعلم بالحدوث تفصيلاً، أي مع العلم بأنه حدث فى الوقت الفلانى (٤) والعلم به اجمالاً، أن علمنا أنه حادث، ولا نعلم متى أحدث ومن أحدث.

فالشيءُ إذا كان ناشيا متعاملا به فى عامة المسلمين، وعلمنا أنه هو الذي كان علىٰ عهده ﷺ فهو القسم الأول وهو "المتوارث الأعلىٰ".

وإذا لم يعلم كيف كان الأمر على عهد النبى ﷺ ولا علم أنه حادث بعده ﷺ فيحمل على أن كل قرن أخذه عن سابقه ويجعل متوارثا تحكيما للحال، حملا على الظاهر والأصل، إذ الاصل فى الأمور الشرعية هو الاخذ عن النبى ﷺ والعمل بالسنة هو الظاهر من حال عامة المسلمين، وهذا هو القسم الثاني، وهذا ما يقال فيه أنه لا يحتاج إلى سند خاص.

أما إذا علم حدوثه فلا يمكن جعله متوارثا عن النبى ﷺ سواء علمنا وقت حدوثه، أو لا، لأن عدم العلم بوقت الحدوث ليس عدم العلم بالحدوث، فضلا عن العلم بعدم الحدوث، فرب حادث نعلم قطعا أنه حادث، ولا نعلم متى حدث كاهرام مصر، بل والسماء والارض فى الحدوث المطلق، ومغاليق الحجرة الشريفة التى تعلق حولها من قناديل الذهب والفضة ونحوهما فى الحدوث المقيد، قال السيد السمهودى في خلاصة الوفاء: ولم اقف علىٰ إبتداء حدوثها الخ.

و حينئذ ينظر هل يخالف هذا سنة ثابتة فى خصوص الأمر أو لا، على الثانى: يحال الأمر علىٰ حال الشيء فى نفسه فإن كان حسنا داخلا تحت قواعد الحسن فحسن علىٰ تفاوته من الإستحباب إلى الوجوب حسب ما تقتضيه القواعد الشرعية، وقد يطلق عليه المتوارث إذا تقادم عهده كذكر العمين الكريمين في الخطبة، وهذا أدنىٰ أقسامه ولا إطلاق له علىٰ ما درء

اللهم الا لغة كتوارث التقية فى الرافضة والكذب فى الوهابية.

وان كان قبيحا داخلا تحت قواعد القبح فقبيح على تفاوته من الكراهة إلى التحريم اولا، ولا فلا ولا (۱) بل مباح والخروج عن العادة شهرة و مكروه كما نصوا عليه وورد "خالقوا الناس باخلاقهم" وقال ﷺ "بشروا ولا تنفروا."

وعلى الأول [أى إذا خالف العرفُ سنَّةً ثابتةً.ن] يرد ولا يقبل وإن فشا مافشا وقد أجار الله الأمة عن اجتماع على مثله، إلا أن يكون شئ تغير فيه الحكم بتغيير الزمان كمنع النساء عن المساجد وهذا فى الحقيقة ليس مخالفا للسنة الثابتة بل موافق لها. (۲)

(۱۷) شرح عقود رسم المفتی میں ہے:

فللمفتيّ إتباع عرفه الحادث في الألفاظ العرفية، وكذا في الأحكام التي بناها المجتهد على ماكان في عرف زمانه، وتغير عرفه إلى عرف أخر إقتداء بهم لكن بعد أن يكون المفتي ممن له رأي ونظر صحيح و معرفة بقواعد الشرع حتى يميّز بين العرف الذي يجوز بناء الأحكام عليه و بينَ غيره؛ فإن المتقدمين شرطوا في المفتي الاجتهاد وهذا مفقود في زماننا، فلا أقل من أن يشرط فيه معرفة المسائل بشروطها وقيودها التي كثيرا ما يسقطونها ولا يصرحون بها اعتمادا على فهم المتفقه، و كذا لابد من معرفة عرف زمانه وأحوال أهله والتخرج في ذلك على أستاذ ماهر.اھ (۳)

سوال: اسبابِ ستہ سے عرفِ عام ہے، یا عرفِ خاص بھی؟

جواب: دونوں اسبابِ ستہ سے ہیں۔ نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف *میں ہے:*

"و إن لم يخالفه من كل وجه بان ورد الدليل عاماً، والعرف خالفه فى بعض افراده، أو كان الدليل قياساً فإن العرف معتبر إن كان عاما فان العرف العام يصلح مخصصا كما مر عن التحرير، ويترك به القياس كما صرحوا به فى مسئلة الاستصناع ودخول الحمام والشرب من السقاء، وإن كان العرف خاصا فإنه لا يعتبر و هو المذهب، كما ذكره فى الأشباه." (۴)

---

(۱) قوله (أولا، ولا، فلا ولا)

أي : **أولا** يكون قبيحا **ولا** داخلاً تحت قواعد القبح **فلا** يكون قبيحا **ولا** مكروها وحراماً. ۱۲ [المرتب غفرله]

(۲) شمائم العنبر في أدب النداء أمام المنبر، ص:۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، رضا اکیڈمی، ممبئی)

(۳) شرح العقود، ص:۱۷۹، بحث العرف.

(۴) نشر العرف فى بناء بعض الأحكام على العرف، ص:۱۱٤.

اقول وبما قررناه تبين لك ان ما تقدم عن الأشباه من أن المذهب عدم إعتبار العرف الخاص إنما هو فى ما إذا عارض النص الشرعى فلا يترك به القياس ولا يخصص به الأثر بخلاف العرف العام... وأما العرف الخاص إذا عارض النص المذهبي المنقول عن صاحب المذهب فهو معتبر كما مشى عليه اصحاب المتون والشروح والفتاوىٰ فى الفروع التى ذكرناها.(۱)

ایضاً نشر العرف میں ہے:

"لا فرق بينهما هنا إلا من جهة أن العرف العام يثبت به الحكم العام والعرف الخاص يثبت به الحكم الخاص. وحاصله: أن حكم العرف يثبت علىٰ أهله عاما أو خاصا فالعرف العام في سائر البلاد يثبت حكمه علىٰ اهل سائر البلاد، والخاص في بلدة واحدة يثبت حكمه علىٰ تلك البلدة فقط."(۲)

سوال: تعامل کے کتنے مدارج ہیں، اور کون سا تعامل زیر بحث ہے؟

جواب: فتاویٰ رضویہ، ج:۸، ص:۲۱۱ تا ص:۲۱۴ رسالہ المنی والدرر میں تفصیلاً مذکور ہے کہ تعامل کے ۴/ مدارج ہیں:

(۱) وہ عرف جو عہدِ رسالت سے مستمر ہو۔

(۲) وہ عرف جو ساری دنیا کے مسلمانوں کا ہو۔

(۳) وہ عرف جو تمام بلادِ عالم کے اکثر مسلمانوں کا ہو۔

(۴) وہ عرف جو کسی ملک یا صوبے کے اکثر مسلمانوں کا ہو

اول حدیث تقریری کے درجہ میں ہے، **دوم** عین اجماع، نص آحاد سے اقویٰ اور قطعاً مظہر ناسخ، **سوم** کی حجیت تامہ پر نصوصِ صریحہ ناطق، **چہارم** ہی وہ ہے جو معارضۂ نص کی صلاحیت نہیں رکھتا اور جو قیاس پر راجح ہوتا ہے، چہارم ہی ہمارے مذاکرات میں زیرِ بحث ہے اور سارے نتائج اسی سے متعلق ہیں۔

سوال: کیا عوام وخواص کا خلافِ شرع وہ عمل درآمد معتبر ہے جو جہالت یا غفلت ولا پرواہی کے سبب ہو؟

جواب: ایسا عمل درآمد معتبر نہیں اگرچہ اس میں عوام کے ساتھ خواص بھی شریک ہوں جیسا کہ فتاویٰ رضویہ باب السیاہ میں ہے:

---

(۱) نشر العرف فی بناء بعض الأحكام علی العرف، ص:۱۳۱

(۲) نشر العرف فی بناء بعض الأحكام علی العرف، ص:۱۳۰

"رہیں عوام کی حرکات، شریعت اُن پر اور سب پر حاکم ہے اُن کی بے پروائیاں یا جہالتیں شرع پر حاکم نہیں ہو سکتیں، یہ تو ایک سہل مسئلہ ہے جس میں بعض متاخرین علما کا خلاف بھی ملے گا۔
اجماعی فرائض وہ کہاں تک پورا کرتے ہیں وضو میں کہنیاں، ایڑیاں، کلائیوں کے بعض بالوں کی نوکیں اکثر خشک رہ جاتی ہیں اور یہ تو عام بلا ہے کہ منہ دھونے میں پانی ماتھے کے حصہ زیریں پر ڈالتے ہیں اور اوپر بھیگا ہاتھ چڑھا کر لے جاتے ہیں کہ ماتھے کے بالائی حصہ کا مسح ہوا، نہ غسل اور فرض غسل ہے، نہ وضو ہوا نہ نماز، غسل میں فرض ہے کہ پانی سونگھ کر ناک کے نرم بانسے تک چڑھایا جائے دریافت کر دیکھیے کتنے ایسا کرتے ہیں، چلو میں پانی لیا اور ناک کی نوک کو لگایا استنشاق ہو گیا تو ہر وقت جنب رہتے ہیں انھیں مسجد میں جانا تک حرام ہے، نماز درکنار، سجدے میں فرض ہے کہ کم از کم پاؤں کی ایک انگلی کا پیٹ زمین پر لگا ہو اور ہر پاؤں کی اکثر انگلیوں کا پیٹ زمین پر جما ہونا واجب ہے۔ یوں ہی ناک کی ہڈی زمین پر لگنا واجب ہے، بہتیروں کی ناک زمین سے لگتی ہی نہیں اور اگر لگی تو وہی ناک کی نوک یہاں تو ترکِ واجب و گناہ اور عادت کے سبب فسق ہی ہوا، پاؤں کو دیکھیے انگلیوں کے سرے زمین پر ہوتے ہیں کسی انگلی کا پیٹ بچھا نہیں ہوتا سجدہ باطل، نماز باطل اور مصلی صاحب پڑھ کر گھر کو چل دیے۔ قراءت دیکھیے، اتنی تجوید کہ ہر حرف دوسرے سے صحیح ممتاز ہو فرض عین ہے، بغیر اس کے نماز قطعاً باطل ہے۔"(۱)

سوال: مسئلہ نو پید ہے اور اس نوع کے مسائل یا نظائر کا حکم کتبِ فقہ میں مذکور بھی ہے، مگر اس پر علما کو اطلاع نہ مل سکی، ایسے نو پید مسئلہ میں تنقیحِ حکم سے پہلے خلافِ شرع تعامل یا ابتلا ہو جائے تو ایسا تعامل یا ابتلا معتبر ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا تعامل یا ابتلا معتبر نہیں، کہ معتبر وہ ہے جسے حکم شرعی کی تنقیح کے بعد مسلمان اچھا سمجھ کر کریں، البتہ تنقیحِ حکم سے پہلے اس کو ناجائز و گناہ نہیں قرار دیا جائے گا۔(۲)

سوال: عدم جواز کا علم ہونے سے پہلے اگر عوام و خواص فعل ممنوع کے مرتکب ہوئے تو یہ تعامل موجبِ تخفیف نہیں، مگر بعد علم ان کا تعامل موجب تخفیف ہے، ایسا کیوں؟

جواب: تعامل میں یہ شرط ہے کہ مسلمان اس فعل کو ممنوع جان کر نہ کرتے ہوں بلکہ جائز جان کر کرتے ہوں اور جب حکم کا علم ہی نہیں تو ان کے جائز سمجھنے کا اعتبار نہیں اور علم حکم کے بعد کسی عمل کو انھوں نے جائز سمجھا تو اس کا اعتبار ہے کہ اس کی کوئی صحیح بنیاد ہوگی، حاصل یہ ہوا کہ صورتِ علم میں شرط تعامل متحقق ہے اور حالتِ جہل میں شرط متحقق نہیں۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، جلد اول، ص: ۵۵۵، ۵۵۶، باب المیاہ، رضا اکیڈمی ممبئی۔
(۲) یہ جواب فتاویٰ رضویہ، جلد سادس، ص: ۳۶۵ تا ۳۶۷ (مسئلہ ٹھیکہ) کی عبارت سے ماخوذ ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھیے کتاب "فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول" ص: ۲۹۸، ۲۹۹ (مرتب غفرلہ)

عمومِ بلویٰ

مجددِ اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دفعِ حرج کو اسبابِ ستہ میں جس طور پر شمار کیا ہے وہاں حرج عام ہے اور حاجت و عموم بلویٰ اس سے خاص ہیں۔

زیرِ بحث عموم بلویٰ کی درج ذیل تعریف پر مندوبین کا اتفاق ہے۔

"وہ حالت، کیفیت جس کے باعث عوام و خواص سبھی محظور شرعی میں مبتلا ہوں اور دین، جان، عقل، نسب، مال یا ان میں سے کسی کے تحفظ کے لیے اس سے بچنا حرج و مشقت یا ضرر کا سبب ہو۔

حالتِ ضرورت میں اختیار فاسد ہو جاتا ہے اور حالتِ حاجت میں اختیار فاسد نہیں ہوتا، بلکہ اختیار صحیح باقی رہتا ہے۔

سوال: کیا حرج و عمومِ بلویٰ کبھی حاجت اور کبھی ضرورت کے درجہ میں ہوتے ہیں، کبھی ان کا تعلق اضطراری افعال سے ہوتا ہے اور کبھی غیر اضطراری سے ہوتا ہے، اس بارے میں حق کیا ہے؟

جواب: یہاں عمومِ بلویٰ ضرورت سے الگ دفعِ حرج کے ضمن میں پائے جانے والے ایک سبب کی صورت میں زیرِ بحث ہے، اس لیے اس کا تعلق اضطراری افعال سے نہیں لیکن یہ ایسے اختیاری امور سے بھی متعلق نہیں ہوتا جو حرج و مشقت اور ضرر سے خالی ہو، جیساکہ اس کی اس تعریف سے مستفاد ہے جو سابقہ سیمینار کے طے شدہ امور میں درج ہے۔

سوال: منصوص مسائل میں عمومِ بلویٰ کا اعتبار ہے یا نہیں؟

جواب: اعتبار ہے۔

فتح القدیر، ص:۱۸۹، ج:۱ میں ہے:

"وما قيل ان البلوىٰ لا تعتبر في موضع النص عنده كبول الإنسان، ممنوع بل تعتبر إذا تحققت للنص النافي للحرج، وهو ليس معارضة النص للنص بالرأى، والبلوىٰ في بول الإنسان كرؤس الإبر لأنها إنما تحقق باغلبية عسر الإنفكاك."

فتاویٰ رضویہ، ج: دوم، ص:۴۵ میں ہے:

"وعموم البلوىٰ من موجبات التخفيف حتى في موضع النص القطعي."

دینی ضروری مصلحت کی تحصیل

ایسے امر کی بجاآوری جس میں کسی لحاظ سے مفسدہ ہو، مگر دین کا اہم فائدہ اس پر غالب ہو اور وہ مفسدہ مغلوب ہو۔ (بلفظِ دیگر): کسی فعل کا ایسا ہونا کہ اس کے بغیر دین کا کوئی اہم فائدہ فوت یا قریب فوت ہو۔ (اس میں مفسدہ کمتر و مغلوب ہو اور منفعت زیادہ و غالب ہو جس کی تحصیل اہم ٹھہرے)

فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ

ایسے امر کو دور کرنا جس میں کسی لحاظ سے فائدہ ہو مگر کسی اہم فسادِ موجود یا مظنون بظن غالب کا دفعیہ اس پر غالب ہو۔ (بلفظ دیگر) کسی فعل کا ایسا ہونا کہ اس کے بغیر کوئی بڑا فساد (موجود یا مظنون بظن غالب) لازم ہو۔ (اس میں فائدہ کمتر و مغلوب ہو اور فساد زیادہ و غالب ہو جس کا دفعیہ اہم قرار پائے)۔

اعضا کی پیوند کاری

سوال نامہ

اس مسئلے میں درج ذیل سوالات کی روشنی میں غور ہوا:

(۱) ایک انسان کا کوئی عضو اسی کے بدن میں کسی اور جگہ کاٹ کر جوڑنا کیسا ہے، عام ازیں کہ اس انسان نے اسے اپنا عضو کاٹنے کی اجازت دی ہو یا نہ دی ہو؟

(۲) ایک انسان کا عضو دوسرے انسان کے بدن میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

(۳) اس غرض کے لیے ایک صحت مند انسان کے اعضا میں چیر پھاڑ کرنا، پھر اس کے عضو سالم کو کاٹ کر جدا کرنا کیسا ہے؟

(۴) نیز اسی غرض کے لیے کسی انسان کا اپنا کوئی عضو بذریعہ آپریشن کٹوا کر دوسرے کو ہبہ کرنا یا خیرات کرنا یا فروخت کرنا، یوں ہی اپنے فوت شدہ عزیز کے کسی عضو کو اپنی رضا یا اس کی اجازتِ سابقہ سے کٹوا کر ہبہ کرنا یا بیع کرنا یا خیرات کے طور پر دینا اور بہر حال دوسرے شخص کا اسے خریدنا یا مفت قبول کرنا شرعی نقطۂ نظر سے کہاں تک بجا یا بے جا ہے؟

فیصلہ (۱۱)

(۱) [الف] اپنی جان بچانے کے لیے اپنے عضو کا کوئی حصہ کاٹ کر دوسری جگہ لگانا جائز ہے، اسی طرح کسی عضو کو بچانے یا قابل منفعت بنانے کے لیے بھی دوسرے عضو کا حصہ کاٹ کر لگانا جائز ہے، مگر اس میں شرط یہ ہے کہ کاٹا جانے والا عضو کم درجے کا ہو یا اس کا ضرر نہ ہو یا ہو تو دوسرے کے مقابلہ میں کم ہو۔

دلائل

در مختار میں ہے:

"واختلف في أذنه، ففي البدائع نجسة، وفي الخانية: لا، وفي الأشباه: المنفصل من الحي كميتة إلا في حق صاحبه فطاهر، وإن كثر. اهـ.

رد المحتار میں ہے:

"وفي شرح المقدسي: قلت: إن إعادة الأذن وثباتها إنما يكون غالباً بعود الحياة إليها، فلا يصدق أنها مما أبين من الحيّ لأنها بعود الحياة إليها صارت كأنها لم تبن، ولو فرضنا شخصا مات، ثم أعيدت حياته معجزة أو كرامة لعاد طاهرا اهـ.

أقول: إن عادت الحياة إليها فمسلم، لكن يبقى الإشكال لو صلى وهى في كمه مثلاً. والأحسن ما اشار إليه الشارح من الجواب بقوله: وفي الأشباه الخ، وبه صرح في السراج، اهـ (۱)

اشباہ کی اصل عبارت یہ ہے:

الجزء المنفصل من الحي كميتة كالأذن المقطوعة والسن الساقطة، إلّا في حق صاحبه فطاهر، وإن كثر (۲)

---

(۱) درمختار مع رد المحتار، ص: ۳٦١، ج: ١، مطلب في أحكام الدباغة، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) الأشباه والنظائر، ص: ٤١٧، ج: ١، كتاب الطهارة من الفن الثانى/ الفوائد.

فتاویٰ عالمگیری میں اکراہ کی بحث میں ہے:

إذا أكره السلطان رجلا بالقتل على أن يقطع يد نفسه وسعه أن يقطع يده إن شاء ، فإن قطع يده ثم خاصم المكره في ذالك فعلى المكره القود، اه .(۱)

ہدایہ میں جنایات کے بیان میں ہے:

لنا أن الأطراف يسلك بها مسلك الأموال فينعدم التماثل،اه(۲)

ردالمحتار میں ہے:

قال الزيلعي : ولنا : أن الأطراف يسلك بها مسلك الأموال لأنها وقاية الأنفس كالأموال اه (۳)

اشباہ میں ہے:من ابتلی ببلیتین .... یختار اھونھما.(۴)

[ب] جمال مقصود فوت ہوا، مثلاً چہرے کی کھال جل گئی جس سے شکل بگڑ گئی تو اس صورت میں بھی اجازت ہے کہ اپنے کسی عضو کی کھال لے کر جمال کو بحال کیا جائے۔

۲-۳-۴ کوئی عضو انسانی بے کار ہو جائے اور کسی حیوان کا عضو اس کے لیے کارآمد ہو سکتا ہے تو حلال جانور کو شرعی طور پر ذبح کر کے اس کا عضو لگانا جائز ہے ـــــ اگر حلال مذبوح سے کام نہ چل سکتا ہو تو خنزیر کے علاوہ دوسرے غیر حلال جانور کو شرعی طور پر ذبح کے بعد اس کا متبادل عضو لگایا جا سکتا ہے اور اگر مذبوح سے کام نہ چل سکے تو بحالت اضطرار غیر مذبوح کا عضو بھی لگایا جا سکتا ہے۔

اس سے قبل والے سمینار میں یہ بحث آئی تھی کہ انسان کی جان یا عضو کی ہلاکت جب یقینی یا قریب بہ یقین ہو، اور دوسرے انسان کا عضو لگانے سے اس شخص کا شفایاب ہونا متوقع ہو۔ جیسا کہ آج کل یہ طریقۂ علاج جاری ہے تو شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

مندوبین نے اس پر اظہار خیال کیا کہ دوسرے زندہ انسان کا عضو کاٹ کر استعمال کرنا حالت اضطرار میں بھی جائز نہیں ہوتا۔ ہاں! مضطر کو اس مقدار میں حرام یا مردار حتی کہ انسان میت کا گوشت کھانے پینے کی اجازت

---

(۱) فتاوی عالمگیری، ص:٤٠، ج:٥ كتاب الإكراه، الباب الثانی فيما يحل للمكره ان يفعل، كوئٹه، پاكستان.

(۲) هدايه، ص:٥٥٤، ج:٤، كتاب الجنايات، مجلس بركات، مبارك پور.

(۳) رد المحتار، ص:٢٠٢، ج:١٠، باب القود فيما دون النفس، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۴) الأشباه والنظائر، ص:٢٦١، ج:١، من النوع الأول، القاعدة الخامسة، الضرر يزال، كراچی، پاكستان.

ہوتی ہے جس سے وہ جاں بر ہو سکے۔ یہ اجازت اسی وقت ہے جب اس کھانے پینے سے اس کی نجات یقینی ہو۔

اس بنیاد پر یہ غور ہوا کہ آج کے تبدیلیِ عضو والے علاج سے شفا یقینی ہوتی ہے یا نہیں؟

بعض حضرات کی یہ رائے سامنے آئی کہ یقینی تو نہیں مگر مظنون بہ ظن غالب ہے۔

اس پر یہ کلام ہوا کہ پھر یہ علاج واجب ہونا چاہیے کہ اگر نہ کرے تو گنہ گار ہو جیسے حالت مخمصہ میں حرام نہ کھائے پیے اور مر جائے تو گنہ گار ہوتا ہے۔ حالاں کہ علاج کا حکم یہ نہیں۔ بلکہ کتابوں میں یہ موجود ہے کہ علاج نہ کیا اور مر گیا تو گنہ گار نہ ہوگا۔ اس لیے کہ علاج سے شفا یقینی نہیں۔

پیوند کاری سے کامیابی کی جو شرح دی گئی ہے، وہ ہمارے حق میں اولاً یقینی نہیں۔ ثانیاً یہ شرح بحیثیت مجموعی ہے۔ آپریشن کے مرحلہ سے شفا تک گزرنے میں اتنے مراحل ہیں کہ ہر ہر مرحلہ پر ہلاکت کا خطرہ ہوتا ہے، پھر مریضِ خاص کے حق میں زیادہ سے زیادہ ظن اور امید کا حصول ہوتا ہے قطع و یقین کا نہیں، پھر بہت سے حریص، دنیا طلب، اور ظالم و خائن ڈاکٹروں کی زیادتیاں الگ ہیں۔ جن کے ظلم و خیانت اور بے اعتدالی و بے احتیاطی کے واقعات آئے دن سامنے آتے رہتے ہیں۔

دوسری طرف جو عضو عطا کرنے والا تندرست و توانا انسان ہے خاص اس کے حق میں کوئی حاجت و اضطرار نہیں کہ وہ اپنا عضو دوسرے کو دے، پھر اسے کیوں کر اجازت ہوگی کہ وہ اپنے عضو کی بے حرمتی یا اس کی خرید و فروخت کا معاملہ کرے۔ خصوصاً جب کہ وہ اپنے جسم و جان کا مالک بھی نہیں کہ اسے ہبہ کرنے یا بیچنے کا اختیار ہو۔(۱)

ان حالات کے پیش نظر عضو انسان سے عضو انسان کی پیوند کاری کے جواز کا حکم بہت مشکل ہے۔ بلکہ بروقت عدم جواز ہی واضح ہے اور ہم اسی کا حکم دیتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱) انسان اپنے اعضا آنکھ، گردے، پھیپھڑے وغیرہ کا مالک نہیں، یہ تمام اعضا بندے کے پاس اللہ عزوجل کی امانت ہیں، لہٰذا انسان اپنے یہ اعضا نہ تو دوسرے کے ہاتھ بیچ سکتا ہے نہ کسی کو ہبہ یا خیرات کر سکتا ہے، نہ ہی اپنے کسی عزیز وغیرہ کے لیے بعدِ وفات یہ اعضا دینے کی وصیت کر سکتا ہے۔ یوں ہی دوسرا شخص کسی انسان سے اعضا نہ خرید سکتا ہے نہ ہی اعضا کا ہبہ، صدقہ یا وصیت قبول کر سکتا ہے، نہ لے سکتا ہے۔ دلائل "صحیفۂ مجلس شرعی" جلد ۳ میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

چھٹے فقہی سیمینار کے شرکا

اسمائے اساتذۂ کرام جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱) حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ، سرپرست مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ سرپرست مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳) حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ قادری صدر مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴) حضرت مولانا عبد الشکور صاحب قبلہ نائب شیخ الحدیث، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵) حضرت مولانا محمد احمد صاحب قبلہ مصباحی رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶) حضرت مولانا اسرار احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷) حضرت مولانا نصیر الدین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸) حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹) حضرت مفتی نظام الدین رضوی رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰) حضرت مولانا عبد الحق رضوی رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۱) حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۲) حضرت مولانا محمد معراج القادری رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۳) حضرت مولانا بدر عالم مصباحی رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۴) حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۵) حضرت مولانا اختر کمال قادری استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶) حضرت مولانا غلام حسنین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۸) حضرت مولانا زاہد علی سلامی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۹) حضرت مولانا محمد نسیم مصباحی رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۰) حضرت مولانا جمال مصطفیٰ قادری استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲۱) حضرت مولانا جلال الدین نوری	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۲) حضرت مولانا ناظم علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۳) حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری	رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۴) حضرت مولانا ارشاد احمد مصباحی	رکن مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۵) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۶) حضرت مولانا عبد الوحید مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اسماے مندوبین کرام

(۲۷) حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان صاحب قبلہ	شیخ الحدیث شمس العلوم، گھوسی، مئو
(۲۸) حضرت مفتی جلال الدین صاحب امجدی	جامعہ امجدیہ ارشد العلوم، اوجھا گنج، بستی
(۲۹) حضرت مفتی شبیر حسن صاحب	الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد
(۳۰) حضرت مولانا نصر اللہ صاحب	فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، مئو
(۳۱) حضرت مولانا عبد الغفار صاحب	ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو
(۳۲) حضرت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب	دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ
(۳۳) حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب	دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد
(۳۴) حضرت مفتی مطیع الرحمٰن صاحب	ادارہ شرعیہ، پٹنہ، بہار
(۳۵) حضرت مولانا آل مصطفیٰ صاحب	جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو
(۳۶) حضرت مولانا قاضی فضل احمد صاحب	ضیاء العلوم پکی باغ، بنارس
(۳۷) حضرت مولانا مفتی عنایت احمد صاحب	الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، گونڈہ
(۳۸) حضرت مولانا انور نظامی صاحب	کنگھرا، سودن، ہزاری باغ
(۳۹) حضرت مولانا عزیز احسن صاحب	جامعہ قادریہ مظہر العلوم، علی پور، مالدہ
(۴۰) حضرت مولانا اختر حسین بستوی صاحب	دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی
(۴۱) حضرت مولانا مصاحب علی صاحب	انوار العلوم، راجہ بازار، کھڈا
(۴۲) حضرت مولانا صاحب علی صاحب	دار العلوم اشاعت الاسلام، پرتاول بازار، مہراج گنج
(۴۳) حضرت مفتی اختر حسین صاحب	دار العلوم دگیان نگر، کوٹہ، راجستھان
(۴۴) حضرت مولانا محمد سلیمان صاحب	جامعہ عربیہ سلطان پور

(۴۵) حضرت مولانا ابوالحسن صاحب — جامعہ امجدیہ، گھوسی
(۴۶) حضرت مولانا سید محمد فاروق صاحب — جامعہ حنفیہ بجرڈیہ، وارانسی
(۴۷) حضرت مولانا محمد ادریس صاحب — نائب ناظم جامعہ اشرفیہ، مہنداول، بستی
(۴۸) محمود اختر مصباحی — درجۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۴۹) انوار الہدیٰ مصباحی — درجۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۵۰) ریاض احمد مصباحی — درجۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۵۱) مظفر حسین مصباحی — درجۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۵۲) سلیم الدین ڈمکاوی مصباحی — درجہ تربیت افتا
(۵۳) عبد الصمد مصباحی — سیتامڑھی
(۵۴) نور عالم عظیمی مصباحی — بیگوسرائے
(۵۵) احمد رضا مصباحی — سیتامڑھی
(۵۶) مہتاب عالم فیضی — چھپرا

ساتویں فقہی سیمینار کے شرکا

ارکانِ مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱) عزیز ملت حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب دام ظلہ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ — سرپرست
(۲) شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ ناظم تعلیمات جامعہ اشرفیہ — سرپرست
(۳) محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ، شیخ الحدیث اشرفیہ — صدر
(۴) حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن
(۵) حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن
(۶) حضرت مولانا عبد الحق رضوی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن
(۷) حضرت مولانا محمد معراج القادری، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن
(۸) حضرت مولانا بدر عالم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن
(۹) حضرت مولانا محمد نسیم مصباحی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن
(۱۰) حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن

(۱۱) حضرت مولانا ارشاد احمد رضوی، استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور — رکن

(۱۲) حضرت مولانا آلِ مصطفیٰ مصباحی، استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو — رکن

بقیہ اساتذۂ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۳) حضرت مولانا عبد الشکور صاحب قبلہ	نائب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۴) حضرت مولانا اسرار احمد صاحب	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۵) حضرت مولانا نصیر الدین صاحب	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶) حضرت مولانا اعجاز احمد صاحب	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷) حضرت مولانا شمس الہدیٰ صاحب	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۸) حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۹) حضرت مولانا محمد اختر کمال قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۰) حضرت مولانا غلام حسین مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۱) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۲) حضرت مولانا زاہد علی سلامی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۳) حضرت مولانا ناظم علی رضوی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۴) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۵) حضرت مولانا جمال مصطفیٰ قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۶) حضرت مولانا عبد الوحید رضوی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مندوبینِ کرام

(۲۷) بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی	دار العلوم شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو
(۲۸) علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی	دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور، ضلع فیض آباد
(۲۹) مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی	ادارہ شرعیہ، سلطان گنج، پٹنہ
(۳۰) مولانا عبد المبین نعمانی	دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، ضلع مئو
(۳۱) مولانا نصر اللہ رضوی	مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، ضلع مئو
(۳۲) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، پچی باغ، بنارس
(۳۳) مولانا ابو الحسن قادری	جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو
(۳۴) ڈاکٹر محب الحق رضوی	دار الشفا کریم الدین پور، گھوسی، مئو

(۳۵) مولانا عبد الغفار اعظمی — مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد
(۳۶) مولانا محمد مفید عالم مصباحی — دار العلوم حنفیہ معینیہ، جون پور
(۳۷) مولانا امجد رضا — ادارہ شرعیہ پٹنہ

آٹھویں فقہی سیمینار کے شرکا

علمائے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱) حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی صاحب قبلہ سرپرست مجلس شرعی
(۲) علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ، صدر مجلسِ شرعی (۳) مولانا عبد الشکور صاحب
(۴) مولانا محمد احمد مصباحی، رکن مجلس شرعی (۵) مولانا اسرار احمد صاحب
(۶) مولانا نصیر الدین صاحب (۷) مولانا اعجاز احمد صاحب
(۸) مفتی نظام الدین صاحب، رکن مجلس شرعی (۹) مولانا عبد الحق صاحب، رکن مجلس شرعی
(۱۰) مولانا شمس الہدیٰ صاحب (۱۱) مولانا محمد معراج القادری صاحب، رکن مجلس شرعی
(۱۲) مولانا بدر عالم صاحب رکن مجلس شرعی (۱۳) مولانا مسعود احمد صاحب
(۱۴) مولانا اختر کمال صاحب (۱۵) مولانا غلام حسین صاحب
(۱۶) مولانا مبارک حسین صاحب (۱۷) مولانا زاہد علی سلامی صاحب
(۱۸) مولانا محمد نسیم صاحب، رکن مجلس شرعی (۱۹) مولانا جمال مصطفیٰ صاحب
(۲۰) مولانا جلال الدین صاحب (۲۱) مولانا نفیس احمد مصباحی صاحب
(۲۲) مولانا صدر الوریٰ صاحب رکن مجلس شرعی (۲۳) مولانا ارشاد احمد صاحب، رکن مجلس شرعی
(۲۴) مولانا عبد الوحید صاحب (۲۵) مولانا ناظم علی صاحب

☆ آٹھویں فقہی سیمینار میں ان کے علاوہ بہت سارے مندوبین کرام بھی شریک تھے جن کی فہرست دستیاب نہ ہو سکی۔ (مرتب غفرلہ)

☆☆☆☆
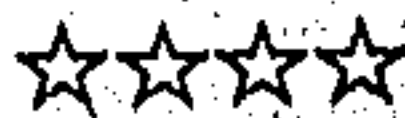
نواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۳/۱۴/۱۵/۱۶/ ذی قعدہ ۱۴۲۰ھ
مطابق ۱۸/۱۹/۲۰/۲۱/ فروری ۲۰۰۰ء
بروز جمعہ، شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فیصلہ ⑫ - علاج کے لیے انسانی خون کا استعمال
فیصلہ ⑬ - تالاب اور باغات کے ٹھیکے کا مسئلہ
فیصلہ ⑭ - دیہات میں جمعہ (فیصل بورڈ)
☆ - شرکاے سیمینار

علاج کے لیے انسانی خون کا استعمال

سوال نامہ

(۱) ایک انسان کا خون دوسرے انسان کو چڑھانا جائز ہے یا نہیں؟

(۲) دوسرے کو اپنا خون ہبہ کرنا یا اسے بیچنا اور خریدنا کیسا ہے؟

(۳) کار خیر سمجھ کر یا محض انسانی ہم دردی کے ناطے اپنا خون بلڈ بینک میں جمع کرنا شریعت کے کس حکم کے تحت آتا ہے

(۴) بطور دوا استعمال کرنے میں انسان کے جزء مائع، غیر مائع کے درمیان کوئی فرق ہے یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

(۵) انسانی خون کا استعمال صرف "ضرورت شرعیہ" کے تحقق کے وقت جائز ہے یا اس میں حاجتِ شرعیہ بھی موثر ہے؟

(۶) انسانی عضو کا استعمال بوقت اضطرار بھی جائز نہیں، تو کیا دوا و علاج کے لیے (گوکہ ضرورت و حاجت متحقق ہو) انسانی خون کے استعمال کی اجازت دی جا سکتی ہے؟

(۷) انسانی خون چڑھانا انسانی تکریم کے منافی ہے یا نہیں؟

(۸) تداوی بالحرام میں "طبیب مسلم، عادل" کی قید کیسی ہے۔ کیا فی زمانا اس قید کے فقدان سے "تداوی بالحرام" پر کوئی منفی اثر پڑے گا؟ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۱۲)

مندرجہ ذیل صورتوں میں خون چڑھانے کی اجازت ہے۔

(۱) مریض کی جان بچانے کے لیے۔

(۲) اعضا کو بے کار ہونے سے بچانے کے لیے۔

(۳) جمالِ مقصود کے تحفظ، حلقۂ چشم کی حفاظت، یا کسی اور عضو کی حفاظت کے لیے، بشرطے کہ کسی اور جائز ذریعہ سے اس کا تحفظ نہ ہو سکے۔ جمالِ غیر مقصود کے تحفظ کے لیے اجازت نہیں۔

(۴) الف: خون نہ چڑھانے سے جب مریض کو زیادہ دنوں تک مرض کی تکلیف ہو، اگر یہ ناقابل برداشت حد تک ہو تو خون چڑھانا جائز ہے،، ورنہ نہیں۔

ب: خون کی کمی کے باعث انسیجنل ھرنیا ہونے کا خطرہ ہو تو بھی جائز ہے، (جیسا کہ آپریشن کے بعد خون کی کمی سے ایسا ہو جاتا ہے)۔

(۵) درج ذیل دوسری، تیسری صورتوں میں خون چڑھانے کی اجازت ہے، پہلی صورت میں نہیں، وہ صورتیں یہ ہیں:

(الف) مریض ٹھیک ہے، کوئی گھبراہٹ یا تناؤ نہیں ہے، خون کی کمی ۱۵٪ سے کم ہے۔

(ب) ہلکا تناؤ، بے چینی، پیلا پن، بدن ٹھنڈا ہو جانا، پسینہ، پیاس، کھڑے ہونے سے اس طرح بے ہوشی طاری ہونا کہ گر جائے، خون کی کمی ایک سے دو لیٹر، یعنی ۲۰٪ سے ۳۹٪

(ج) بہت زیادہ تناؤ، ہوش و حواس میں اختلال، شدید تنفس، یعنی تیز اور گہرا سانس چلنا، ہاتھ، پیر کا برف کی مانند ٹھنڈا ہو جانا، نیز پورے بدن کا ٹھنڈا ہو جانا، بہت زیادہ پیاس، خون کی کمی ۲ سے ساڑھے تین لیٹر یعنی ۴۰٪ سے ۷۰٪، پیشاب کی مقدار صفر۔

(۶) خون نہ چڑھانے کے باعث عضو کے بے کار ہو جانے کا ظنِ غالب ہو تو بھی خون چڑھانے کی

اجازت ہے۔

ان تمام صورتوں میں اجازت بس اسی مقدار میں خون چڑھانے کی ہے جتنے سے کام چل سکے۔

واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: خون کی حرمت قطعی ہے پھر اس سے علاج وانتفاع کا جواز کیسے ہوسکتا ہے؟

جواب: خون کے پینے کی حرمت قطعی ہے دیگر وجوہ انتفاع کی حرمت ہمارے مذہب حنفی میں ظنی ہے۔

آیت بقرہ، آیت انعام، تفسیرات احمدیہ، بحرالرائق، عالم گیری۔ واللہ تعالیٰ اعلم

دلائل

سورۃ البقرۃ کی آیتِ کریمہ ہے: " إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٧٣﴾ "(۱)

اس آیتِ کریمہ کے تحت تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

و إنما يحرم منها اكلها فقط، لا الانتفاع بجلدها بعد الدبغ...ولا الانتفاع بشعرها وقرنها وعظمها وعصبها وحافرها. لأن الآية في بيان حرمة الأكل كما يدل عليه سياقها و ان ينسب الحرمة إلى الاعيان مجازا ... وتقدير التناول اولى من تقدير الأكل لتناول أكلها وشرب لبنها . (۲)

سورۃ الانعام کی آیتِ کریمہ یہ ہے:

" قُل لَّا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَن يَكُونَ مَيْتَةً أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٤٥﴾ "(۳)

اس کے تحت تفسیرات احمدیہ میں ہے:

والمعنى لا أجد فى الوحى الذى أوحى إلى طعاما محرما على طاعم يطعم ذلك الطعام إلّا أن يكون الطعام ميتة أو دما مسفوحا أو لحم خنزير أو الفسق الذى ذبح

---

(۱) قرآن مجيد، سورة البقرة، آيت:۱۷۳

(۲) تفسيراتِ احمديه، ص: ٤١، البقره ۲، آيت:۱۷۳

(۳) قرآن مجيد، سورة الأنعام، آيت:١٤٥

به لإسم غير الله مثل اللات والعزىٰ و غير ذٰلك. اهـ(۱)

البحر الرائق کی عبارت ردالمحتار میں ان الفاظ میں ہے:

"اختار صاحب الهداية فى التجنيس، فقال: لورعف، فكتب الفاتحة بالدّم على جبهته وأنفه جاز للاستشفاء... لكن لم ينقل. وهذا لأنّ الحرمة ساقطة عند الاستشفاء كحلّ الخمر والميتة للعطشان والجائع." اهـ (۲)

اور فتاویٰ عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

"ولا باس بأن يسعط الرجل يلبن المرأة ويشربهٗ للدّواء. وفي شرب لبن المرأة للبالغ من غير ضرورة اختلاف المتاخّرين." اهـ(۳)

اسی میں ہے:

"والّذي رعف فلا يرقأ دمه فأراد أن يكتب بدمه على جبهته شيئًا من القرآن، قال: أبو بكر الاسكاف: يجوز. وكذا لو كتب على جلد ميتة إذا كان فيه شفاء، كذا فى خزانته المفتين." اهـ(۴)

ایک نشست میں "علاج کے لیے انسانی خون کا استعمال" پر بقیہ مسائل کی تکمیل کے لیے بحث شروع ہوئی۔

(۱) پہلی بحث یہ سامنے آئی کہ خون سے اکل و شرب کے علاوہ دیگر وجوہ سے انتفاع کی بھی حرمت قطعی ہے یا ظنی؟

اس پر ایک مضمون پیش ہوا، جس میں خون سے بجمیع الوجوہ انتفاع کو تفسیر بیضاوی، تفسیرات احمدیہ، احکام القرآن للجصاص کی عبارتوں کی روشنی میں حرام قطعی قرار دیا گیا ہے۔

اس کے بعد فواتح الرحموت، اور نور الانوار وغیرہ کی عبارتیں پیش کی گئیں، جن سے صرف اکل و شرب کے حرام ہونے کی قطعیت ثابت ہوتی ہے۔ دیگر وجوہ انتفاع کی نہیں۔ اور طے یہ ہوا کہ فیصل بورڈ دونوں قسم

---

(۱) تفسیرات احمدیہ، ص:۲۶۴، المکتبة الانعام، آیت:۱۴۵

(۲) رد المحتار، کتاب الطهارة، باب المیاه، مطلب فی التداوی بالمحرّم، ص:۳۶۵، ج:۱، دار الکتب العلمیة، بیروت۔

(۳) الفتاوی العالمکیرية، کتاب الکراهية، الباب الثاني عشر فی التّداوی والمعالجات، ص:۳۵۵، ج:۵، پاکستان

(۴) ایضًا، ص:۳۵۶.

کی عبارتوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرے۔

(۲) دوسری بحث یہ سامنے آئی کہ اس سے قبل چھٹے سیمینار میں طے ہوا کہ مریض کو جب خون چڑھانے کی ضرورت یا حاجت ہو تو اس کے لیے خون چڑھانا جائز ہو جاتا ہے۔ لیکن کوئی شخص اگر اسے خون دیتا ہے تو دینا جائز ہے، یا نہیں؟ اگر دینا جائز ہو تو دینے والے کے حق میں ضرورت، یا حاجت کیا ہے؟

اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ فتاویٰ رضویہ ج: ۱۰، نصف آخر ص: ۲۰۰ میں ہے کہ: دوسرے مسلم کی ضرورت کا بھی اعتبار ہے، جیسے ڈوبتے کو بچانے کے لیے نماز پڑھنے والے کو نماز توڑنا واجب ہو جاتا ہے، اس لیے جب کسی مسلم کو ضرورت یا حاجت در پیش ہے تو دوسرے شخص کے لیے جائز ہے کہ اپنا خون اسے بچانے کے لیے دے دے، جزء انسان سے وقت ضرورت و حاجت انتفاع کا جواز ہو جاتا ہے، جیسا کہ شامی میں ہے:

قال فی الفتح: و أهل الطب يثبتون للبن البنت أی الذي نزل بسبب بنت مرضعة نفعا لوجع العين، واختلف المشايخ فيه، قيل: لا يجوز، و قيل يجوز، إذا علم أنه يزول به الرمد، ولا يخفى أن حقيقة العلم متعذرة، فالمراد إذا غلب على الظن و إلا فهو معنى المنع. اھ (۱)

مبسوط سرخسی میں ہے:

ولاباس بأن يستعط الرجل بلبن المرأة و يشربه، لأنه موضع الحاجة والضرورة. اھ (۲)

(۳) مریض کو حاجت و ضرورت کی حالت میں خون اگر بلا عوض نہیں ملتا تو بعوض خریدنا جائز ہے، مگر بائع کے لیے خون کا ثمن طیب نہیں، مسلم مریض کو مذکورہ حالت میں مسلم یا غیر مسلم کسی سے بھی خون لینا یا خریدنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) رد المحتار، كتاب النكاح، باب الرضاع، ص: ۳۹۸، ج: ٤، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان.
(۲) المبسوط السرخسي، ج: ۱۵، ص: ۱۲٦

تالاب اور باغات کا اجارہ

سوال نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حامدًا و مصلیًا

(۱) کسی کی چیز کو باقی رکھتے ہوئے اس سے فائدہ اٹھایا جائے اور اس کے بدلے میں مالک کو طے شدہ اجرت دی جائے، اسے فقہ کی اصطلاح میں اجارہ کہا جاتا ہے، جیسے کسی کا مکان رہنے کے لیے کرایہ پر لیا یا کسی کی گاڑی سفر کے لیے کرایہ پر لی تو یہ اجارہ ہے، اس میں مکان اور گاڑی کو باقی رکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، ایسا نہیں کہ مکان یا گاڑی کو تباہ کر دیا جائے کہ پھر تو یہ اجارہ نہیں، اتلاف ہوگا۔ لہٰذا موم بتی کا اجارہ ناجائز ہے کہ موم بتی سے فائدہ اسے تلف کر کے ہی اٹھایا جا سکتا ہے، غرض کہ یہ فقہ حنفی کا ایک مسلمہ ضابطہ ہے کہ جس شے کو تلف کر کے اس سے فائدہ اٹھایا جاتا ہو اس کا اجارہ ناجائز ہے۔

اس کا تقاضا یہ ہے کہ آب پاشی وغیرہ کے لیے دریا و تالاب کا اجارہ بھی ناجائز ہو کہ یہاں بھی پانی کو تلف کیے بغیر اس سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ عامۂ کتب مذہب میں اس اجارہ کو ناجائز و باطل قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً رد المحتار میں ہے:

قال في «كتاب الشرب» من البزازية: لم تصح اجارة الشرب لوقوع الاجارة على استهلاك العين مقصوداً.(۱)

فتاویٰ بزازیہ کتاب الشرب میں ہے کہ حصۂ آب کا اجارہ درست نہیں ہے، کیوں کہ یہ اجارہ استہلاکِ عین پر ہوا۔

---

(۱)- رد المحتار، كتاب الاجاره مطلب فى استيجار الماء مع القناة، ص:۸۶، ج:۹، دار الكتب العلمية، بيروت.

مگر ایک عرصۂ دراز سے مختلف مقاصد کے لیے دریا و تالاب کا اجارہ عوام میں رائج ہے اور خواص بھی بلا تکلف اس سے نفع یاب ہوتے ہیں، جس کے باعث یہ اجارہ عمومِ بلویٰ کی حد تک پہنچ چکا ہے، اگر اسے آج بھی اصل مذہب کی بنا پر ناجائز قرار دیا جائے تو بے شمار عوام و خواص کو گنہ گار بنانا لازم آئے گا، ایسے حالات میں لازماً یہ سوال اٹھتا ہے کہ **"کیا اب بھی دریا و تالاب کا اجارہ ناجائز ہے؟"**

(۲) خرید و فروخت ایسی چیز کی ہو سکتی ہے جو خارج میں موجود ہو اور باہم اسے دینا، لینا ممکن ہو، اور اگر وہ چیز موجود نہ ہو تو اس کی خرید و فروخت ناجائز و باطل ہے، یہی وجہ ہے کہ فقہاے کرام فرماتے ہیں کہ باغ کے پھل کچھ نکل چکے ہوں اور کچھ نکلنے کو باقی ہوں تو ظاہر مذہب میں ایسے باغ کی بیع ناجائز و باطل ہے، مگر اب ایسے باغات کی خرید و فروخت عوام الناس میں رائج ہو چکی ہے اور عوام اس کے اتنے عادی ہو چکے ہیں کہ اب وہ اس سے باز نہ آئیں گے، دوسری طرف علما و صلحا کا حال یہ ہے کہ وہ سب کچھ دیکھتے اور جانتے ہوئے بھی ایسے باغ کے پھل بازار سے خریدتے اور پھلوں کے تحائف قبول فرماتے اور خود بھی کھاتے اور دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں، ایک زمانۂ دراز سے سب کا یہی حال ہے، اس لیے اس امر کی تحقیق کی ضرورت پیش آئی کہ:

"کیا اب بھی باغات کا اجارہ ناجائز ہے؟" (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۱۳)

تالاب اور باغات کے ٹھیکے سے متعلق درج ذیل امر پر مندوبین کا اتفاق ہوا۔

① ظاہر مذہب میں باغات کا اجارہ یا بیع ناجائز ہے مگر عموم بلویٰ اور تعامل کے سبب حکم جواز ہے۔

ردالمحتار میں ہے:

قال الزيلعي: وقال شمس الأئمة السرخسي: والأصح أنه لايجوز؛ لأن المصير إلى مثل هذه الطريقة عند تحقق الضرورة، و لا ضرورة هنا؛ لأنه يمكنه أن يبيع الأصول على ما بيّنّا أو يشتري الموجود ببعض الثمن و يؤخر العقد في الباقي إلى وقت وجوده أو يشتري الموجود بجميع الثمن و يبيح له الانتفاع بما يحدث منه فيحصل مقصودهما بهذا الطريق، فلا ضرورة إلى تجويز العقد في المعدوم مصادما للنص. اهـ

قلت لكن لا يخفى تحقق الضرورة في زماننا ولاسيما في مثل دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار؛ فإنه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن إلزامهم بالتخلص بإحدى الطرق المذكورة و إن أمكن ذلك بالنسبة إلى بعض أفراد الناس لايمكن بالنسبة إلى عامتهم، وفي نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت، ويلزم تحريم أكل الثمار في هذه البلدان؛ إذ لاتباع إلا كذلك والنبي ﷺ إنما رخص في السلم للضرورة مع أنه بيع المعدوم فحيث تحققت الضرورة هنا أيضا أمكن إلحاقه بالسلم بطريق الدلالة فلم يكن مصادما للنص فلذا جعلوه من الإستحسان لأن القياس عدم الجواز و ظاهر كلام الفتح، الميل إلى الجواز ولذا أورد له الرواية عن محمد، بل تقدم أن الحلواني رواه عن أصحابنا وما ضاق الأمر الا اتسع ولا يخفى ان هذا مسوّغ للعدول عن ظاهر

الروایة. اھ(۱)

(۱) **تالاب کا اجارہ** بھی اصل مذہب کے مطابق ناجائز اور اب بوجہ عموم بلویٰ جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یہ مسئلہ معرکۃ الآرا ہے، عامۂ کتب میں اس اجارہ کو محض حرام و ناجائز و باطل فرمایا، اور یہی موافق اصول و قواعد مذہب ہے اور جامع المضمرات میں جواز پر فتویٰ دیا، فی الدر المختار: جاز إجارة القناة و النهر مع الماء، به يفتى لعموم البلوى. مضمرات اھ۔ اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود، معین کرایہ پر دے، اور پانی وغیرہ سے انتفاع مباح کردے یوں اسے کرایہ اور اسے پانی، مچھلی، گھاس جائز طور پر مل جائیں گے... یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے، سب ملاکر کرایہ پر دے کہ تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہو جائے۔

ولقد أحسن (صاحب جامع المضمرات–ن) إذ علّل الإفتاء بعموم البلوىٰ، لا بحصول الجواز بالتبع، فإذن إن عمل بقوله "به يفتى" فلا شك أن قضيّتهٗ إطلاق الجواز و هو الأيسر. و الأحوط ما مر فعليه فليقتصر، هذا ما عندي، والعلم بالحق عند العزيز الأكبر".(۲)

---

(۱) رد المحتار، ج:۷، ص:۸۶، کتاب البیوع، مطلب فی بیع الثمر والزرع والشجر مقصودًا ، دار الکتب العلمیة، بیروت.

(۲) فتاوی رضویه، ص: ۱۵۷ تا ۱۵۹ ،ج: ۸ کتاب الإجاره

دیہات میں جمعہ

سوال نامہ

مذہبِ حنفی میں جمعہ کے لیے مصر ہونا شرط لازمی ہے، چناں چہ ہدایہ میں ہے:

"لا تصح الجمعة إلا في مصر جامع أو في مصلى المصر ولا تجوز في القرىٰ. لقوله عليه السلام : لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا ضحىٰ إلا في مصر جامع."

جمعہ مصر جامع یا مصر کی عید گاہ ہی میں صحیح ہے، دیہات میں جائز نہیں اس لیے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: جمعہ، تشریق، عید الفطر اور عید الاضحیٰ مصر جامع ہی میں ہو سکتے ہیں۔

مگر اب عام طور پر دیہات میں بھی جمعہ کی نماز پڑھی جاتی ہے اور ایک عرصے سے علما و خواص بھی اس میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ کیوں کہ جو لوگ دیہات میں رہتے ہیں، یا وہاں پہنچ جاتے ہیں، وہاں وہ عوام کے ساتھ جمعہ کی نماز بھی پڑھتے ہیں، اس لیے یہ ضرورت پیش آئی کہ مصر کی تعریف کے پیشِ نظر گاؤں، دیہات میں جمعہ کے تعلق سے غور کر لیا جائے۔

فقہ حنفی میں مصر کی دو تعریفیں مشہور ہیں، ظاہر الروایہ و نادر الروایہ۔ نادر الروایہ والی تعریف میں وسعت زیادہ ہے، اس تعریف کو اختیار کر کے لوگوں کو حرج سے بچایا جا سکتا ہے اور اسے بھی بہت سے فقہا نے اختیار کیا ہے، اس لیے درج ذیل امور کی تنقیح ناگزیر ہوئی۔

(۱)- مصر کی تعریف ظاہر الروایہ کے مطابق کیا ہے اور نادر الروایہ کے مطابق کیا ہے؟

(۲)- کیا آج کے حالات میں روایتِ نادرہ پر فتویٰ اور عمل جائز ہے؟

(۳)- گاؤں، دیہات میں جمعہ کے ساتھ ظہر با جماعت کی اجازت ہے یا نہیں؟ (مرتب غفرلہ)

نتیجۂ بحث

شرکاے سیمینار کا اس پر اتفاق ہوا کہ وہ مقامات جو ظاہر الروایہ کے مطابق جامع شرائط جمعہ اور مصر (۱) قرار پاتے ہیں وہاں جمعہ کی اقامت اور ادائیگی فرض ہے۔

اب چوں کہ قصبات اور بڑی آبادیوں میں بھی جمعہ قائم کرنے اور پڑھنے کا رواج ہے اور عوام و خواص کا اس پر عمل درآمد ہے، اس لیے سوال سامنے آتا ہے کہ کیا ان مقامات کو غیر مصر قرار دے کر جمعہ کو ناجائز قرار دیا جائے یا کوئی اور صورت اختیار کی جائے؟

اس کے جواب میں مندوبین نے یہ فرمایا کہ مصر کی ایک تعریف وہ ہے جو امام ابو یوسف سے نوادر میں آئی ہے، اس پر بھی ایک جماعتِ فقہا نے فتویٰ دیا ہے، اس لیے لوگوں کے تعامل کے سبب اور دفع حرج کے لیے یہ مانا جائے کہ تعریف مذکور کے تحت آنے والے مقامات مصر ہیں اور وہاں جمعہ کی اقامت اور ادائیگی فرض ہے، لیکن ایسی جگہوں میں اگر کوئی عالم ظاہر الروایہ کا قائل اور اس پر عامل ہے تو اسے اس کی اجازت ہے، اور وہ فرض کا تارک ہرگز نہیں۔

آخری نشست میں اس پر بھی گفتگو آئی اور اتفاق نہ ہو سکا، اس لیے دیہات میں جمعہ و ظہر با جماعت کا مسئلہ مکمل طور پر فیصل بورڈ کے حوالے کیا گیا۔

---

(۱) مصر یعنی شہر کی تعریف فتاویٰ رضویہ میں اس طرح ہے:
"وہ آبادی جس میں متعدد کوچے ہوں، دوامی بازار ہوں اور وہ پرگنہ ہے کہ اس کے متعلق دیہات گنے جاتے ہوں اور اس میں کوئی حاکم مقدماتِ رعایا فیصل کرنے پر مقرر ہو جس کی حشمت و شوکت اس قابل ہو کہ مظلوم کا انصاف ظالم سے لے سکے، جہاں یہ تعریف صادق ہے وہی شہر ہے، ہمارے ائمۂ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی ظاہر الروایہ ہے، كما في الهداية والخانية والظهرية والخلاصة والعناية والحلية والغنية والدر المختار والهندية وغيرها." اھ (فتاویٰ رضویہ ص:٦٧٢، ج:٣، و ص:٧٠٢ کتاب الصلاۃ/ باب الجمعۃ، سنی دار الاشاعت، مبارکپور) [مرتب غفرلہ]

فیصلہ (۱۴)

فیصل بورڈ کا فیصلہ

دو شنبہ ۲۴؍ ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۶؍ جولائی ۲۰۰۱ء مرکزی دار الافتا بریلی شریف میں "فیصل بورڈ" نے یہ فیصلہ صادر کیا۔

فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۷۴۴ پر ہے:

(۱)-اگر وہ پرگنہ ہے، اس کے متعلق دیہات ہیں اور ایسی حالت میں ضرور جانب سلطنت سے کوئی حاکم وہاں فصلِ خصومات و فیصلۂ مقدمات کے لیے ہوتا ہے۔ مثلاً تحصیل دار وغیرہ جب تو وہ خود شہر ہے اور اس میں ادائے جمعہ و عیدین ضرور لازم اور ان کا تارک گنہ گار و آثم۔ فقد صدق علیها حد المصر الصحیح المروي في ظاهر الروایة عن الإمام الأعظم رضي الله تعالیٰ عنه: أنها بلدة فیها سکك و اسواق ورساتیق وفیها وال الخ.

(۲)-اور اگر وہ پرگنہ نہیں، یا وہاں کوئی حاکم فصلِ مقدمات پر مقرر نہیں، مگر زمانۂ سلطنتِ اسلام میں وہ ایسا تھا اور جب سے اس میں جمعہ ہوتا تھا تو اب بھی پڑھا جائے گا، صلاۃ مسعودی، باب ۲۳؍ میں ہے: "جائے را کہ حکم شہر دادند بعد ازاں خرابی پذیرفت آں حکم شہرے باقی ماند تا اگر نائبِ سلطان یا جمع دراں جا نماز آدینہ گزارند روا بود۔"

(۳)-اور اگر یہ دونوں صورتیں نہیں تو مذہبِ حنفی میں وہاں جمعہ و عیدین نہیں، پھر بھی جب کہ مدت سے قائم ہے، اسے اکھیڑا نہ جائے گا، نہ لوگوں کو اس سے روکے گا مگر شہرت طلب۔ قال الله تعالیٰ: اَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ یَنۡهٰی، عَبۡدًا اِذَا صَلّٰی، وفیه عن أمیر المؤمنین علی کرم الله وجهه.

جلد سوم، ص:۷۰۲ پر ہے:

ایک روایتِ نادرہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل،

بالغ ایسے تن درست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں، یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لیے مسجد جامع بنانی پڑے، وہ صحتِ جمعہ کے لیے شہر سمجھی جائے گی۔
امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

(وعنه) أي عن أبي يوسف (أنهم إذا اجتمعوا) أي اجتمع من تجب عليهم الجمعة لاكل من يسكن في ذٰلك الموضع من الصبيان والنساء والعبيد. قال ابن شجاع: احسن ما قيل فيه، إذا كان اهلها بحيث لو اجتمعوا (في اكبر مساجدهم لم يسعهم) ذٰلك حتىٰ احتاجوا إلى بناء مسجد آخر للجمعة الخ.

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایتِ نادرہ کی بنا پر جمعہ و عیدین ہو سکتے ہیں، اگرچہ اصل مذہب کے خلاف ہے، مگر اسے بھی ایک جماعتِ متاخرین نے اختیار فرمایا ہے۔

(۴)-اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز جمعہ، خواہ عید مذہب حنفی پر جائز نہیں ہو سکتا، بلکہ گناہ ہے۔

والله يقول الحق وهو يهدى إلى السبيل ، والله سبحٰنه و تعالىٰ اعلم.

ان عبارتوں کی روشنی میں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ:

(۱)-جو آبادی عبارت نمبر: ۱ کے مطابق شہر ہے، وہاں جمعہ و عیدین کی اقامت و ادائگی فرض ہے۔

(۲)-اسی طرح عبارت نمبر: ۲ کے مطابق جو مقام پہلے شہر تھا جب سے اب تک وہاں جمعہ ہوتا آیا، لیکن اب وہاں حاکم و امیر نہیں تو بھی وہاں جمعہ برقرار رکھا جائے گا۔

(۳) جو آبادی عبارت نمبر: ۳ اور روایتِ نادرہ کے تحت آتی ہے اور وہاں جمعہ ہوتا ہے تو وہاں منع نہ کیا جائے، خصوصاً جب کہ عوام و خواص جمعہ میں شریک ہوتے ہیں اور کوئی ترک کرے تو مفسدہ اور فتنہ کا دروازہ کھلے۔

(۴) جو آبادی عبارت نمبر: ۴ کے تحت آتی ہے تو وہاں جمعہ و عیدین کی اقامت و ادائگی مذہبِ حنفی کی رو سے جائز نہیں مگر عوام پڑھتے ہوں تو روکا نہ جائے اور انھیں بہ نرمی اس کی تلقین کی جائے کہ آپ پر ظہر ہی فرض ہے اور اس کی جماعت واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقیر محمد اختر رضا قادری غفرلہ — ضیاء المصطفیٰ قادری عفی عنہ

جلال الدین احمد الامجدی — ۲۳ / ربیع الآخر ۱۴۲۲ھ

شرکاے سیمینار

علماے جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱) حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی دام ظلہ، سرپرست مجلس شرعی
(۲) حضرت عزیز ملت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ دام ظلہ، سرپرست مجلس شرعی
(۳) حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری دام ظلہ، صدر مجلس شرعی
(۴) حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، ناظم مجلس شرعی
(۵) حضرت علامہ عبد الشکور صاحب دام ظلہ
(۶) حضرت مولانا اسرار احمد صاحب
(۷) حضرت مولانا نصیر الدین عزیزی رکن مجلس شرعی
(۸) حضرت مولانا اعجاز احمد قادری
(۹) حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، رکن مجلس شرعی
(۱۰) حضرت مولانا عبد الحق رضوی، رکن مجلس شرعی
(۱۱) حضرت مولانا شمس الہدیٰ مصباحی، رکن مجلس شرعی
(۱۲) حضرت مولانا محمد معراج القادری، رکن مجلس شرعی
(۱۳) حضرت مولانا بدر عالم مصباحی، رکن مجلس شرعی
(۱۴) حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی
(۱۵) حضرت مولانا محمد اختر کمال قادری
(۱۶) حضرت مولانا غلام حسین مصباحی
(۱۷) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی
(۱۸) حضرت مولانا زاہد علی سلامی
(۱۹) حضرت مولانا نسیم احمد مصباحی، رکن مجلس شرعی
(۲۰) حضرت مولانا جمال مصطفیٰ قادری
(۲۱) حضرت مولانا جلال الدین نوری
(۲۲) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی
(۲۳) حضرت مولانا ناظم علی رضوی
(۲۴) حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری، رکن مجلس شرعی
(۲۵) حضرت مولانا ارشاد احمد رضوی، رکن مجلس شرعی
(۲۶) حضرت مولانا عبد الوحید مصباحی
(۲۷) حضرت مولانا آل مصطفیٰ مصباحی، جامعہ امجدیہ، رکن مجلس شرعی

دیگر علما جو شریک ہوئے

(۲۸) بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان اعظمی مد ظلہ، دار العلوم شمس العلوم، گھوسی، ضلع مئو
(۲۹) حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی جامعہ امجدیہ ارشد العلوم، اوجھاگنج، ضلع بستی
(۳۰) حضرت مولانا مفتی شبیر حسن صاحب جامعہ اسلامیہ روناہی، فیض آباد
(۳۱) حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین صاحب دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد
(۳۲) حضرت مولانا مفتی محمد ایوب صاحب جامعہ نعیمیہ، دیوان بازار، مراد آباد

(۳۳)	حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب	مدرسہ امداد العلوم، مٹنہا کھنڈ، سری ایس نگر
(۳۴)	حضرت مولانا عنایت احمد صاحب	الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، بلرام پور
(۳۵)	حضرت مولانا عبد المبین صاحب نعمانی	دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو
(۳۶)	حضرت مولانا محمد علی صاحب فاروقی	مدرسہ اصلاح المسلمین، یتیم خانہ، رائے پور
(۳۷)	مولانا محمد فروغ احمد مصباحی	دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۳۸)	حضرت مولانا نظام الدین صاحب رضوی	دار العلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی
(۳۹)	حضرت مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ خیر آباد سلطان پور
(۴۰)	حضرت مولانا قاضی فضل احمد صاحب	ضیاء العلوم، پکی باغ، بنارس
(۴۱)	حضرت مولانا شبیر احمد صاحب	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، جدوپیرا، مہراج گنج
(۴۲)	حضرت مولانا حبیب اللہ صاحب نعیمی	دار العلوم فضل رحمانیہ پچپیڑوا، بلرام پور
(۴۳)	حضرت مولانا مفتی عابد حسین صاحب	مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور، بہار
(۴۴)	حضرت مولانا شبیر القادری صاحب	محلہ مخدوم سرائے، سیوان، بہرا
(۴۵)	حضرت مولانا محمد انور نظامی	گنگھرا، سودن، ہزاری باغ
(۴۶)	حضرت مولانا عزیز احسن صاحب	مدرسہ قادریہ مظہر العلوم، علی پور، مالدہ
(۴۷)	حضرت مولانا معین الدین مصباحی صاحب	جامع اشرف، کچھوچھہ شریف
(۴۸)	حضرت مولانا اختر حسین بستوی	دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۴۹)	حضرت مولانا محمود عالم صاحب	ویشالی، دار العلوم قادریہ نوریہ، بگھاڑو، سون بھدر
(۵۰)	حضرت مولانا عبد السلام صاحب مصباحی	مدرسہ انوار العلوم، تلسی پور، بلرام پور
(۵۱)	مولانا حافظ حمید الحق برکاتی، کریم الدین پور	گھوسی، ضلع مئو، مقیم حال زمبابوے
(۵۲)	مولانا منیر الدین نظامی مصباحی	دار العلوم قادریہ نوریہ، بگھاڑو، ضلع سون بھدر
(۵۳)	مولانا ممتاز احمد صاحب	نائب مفتی جامعہ نعیمیہ، بازار دیوان، مراد آباد، یوپی
(۵۴)	مولانا ابوالحسن صاحب بہرائچی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو
(۵۵)	قاری محمد رفیق رضوی	شیخ التجوید جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
(۵۶)	مولانا انس عالم	چوک لکھنؤ
(۵۷)	مولانا کوثر امام قادری	دار العلوم قدوسیہ، پرسونی بازار، ضلع مہراج گنج

☆☆☆☆

دسواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۴/۱۵/۱۶/ جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ
مطابق ۳/۴/۵/ جولائی ۲۰۰۴ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ
بمقام: شارح بخاری دار الافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فیصلہ ⑮ - غیر مسلم حکومتوں میں جمعہ وعیدین

فیصلہ ⑯ - ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہیں

☆- چھٹے، ساتویں، آٹھویں اور نویں فقہی سیمینار کی قرار داد کی توثیق

☆- دستخط مندوبین

فیصلہ ⑰ - ہائر پرچیز (کرایہ فروخت) کا حکم

☆- شرکائے سیمینار

غیر مسلم حکومتوں میں جمعہ و عیدین

سوال نامہ

آج دنیا کی حکومتیں تین حصوں میں بٹی ہوئی ہیں:

ایک تو خالص مسلم حکومتیں، جہاں سلاطین یا وزرا کی حکمرانی ہے جیسے انڈونیشیا، بحرین، بنگلہ دیش، پاکستان، الجیریا، مصر، لبنان، یمن، عمان وغیرہ۔

دوسری وہ حکومتیں جہاں پہلے مسلم سلاطین کی حکمرانی تھی اور اب وہ مسلم و غیر مسلم دونوں کی دولتِ مشترکہ ہیں مگر شعائرِ اسلام کبھی بند نہ ہوئے اور اب بھی جاری ہیں۔ جیسے ہندوستان اور عراق۔

تیسری وہ حکومتیں جہاں سلطانِ اسلام کی حکمرانی کبھی نہ تھی، نہ اب ہے جیسے نیپال، روس، فرانس، برطانیہ، اسکاٹ لینڈ، جرمن، پرتگال، کنیڈا، امریکہ وغیرہ۔

پہلی دو حکومتوں میں آج اہلِ اسلام کی خاصی تعداد موجود ہے اور وہ وہاں جمعہ و عیدین بھی برابر پڑھتے چلے آئے، عوام، خواص سبھی شریک جماعت ہوتے رہے، حتیٰ کہ جو علما، مشائخ، واعظین، مبلغین باہر سے وہاں تشریف لے جاتے ہیں وہ بھی جمعہ و عیدین کی جماعتوں میں شریک ہوتے ہیں، شاذ و نادر ہی کچھ اللہ کے بندے احتیاط کرتے ہیں، اب حال یہ ہے کہ اگر وہاں کے مسلمانوں کو جمعہ و عیدین سے روکا جائے تو یا تو یہ بالکل بے اثر ہوگا یا اس کا منفی اثر یہ ہوگا کہ اہلِ سنت بدمذہبوں کی مساجد کی طرف اپنا رخ پھیر لیں گے، اس لیے اب درج ذیل سوالوں کے حل کی طرف فقہاے اسلام کی توجہ ضروری ہے۔

(۱)- (الف):- کیا فقہ حنفی کی روایات، یا اقوال مشائخ میں سے کسی قول یا روایت سے ایسی حکومتوں میں (جو قسم سوم سے ہیں) جمعہ و عیدین کے جواز و صحت کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

(ب):- اس ضمن میں یہ بھی واضح فرمائیں کہ یہاں "عمومِ بلویٰ" کا تحقق ہو چکا ہے یا نہیں؟

(۲)- (الف):- باقی تینوں مذاہب (مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی مذہب کے نقطۂ نظر سے ان حکومتوں میں جمعہ و عیدین کی اجازت ہے یا نہیں؟

(ب):- اجازت کی صورت میں کیا "اسبابِ ستہ" میں سے کسی سبب کی بنا پر فقہ حنفی کی رو سے بھی یہ اجازت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۱۵)

(۱) دار الحرب اگر دار الامن ہے تو وہاں سے ہجرت واجب نہیں، مندوب ہے۔
قرآن مجید میں ہے:
(قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا) (۱)
اس کے تحت تفسیراتِ احمدیہ میں ہے:

ذكروا: أن الآية تدل على أن من لم يتمكن من إقامة دينه في بلده كما يجب و علم أنه يتمكن من إقامته في غيره حقت عليه المهاجرة. و في الحديث: من فرّ لدينه من أرض إلى أرض و إن كان شبرا من الأرض استوجبت له الجنة و كان رفيق أبيه إبراهيم و نبيه محمد صلوات الله عليهم أجمعين...

و في هذا الزمان إن لم يتمكن من إقامة دينه بسبب أيدي الظلمة أو الكفرة يفرض عليه الهجرة و هو الحق. اھ(۲)

عمدۃ القاری میں ہے:

هجرة من كان مقيما ببلاد الكفر"ولا يقدر على إظهارالدين" فإنه يجب عليه أن يهاجر إلى دارالإسلام كما صرح به بعض العلماء.(۳)

(۲) دار الاسلام کی جامع تعریف: شرح نقایہ میں کافی سے ہے:

دار الإسلام ما يجري فيه حكم إمام المسلمين۔ (۴)

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ النساء، آیت:۹۷
(۲) تفسیرات احمدیہ، ص:۲۰۱، ۲۰۲
(۳) عمدۃ القاری، ص:۲۹، ج:۱
(۴) فتاوی رضویہ ج:۳، ص:۷۱۶، رضا اکیڈمی، ممبئی

مایجري فیه حکم إمام المسلمین کالفظ چار طرح کے بلاد کو عام ہے۔

(۱) وہ جہاں امام مسلمین کی سلطنت قائم ہو اور خود مختار ہو۔(۱)

(۲) خود مختار نہ ہو بلکہ کسی سلطنت کفر کے تابع ہو۔(۲)

(۳) بادشاہ غیر مسلم ہو مگر والی (وزیر اعلیٰ) مسلم ہو۔(۳)

(۴) سلطنت اسلام کا زوال ہو چکا ہو مگر اس کے جاری کردہ شعائر اسلام کلاً یا بعضاً اب بھی باقی ہوں۔(۴)

امام المسلمین کا لفظ خلیفہ، سلطان، والی سب کو عام ہے۔

فتح القدیر کا جزئیہ:

"وإذا لم یکن سلطان، و لا من یجوز التقلد منه کما هو في بعض بلاد المسلمین غلب علیهم الکفار کقرطبة في بلاد المغرب الآن و بلنسیة و بلاد الحبشة و أقروا المسلمین عندهم علی مال یوخذ منهم یجب علیهم أن یتفقوا علی واحد منهم یجعلونه والیا فیولی قاضیا أو یکون هو الذي یقضي بینهم و کذا ینصبوا لهم إماما یصلي بهم الجمعة." (۵) خلاف مذہب حنفی ہے۔

علاوہ ازیں یہ عبارت ان بلاد سے متعلق ہے جو پہلے دارالاسلام تھے پھر ان پر تغلب کفار کے ساتھ احکام اسلام یکسر بند کر دیے گئے، اور زیر بحث مسئلہ ان بلاد سے متعلق ہے جن میں حکومت اسلام کبھی نہ رہی اور احکام اسلام بند نہیں، اس لیے عبارت فتح میں جو حکم ہے اس کے ساتھ ان بلاد کا الحاق نہیں ہو سکتا۔

کافی ابحاث کے بعد یہ طے ہوا کہ یورپ اور امریکہ وغیرہ کے بلاد میں جہاں عوام و خواص جمعہ و عیدین ادا کر رہے ہیں اور غیر مسلم حکومتوں کی طرف سے انہیں اجازت بھی ہے، وہاں جمعہ و عیدین سے انہیں روکنا سخت مفاسد کا باعث ہو گا جن کی تفصیل «مقالات»(۶) میں موجود ہے۔ اس لیے بالاتفاق دفع فساد مظنون بظن غالب کی خاطر اور اکثر مندوبین کے نزدیک بوجہ عموم بلویٰ بھی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر عمل کرنے اور جمعہ و عیدین ادا کرنے کی اجازت ہو گی۔ ساتھ ہی خواص کو ظہر ادا کرنے کا بھی حکم ہو گا۔

☆☆☆☆

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۳:، ص: ۷۱۵، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲) فتاوی رضویہ ج ۳:، ص: ۷۱۵، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۳) فتاویٰ رضویہ ج: ۸:، ص: ۵۰۳، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۴) فتاویٰ رضویہ، ج: ۳:، ص: ۷۱۶، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۵) فتح القدیر، کتاب أدب القاضی، ج: ۷، ص: ۲۴۶، قبیل فروع فی العزل

(۶) ان مقالات کا خلاصہ «صحیفہ مجلس شرعی جلد سوم» میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ۔

فیصلہ (۱۹)

ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی ہیں

باجازت صدر ۱۱ر بجے یہ سوال سامنے آیا کہ ہمارے ملک کے کچھ آزاد خیال لوگ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقوں کو ایک ماننا چاہتے ہیں، اس سلسلے میں ہمیں اپنا موقف ایک اجتماعی فیصلہ کی شکل میں واضح کردینا چاہیے، چنانچہ آج کی نشست میں پورے ملک سے شرکت فرمانے والے علمائے اہل سنت نے باتفاق رائے یہ فیصلہ صادر کیا کہ شوہر ایک مجلس میں تین طلاقیں دے تو تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اس پر اجماع صحابہ قائم ہوچکا ہے، اور چاروں مذاہب حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی کے ائمہ کا بھی اس پر اتفاق ہے۔[1] واللہ تعالیٰ اعلم۔

چھٹے، ساتویں، آٹھویں اور نویں سیمینار کی قرارداد کی توثیق

آج مورخہ ۱۵ر جمادی الاولی ۱۴۲۵ھ مطابق ۴ر جولائی ۲۰۰۴ء کی نشست میں چھٹے، ساتویں، آٹھویں، نویں سیمیناروں کے طے شدہ امور تمام مندوبین نے بغور سنے اور توثیق کی۔

علاج بالدم سے متعلق بہت سے امور سیمیناروں میں طے ہوچکے تھے پھر کسی اشکال کی وجہ سے وہ فیصل بورڈ کے حوالہ کیا گیا تھا اس سے متعلق طے شدہ امور اور اشکال و جواب بھی نشست میں سنائے گئے جس پر تمام مندوبین نے اتفاق کیا اور اسے فیصلہ کے طور پر صادر کرنا منظور کیا اس نشاندہی کے ساتھ کہ فیصل بورڈ کے دو ارکان کو اس میں تامل ہے۔

---

(۱) اس مسئلے کی تحقیق کتاب «صحیحین سے غیر مقلدین کا انحراف» میں ہے۔ (۱۲ مرتب غفرلہ)

دستخط مندوبین وشرکا

(۱)	عبدالحفیظ عفی عنہ	سرپرست مجلس شرعی وسربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲)	محمد احمد مصباحی	صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ وصدر مجلسِ شرعی
(۳)	محمد نظام الدین رضوی	ناظم مجلس شرعی وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴)	عبدالشکور	شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
(۵)	خواجہ مظفر حسین رضوی	شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد
(۶)	مفتی شبیر حسن رضوی	شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد
(۷)	محمد مطیع الرحمن مضطر	الجامعۃ الرضویہ مغل پورہ پٹنہ سٹی نمبر ۸
(۸)	محمد عنایت احمد نعیمی	صدر المدرسین الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ گونڈہ
(۹)	محمد ادریس بستوی	مہنداول ضلع سنت کبیر نگر یوپی
(۱۰)	نصیر الدین عزیزی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
(۱۱)	محمد عبدالمبین نعمانی قادری	رکن المجمع الاسلامی، ومہتمم دار العلوم قادریہ چریاکوٹ، مئو
(۱۲)	نصر اللہ رضوی	استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، مئو
(۱۳)	محمد ایوب رضوی	مفتی وصدر المدرسین دار العلوم منظر حق، ٹانڈہ، امبیڈکر نگر
(۱۴)	اعجاز احمد عفی عنہ	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۵)	زاہد علی سلامی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶)	محمد اختر کمال قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷)	محمد نسیم مصباحی	استاذ ومفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۸)	قاضی فضل احمد مصباحی	استاذ ومفتی مدرسہ ضیاء العلوم کچی باغ بنارس
(۱۹)	عبدالسلام مصباحی	استاذ مدرسہ انوار العلوم، تلسی پور، گونڈہ
(۲۰)	زین العابدین شمسی	صدر المدرسین امداد العلوم مہٹنا، سدھارتھ نگر
(۲۱)	بدر عالم مصباحی	رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۲۲)	صدر الوریٰ قادری	رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۲۳)	محمد نظام الدین	استاذ علیمیہ جمدا شاہی، بستی، یوپی

(۲۴) نفیس احمد مصباحی	رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۲۵) اختر حسین بستوی	استاذ و مفتی دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی، یوپی
(۲۶) مبارک حسین مصباحی	رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۷) عبدالحق رضوی	رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۸) محمد سلیمان مصباحی	استاذ جامعہ عربیہ، سلطان پور، یوپی
(۲۹) محمد انور نظامی	ناظم مدرسہ فیض النبی لنگھرا، ضلع ہزاری باغ
(۳۰) شمس الہدیٰ عفی عنہ	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۱) محمد ابرار احمد امجدی برکاتی	مفتی مرکز تربیت افتاء اوجھاگنج، بستی
(۳۲) محمود احمد برکاتی	استاذ و مفتی دار العلوم قادریہ نوریہ، قادری نگر، دودھی، ضلع سون بھدر
(۳۳) قاضی فضل رسول مصباحی	استاذ مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، ضلع مہراج گنج
(۳۴) شبیر احمد مصباحی	استاذ مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، ضلع مہراج گنج
(۳۵) شہاب الدین احمد نوری	استاذ و مفتی دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف ضلع سدھارتھ نگر یوپی
(۳۶) عبدالغفار اعظمی	استاذ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو
(۳۷) محمد علی فاروقی	مہتمم مدرسہ اصلاح المسلمین و دار الیتامیٰ رائے پور، چھتیس گڑھ
(۳۸) محمد معین الدین اشرفی مصباحی	استاذ و مفتی دار العلوم بہار شاہ، قندھاری بازار، حسنو کٹرہ، فیض آباد
(۳۹) محمد ناظم علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
(۴۰) نذر محمد	صدر المدرسین دار العلوم ربانیہ، باندہ، یوپی
(۴۱) آل مصطفی مصباحی	رکن مجلس شرعی، واستاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو
(۴۲) ساجد علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۳) دستگیر عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۴) محمد قاسم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۵) جمال مصطفی قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۴۶) اختر حسین فیضی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۷) محمد ربیع الزماں مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۸) مقصود احمد مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۹) غلام نبی	دار الافتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہائر پرچیز (معاملۂ کرایہ فروخت) کا حکم

ہائر اور پرچیز انگریزی زبان کے دو الفاظ ہیں، جن کے معنٰی ہیں کرایہ اور فروخت۔ یہ کاروبار کا ایک جدید طریقہ ہے جو اپنی مجموعی ہیئت کے ساتھ عصر جدید کی ایجادات سے ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ کمپنی کوئی چیز مثلاً رکشہ کسی کو کرایے پر اپنے مقررہ دستور کے تحت اس وضاحت کے ساتھ دیتی ہے کہ کرایہ دار اس کی آخری قسط ادا کرنے کے بعد سامان کا مالک ہو جائے گا۔

اس میں عوام کا فائدہ یہ ہے کہ کما کر تھوڑی تھوڑی رقم کرایے کے نام پر دیتے رہتے ہیں اور آخری قسط ادا کر کے مالک ہو جاتے ہیں۔ اگر یک مشت رقم دے کر خریدنا ہو تو غریب شاید ہی کبھی خرید سکیں۔

اور کمپنی کا فائدہ یہ ہے کہ اگر "کرایہ فروخت" پر لینے والا شخص کرایے کی ادائگی نہ کر سکے، یا ٹال مٹول کرے تو وہ جب چاہے اپنا سامان اس سے واپس لے لے۔ بیچ دینے کی صورت میں یہ آسانی اسے حاصل نہ ہوتی، تو کمپنی نے عوام کی ترغیب اور اپنے سامان کی واپسی یا دام کے حصول پر اطمینان کے لیے "کرایہ فروخت" کے نام سے کاروبار کا یہ نیا طریقہ ایجاد کیا، اور اس کو فروغ بھی ملا۔

شریعت میں اجارہ الگ عقد ہے اور بیع الگ عقد۔ دونوں کبھی ایک ساتھ نہیں پائے جاتے، مگر اس نئے کاروبار میں ایک ہی عقد میں اجارہ پھر بیع کا معاملہ کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہ امر غور طلب ہوا کہ یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس سلسلے میں تین سوالات تنقیح احکام کے لیے پیش کیے گئے تھے جو یہ ہیں۔

(مرتب غفرلہ)

سوال نامہ

(۱)-شرعی نقطہ نظر سے "کرایہ فروخت" کی حقیقت کیا ہے، کیا شریعت میں ایسے کاروبار کی کوئی نظیر موجود ہے جو دو عقدوں کا مجموعہ، مرکب ہو۔

(۲)-اور بہرحال یہ کاروبار شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

(۳)-ناجائز ہو تو اس سے بچنے کے لیے کوئی شرعی حل یا حیلہ ممکن ہے یا نہیں؟

(۴)-بیش قیمت اشیا مثلاً بس، ٹرک، ٹریکٹر وغیرہ کی نقد خریداری میں انکم ٹیکس کا خطرہ ہر آن لاحق رہتا ہے تو اس سے بچنے کے لیے کرایہ فروخت کا طریقہ اختیار کرنا کسی شرط کے ساتھ جائز ہے یا نہیں؟

فیصلہ (۱۷)

(۱) اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ معاملہ ابتداءً اجارہ، انتہاءً بیع ہے۔

اس لیے کہ یہ معاہدہ میں مذکور ہوتا ہے کہ آخری قسط ادا کرنے کے بعد سامان لینے والا مالک ہوجائے گا اور اگر کوئی قسط ادا نہ کرسکا تو سامان بائع کی ملک پر باقی رہے گا اور ادا شدہ قسطیں کرایہ شمار ہوں گی، چوں کہ اجارہ کی حقیقت بیع المنافع بالعوض ہے وہ متحقق ہے کہ سامان لینے والا ایک قسط ادا کرنے کے بعد سامان پاجاتا ہے اور اسے فائدہ اٹھانے کا حق مل جاتا ہے، اور بیع کی حقیقت مبادلۃ المال بالمال ہے وہ آخری قسط ادا کرنے کے بعد متحقق ہوجاتی ہے، اور سامان لینے والے کو ملکیت بھی مل جاتی ہے، اس لیے یہ عقد ابتداءً اجارہ، انتہاءً بیع ہے۔

مفتی محمد مطیع الرحمن مضطر نوری رضوی اس عقد کو صرف بیع مانتے ہیں۔

(۲) اکثر حضرات یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ اجارہ بشرط البیع ہے۔ اس لیے کہ ابتدائے عقد میں ہی تملیکِ منافع بالعوض کے معاہدہ کے ساتھ آخری قسط ادا کردینے کی تقدیر پر بیع کا اور ملک کی منتقلی کا بھی معاہدہ ہوتا ہے۔ صرف تین حضرات (خواجہ مظفر حسین صاحب، مفتی عنایت احمد نعیمی صاحب، مولانا شمس الہدیٰ صاحب) اس کے قائل ہیں کہ ابتداءً بیع کی کوئی شرط نہیں ہوتی ہے، شروع میں صرف اجارہ ہوتا ہے، آخر میں جاکر صرف بیع ہوتی ہے۔ دونوں عقد دو وقتوں میں ہوتے ہیں اور دونوں اپنی اپنی جگہ جائز ہیں، لہذا ایر پر چیز (معاملہ کرایہ فروخت) جائز ہے، جب کہ ان کے علاوہ تمام حضرات (بشمول مفتی مطیع الرحمن صاحب) شرط فاسد کے باعث اس معاملہ کو ناجائز مانتے ہیں۔

شریعت میں اس معاملہ کے جواز کی صورت یہ ہے کہ مسلمان یہ معاملہ غیر مسلم مالیاتی ادارے، یا یہاں کی حکومت کے بینک سے کریں بشرطے کہ سامان لہو ولعب کا نہ ہو بلکہ اس کے کام کا ہو، مثلاً ٹرک، بس، ٹیمپو، رکشا، وغیرہ، اور ساتھ ہی بازار میں جانچ کر کے یہ اطمینان حاصل کرلے کہ کرایہ فروخت پر لیے گئے سامان پر کرایہ، اضافی رقم اور دام کے نام پر جتنے روپے اسے دینے پڑ رہے ہیں اتنے ہی، یا اس سے زیادہ

بازار سے اتنی مدت کے لیے ادھار لینے پر دینے پڑیں گے۔

بس، ٹرک، وغیرہ بیش قیمت اشیا کے نقد لینے پر اگر اسے واقعی انکم ٹیکس دینا پڑے اور کرایہ فروخت کا طریقہ اختیار کرنے پر انکم ٹیکس کے بالمقابل ضرر کم ہو یا مساوی ہو تو یہاں کی حکومت کے بینک سے یا غیر مسلم مالیاتی ادارے سے یہ کاروبار کر سکتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مسلم بینکوں کے لیے کرایہ فروخت کا جائز متبادل یہ ہے کہ سامان کو اجارہ پر دے اور کرایہ فروخت کی صورت میں اسے جو نفع ملتا وہ نفع مع لاگت جوڑ کر مجموعی میزان کو مدت اجارہ پر قسطوں کی شکل میں تقسیم کر دے۔ اس کے لیے وہ دو طرح کا فارم رکھے، ایک اجارہ کا، دوسرا وعدۂ بیع کا۔ عقد اجارہ کا فارم پر کر کے کسٹمر سے دستخط کرا لے پھر وعدۂ بیع کا فارم پر کرے جس میں یہ صراحت ہو کہ کرایہ کی تمام اقساط وصول ہونے پر بینک اپنے کسٹمر کے ہاتھ وہ سامان مثلاً ایک روپیہ میں فروخت کر دے گا۔ یہ "شرعی کرایہ فروخت" کا طریقہ ہے، اس طور پر مسلمانوں کے لیے باہم یہ کاروبار کرنا جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرکاے سیمینار

اکابر

(۱) بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی — شیخ الحدیث جامعہ شمس العلوم، گھوسی
(۲) حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ — سرپرست مجلس شرعی و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳) حضرت علامہ الحاج عبد الشکور عزیزی — شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
(۴) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی — صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵) حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی — شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد
(۶) حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی — شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد۔

وہ حضرات جنھوں نے تحریری طور پر رائے یا مقالہ یا فتویٰ پیش کیا۔

(۷) علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی — شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد
(۸) مفتی محمد نظام الدین رضوی — ناظم مجلس شرعی و صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹) مفتی زین العابدین شمسی — مدرس امداد العلوم مٹہنا، سدھارتھ نگر
(۱۰) مولانا نصر اللہ رضوی — استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، مئو
(۱۱) مولانا عبد الحق رضوی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۲) مولانا آلِ مصطفیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو
(۱۳) مولانا شمس الہدیٰ رضوی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۴) مولانا بدر عالم مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۵) مولانا نفیس احمد مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶) مولانا صدر الوریٰ قادری — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷) مولانا نظام الدین مصباحی — استاذ دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی
(۱۸) مولانا محمد نسیم مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۹) مولانا محمد انور نظامی — ناظم مدرسہ فیض النبی کنگھر، ہزاری باغ

(۲۰) مولانا محمد اختر کمال قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۱) مولانا محمد ناظم علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۲) مولانا شہاب الدین احمد نوری	استاذ و مفتی دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۲۳) مولانا ابرار احمد امجدی	مفتی مرکز تربیت افتاو جھان گنج، بستی
(۲۴) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	استاذ و مفتی مدرسہ ضیاء العلوم، پکی باغ، بنارس
(۲۵) مولانا محمد سلیمان مصباحی	استاذ جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۶) مولانا شبیر احمد مصباحی	استاذ مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۲۷) مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	استاذ مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۲۸) مولانا عبد الغفار اعظمی	استاذ مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو
(۲۹) مولانا اختر حسین بستوی	استاذ و مفتی دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی
(۳۰) مولانا محمود عالم	استاذ و مفتی دار العلوم قادریہ نوریہ، سون بھدر
(۳۱) مولانا ساجد علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
(۳۲) مولانا محمد عالم نوری مصباحی	صدر المدرسین دار العلوم غوث اعظم مسکیڈیہ، ہزاری باغ
(۳۳) مولانا معین الدین اشرفی	استاذ دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۳۴) مولانا جمال مصطفیٰ قادری	استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
(۳۵) مولانا احمد رضا مصباحی	استاذ دار العلوم تنویر الاسلام، امرڈوبھا، سنت کبیر نگر
(۳۶) مولانا غلام نبی مصباحی	شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
(۳۷) مولانا محمد مبین احمد مصباحی	درجۂ تحقیق سال اخیر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۸) مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	درجۂ تحقیق سال اول، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۹) مولانا محمد اشتیاق عالم مصباحی	درجۂ تحقیق سال اول، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۰) مولانا محمد منصور عالم مصباحی	درجۂ تحقیق سال اخیر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۱) مولانا محمد کلیم احمد مصباحی	درجۂ تحقیق سال اخیر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۲) مولانا محمد آفاق عالم	درجۂ تحقیق سال اخیر، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بقیہ شرکائے سیمینار جن کے مقالے موصول نہ ہوئے۔

(۴۳) مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن مضطر رضوی	شیخ الحدیث و مفتی جامعہ حضرت بلال، بنگلور، کرناٹک

(۴۴) مولانا محمد عبد المبین نعمانی — رکن المجمع الاسلامی و مہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ، مئو
(۴۵) مولانا محمد ادریس بستوی — نائب ناظم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۶) مولانا اسرار احمد مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۷) مولانا اعجاز احمد مبارک پوری — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۸) مولانا نصیر الدین عزیزی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۹) مولانا مفتی محمد عنایت احمد نعیمی — صدر المدرسین الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، گونڈہ
(۵۰) مولانا مفتی نذر محمد قادری — صدر المدرسین دار العلوم ربانیہ، باندہ
(۵۱) مولانا محمد ایوب رضوی — مفتی و صدر المدرسین دار العلوم منظر حق، ٹانڈہ، امبیڈکر نگر
(۵۲) مولانا مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی — استاذ دار العلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا، گونڈہ
(۵۳) مولانا مبارک حسین مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ و چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۴) مولانا مفتی عبد السلام مصباحی — استاذ مدرسہ انوار العلوم، تلشی پور، گونڈہ

اساتذۂ جامعہ اشرفیہ شرکاے سیمینار علاوہ مذکورین

(۵۵) مولانا احمد رضا مصباحی
(۵۶) مولانا قاری نور الحق مصباحی
(۵۷) مولانا زاہد علی سلامی
(۵۸) مولانا اختر حسین فیضی
(۵۹) مولانا غلام جیلانی مصباحی
(۶۰) مولانا دستگیر عالم مصباحی
(۶۱) مولانا عبد الصمد مصباحی
(۶۲) مولانا مقصود احمد مصباحی
(۶۳) مولانا محمد عرفان عالم مصباحی
(۶۴) مولانا رفیع الزماں مصباحی
(۶۵) مولانا خواجہ آصف رضا مصباحی
(۶۶) مولانا محمد قاسم مصباحی ادروی
(۶۷) مولانا حسیب اختر مصباحی
(۶۸) مولانا معین الدین مصباحی
(۶۹) مولانا رفیع القدر مصباحی
(۷۰) قاری جلال الدین مصباحی
(۷۱) قاری شرف الدین مصباحی
(۷۲) مولانا محمد کاظم مصباحی
(۷۳) ماسٹر افضال احمد۔

دیگر شرکاے سیمینار

(۷۴) مولانا ڈاکٹر محب الحق قادری — دار الشفا، گھوسی، مئو

(۷۵)مظفر حسنین رومی (بی کام) — محلہ نظام پور، شہر گورکھپور
(۷۶)مولانا نیاز احمد نعیمی — شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۷)مولانا انور حسین مصباحی — شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۸)مولانا شریف الحسن مصباحی — شعبۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۹) مولانا محمود علی مشاہدی — شعبۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۰)مولانا محمد جابر خاں مصباحی — شعبۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۱) مولانا محمد آصف، حیدر آباد — شعبۂ مشق فتویٰ نویسی، جامعہ اشرفیہ

بقیہ مقالہ نگار جو کسی عذر کے باعث سیمینار میں شریک نہیں ہو سکے۔

(۸۲)مفتی محمد مجیب الاسلام نسیم اعظمی — ادری، ضلع مئو
(۸۳)علامہ عبد الحکیم شرف قادری — لاہور، پاکستان
(۸۴)مفتی محمد ایوب خان نعیمی — شیخ الحدیث، جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
(۸۵)مفتی محمد ظل الرحمٰن — صدر المدرسین دار العلوم خیریہ نظامیہ، سہسرام
(۸۶)مفتی شیر محمد خاں رضوی — شیخ الحدیث دار العلوم اسحاقیہ، جودھپور، راجستھان
(۸۷) مفتی شمس الدین رضوی — شیخ الحدیث مدرسہ اشرفیہ مسعود العلوم، چھوٹی تکیہ، بہرائچ
(۸۸)مفتی شفیق احمد شریفی — صدر المدرسین دار العلوم غریب نواز، الہ آباد
(۸۹)مفتی احمد القادری — دار العلوم عزیزیہ ڈیلس، امریکہ
(۹۰) مولانا مسعود احمد برکاتی — دار العلوم عزیزیہ، ڈیلس، امریکہ۔

☆☆☆☆☆

گیارہواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۸/۱۹/۲۰/ جمادی الاولی ۱۴۲۶ھ
مطابق ۲۹/۳۰/۳۱/ جولائی ۲۰۰۵ء
بروز جمعہ، شنبہ، یک شنبہ
بمقام: سید عاشق شاہ بخاری مسجد، پالا گلی چارنل ڈونگری
ممبئی، مہاراشٹر

چھت سے سعی وطواف

سوال نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم حامداً و مصلیا و مسلّما

موسمِ حج میں بے پناہ بھیڑ کی وجہ سے صفا و مروہ کے درمیان فرشِ زمین پر سعی دشوار سے دشوار تر ہوتی جارہی ہے، اس لیے کثیر حجاج مسعیٰ کی چھت سے سعی کرتے ہیں، اور بہت سے حجاج تو عام حالات میں بھی چھت سے سعی کرتے نظر آتے ہیں۔ چوں کہ سلف وخلف کے زمانے میں ایسا کبھی نہ ہوا؛ اس لیے حج کے ایام میں عوام وخواص کے درمیان یہ سوال گردش کرتا رہتا ہے کہ چھت سے سعی درست ہے یا نہیں؟ اس کی تنقیح کے لیے بنیادی طور پر یہ سوال حل طلب تھا کہ:

"بین الصفا والمروۃ" کا مفہوم کیا ہے۔ شرعی نقطۂ نظر سے مسعیٰ (سعی کی جگہ) کیا ہے؟ اور چھت سے سعی فی الواقع صفا و مروہ کے درمیان سعی ہے یا ان کے اوپر؟

اس ضمن میں ایک دوسرا سوال یہ بھی تھا کہ:

مسجدِ حرام کی چھت سے طوافِ کعبہ کا کیا حکم ہے؟

فیصلہ (۱۸)

نکات بحث: بین الصفا والمروۃ کا مفہوم اور مسعیٰ کی تعیین۔

بین الصفا والمروہ کا معنی بلحاظ اجزاے ترکیبی: صفا و مروہ کی حقیقی بلندی (زمین سے چوٹی تک) کا درمیانی حصہ۔

بین الصفا والمروہ کا معنی اجمالی حقیقی: صفا و مروہ کے درمیان [1] کی فضا خواہ حقیقی صفا و مروہ سے نیچے ہو یا اوپر آسمان تک سب اس معنی کے لحاظ سے بین الصفا والمروہ ہے اور وہ سب مسعیٰ ہے۔

مسعیٰ کی چھت سے سعی: مسلمانوں کو چاہیے کہ اس طریقہ سے قریب تر رہیں جو رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے، ظاہر ہے کہ عہد رسالت میں سعی زمین پر ہی ہوتی تھی، کسی چھت پر نہیں؛ اس لیے جہاں تک گنجائش ملے زمین سے سعی کی پابندی کی جائے۔ ورنہ بلا وجہ طریقۂ سنت کے خلاف عمل ہو گا۔ ہاں! ازدحام یا ساعی کے مرض و ضعف کی حالت میں چھت سے سعی بلا کراہت درست ہے۔

چھت سے طواف: اگر مسجد حرام کی چھت سے کعبۂ مقدسہ کا طواف ہو تو فرض طواف ادا ہو جائے گا جب کہ درمیان میں دیوار وغیرہ حاجب نہ ہو۔ لیکن اگر نیچے مطاف میں گنجائش ہے تو چھت سے طواف مکروہ ہے۔ اس لیے کہ اس صورت میں بلا ضرورت مسجد کی چھت پر چڑھنا اور چلنا پایا جاتا ہے جو مکروہ ہے۔ ساتھ ہی اس حالت میں طواف، کعبہ سے قریب تر ہونے کے بجائے بہت دور ہو رہا ہے اور بلا وجہ اپنے کو سخت مشقت اور تکان میں ڈالنا بھی ہوتا ہے جب کہ قریب تر مقام سے طواف کرنا افضل ہے اور بلا وجہ اپنے کو مشقت میں ڈالنا منع ــ ہاں اگر نیچے گنجائش نہ ہو یا گنجائش ہونے تک انتظار سے کوئی مانع ہو تو چھت سے طواف بلا کراہت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

---

(۱)۔ "درمیان" سے مراد وہ جگہ ہے جہاں حضور سید عالم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم عبادت کی نیت سے مخصوص طریقے پر چلے، اور وہی مسعیٰ بھی ہے، یہ جگہ لمبائی میں صفا سے مروہ تک ہے اور چوڑائی میں وہ حد ہے جو پرانے مسعیٰ میں ایک دیوار سے دوسری دیوار تک ہے۔ عہد رسالت سے حج ۲۰۰۷ء تک ساری دنیا کے مسلمان اسی حد میں رہ کر سعی کرتے تھے، اس کی تحقیق صحیفۂ مجلس شرعی جلد ۴ میں ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ۔

بیمہ وغیرہ میں ورثہ کی نام زدگی کی شرعی حیثیت

نام زدگی: لائف انشورنس، فکس ڈپوزٹ اور بینک وڈاک خانے کی مختلف اسکیموں میں روپے جمع کرنے کے لیے جو فارم پُر کیے جاتے ہیں ان میں ایک خانہ "نام زدگی" کا بھی ہوتا ہے۔ اس خانے میں ایک یا کئی وارثین کے نام لکھنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ اس میں یہ فائدہ ملحوظ ہے کہ مورث کی وفات کے بعد آسانی کے ساتھ جمع شدہ رقم وصول ہو جائے، اور کورٹ میں جانے کی حاجت نہ پیش آئے۔ مگر کچھ نام زد حریص وارثوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ جتانا شروع کر دیا کہ صرف وہی اپنے مورث کے جمع کردہ سرمائے کے حق دار ہیں، دوسرے وارثوں کا اس میں کوئی حق و حصہ نہیں اس کی وضاحت کے لیے بنیادی طور پر اس امر کی تنقیح ضروری ہوئی کہ نام زدگی کی شرعی حیثیت کیا ہے۔ یعنی یہ وصیت ہے یا وصایت؟ وصایت ایک ایسا عقد ہے جس میں نام زد شخص کھاتہ دار کی وفات کے بعد اس کا قائم مقام اور وکیل ہو جاتا ہے اور اس کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ جمع شدہ روپے وصول کر کے اس کے حق داروں میں انصاف کے ساتھ تقسیم کر دے۔

اور وصیت کا مطلب یہ ہے کہ نام زد شخص کھاتے دار کی طرف سے اس کی وفات کے بعد جمع شدہ رقم کا مالک بنا دیا گیا، مگر شریعت کی طرف سے بھی وہ مالک ہے یا نہیں؟ اسے قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۱۹)

(۱) بیمۂ زندگی، فکس ڈپوزٹ اور بینک، ڈاک خانے کی مختلف اسکیموں میں روپے جمع کرنے کے لیے جو فارم پُر کیے جاتے ہیں ان میں ایک خانہ اس شخص کی نام زدگی کا ہوتا ہے جسے روپے جمع کرنے والے کی موت کی صورت میں اصل رقم مع منافع وصول کرنے کا حق ہو، اس پر یہ بحث ہوئی کہ اس نام زدگی کی شرعی حیثیت کیا ہے، یہ وصایت ہے، یا وصیت، یا کچھ اور؟

بحث و تمحیص کے بعد مجلس کا اس پر اتفاق ہے کہ صورت مذکورہ وصایت ہے جس میں نام زد شخص کی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ رقم وصول کر کے شرعی قانون کے مطابق ورثہ کے درمیان تقسیم کر دے۔

نام زدگی کی ایک صورت سرکاری ملازمین کی جانب سے ہوتی ہے جس میں صاحب رقم اپنے تمام ورثہ اور ان کے حصوں کی تعیین کرتا ہے کیا یہ صورت بھی وِصایت کی ہے، یا یہ وصیت بالتملیک ہے؟

مندوبین نے اس خاص صورت سے متعلق وصیت بالتملیک ہونے پر اتفاق کیا۔

(۲) دوسرا مبحث یہ تھا کہ یہ وِصایت، یا وصیت جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں اس پر اتفاق ہوا کہ وصایت والی صورت جائز ہے۔ اور وصیت بالتملیک سے متعلق درج ذیل تفصیل ہے:

[الف] اگر مورث نے اپنے تمام ورثہ کو نام زد کر دیا اور ان کے حصے بھی وہی متعین کیے جو مورث کی موت کے بعد قانونِ میراث میں ان ورثہ کے لیے ہونا چاہیے پھر ان ورثہ میں نہ کوئی اضافہ ہوا نہ کوئی کمی ہوئی تو حکم ظاہر ہے کہ رفع نزاع کے لیے ایسا کرنا جائز و درست ہے۔ اب مورث کی نام زدگی اور تعیین حصص کا لحاظ کیا جائے خواہ قانونِ وراثت کا، دونوں حال میں ورثہ کو وہی حصص ملیں گے۔

[ب] ہاں! اگر حصوں کی تعیین میں غلطی کی یا ان میں کسی وارث کا اضافہ ہوا، یا کمی ہوئی جس کے باعث شرعاً موجود ورثہ کے حصے کم و بیش ہو گئے تو موتِ مورث کے وقت جو ورثہ ہیں، شرعی قانونِ میراث کے مطابق ان کا جو

حصہ ہونا چاہیے وہی انھیں دیا جائے اور کسی کی کوئی حق تلفی نہ کی جائے، نہ ہی کسی کو اس کے حق سے زیادہ دیا جائے، ہاں! جس کا حق کم ہو رہا ہے یا ختم ہو رہا ہے اور وہ عاقل، بالغ ہے وہ اگر اس پر رضامند ہو اور مورث نے جو تعیین کر دی اسے نافذ کر دے تو اس کی وصیت نافذ ہو جائے گی ورنہ اصل یہ ہے کہ وارث کے لیے وصیت جائز نہیں۔

[ج] لیکن ان ورثہ میں کوئی نابالغ ہے اور اس کے حق میں کوئی کمی ہو رہی ہے تو نابالغ کو اپنا حق چھوڑنے کا اختیار نہیں۔ شرعی قانونِ وراثت کے مطابق اسے اس کا پورا حق دیا جائے اور جو بھی اس کا سرپرست ہو وہ اس کے حصے کی نگہ داشت کرے۔

(۳) تیسرا سوال یہ تھا کہ نام زدگی سے روکا جائے یا کچھ ہدایات کے ساتھ جاری رکھا جائے؟ اس کے جواب میں یہ طے ہوا کہ وصایت اور کسی بھی وصول کنندہ کی نام زدگی بینک وغیرہ کے قوانین کے باعث ایک "حاجت" بن چکی ہے۔ اس لیے صاحب رقم کی موت کے بعد وصول کرنے کا حق دار کون ہوگا؟ اس کی نامزدگی جائز اور مناسب ہے اور یہ تملیک نہیں، بلکہ توکیل ہے اور وصی و وکیل کی ذمہ داری ہے کہ رقم وصول کر کے شرعی قانون کے مطابق ورثہ میں تقسیم کر دے یا ان کے سپرد کر دے تاکہ وہ اپنے درمیان شرعی حکم کے مطابق صحیح طور پر تقسیم کر لیں۔

البتہ تمام ورثہ کی تعیین اور وصیت بالتملیک والی صورت میں حصوں کی تعیین نہ کی جائے کہ تعیین حصص میں غلطی ہو، یا ورثہ کی تعداد میں کمی بیشی کی وجہ سے کوئی نزاعی صورت پیدا ہو یا وصیت کو رد اور بے کار قرار دینے کی نوبت آئے۔ بلکہ مورث حصوں کی تعیین کے بجائے یہ درج کرے کہ تا دم تحریر میرے ورثہ فلاں فلاں ہیں اور ان سے میرے رشتہ کی تفصیل یہ ہے:

میری موت کے وقت تک ان میں کمی یا زیادتی ممکن ہے۔ بہر صورت میری موت کے وقت شرعاً جو بھی میرے ورثہ ہوں، انھیں شرعی قانون وراثت کے مطابق حصہ دیا جائے اور کسی کی کوئی حق تلفی ہرگز نہ کی جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فقدان زوج کی مختلف صورتوں کے احکام

سوال نامہ

اس مسئلے کے تعلق سے یہ چند سوالات زیر غور تھے:

(۱)- ہمارے فقہائے اہل سنت نے ضرورتِ شرعی کی بنیاد پر مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدول کر کے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو مذہب اختیار کیا ہے کہ: "مفقود الخبر کی بیوی قاضی کی مقرر کردہ میعاد (چار سال) تک شوہر کا انتظار کر کے کچھ مراحل سے گزرنے کے بعد نکاح کرلے"، کیا وہ صرف غیر زمانہ وبا میں بلادِ اسلام میں لاپتہ شوہر کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے، یا فقدان زوج کی پانچوں صورتوں (۱) کو عام ہے؟

(۲)- عدمِ عموم کی صورت میں قابلِ غور امر یہ ہے کہ جس ضرورت شرعی کی بنیاد پر مذہب مالکی کی شکل اول کو اختیار کیا جاتا ہے کیا اسی طرح کی شرعی ضرورت کی بنیاد پر مذہب مالکی کی بقیہ چار شکلوں کو اختیار کرنا جائز ہو سکتا ہے؟

(۳)- ہمارے اکابر فقہا یہ حکم دیتے ہیں کہ قاضی کی مقرر کردہ چار سال کی میعاد گزر جانے کے بعد مفقود الخبر کی زوجہ دوبارہ قاضی شرع کے یہاں استغاثہ کرے، وہ تحقیق حال کے بعد اس کے شوہر کی موت کا حکم صادر کرے پھر یہ عدت وفات گزارے، حالاں کہ مذہب مالکی میں دوبارہ استغاثہ، پھر حکم موت صادر کرنے کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ بلکہ مدوّنہ جلد: ۲، ص: ۹۳، میں اس کے برخلاف صراحت ہے، تو عرض یہ ہے کہ ہمارے فقہا کے یہ ارشادات محض استحبابی واستحسانی ہیں یا شروط لازمہ کے درجے میں ہیں؟ اگر فقدان زوج کی پانچویں صورت بھی بوجہ ضرورت شرعیہ اختیار کی جائے تو کیا یہاں بھی دوبارہ قاضی کے یہاں استغاثہ پھر اس کے فیصلۂ موت کی حاجت ہوگی یا مذہب مالکی کے مطابق ایک سال کے بعد عورت کو عدتِ وفات گزار کر نکاح کرنے کی اجازت ہوگی؟

(۴)- پہلی صورت میں چار سال اور آخری صورت میں ایک سال کی مدت مقرر ہونے کے بعد قاضی شرع مفقود الخبر کی تفتیش کرے گا، یا عورت اور اس کے اولیا؟ نیز تفتیش کا طریقہ کیا ہوگا؟ (مرتب غفرلہ)

---

(۱)- "پانچوں صورتوں" کا ذکر اگلے صفحات میں آرہا ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

فیصلہ (۲۰)

شوہر لاپتہ ہو جائے اور کسی طرح یہ بھی معلوم نہ ہو سکے کہ وہ زندہ ہے، یا مر گیا۔ اس صورت کو فقدانِ زوج اور ایسے شوہر کو مفقود الخبر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر کسی عورت پر یہ افتاد آجائے اور وہ تنہائی اور بے کسی کی زندگی گزارنے پر صبر نہ کر سکے تو اس کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

(مرتب غفرلہ)

امام مالک کے یہاں زوج مفقود الخبر کی پانچ صورتیں اور ان کے جداگانہ احکام ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) شوہر بلاد اسلام میں غیر زمانۂ وبا میں مفقود ہوا:

اس میں عورت کو قاضی کے یہاں استغاثہ کرنا ہے۔ وہ اس کے بعد ۴ رسال انتظار کی مہلت دے گا، اور حال معلوم نہ ہونے پر نکاح فسخ ہوگا اور عورت عدت وفات گزار کر کسی اور سے نکاح کر سکے گی۔

(۲) بلاد اسلام میں زمانۂ وبا میں مفقود ہوا:

اس کا حکم امام مالک کے یہاں یہ ہے کہ وبا ختم ہوتے ہی عورت عدت وفات گزارے پھر نکاح کر لے۔

(۳) مسلمانوں کی باہمی خون ریزی میں شریک ہوا، پھر پتہ نہ چلا:

اس صورت کا حکم ان کے یہاں یہ ہے کہ جنگ بند ہونے کے روز سے عدت وفات گزارے، اس کے بعد نکاح کر لے۔

(۴) بلاد کفر میں لاپتہ ہوا:

ان کے یہاں اس صورت کا حکم یہ ہے کہ عورت شوہر کی عمر ستر سال ہونے کا انتظار کرے جب کہ شوہر کے مال سے اس کے لیے نفقہ کا انتظام ہو۔

(۵) مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ ہوئی، اس میں شریک ہوا، پھر پتہ نہ چلا:

اس صورت کا حکم یہ ہے کہ قاضی کے یہاں عرض حال کر کے نکاح کی اجازت طلب کرے، وہ اسے ایک سال کی مہلت دے، اگر اس درمیان میں شوہر کا پتہ نہ چلے تو یہ عدت وفات گزار کر نکاح کر لے۔

اس پر سوال یہ تھا کہ ہمارے فقہاے کرام نے ضرورت شرعی کی بنیاد پر مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدول کر کے امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو مذہب اختیار کیا ہے کہ: "مفقود الخبر کی بیوی قاضی کی مقرر کردہ میعاد چار سال تک شوہر کا انتظار کر کے کچھ مراحل سے گزرنے کے بعد نکاح کرے۔" کیا وہ صرف غیر زمانۂ وبا میں بلادِ اسلام میں لاپتہ شوہر کے ساتھ خاص ہے جیسا کہ یہی ظاہر ہے، یا فقدان زوج کی پانچوں صورتوں کو عام ہے؟

اس سوال کے جواب میں یہ طے ہوا کہ مفقود کی یہ تقسیم اور اقسام کے الگ الگ احکام صرف مذہب امام مالک میں ہیں۔ حنفیہ کے یہاں یہ تقسیم وتفصیل نہیں، بلکہ جملہ اقسامِ مفقود کے لیے انقراضِ اقران اور شوہر کے وقتِ ولادت سے ستر سال تک انتظار کا حکم ہے۔

اور ضرورت کی حالت میں ہمارے فقہا نے امام مالک کے مذہب میں مذکور پہلی صورت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اسی صورت سے ہر قسم کے مفقود کی زوجہ کا حل نکل آتا ہے۔ اس لیے مفقود کسی قسم کا ہو عدول اسی صورت کی جانب ہوگا۔

تو حکم یہ ہے کہ مفقود الخبر کسی قسم کا ہو اس کی زوجہ اگر صبر نہیں کر سکتی تو قاضی کے یہاں استغاثہ کرے گی، قاضی صدق دعویٰ ثابت ہونے کے بعد عورت کو چار سال کی مہلت دے گا اور اس مدت میں تحقیق وتفتیش کرے گا، موت وزیست کچھ معلوم نہ ہونے پر عورت پھر قاضی سے رجوع کرے گی اور وہ موتِ زوج کا حکم دے گا پھر عورت عدت وفات گزار کر کسی اور شخص سے نکاح کر سکے گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فسخ نکاح بوجہ تعسُّر نفقہ

شوہر، بیوی کی خوراک، پوشاک دینے سے بالکل عاجز و مجبور ہو تو اسے تعسُّرِ نفقہ کہتے ہیں، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چالاک شخص فرضی کاروبار ظاہر کر کے نکاح کر لیتا ہے، حالاں کہ اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا، یا شروع میں کچھ ہوتا ہے اور بعد میں وہ بالکل مفلوک الحال ہو جاتا ہے۔

یا شوہر لاپتہ ہو گیا اور گھر پر عورت کے گزارے کے لیے کچھ بھی نہیں، اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ شوہر موجود ہے اور خوش حال بھی ہے مگر بے رحم ہے، معمولی بات پر عورت کو یہ سزا دیتا ہے کہ اسے نان و نفقہ اور دوسرے حقوقِ زوجیت سے محروم کر دیتا ہے اور طلاق بھی نہیں دیتا کہ وہ آزاد ہو کر اپنا کچھ انتظام کر سکے۔ وہ ہر طرف سے مجبور ہو کر دار الافتا کا سہارا لیتی ہے کہ اس مصیبت سے رہائی کی کوئی سبیل بتائی جائے۔ وہاں سے محروم واپس ہوتی ہے تو کورٹ کا دروازہ کھٹکھٹاتی ہے۔ اس طرح کے کثیر مقدمات کچہریوں میں پڑے ہوئے ہیں اور وہاں سے جو فیصلے صادر ہوتے ہیں ان کا حال کسی پر مخفی نہیں۔ اس طرح کے سنگین امور پر توجہ دینا وقت کا ایک اہم مسئلہ تھا۔ اس لیے علمائے کرام نے اجتماعی طور پر غور و فکر کر کے اس باب میں درج ذیل فیصلے صادر فرمائے۔ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۲۱)

سوال: شوہر غربت و افلاس کے باعث نفقہ کے انتظام سے عاجز ہو، اور عورت ضرر سہنے کے لیے آمادہ نہ ہو تو کیا اسے بوجہ حاجت دائمہ یہ اجازت ہے کہ حنفی قاضی کے یہاں درخواست دے اور قاضی بعد تحقیق اس کا نکاح فسخ کر دے؟

جواب: اصل مذہب حنفی تو یہی ہے کہ تعسُّر نفقہ کی بنیاد پر نکاح فسخ نہیں ہوتا اور قاضی کو تفریق کا حق نہیں، لیکن دفعِ ضرر کے لیے عصر حاضر میں عورت کو یہ اجازت ہے کہ قاضی حنفی کے یہاں اپنی مصیبت و پریشانی سے رہائی کے لیے درخواست دے، لیکن قاضی فوراً فسخِ نکاح کا فیصلہ نہ صادر کر دے بلکہ حسب ذیل تدریجی کارروائی کرے۔

(الف) پہلے تحقیق کرے کہ عورت واقعی تعسرِ نفقہ کے صبر آزما حالات سے مسلسل دوچار ہے یا نہیں؟ اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ واقعہ اس کے برخلاف ہے، یعنی اسے تعسُّرِ نفقہ کی دشواری عارضی طور پر پیش آگئی ہے، حاجت دائمہ کی صورت نہیں ہے، یا تعسرِ نفقہ کا سرے سے کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے، بلکہ کسی اور وجہ سے دونوں کے درمیان رنجش پیدا ہو گئی ہے تو قاضی دونوں کی شکایتیں دور کر کے صلح کرا دے اور دونوں کو ترغیب و ترہیب کے ذریعہ ایک دوسرے کے حقوق کی حفاظت کرنے کی ہدایت دے کر مقدمہ ختم کر دے۔

(ب) اور اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو جائے کہ عورت مسلسل تعسُّرِ نفقہ کے آزار میں مبتلا ہے اور شوہر کی حالت جوں کی توں بنی ہوئی ہے یعنی محتاج ہے اور بیوی کے حق میں حاجت دائمہ متحقق ہے تو شوہر کو حکم دے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد کر دے تاکہ اس کی وجہ سے وہ پوری زندگی مصیبت کے بھنور میں نہ پھنسی رہے۔ ارشاد باری ہے:

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ۔(۱)

(۱)۔ قرآن مجید، سورۃ البقرۃ، آیت: ۲۳۱

اور اگر شوہر نرمی سے طلاق نہ دے تو اس کے ساتھ سختی کرے۔ پھر بھی نہ مانے تو اس کے بائیکاٹ کا فرمان جاری کردے، تاکہ معاشرتی دباؤ سے تنگ آکر اصلاح پذیر ہو۔

(ج) لیکن اگر شوہر کسی طرح بھی طلاق دینے پر آمادہ نہ ہو اور انکار و سرکشی پر قائم رہے تو موجودہ حالات میں اب فسخ نکاح سے چارہ نہیں۔ اگر اس علاقہ میں سنی صحیح العقیدہ شافعی قاضی موجود ہوں جیسے کیرالا وغیرہ کے علاقے، تو مستحسن یہ ہے کہ حنفی قاضی یہ مقدمہ شافعی قاضی کے یہاں منتقل کردے اور شافعی قاضی ضروری کارروائی کے بعد نکاح فسخ کر کے حنفی قاضی کے یہاں بھیج دے، حنفی قاضی بعد ملاحظۂ فیصلہ اسے نافذ کر دے، ساتھ ہی واضح کردے کہ مستغیثہ عدت گزار کر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہے۔

(د) اور اگر اس علاقہ میں سنی صحیح العقیدہ شافعی قاضی موجود نہ ہوں جیسا کہ عامۂ دیار ہندو پاک وغیرہ کا یہی حال ہے تو حرج عظیم و ضرر شدید کے ازالہ کے لیے اجازت ہے کہ اب حنفی قاضی براہ راست یہ نکاح فسخ کر دے جیسا کہ ہمارے اکابر اہل سنت نے مفقود الخبر کے باب میں یہی موقف اپنایا کہ مالکی قاضی نہ ملنے کی وجہ سے حنفی قاضی کو براہ راست فسخ نکاح کی اجازت دی، اور آج تمام اہل سنت کا اسی پر عمل درآمد ہے۔

شوہر غربت و افلاس کا شکار نہیں مگر عورت نفقہ سے محروم ہے، اس کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) شوہر مفقود الخبر ہے یعنی ایسا لاپتہ ہے کہ اس کی موت و حیات کا بھی سراغ نہ مل سکے، ساتھ ہی وہ نقد و جنس بھی مفقود ہو جس سے عورت کا کام چل سکے۔

(۲) شوہر غائب ہو اور یہ معلوم نہ ہو کہ کہاں ہے؟ کب آئے گا؟ ہاں! یہ معلوم ہو کہ وہ زندہ ہے خواہ کہیں بھی ہو۔ اس کو فقہ کی اصطلاح میں "غیبتِ منقطعہ" کہتے ہیں۔

(۳) شوہر غائب ہو مگر "غیبتِ منقطعہ" نہ ہو یعنی معلوم ہے کہ فلاں جگہ ہے مگر آتا نہیں، اور نہ ہی کسی طرح اس سے نفقہ حاصل ہو پاتا ہے۔

(۴) شوہر موجود ہے مگر اس نے بیوی کو مُعلَّقہ بنا دیا ہے، نہ طلاق دے کر اسے آزاد کرتا ہے، نہ ہی اس کے حقوق (نان و نفقہ وغیرہ) ادا کرتا ہے۔

ظاہر ہے کہ ان صورتوں میں عورت جہاں نان و نفقہ سے محروم ہے وہیں حقوق زوجیت سے بھی محروم ہے۔ جس کے باعث اس زمانہ میں اکثر یا کثیر عورتوں کے مبتلائے گناہ ہونے کا عظیم خطرہ درپیش ہے۔ یہ خود ایک سخت ضرر اور حرج ہے۔

احکام

(۱) شوہر مفقود الخبر ہو جس کے باعث تعذّرِ نفقہ کی صورت در پیش ہو گئی، اس کا حکم امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ ہے کہ فسخ نکاح جائز ہے اور یہی امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا بھی ایک قول ہے جسے کثیر فقہائے شافعیہ نے اختیار فرمایا۔

فقہ مالکی کی معتمد کتاب "مختصر العلامۃ خلیل" اور اس کی شرح "مِنَح الجلیل" (ج:۴ص:۲۰۳) میں یہ مضمون ہے کہ اگر مفقود نے گھر پر اتنا مال چھوڑا ہے جس سے بیوی اپنے نان و نفقہ کا انتظام کرتی رہے، ساتھ ہی غلبۂ شہوت کے باعث گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو تو قاضی زوجہ کی طلب پر اسے چار سال تک شوہر کے انتظار کی مہلت دے گا۔ اور اگر اس کے لیے شوہر کے مال سے نفقہ کا انتظام نہ ہو تو عدم نفقہ کے باعث قاضی بعد تحقیق واقعی اس کا نکاح فوراً فسخ کر دے گا۔ یوں ہی اگر عورت کو غلبۂ شہوت کے باعث گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو تو بھی قاضی اس کا نکاح کوئی میعاد مقرر کیے بغیر فسخ کر دے گا۔

علمائے حنفیہ نے زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں امام مالک کی جو تقلید فرمائی ہے اور عورت کے لیے چار سال کی مدت مقرر فرمائی ہے وہ انھیں شرطوں کے التزام کے ساتھ ہے۔ جب بوجہ ضرورت شرعی اپنے مذہب سے عدول کر کے چار سال کی تاجیل جائز ہے تو عدم نفقہ و خوف گناہ کی صورت میں اسی طرح کی ضرورت شرعی کی بنا پر اب بلا تاجیل بھی فسخِ نکاح کی اجازت ہے۔

(۲) غیبتِ منقطعہ اور معدومیتِ نفقہ کی صورت میں شیخ الاسلام (۱) نے یہ بیان فرمایا کہ جس قاضی کے مذہب میں عجز عن النفقہ کے سبب فسخ نکاح جائز ہو، حنفی قاضی اس کے یہاں مقدمہ منتقل کرے اور وہ دوسرا قاضی نکاح فسخ کر دے تو نکاح فسخ ہو جائے گا۔ (۲)

(۳) غیبتِ غیر منقطعہ کی صورت میں جب حصول نفقہ متعذر ہو جائے تو وہ بھی غیبت منقطعہ کی طرح ہے، اس لیے اس میں بھی غیبتِ منقطعہ کا حکم ہے۔ اس کے قائل فقہ حنفی کے جلیل القدر ائمہ و فقہا ہیں۔

(۴) پہلے اپنے مذہب کے دائرہ میں رہتے ہوئے کچھ موثر تدبیریں اپنائی جائیں۔ وہ بے اثر ہو جائیں تو کسی حنفی قاضی کے یہاں مقدمہ پیش کرے، وہ بعد تحقیق فسخ نکاح کا فیصلہ کر دے۔

---

(۱) شیخ الاسلام احمد بن محمد بن صاعد استوائی، ابو منصور قاضی القضاۃ و رئیس نیشاپور، ولادت: ۴۱۰ھ، وفات: شعبان ۴۸۲ھ۔ آپ کے حالات سیر النبلا، مرآۃ الجنان، کتائب اعلام الاخیار اور فوائد بہیہ میں ہیں۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

(۲) الفتاوی الهندیة، الفصل الاول فی نفقة الزوجة من الباب السابع عشر، ص: ۵۵۰، ۵۵۱، پاکستان۔

پہلی، دوسری، تیسری صورتوں میں بھی حکم یہی ہے کہ پہلے دفع ضرر کی تدابیر اپنے مذہب کے دائرے میں رہ کر اختیار کی جائیں، وہ بے اثر ہو جائیں تو آخری مرحلے میں ناچار فسخِ نکاح کے فیصلہ کی بھی گنجائش ہے۔

تدابیر یہ ہیں:

پہلے عورت کو صبر و شکر اور خوفِ خدا کی تلقین کریں، روزے رکھنے کی ہدایت دیں، ساتھ ہی اس کے گھر والوں اور کچھ اہل خیر کو اس کے نفقہ کے انتظام کی ترغیب دیں۔ دنیا ارباب خیر سے خالی نہیں، گھر کے لوگ کچھ نہ کچھ انتظام کرتے ہی ہیں۔ اور اب بھی ہزارہا خواتین صابرہ، شاکرہ، خائفہ، خاشعہ پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے یہ انھیں میں سے ہو اور تلقین قبول کرلے۔ پھر اگر عورت دوبارہ استغاثہ کرے تو بھی ہدایت و تلقین دے کر قاضی اسے واپس کردے لیکن اگر اس کے بعد بھی عورت استغاثہ کرے اور اس کی عمر، حالت، عادت (چال چلن) کے پیشِ نظر یہ ظن غالب ہو کہ وہ حدودُ اللہ سے تجاوز کر سکتی ہے، یا نفقہ کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے مسلسل اذیت سے دوچار ہے، یا دونوں ہی باتیں جمع ہیں تو اب مذہب حنبلی پر فتویٰ و قضا کی اجازت ہوگی۔

جو عورت مبتلائے آفات ہو چکی اس کی گلوخلاصی کی تدبیر فتاوی رضویہ جلد خامس میں متعدد مقامات پر یہ بتائی گئی ہے کہ عورت حاکم اسلام کے یہاں استغاثہ کرے وہ شوہر کو اس بات پر مجبور کرے کہ اپنی بیوی کو نفقہ دے، وظیفۂ زوجیت ادا کرے، ورنہ طلاق دے، اگر نہ مانے تو قید کرے، اس پر بھی نہ مانے تو مارے یہاں تک کہ وہ دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرلے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے زمانے میں رام پور وغیرہ بلادِ اسلامیہ (ریاستِ اسلامیہ) میں ایسے بااقتدار حکّام تھے جو اس طرح کی مظلوم عورت کو شوہر کے پنجۂ ظلم و استبداد سے اپنی طاقت و اقتدار کے بل بوتے چھڑا سکتے تھے، مگر آج کے دور میں کوئی ایسا بااقتدار قاضیِ شریعت نہیں جو ظالم شوہر کو قید کرے، مارے اور حسنِ معاشرت یا طلاق پر مجبور کرے۔ اس لیے اب اس کے بتدریج تین حل ہیں۔

(۱) شوہر کا معاشرتی بائیکاٹ کیا جائے اور اس میں کچھ بھی ڈھیل نہ رکھی جائے۔ اس تعزیر کے ذریعہ سوائے سرکش اور بے توفیق شخص کے ہر وہ انسان اصلاح پذیر ہو سکتا ہے جس کا ضمیر کچھ بھی زندہ ہو اور اس میں کچھ بھی اسلامی حمیت و غیرت موجود ہو۔

(۲) لیکن اگر وہ سخت دل، مردہ ضمیر و بے توفیق ہی نکلا اور سرکشی سے باز نہ آیا تو عورت کو صبر و شکر اور راضی برضائے الٰہی رہنے، نیز روزے رکھنے اور اس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے کی ہدایت کی جائے۔

(۳) لیکن اگر عورت اس کے باوجود بھی عدم صبر کی شکایت کرے اور اس کی عمر، حالت، عادت اس کی شاہد ہو تو اب ضرورت شرعی متحقق ہو چکی، اس مرحلے پر قاضی کو فسخ نکاح کی اجازت ہے۔

فلیٹوں کی خرید و فروخت کے جدید طریقے اور ان کے احکام

بڑے بڑے شہروں میں زمین و مکان کس قدر گراں بہا ہو چکے ہیں اس کا حال سب کو معلوم ہے۔ اب بنا بنایا فلیٹ یک مشت دام دے کر خریدنا عام لوگوں کے بس سے باہر اور کم سے کم خد درجہ دشوار ضرور ہو گیا ہے۔ اس لیے کچھ اصحابِ ثروت کو چھوڑ کر زیادہ تر لوگ فلیٹوں کی خرید و فروخت کا جدید طریقہ اختیار کر چکے ہیں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ مکان یا بلڈنگ کا پورا پلان بنانے کے بعد قبل از تعمیر ہی بکنگ شروع ہو جاتی ہے اور ایک معاہدے کے تحت جیسے جیسے مکان تکمیل کے مراحل سے گزرتا جاتا ہے، خریدار اس کی قسطیں ادا کرتا رہتا ہے، قبضہ ملنے پر وہ اپنی آخری قسط ادا کرتا ہے، مگر خریدار فلیٹوں میں مالکانہ تصرف بیع، ہبہ، وغیرہ سوسائٹی کی اجازت سے ہی کر سکتے ہیں، اور سوسائٹی کے ارکان صرف فلیٹوں کے خریدار ہوتے ہیں۔ فلیٹوں کی اس طرح خرید و فروخت پہلے نہیں ہوتی تھی، اس لیے یہ سوال پیدا ہوا کہ شرعی نقطۂ نظر سے یہ جائز ہے یا ناجائز۔ اس عنوان پر فقہ حنفی کے جزئیات کو سامنے رکھ کر بہت کچھ مباحثے ہوئے، اخیر میں جن امور پر اتفاق ہوا وہ فیصلے کی شکل میں نذرِ قارئین ہیں۔ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۲۲)

⓵ کثیر منزلہ بلڈنگ تیار کرنے کے بعد اس کے حصوں کی فروخت اور خریداروں کا حسب استطاعت حصے لے کر مالک بننا اور تصرف کرنا باتفاق مندوبین جائز و درست ہے۔

⓶ مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ماخوذ و مفتیٰ بہ ہے اس کی رو سے اس وقت "بیع استصناع"(۱) نہیں ہو سکتی جب کہ ایک ماہ یا زیادہ دنوں کی مدت بیع میں مذکور ہو۔ لیکن صاحبین رحمہما اللہ کا مذہب یہ ہے کہ تعامل کی صورت میں ذکرِ مدت کے ساتھ بھی استصناع جائز ہے، اور مدت کا ذکر تعجیل پر محمول ہو گا۔

اب یہ دیکھا جاتا ہے کہ شہروں میں مکان بہت گراں قیمت ہوتے ہیں، بیک وقت ان کی مکمل تعمیر میں کثیر سرمایہ لگانا اور کثیر سرمایہ دے کر خریدنا دونوں مشکل ہے، اس لیے یہ رواج ہوا کہ کچھ لوگ فلیٹوں کا نقشہ بنا کر بکنگ شروع کر دیتے ہیں اور خریدنے والے بھی قسطوں پر خریداری شروع کر دیتے ہیں، انھیں اگر تکمیل عمارت کے بعد یک مشت خریداری کا پابند کیا جائے تو سخت دشواری میں مبتلا ہوں گے۔

اوّلاً: ان کے پاس بیک وقت اتنا سرمایہ جمع ہونا مشکل ہو گا۔

ثانیاً: جب قسط وار خریدنے والے فلیٹ کا ہر حصہ خرید چکے ہوں گے تو یک مشت سرمایہ دے کر بھی بلڈروں سے ان کو مکان نہ مل سکے گا۔ جب کہ مکان کی ضرورت ہر شخص کو ہے۔

الحاصل ان حالات میں ان کے لیے مذہب امام اعظم سے عدول کے لیے حاجت شرعیہ متحقق ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہے کہ بہت سے شہروں میں اس طریقۂ خرید و فروخت پر عوام و خواص کا عمل در آمد ہے۔ ایسی صورت میں صاحبین علیہما الرحمہ کے نزدیک ایک ماہ یا زیادہ مدت ذکر ہونے کے باوجود استصناع جائز ہے اور قول صاحبین بھی باقوت

(۱) بیع استصناع: ٹوپی، جوتے، چپل اور اب مکان وغیرہ کو آرڈر دے کر بنوانے اور ساتھ ہی اسے خریدنے کا رواج ہے، اسی طرح کی خرید و فروخت کو بیعِ استصناع کہتے ہیں۔ ۱۲ مرتب غفرلہٗ

ہے،اس لیے اس صورت کو استصناع کے دائرے میں رکھتے ہوئے قول صاحبین پر جائز ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔

③ اس فیصلے کی روشنی میں پہلے ادا کی جانے والی قسطیں بننے والی عمارت کا ثمن ہیں۔

④ کوآپریٹیو ہاؤسنگ سوسائٹی رجسٹریشن ایکٹ کے تحت ہر خریدار اپنے حصہ کا حقیقۃً و قانوناً مالک ہوتا ہے اور سوسائٹی کو جو روکنے یا اجازت دینے کا حق ہوتا ہے نظر فقہی میں وہ حق شفعہ ہے جو جائز و درست ہے۔

⑤ جب زمین ایک شخص کی ہو اور وہ کسی سے اس پر بلڈنگ تعمیر کرائے پھر زمین والا اپنی زمین کے عوض اور بلڈر اپنی تعمیر کے سبب باہم مقررہ حصوں کی تقسیم کرلیں۔ اس صورت میں زمین کے عوض عمارت کی خریداری اور تعمیر کے بدلے زمین کی خریداری عمل میں آتی ہے مگر دونوں کے لیے صرف فلیٹوں کے حصے متعین ہوتے ہیں، زمین کسی خاص کی ملک قرار نہیں دی جاتی تو زمین میں تمام حصہ داروں کی بطور مُشاع شرکتِ ملک ہوتی ہے۔ اس لیے تنہا کوئی شخص اس کی بیع نہیں کرسکتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

شرکاے سیمینار

اکابر

(۱) حضرت علامہ مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب	مفتی مرکزی دار الافتا، بریلی شریف
(۲) عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب	سرپرست مجلس شرعی و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ
(۳) حضرت علامہ عبد اللہ خاں عزیزی مصباحی	شیخ القرآن الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد
(۴) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی	شیخ الجامعہ وصدر مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ
(۵) حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی	شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور
(۶) حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی	شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷) حضرت علامہ مفتی محمد ایوب نعیمی	شیخ الحدیث جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
(۸) حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی	شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد

اسماے گرامی اصحابِ مقالات

☆ علامہ مفتی قاضی عبد الرحیم صاحب	مفتی مرکزی دار الافتا، بریلی شریف
(۹) مفتی محمد نظام الدین رضوی	ناظم مجلس شرعی وصدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ
☆ علامہ مفتی محمد ایوب نعیمی	شیخ الحدیث ومفتی جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
(۱۰) علامہ مفتی زین العابدین شمسی	مدرسہ امداد العلوم، مٹھنا، سدھارتھ نگر
(۱۱) مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی	جامعہ نوریہ، بریلی شریف
(۱۲) مولانا محمد ہاشم نعیمی	استاذ جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
(۱۳) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی	مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، مئو
(۱۴) مفتی نذر محمد قادری	مفتی واستاذ دار العلوم ربانیہ، باندہ
(۱۵) مفتی حبیب اللہ خاں نعیمی مصباحی	استاذ دار العلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا، بلرام پور
(۱۶) مولانا عبد الحق رضوی مصباحی	رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ
(۱۷) مفتی بدر عالم مصباحی	رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ

(۱۸) مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۱۹) مولانا آلِ مصطفیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی
(۲۰) مولانا نفیس احمد مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۲۱) مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، مئو
(۲۲) مولانا شمس الہدیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۲۳) مولانا مبارک حسین مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۲۴) مولانا اختر حسین قادری — استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی
(۲۵) مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی — استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی
(۲۶) مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی — مکہ مسجد، گارلینڈ، ٹکساس، امریکہ
(۲۷) مفتی محمد نسیم مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۲۸) مفتی ابرار احمد امجدی — مہتمم مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج
(۲۹) مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی — استاذ مدرسہ ضیاء العلوم خیر آباد، مئو
(۳۰) مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۱) مولانا مجاہد حسین مصباحی — استاذ دار العلوم غریب نواز، الہ آباد
(۳۲) مفتی زاہد علی سلامی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۳) مولانا محمد سلیمان مصباحی — استاذ جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۳۴) مولانا محمد انور نظامی مصباحی — مہتمم مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ
(۳۵) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی — استاذ و مفتی مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس
(۳۶) مولانا ساجد علی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

بقیہ شرکاے سیمینار جن کے مقالے موصول نہ ہوئے

(۳۷) مولانا ممتاز احمد مصباحی اشرف القادری — بریڈ فورڈ، برطانیہ
(۳۸) مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی — شیخ الحدیث و مفتی جامعہ حضرت بلال، بنگلور
(۳۹) مولانا یٰسین اختر مصباحی — بانی و مہتمم دار القلم، دہلی
(۴۰) مولانا غلام عبد القادر علوی — دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۴۱) مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی — نائب ناظم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۴۲) مولانا ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم مصباحی	صدر شعبۂ تقابل ادیان جامعہ ہمدرد دہلی
(۴۳) مفتی انفاس الحسن مصباحی	جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف اوریا
(۴۴) مولانا حافظ حمید الحق مصباحی	زمبابوے، ساؤتھ افریقہ
(۴۵) مولانا قاضی شہید عالم رضوی	استاذ جامعہ نوریہ، بریلی شریف
(۴۶) مولانا محمد علی فاروقی مصباحی	مہتمم دار الیتامیٰ، رائے پور
(۴۷) مولانا انوار احمد امجدی	سجادہ نشین خانقاہ امجدیہ، اوجھا گنج، بستی
(۴۸) مولانا عثمان غنی باپو	مہتمم دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا دھرول، گجرات
(۴۹) مولانا مختار الحسن	استاذ دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور فیض آباد
(۵۰) مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۱) مولانا محمد عرفان عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۲) مفتی محمود اختر مصباحی	استاذ دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا، دھرول، گجرات
(۵۳) مفتی کونین احمد مصباحی	استاذ دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا، دھرول، گجرات
(۵۴) مولانا سلیم الدین رضوی مصباحی	دُمکا۔

(مقامی علمائے کرام)

(۵۵) مولانا شاکر علی نوری	امیر سنی دعوت اسلامی، ممبئی
(۵۶) مفتی محمود اختر مصباحی	خطیب وامام حاجی علی مسجد، ممبئی
(۵۷) مفتی نعیم اختر مصباحی	استاذ ومفتی دار العلوم محمدیہ، مینارہ مسجد، ممبئی
(۵۸) مفتی زبیر احمد مصباحی	استاذ ومفتی دار العلوم غوثیہ، باندرہ
(۵۹) مفتی اشرف رضا	استاذ ومفتی دار العلوم حنفیہ، قلابہ
(۶۰) مولانا رفیع الدین	نگراں سنی دعوت اسلامی، پربھنی
(۶۱) مولانا معین الحق علیمی مصباحی	مصطفیٰ بازار، ممبئی
(۶۲) مولانا مظہر حسین علیمی	استاذ دار العلوم غوثیہ، باندرہ
(۶۳) مولانا شرف الدین مصباحی	استاذ دار العلوم محمدیہ، باؤلا مسجد
(۶۴) مولانا عبد الرب مصباحی	استاذ دار العلوم غوثیہ، باندرہ
(۶۵) مولانا مقبول احمد مصباحی	سائن، دھاراوی

(۶۶) مولانا غلام مجتبیٰ	استاذ دار العلوم غوثیہ، باندرہ
(۶۷) مولانا افتخار الحسن مصباحی	صدر مدرس دار العلوم غوثیہ، باندرہ
(۶۸) مفتی بشیر القادری	استاذ دار العلوم غوثیہ، باندرہ
(۶۹) مفتی علاء الدین رضوی	استاذ و مفتی دار العلوم فاروقیہ، میرا روڈ
(۷۰) مولانا شرف الدین مصباحی	استاذ مدرسہ انوارِ مدینہ، ملاڈ
(۷۱) مولانا محمد عمر	استاذ مدرسہ اشرفیہ سنی نئی مسجد، گھڑپ دیو
(۷۲) مولانا عبید اللہ	سید عاشق شاہ بخاری مسجد
(۷۳) مولانا اسلم مصباحی	رضا اکیڈمی، ممبئی
(۷۴) مولانا عبد القیوم مصباحی	امام تیلی مسجد، ممبئی
(۷۵) قاری محمد عارفین	امام بخاری مسجد، ڈونگری
(۷۶) حافظ شبنم بستوی	سنی نئی مسجد، گھڑپ دیو
(۷۷) حافظ محمد رئیس	استاذ مدرسہ انوارِ مدینہ، ملاڈ
(۷۸) حافظ محمد حسین	استاذ مدرسہ انوارِ مدینہ، ملاڈ
(۷۹) ایڈوکیٹ جناب مختار احمد صاحب	بھیونڈی، ضلع تھانہ

بقیہ مقالہ نگار جو کسی وجہ سے سیمینار میں شریک نہ ہو سکے

(۸۰) تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خاں ازہری، بریلی شریف

(۸۱) مفتی عنایت احمد نعیمی	صدر مدرس الجامعۃ الغوثیہ، گونڈہ
(۸۲) مفتی شیر محمد خاں رضوی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۸۳) مفتی شفیق احمد شریفی	افضل المدارس، الہ آباد
(۸۴) مولانا شہاب الدین نوری	دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۸۵) مولانا شبیر احمد مصباحی	استاذ مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۸۶) مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	استاذ مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۸۷) مولانا محمد اسحاق رضوی مصباحی	کیمری، رام پور
(۸۸) مفتی نثار احمد	حسن پور، امروہہ
(۸۹) مولانا صلاح الدین مصباحی	استاذ مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور
(۹۰) مولانا جمال مصطفیٰ قادری مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۹۱) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۲) مولانا غلام جیلانی مصباحی	استاذِ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۳) مولانا دستگیر عالم مصباحی	استاذِ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۴) مولانا خواجہ آصف رضا نوری مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۵) مولانا رفیع الزماں مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۶) مولانا مقصود احمد مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۷) مولانا ابرار احمد اعظمی	استاذ دار العلوم ندائے حق، جلال پور
(۹۸) مفتی عبد السلام مصباحی	استاذ جامعہ انوار العلوم، تلسی پور
(۹۹) مفتی معین الدین مصباحی	دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۱۰۰) مولانا محمد عالمگیر مصباحی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۱۰۱) مولانا محمد افروز قادری	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۲) مولانا محمد رابع نورانی صدیقی	دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۱۰۳) مولانا محمد علی رضا مصباحی	ویشالی
(۱۰۴) مولانا شیر محمد مصباحی	استاذ دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۱۰۵) مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی	شعبۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۶) مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	شعبۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۷) مولانا محمد جابر خاں مصباحی	شعبۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۸) مولانا اشتیاق عالم مصباحی	شعبۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۹) مولانا محمد صابر رضا مصباحی	شعبۂ تحقیق جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۱۰) مولانا محمد نیاز احمد	شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۱۱) مولانا محمد شمشاد مصباحی	شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

[بارہویں فقہی سیمینار کے دو شرکا کے دستخط]

(۱۱۲) حضرت علامہ سید کمیل اشرف اشرفی الجیلانی مصباحی، کچھوچھہ شریف

(۱۱۳) حضرت مولانا عبد المبین نعمانی* مہتمم دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ۔

☆☆☆☆
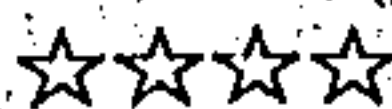
بارہواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۲۳/ ۲۴/ رجب ۱۴۲۶ھ
مطابق ۳۰/ ۳۱/ اگست ۲۰۰۵ء
بروز سہ شنبہ، چہار شنبہ
بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فیصلہ (۴۳)۔ مصنوعی سیارہ (سیٹلائٹ) سے رویتِ ہلال کا حکم
فیصلہ (۴۴)۔ قضاۃ اور ان کے حدودِ ولایت
☆۔ شرکاے سیمینار

مصنوعی سیارہ (سٹیلائٹ) سے رویتِ ہلال کا حکم

سوال نامہ

مجلسِ شرعی کو یہ اطلاع ملی کہ کچھ مسلم ممالک چاند کا پتہ لگانے کے لیے ایک خاص سٹیلائٹ تیار کر رہے ہیں، جو فضا میں ہر طرف چکر لگائے گا اور چاند کی پیدائش کی پوری تصویر پیش کرے گا، جسے دنیا بھر کے مسلمان اپنے ٹی وی چینلوں پر دیکھ سکیں گے۔ اس کو وہ لوگ امت کے اتحاد اور تہذیبی وحدت کا ذریعہ بتا رہے ہیں، حالاں کہ سچائی یہ ہے کہ اس سے امت کا شیرازہ منتشر ہو کر رہ جائے گا اور سب سے زیادہ مشکلات کا سامنا اہلِ حق اہلِ سنت و جماعت کو کرنا پڑے گا، جو بہر حال صراطِ مستقیم پر ثابت قدم رہنے کو ہی تہذیبی وحدت کا نمونہ مانتے ہیں۔ اس لیے ضرورت پیش آئی کہ فتنہ پیدا ہونے سے پہلے اپنے مسلمان بھائیوں کو علمائے اہلِ سنت کے اجتماعی فیصلے سے روشناس کرا دیا جائے تا کہ ممکن حد تک فتنہ کا سدِ باب ہو سکے۔

اس تعلق سے اہلِ علم کے نزدیک یہ سوالات غور طلب ہوئے:

(۱) چاند کی پیدائش کا مطلب کیا ہے؟

(۲) چاند کی پیدائش کے وقت اس کی جو ہیئت ہوتی ہے وہ از روے علمِ ہیئت و لغت و شریعت ہلال ہے، یا نہیں؟

(۳) اور بہر حال ٹی وی چینل پر اس کی تصویر کا مشاہدہ کیا شرعاً رویتِ ہلال ہے، یا اس کے حکم میں ہے؟

ان امور پر کافی بحث و تمحیص و غور و فکر کے بعد یہ فیصلے ہوئے۔ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۲۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم —— حامدًا و مصلّیاً و مسلّماً

ولادتِ قمر کی توضیح: محاق کے وقت چاند کا وہ رخ جو سورج کے مقابل ہے روشن ہوتا ہے اور وہ رخ جو زمین کی جانب ہے بالکل تاریک ہوتا ہے، اس حالت کے زوال پر جس آن سورج کی روشنی ہماری جانب واقع تاریک رخ کے ایک خفیف حصے پر پڑتی ہے وہی ولادتِ قمر کی حالت ہے اور اس حالت میں وہ انسانی نگاہوں کے لیے تیز دور بینوں کے ذریعہ بھی قابل رویت نہیں ہوتا، پھر بھی بتایا گیا ہے کہ اس وقت طولاً نور کی ایک ایسی لکیر بن جاتی ہے جو تقریباً اوسطاً چھ سو چوہتر کلومیٹر رقبۂ قمر پر مشتمل ہوتی ہے۔

اب دوسرا سوال یہ ہوا کہ اس خفیف نوری لکیر کی تصویر سٹیلائٹ کے ذریعہ لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ مندوبین کا اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تصویر لینی ممکن ہے۔

ہلال عند الشرع کیا ہے؟: چاند کی جس حالت کی رویت پر شریعت میں احکام کا مدار ہے وہ چاند کی وہ ابتدائی حالت ہے جو نگاہوں کے لیے قابل رویت ہو۔ اسی کو "ہلال" کہا جاتا ہے۔

چاند کی جو تصویر سٹیلائٹ کے ذریعہ ٹی وی اسکرین پر نظر آئے اس سے نئے مہینے کا ثبوت ہوگا یا نہیں؟ جواب نفی میں ہے۔ دلیل میں کئی باتیں پیش کی گئیں۔

❶ شریعت میں احکام کا مدار رویت کے ثبوت پر رکھا گیا ہے۔ شہادت، شہادۃ علی الشہادۃ، کتاب القاضی الی القاضی وغیرہ سب کا منتہیٰ عین رویت ہلال ہے اور صورتِ مسئولہ میں عین ہلال کی رویت نہیں بلکہ تصویر ہلال کی رویت ہوگی اس لیے وہ معتبر نہیں۔

❷ ٹی وی اسکرین پر نظر آنے والی تصویر ہلال میں احتمال ہے کہ پہلے کی ہو اور اس وقت دکھادی گئی ہو۔

❸ سٹیلائٹ براہ راست تمام ٹیلی ویژنوں پر تصویر نہیں بھیجتا، بلکہ اس کا ایک مرکز ہوتا ہے جہاں سے وہ چھوڑا جاتا ہے وہیں وہ ساری معلومات اور تصاویر بھیجتا ہے۔ اب اس مرکز کو اختیار ہوتا ہے کہ اپنے یہاں روک لے اور آگے نشر نہ کرے جیسا کہ جنگ کے زمانے میں ممالک ایسا کرتے ہیں۔ اگر مرکز وہ تصویر

آگے بھیجے تو ہر ملک میں ایک ٹی وی مرکز ہوتا ہے جو چاہے تو دوسری جگہ کی تصویر اپنے یہاں آنے سے روک دے اور اپنے یہاں تصویر لے لی تو بھی اسے اختیار ہوتا ہے کہ اپنے ملک کے ٹیلی ویژنوں پر دے یا روک رکھے۔ اگر تصویر اپنے ملک میں نشر کردی تو اس ملک کے تمام ٹیلی ویژنوں پر اسے دیکھا جا سکے گا۔

اس تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسا نہیں کہ سٹیلائٹ کی تصویر قدرتی طور پر خود بخود دنیا بھر کے تمام ٹیلی ویژنوں پر پہنچ جائے بلکہ بہت سے وسائط اور کئی انسانوں کی رضا اور ان کی حرکت و عمل کے بعد ہی وہ ٹی وی پر نظر آسکے گی۔ ان وسائط میں اکثر ایسے ہی افراد ملیں گے جو خود چاند دیکھ کر شہادت دیں تو معتبر نہ ہو تو ان کے عمل دخل ہونے کے بعد جو تصویر ہم نے دیکھی وہ یقیناً ناقابل اعتبار ہے۔

(۴) ایسے سیارے عموماً کرہ ہوا سے اوپر رکھے جاتے ہیں تاکہ ہوا کی رگڑ سے وہ کمزور اور بے کار نہ ہو جائیں۔ ہوا کا دائرہ بارہ سو کلومیٹر تک بتایا گیا ہے۔ اس کے باوجود سائنس دانوں کا یہ اعتراف ہے کہ ہوا سے قرب کے باعث بھی مصنوعی سیارے متاثر ہوتے ہیں اور ان کی رفتار میں خلل آجاتا ہے یا رفتار کمزور ہو جاتی ہے اور کبھی ٹوٹ کر گر بھی جاتے ہیں۔ ہوا وغیرہ سے متاثر ہونے اور عمل میں خلل آنے کے باعث سیاروں کی تصویر کشی اور تصویر رسانی بھی متاثر ہو سکتی ہے اس لیے اس کے عمل کا برقرار اور صحیح رہنا بھی مشکوک ہے۔ یقیناً کسی ایسی چیز پر احکام شرع کا مدار نہیں ہو سکتا۔

(۵) سائنس داں یہ بھی بتاتے ہیں کہ سیارے کو فضا کے اندر بھیجنے میں ذرا بھی چوک ہو جائے تو اس کا مدار بدل جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ جس مدار میں سیارہ بھیجا گیا اس کے علاوہ کسی اور مدار میں پہنچ جائے۔ فضا میں ہمارے چاند کے علاوہ دوسرے چاند بھی موجود ہیں ممکن ہے کہ وہ اس چاند کے علاوہ کسی اور چاند کی تصویر بھیجنا شروع کردے۔ ایسی حالت میں اس کے ذریعہ موصول ہونے والی تصویر پر قطعاً یہ اعتماد نہ ہو سکے گا کہ یہ اسی چاند کی تصویر ہے جس کی رویت پر مدار احکام ہے۔

(۶) بحث و تمحیص سے معلوم ہوا کہ ولادت قمر کے وقت جو خفیف سی نوری لکیر بنتی ہے اور جو تیز دوربینوں کے ذریعہ بھی انسانی آنکھوں کے لیے قابل رویت نہیں ہوتی، مصنوعی سیارے کے ذریعہ اس کی تصویر کشی ہو سکتی ہے۔ حالاں کہ شریعت میں بنائے احکام اس ہلال کے ثبوت پھر اس کی رویت پر رکھا گیا ہے جو انسانی نگاہوں کے لیے قابل رویت ہو۔ اس سے قبل والی حالت قمر پر بنائے احکام نہیں، مصنوعی سیارہ ولادت قمر کی تصویر رسانی کرے اور اس پر صوم و افطار کی بنا رکھی جائے تو یہ حدیث و فقہ سب کے خلاف ہوگا۔ اس لیے ولادت قمر کے وقت کی لکیر دکھانے اور اس پر بنائے احکام رکھنے کی اجازت کسی حال میں نہیں ہو سکتی، تمام مندوبین کا اس پر اتفاق ہے۔

قُضاۃ اور ان کے حدودِ ولایت

سوال نامہ

نکاح، طلاق، فسخ، تفریق، ہبہ، وصیت، میراث، ہلال وغیرہ کے مسائل عوامِ مسلمین کی طرف سے علما کی خدمت میں پیش ہوتے رہتے ہیں، جو عموماً زبانی جواب پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ یعنی ایک وکیل کی حیثیت سے "مشیر قانونِ شریعت" کی ذمہ داری نبھاتے ہیں، جب کہ بہت سے امور ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف قانونِ شرعی بتا دینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ ایک منصف جج و حَکَم کی طرح سے صلح بین الفریقین اور بسا اوقات فیصلہ صادر کرنے کی بھی حاجت پیش آتی ہے۔ تعزیرات کے مسائل نہ علما کے یہاں آتے ہیں، نہ ہی انھیں اس طرح کے مسائل جو ملکی قانون سے مزاحمت رکھتے ہوں کی سماعت کرنے کا اختیار ہے۔ بڑی دشواری اس وقت پیش آتی ہے جب شوہر لاپتہ ہو یا عورت کو از راہِ شرارت لٹکا دے کہ نہ بیوی کی طرح اسے رکھے، نہ طلاق دے، ایسی عورت علما کے یہاں جاتی ہے اور کوئی اس کا پرسانِ حال نہیں ہوتا، یا عید کا چاند کسی وجہ سے دیکھا نہ جاسکا اور لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ کیا کیا جائے۔ اس طرح کے مسائل کو سلجھانے کے لیے، بے سہارا عورت کے تعاون اور ناخواندہ عوام کی رہبری کے طور پر ایسے علما کے تعیین کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے جو اس کے اہل ہوں اور اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ یہ خدمات انجام دیں، انھیں قاضی نہ کہا جائے مگر ایک قاضی کے قائم مقام کی حیثیت سے سماج کی خدمت تو کر سکتے ہیں۔ اسی غرض سے یہ سوالات زیرِ بحث لائے گئے:

(۱) "اعلم علمائے بلد" کا مصداق کون ہو سکتا ہے اور فقیہ و عالم جو قاضی کا قائم مقام ہو سکتا ہے اس سے کیا مراد ہے؟

(۲) "اعلم علمائے بلد" کا دائرۂ تقضاو عمل کیا ہے اور کیا مختلف اضلاع کے اربابِ حل و عقد کے اتفاق سے اس کا دائرۂ ولایت و عمل اپنے قطر سے تجاوز کر کے مختلف اضلاع یا ریاست کو عام ہو سکتا ہے؟

(۳) وہ کون سے دینی امور ہیں جن میں اسے قضا یا تفویضِ قضا کا اختیار شرعاً حاصل ہے؟

(مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۲۴)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم —— حامدًا و مصلّیاً و مسلّمًا

مبحث کا تعین: قاضی ایک تو وہ ہے جس کو کسی سلطانِ اسلام نے مقرر کیا ہو۔ یہاں بحث اس قاضی سے متعلق ہے جو ایسے بلاد میں ہو جہاں سلطنت اسلامی نہ ہو اور امور دینیہ میں «أعلم علمائے بلد» ہونے کے باعث مرجع ہو بلفظِ دیگر جو اپنے علم وفقہ کے باعث قضا کے لیے منتخب بانتخاب الٰہی ہو۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

"جہاں سلطنتِ اسلام نہیں وہاں امامتِ عامہ اس شہر کے أعلمِ علمائے دین کو ہے۔ جہاں یہ بھی نہ ہو وہاں بہ مجبوری عام مسلمان جسے مقرر کرلیں... ان شہروں میں کہ سلطانِ اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے، اعلم علمائے بلد کہ اس شہر کے سنی عالموں میں سب سے زیادہ فقیہ ہو، نماز کے مثل مسلمانوں کے دینی کاموں میں ان کا امام عام ہے۔" (۱)

اسی میں دوسری جگہ ہے:

"اور جہاں اسلامی ریاست اصلاً نہیں وہاں اگر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے کسی مسلمان کو اپنے فصلِ مقدمات کے لیے مقرر کرلیا تو وہی قاضی شرعی ہے۔

في جامع الفصولين: وأمّا فِي بِلادٍ عليها ولاةٌ كفّارٌ فيجوز لِلمسلِمِين إقامة الجمعِ والأعيادِ، ويصِير القاضِي قاضِيًا بِتراضِي المسلِمِين.

اور اگر ایسا نہ ہو تو شہر کا عالم کہ عالم دین وفقیہ ہو (قاضی شرعی ہے۔ن) اور اگر وہاں چند علما ہیں تو جو ان سب میں زیادہ علم دین رکھتا ہو، وہی حاکم شرع ووالیِ دینِ اسلام و قاضی وذی اختیار شرعی ہے۔ مسلمانوں پر واجب کہ اپنے کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حکم پر چلیں"۔ (۲)

---

(۱) فتاویٰ رضویه، باب الامامة ۳/ ۲۰۵. سنی دار الاشاعت، مبارك پور

(۲) فتاویٰ رضویه، كتاب القضاء والدعاوی، ۷/ ۳۲۸. سنی دار الاشاعت، مبارك پور

عالم وفقیہ سے مراد: فقیہ سے مراد وہ سنی صحیح العقیدہ عالم دین ہے جو کثیر فروع فقہیہ کا حافظ ہو اور پیش آمدہ مسائل کے احکام صحیحہ، رجیحہ، مفتی بہا مذہب کی کتبِ معتمدہ سے نکال سکے اور اعلم علمائے بلد وہ سنی صحیح العقیدہ فقیہ ہے جو اپنے علاقے کے فقہا میں سب سے زیادہ احکامِ شرعیہ فرعیہ مفتی بہا کا عالم اور مرجع فتویٰ ہو۔

(ماخوذ از تحریر، رد المحتار، فتاویٰ رضویہ وغیرہ)

فتاویٰ رضویہ وغیرہا کتب سے عالم وفقیہ کی تعریف، اعلم علمائے بلد کی تعیین اور بحیثیت قاضی من جانب اللہ اس کے تقرر کی توضیح کے بعد یہ بحث شروع ہوئی کہ ایک قاضی کا دائرۂ ولایت وعمل کیا ہوگا؟ مندوبین کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک شہر کے اعلم علما کا دائرۂ قضا وعمل اس کا اپنا شہر اور اس کے قرب وجوار کا علاقہ ہے اور اعلم علمائے ضلع کا دائرۂ قضا وعمل پورا ضلع ہے۔ اور اعلم علمائے ریاست کا دائرۂ قضا وعمل پوری ریاست ہے اور اعلم علمائے ملک کا دائرۂ قضا وعمل پورا ملک ہے۔

"اعلم علمائے بلد" کا دائرۂ قضا وعمل مختلف اضلاع کے ارباب حل وعقد کے اتفاق سے اپنے قطر سے تجاوز کر کے متعدد اضلاع یعنی کمشنری بلکہ ریاست کو بھی عام ہو سکتا ہے یوں ہی پورے ملک کے قاضی کا تقرر بھی اربابِ حل وعقد کے اتفاق سے ہو سکتا ہے۔

اس کا ماخذ درج ذیل عبارتیں ہیں:

"ان شہروں میں کہ سلطان اسلام موجود نہیں اور تمام ملک کا ایک عالم پر اتفاق دشوار ہے" (فتاویٰ رضویہ)
اس کا مفہوم یہ ہے کہ تمام ملک کے اربابِ حل وعقد کا ایک عالم پر اتفاق ہو جائے تو وہ پورے ملک کا قاضی ہوگا۔

حدیقہ ندیہ کی عبارت "فإن عسر جمعهم على واحد استقل كل قطر. إلخ". بھی اس امر کی شاہد ہے۔

ان عبارات سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کوئی اعلم علمائے بلد ہو، یا اعلم علمائے ملک مگر اس پر سب کا اتفاق نہ ہو سکے تو اسے اپنے فیصلوں کی تنفیذ اور امور قضا کی سماعت اپنے ہی ضلع کی حد تک محدود رکھنی چاہیے۔ اِلّا یہ کہ اہم دینی ضرورت پیش آجائے۔

سوال: اس زمانہ میں پوری ریاست اور پورے ملک کے لیے قاضی کا تقرر کیسے ہوگا؟

جواب: یہ حق علما وارباب حل وعقد کا ہے لیکن اگر ارباب حل وعقد اپنی ذمہ داری سے غافل ہوں،، کسی اہل کا تقرر بحیثیت قاضی ضلع، یا قاضی ریاست یا قاضی ملک نہ کریں تو جس کی طرف عام طور پر مسلمان اپنے دینی امور کے لیے رجوع کریں اسے بحیثیت قاضی یہ ذمہ داری سنبھال لینی چاہیے تاکہ مسلمانوں کے

دینی امور اور خصوماتِ متعلقہ بہ قضا معلق نہ رہیں۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

"رجوع مسلمین بلد بسوے او در خصومات، و ترافع باو در قضایا، و رضا بحکمش در فیصلہا برائے قضاے شرعی او بسندست کہ ہمچو حالت تراضی مسلمین نائب مناب تقلید و تولیہ سلطان دین ست"۔(۱)

بعض مقالہ نگار حضرات نے یہ تحریر کیا تھا کہ پورے ملک کا ایک قاضی تو ہو سکتا ہے مگر اس کا اعلان ہلال صرف اس کے شہر اور اس کے گرد و نواح کے لیے قابلِ عمل ہوگا۔ اس سے زیادہ کے لیے کتاب القاضی الی القاضی بشرائط معلومہ یا ایسے ہی کسی طریقِ موجب کا اختیار کرنا ضروری ہے۔ اس کے باعث اس مسئلہ پر بحث و تمحیص کے بعد یہ طے ہوا کہ:

چاند کا شرعی ثبوت بلا شبہہ ان ہی مقررہ طریقوں سے ہوگا جو کتب مذہب میں مذکور ہیں۔

یعنی (۱) رویت (۲) شہادت (۳) شہادت علی الشہادۃ (۴) شہادت علی القضا (۵) استفاضہ (۶) کتاب القاضی الی القاضی۔

دوسرا کام یعنی شرعی ضابطوں کے مطابق ثبوت فراہم ہو جانے کے بعد چاند کا لوگوں میں اعلان اور اس کی تشہیر، اس کے لیے شہادت کی یا معلن کے عادل ہونے کی شرط ہرگز نہیں۔

عالمگیری میں ہے:

"خبر منادي السلطان مقبول عدلا كان أو فاسقا."(۲)

چاند کا شرعی ثبوت ہو جانے کے بعد ذمہ دار قاضی اعلان کے لیے لاؤڈاسپیکر، ریڈیو، ٹیلی فون، فیکس وغیرہ آلاتِ جدیدہ کا سہارا لے سکتا ہے۔ البتہ اس کے لیے شرط یہ ہے کہ ان ذرائع کو ممکنہ حد تک ناخدا ترسوں کے دھوکا، فریب اور جھوٹ کے اندیشے سے محفوظ رکھا جائے تاکہ سننے والوں کو اعلان کے صدق و صحت کا غلبۂ ظن حاصل ہو۔ یا ایسی تدبیر بتا دی جائے جس کے ذریعہ سننے والے یہ تصدیق حاصل کر سکیں کہ یہ اعلان ہمارے قاضی یا قاضی القضاۃ ہی کا ہے دوسرے کا نہیں۔ مثلاً لاؤڈاسپیکر سے اعلان اپنے شہر تک محدود رکھے، فیکس کو اپنی اصل تحریر میں لکھے، یا کم از کم قلمی دستخط ثبت کرے اور اپنے اور اپنے بعض معتمدین کے موبائل و فون نمبر بھی بیان کر دے، جن کے ذریعہ سننے والے تصدیق حاصل کر سکیں۔

---

(۱) فتاوی رضویہ ۷/ ۳۳۳. ملخصاً، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲) فتاوی عالمگیری، ج:۵، ص:۳۰۹، کتاب الکراهیة، الباب الاول فی العمل بخبر الواحد، کوئٹہ، پاکستان

اور اگر قاضی القضاۃ ریڈیو کے ذریعہ اعلان کرے تو اسے درج ذیل تدابیر اختیار کر کے قابل اعتبار بنائے۔

(الف) اپنا فیصلہ اپنی نگرانی میں ٹیپ کرائے اور دوبارہ سن کر یہ وثوق حاصل کر لے کہ فیصلہ صحیح ٹیپ ہوا ہے۔

(ب) پھر اپنی یا اپنے معتمد خاص کی نگرانی میں ریڈیو سے وہی ٹیپ بلا ترمیم نشر کرائے۔

(ج) اس اعلان میں اپنا نام، عہدہ، پتہ بھی بتادے۔ اسی طرح اپنا اور اپنے چند معتمد اشخاص کے ٹیلی فون اور موبائل نمبر بھی دو تین بار صاف صاف بیان کر دے اور بتائے کہ یہ اعلان میرا ہی ہے جو پوری احتیاط کے ساتھ نشر ہو رہا ہے جو شخص مزید اطمینان کرنا چاہے وہ مذکورہ نمبروں پر دریافت کر کے تصدیق حاصل کر سکتا ہے۔

(د) اس پورے ٹیپ میں اعلان ہلال کے علاوہ کوئی دوسرا مضمون ٹیپ نہ ہو۔

(ان تمام شرائط کو بروئے کار لانے کے لیے ریڈیو اسٹیشن چند گھنٹے کے لیے کرایے پر لے کر سب خاص اپنے اہتمام میں کرایا جائے۔)

تنبیہ: ہندوستان میں ابھی کوئی قاضی القضاۃ مقرر نہیں اور ضلعی پیمانے کے قضاۃ ریڈیو سے اعلان کریں تو پورے ملک پر وہ اعلان نافذ نہ ہوگا، لیکن بے چینی پورے ملک میں پھیل جائے گی، علاوہ ازیں ایسے محتاط اور باوثوق طور پر اعلان کا موقع یہاں فراہم بھی نہیں اس لیے یہاں ابھی ریڈیو سے اعلان ہلال کی اجازت نہیں جس ملک میں قاضی القضاۃ ہوں اور سب شرطیں مہیا ہوں یا ہندوستان میں جب یہ سب باتیں متحقق ہو جائیں تو عمل کی اجازت ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

قاضی القضاۃ کا ایک شہر سے کیا ہوا اعلان پورے ملک میں نافذ ہوگا۔

لأن البلاد في حقه كالبلد الواحد فحكمه نافذ في الجميع. في الهندية: وهو نظير كتاب سائر الرعايا. [2] إلخ.

فتح القدیر اول کتاب القاضی میں ہے:

لأن إخبار القاضي لا يثبت حجة في غير محل ولايته. اهـ. [3] (مفهوم هذا: أن

---

(۱) خیال ہے کہ کچھ دیر کے لیے ریڈیو اسٹیشن کرایے پر لے کر خاص اپنے اہتمام میں کام ہو تو اعلان حسب منشا صحیح طور پر نشر ہو سکتا ہے۔

(۲) فتاویٰ عالمگیری، ج:۳، ص:۳۹۶، کتاب آداب القاضی، الباب الثالث والعشرون، کوئٹہ، پاکستان

(۳) فتح القدیر، ج:۷، ص:۲۶۸، أول باب كتاب القاضي إلى القاضي، پوربندر، گجرات.

إخبار القاضي يثبت حجة في محل ولايته).

عنایہ شرح ہدایہ اولِ کتاب القاضی میں ہے:

وقول القاضي في غير موضع قضائه كقول واحد من الرعايا. اهـ.[1]

عالمگیری میں ہے:

إذا قلد السلطان رجلا قضاء يوم يجوز و يتأقت ، و إذا قيده بالمكان يجوز، و يتقيد بذلك المكان.[2]

بدایۃ المجتہد میں ہے:

وروى المدنيون عن مالك : أن الروية لا تلزم بالخبر عند غير أهل البلد الذي وقعت فيه الروية إلا أن يكون الإمام يحمل الناس على ذلك، و به قال ابن الماجشون و المغيرة من أصحاب مالك، وأجمعوا أنه لا يراعى ذلك في البلدان النائية كالأندلس والحجاز.[3]

فتح الباری، باب: ۱۱، کتاب الصوم میں ہے:

وقال ابن الماجشون: لا يلزمهم بالشهادة إلا لأهل البلد الذي ثبتت فيه الشهادة إلا أن يثبت عند الإمام الأعظم، فيلزم الناس كلهم؛ لأن البلاد في حقه كالبلد الواحد إذ حكمه نافذ في الجميع.[4]

حدیث شریف میں ہے:

يا بلال! أذّن في الناس.

● ریڈیو سے قاضی القضاۃ کا اعلان پورے ملک میں نافذ نہ ہونے پر فتاوی عالمگیری کی درج ذیل عبارت سے تمسک کیا جاتا ہے، اس لیے اس پر تھوڑی گفتگو مناسب ہے۔

---

(۱) عنايه، مطبوع مع فتح القدير ، ج:۷، ص:۲۹۲، باب كتاب القاضى إلى القاضى، مكتبة التجاريه ، مكة المكرمة.

(۲) عالمگیری، ج:۳، ص:۳۱۵، كتاب آداب القاضى، الباب الخامس فى التقليد والعزل، کوئٹہ، پاکستان

(۳) بداية المجتهد ص:۲۸۷، ۲۸۸، ج: ۱، كتاب الصيام، مبحث الركن الأول

(۴)۔ فتح الباری، ج:٤، ص:١٥٥، كتاب الصوم، باب ١١، قول النبي ﷺ: إذا رأيتم الهلال إلخ. قدیمی کتب خانہ، کراچی

فتاوی عالمگیری جلد سوم میں ہے:

"ذكر في كتاب الأقضية: إن كتب الخليفة إلى قضاته، إذا كان الكتاب في الحكم بشهادة شاهدين شهدا عنده بمنزلة كتاب القاضي إلى القاضي لا يقبل إلا بالشرائط التي ذكرناها.

و أما كتابه: أنه ولّى فلانا، أو عزل فلانا فيقبل عنه بدون تلك الشرائط، و يعمل به المكتوب إليه إذا وقع في قلبه أنه حق و يمضي عليه". اهـ.

ترجمہ: "خلیفہ نے اپنے قاضیوں کو خط لکھا (تو اس میں تفصیل ہے)۔

☆اگر وہ خط اس کے پاس گواہی دینے والے دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کے بارے میں، بمنزلة كتاب القاضي إلى القاضي ہو تو وہ کتاب القاضی کی مذکورہ شرطوں کے بغیر نہیں قبول کیا جائے گا۔

☆اور اگر وہ خط عزل و نصب کے تعلق سے ہے کہ فلاں کو والی بنایا، یا فلاں کو معزول کیا تو وہ بغیر شرائط مذکورہ کے مقبول ہوگا، اگر مکتوب الیہ کا اس پر دل جمے کہ یہ خط خلیفہ ہی کا ہے تو اس پر عمل کرتے ہوئے اسے جاری کر دے"۔(۱)

اس عبارت میں پہلی شرط "إن كتب الخليفة" کی جزا محذوف ہے۔ چاہیں تو وہ جزا "ففيه تفصيل" مانیں یا اس کے ہم معنی کچھ اور۔

اور دوسری شرط "إذا كان الكتاب في الحكم" کی جزا "لا يقبل إلا بالشرائط التي ذكرناها" ہے۔

یہ شرط دو قیدوں کے ساتھ مقید ہے۔ (۱) في الحكم بشهادة شاهدين شهدا عنده. (۲) بمنزلة كتاب القاضي إلى القاضي.

جب یہ شرط ان دونوں ضروری قیود کے ساتھ پائی جائے گی تب اس پر "لا يقبل إلا بالشرائط" کا حکم جاری ہوگا اور اگر کوئی بھی ایک قید مرتفع ہوئی تو شرط کا تحقق نہ ہوگا، لہٰذا اس پر "لا يقبل إلا بالشرائط" کا حکم بھی جاری نہ ہوگا، کہ إذا فات الشرط فات المشروط تسلیم شدہ ضابطہ ہے۔ اب اگر خلیفہ کا خط بمنزلہ کتاب القاضی نہ ہو، جس سے مقصود اثبات حکم ہوتا ہے بلکہ ثابت شدہ حکم کے اعلان کے لیے ہو تو وہاں کتاب القاضی کے شرائط کا لحاظ ضروری نہ ہوگا۔

---

(۱) فتاوی عالمگیری ، جلد ۳، ص:۳۹٦، كتاب آداب القاضی، الباب الثالث والعشرون، کوئٹہ، پاکستان

(ا)-فتاوی عالمگیری کی عبارت "في الحكم بشهادة شاهدين" کا مفہوم ہے "دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ کے بارے میں"۔ اس کو یہ لازم نہیں ہے کہ خلیفہ نے فیصلہ صادر کر دیا، بلکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خلیفہ نے "فیصلہ کے بارے میں" شہادت لی اور اس کی تنفیذ کے لیے اپنے خط کے ذریعہ نقل شہادت کیا، اس طور پر یہ خط خلیفہ کے کیے ہوئے فیصلے سے متعلق نہ ہوا۔ ایسے خط کو فقہا «کتاب حکمی» کہتے ہیں اور فیصلہ بھیجے تو اسے «سجل» کہتے ہیں۔ مانع کے لیے اسی قدر کافی ہے۔

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ خلیفہ نے اپنا فیصلہ لکھ کر بھیجا تو بھی وہ "بمنزلہ کتاب القاضی الی القاضی" کی قید سے مقید ہے۔ مگر یہ کہاں ہے کہ اعلان کے لیے بھیجا، جس سے اعلان کا غیر معتبر ہونا ثابت ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ سارے عالم اسلام کا فرماں روائے اعظم ہوتا تھا، اس کی خدمت میں کسی بھی ریاست بلکہ کسی بھی ملک کا مقدمہ دائر ہو سکتا تھا۔ اب اگر اس نے کسی ملک یا کسی ریاست کے مقدمہ کا فیصلہ کر کے تنفیذ کے لیے اپنے قاضی کو خط لکھا تو خصم کہہ سکتا تھا کہ "یہ کتاب الخلیفہ نہیں ہے بلکہ مدعی نے [illegible] کی ہے" اور اس زمانے میں یہ آسانی نہ تھی کہ فوراً جانبین سے رابطہ قائم کر کے تحقیق پھر تصدیق حاصل کر لی جاتی، اس لیے خلیفہ اگر کسی شہر کے قاضی کے ذریعہ تنفیذ کرنا چاہتا تو اسے کتاب القاضی الی القاضی کے شرائط کی پابندی ضروری تھی تاکہ خصم کو مجال انکار نہ رہے اور خلیفہ کا فرمان رد ہونے سے محفوظ رہے۔

یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ خلیفہ پر قطعی یہ لازم نہیں کہ دیگر بلاد میں اپنے فیصلہ کو نافذ کرنے کے لیے انھیں بلاد کے قاضیوں کو واسطہ بنائے، بلکہ اسے اس کا بھی اختیار ہے کہ اپنے کسی آدمی کو تنفیذ کے لیے وہاں بھیج دے۔

فتاوی عالمگیری کے جزئیہ میں: "إن كتب الخليفة إلى قضاته" کا لفظ ہے جس سے عیاں ہے کہ اگر اپنے کسی شہر کے قاضی کو لکھے اور اس کا خط دو گواہوں کی شہادت پر فیصلہ سے متعلق "بمنزلہ کتاب القاضی الی القاضی" ہو تو شرائط کتاب القاضی کی رعایت کرے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی شہر کے آدمی پر اپنا حکم نافذ کرنے کے لیے وہ وہاں کے قاضی ہی کا پابند ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے۔

● جدید ذرائع ابلاغ سے ثبوت ہلال کے اعلان کو غیر معتبر ثابت کرنے کے لیے سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کے اس فتوے سے بھی استناد کیا جاتا ہے۔

"بعض لوگوں نے پیلی بھیت کے واسطے چاہا اور ان کو جواب دے دیا گیا کہ جب تک دو شاہد عدل لے کر نہ جائیں پرچہ کافی نہ ہوگا اور بلاد بعیدہ کو کیوں کر بھیجے جاتے۔"(۱)

اس کا جواب یہ ہے کہ پیلی بھیت کے لیے پرچہ نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسے اپنے حدود قضا میں شمار نہ کیا۔ دوسرا ضلع ہونے کی وجہ سے وہاں کے قاضی کے لیے دو شاہدوں کے ساتھ کتاب القاضی لے جانے کی ضرورت محسوس کی۔

---

(۱) فتاوی رضویہ ص: ۵۳۲، ج:۴، رضا اکیڈمی، ممبئی

اس پر یہ اعتراض ہوا کہ اگر اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اپنا دائرۂ قضا صرف ایک ضلع بریلی تک محدود سمجھا تو صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کو پورے غیر منقسم ہندوستان کا قاضی کیسے مقرر کیا؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ پیلی بھیت پرچہ بھیجنے سے انکار اور بریلی شریف میں پرچہ تقسیم کرانے کا واقعہ عید ۱۳۳۳ھ کا ہے۔ اسی پرچہ سے متعلق بلند شہر سے ۲۹؍ ربیع الآخر ۱۳۳۴ھ میں سوال آیا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جب کہ حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان بقید حیات تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت کے معاصر، اعلیٰ حضرت سے عمر میں بہت زائد اور پورے پیلی بھیت کے اعلم علما بلا اختلاف تھے اس لیے پیلی بھیت کو ان کے دائرۂ قضا میں ماننا اور اپنے دائرۂ قضا سے خارج جاننا عین مطابق واقعہ ہے۔

اس زمانے میں بدایوں، رام پور وغیرہ میں بھی اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے بہت سے معاصر و مخالف سنی علما موجود تھے جن کے حدود میں ان ہی کا حکم چلتا تھا اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ ان حدود سے تعرض نہ کرتے تھے، بلکہ بعض معاملات میں مسلم ریاست رام پور وغیرہ کے قاضی و حاکم کی جانب رجوع کی ہدایت بھی "فتاوی رضویہ" میں مذکور ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

"یہ مسئلہ پیلی بھیت کا ہے اور وہاں ان صفات مذکورہ کا کوئی عالم نہیں سوا مولانا محمد وصی احمد صاحب محدث سورتی دامت فیوضہم کے، تو ان کی طرف رجوع لازم اور ان پر واجب کہ بعد غور تمام و تحقیقاتِ تام جملہ مسائل مذکورہ و مصالح نابالغین و مالہم و ماعلیہم پر نظرِ غائر فرما کر حزم و احتیاط کامل سے کام لیں اور ذی رائے، دین دار اہل سنت، عمائد شہر کو رائے و شوریٰ میں شریک کریں۔ وباللہ العصمة والتوفيق والله سبحانه و تعالیٰ أعلم۔"[1]

اس لیے یہ ماننا قطعاً مطابق واقعہ نہیں کہ اس وقت امام احمد رضا قدس سرہ اپنے کو پورے ملک کا قاضی القضاۃ مانتے تھے اور اپنا حکم قضا پورے ملک کے لیے واجب العمل جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شعبان ۱۳۳۹ھ میں جب آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ برٹش حکومت اب زوال پذیر ہے اور اسلامی ریاستیں بھی ختم ہو سکتی ہیں اور مسلمانوں کے لیے اپنے معاملات کا تصفیہ دشوار ہوگا تو اس مسئلہ پر کئی دن غور کیا پھر ایک دن کمرے میں فرش بچھوایا، تخت لگوایا، صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کو تخت پر بٹھایا اور لوگوں کی موجودگی میں یہ اعلان فرمایا کہ اللہ رب العزت کی جانب سے مجھے جو حق ملا ہے اس کے باعث میں مولانا امجد علی صاحب کو پورے ملک کا قاضی بناتا ہوں اور مولانا مصطفیٰ رضا و مولانا برہان الحق کو ان کا نائب و معاون مقرر کرتا ہوں۔

(یہ بیان حضرت برہان ملت علیہ الرحمۃ کے مضمون، شائع شدہ مفتی اعظم نمبر، استقامت کان پور اور صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کی خود نوشت سوانح عمری میں موجود ہے)

---

(۱) فتاوی رضویہ ج ۵، ص: ۸۸۸۔۸۸۹، رضا اکیڈمی بمبئی

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آخر سالِ حیات میں جب اعلیٰ حضرت قدس سرہ سے بعض حضرات نے گزارش کی تو اس وقت کئی دن غور و خوض کے بعد اپنی قرار واقعی حیثیت کے مطابق عمل شروع کرتے ہوئے اپنے تلمیذ و مرید، افقہ علمائے موجودین صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ کو قاضی بنایا۔ یہ واقعہ بہت بعد کا ہے چھ سال قبل جو معاملہ ہوا اس کی وجہ وہی ہے کہ اپنا دائرۂ عمل بریلی تک محدود رکھا اور محدث سورتی علیہ الرحمۃ کے دائرۂ عمل کے لیے کتاب القاضی الی القاضی ضروری قرار دیا۔ دوسری جانب تحقیق و تفتیش کی دشواری اور احتیاط پسندی کی توجیہ بھی معقول ہے۔

آج قاضی القضاۃ کا اعلان ریڈیو سے نشر ہونے کے ساتھ فوراً پورے ملک میں پھیل کر نافذ ہو سکتا ہے اور دوسرے کسی بھی مقام سے فون، موبائل وغیرہ کے ذریعہ صحت اعلان کی جانچ بآسانی ہو سکتی ہے۔ ان حالات میں محتاط اور باوثوق ذرائع اختیار کرنے کے باوجود اعلان مذکور کو پورے ملک میں ناقابل عمل قرار دینے کے لیے کوئی قوی اور صریح دلیل پیش کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں مولانا محمد حنیف خاں بریلوی نے مولانا قاضی عبد الرحیم صاحب و مولانا بہاء المصطفیٰ قادری کے حوالہ سے یہ بھی بتایا کہ سرکار مفتی اعظم ہند علیہ الرحمۃ کا اعلان بریلی ضلع کے مختلف مقامات مثلاً بہیڑی وغیرہ میں ایک تحریر کی شکل میں لے کر ایک دو آدمی جاتے اور ہر جگہ اس کے مطابق اعلان و عمل ہوتا۔ وہ تحریر نہ بطور کتاب القاضی الی القاضی ہوتی، نہ ہی اس کی شرطوں کی کوئی رعایت ہوتی۔

مولانا محمد حنیف خاں رضوی نے بتایا کہ متعدد حضرات سے مجھے معلوم ہوا کہ آج بھی بریلی شریف میں دیگر مقامات کے لیے اعلان ہلال کا وہی طریقہ رائج ہے جو سرکار مفتی اعظم ہند کے زمانے میں تھا۔ اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ قاضی اپنے دائرۂ قضا میں اعلان کے لیے کتاب القاضی الی القاضی کی شرائط کا پابند نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

تقرر قضاۃ کے سلسلے میں ایک تجویز یہ پیش ہوئی کہ فرد کو قاضی بنانے کے بجائے علما کے ایک بورڈ کو قاضی مقرر کریں اور ایک بورڈ میں کم از کم تین منتخب علما شامل ہوں، ایک بورڈ صوبائی سطح کا ہو اور کچھ بورڈ کمشنری سطح کے ہوں۔

جن علاقوں میں مدارس اہل سنت پائے جاتے ہیں ان علاقوں میں ایسے مدرسے میں "مجلس قضا" قائم کریں جہاں لوگ بآسانی پہنچ سکیں اور فقہ سے شغف رکھنے والے باصلاحیت اور باعمل تین علما کا بورڈ قائم کریں، اگر ضرورت ہو تو انھیں قضا کی تربیت بھی دی جائے۔

جن مدارس کی طرف مسلمانوں کا رجوع زیادہ ہو ان کا دائرۂ قضا بھی اسی لحاظ سے وسیع رکھنا چاہیے، ثبوت ہلال کے مسئلے میں زیادہ توسیع نہ دی جائے لیکن فسخ نکاح بوجہِ فقدانِ زوج، وبوجہِ تعسرِ نفقہ، وبوجہِ جنون وعنّت اور ان جیسے دوسرے مسائل میں دائرۂ قضا اتنا وسیع کر دیا جائے کہ ریاستی سطح پر مسلمانوں کے خصومات

وقضایا آسانی کے ساتھ فیصل ہوسکیں اور انھیں در بدر بھٹکنا نہ پڑے۔ البتہ یہ وسعت صرف "مرکزی مجلس قضا" تک محدود رہے، یا پھر کم از کم کمشنری سطح پر ایسے مقدمات کی سماعت اور فیصلے کے لیے مجلس قضا قائم کر دی جائے۔ مگر ہر صوبے میں کمشنری سطح پر مجلس قضا کا قیام قحط الرجال کی وجہ سے دشوار ہے۔

اور رویت ہلال کے مسئلے میں بھی یہ توسیع ہونی چاہیے کہ ایک مجلس قضا کا اعلان کم از کم پورے ضلع میں قابلِ عمل قرار پائے۔

اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ

(۱) نمائندہ مدارس میں فقہ سے شغف رکھنے والے تین علما پر مشتمل مجلس قضا قائم کی جائے، ساتھ ہی ان کے لیے قضا کی ٹریننگ کی سہولت بھی فراہم کی جائے۔

(۲) رویتِ ہلال کے مسئلے میں ان کا اعلان کم از کم پورے ضلع میں قابلِ عمل مانا جائے۔

(۳) فقدان زوج اور تعسُّر نفقہ وغیرہا وجوہ کے باعث فسخ نکاح، یا تفریق بوجہ لعان و مصاہرت، یتیموں کے لیے وصی کا تعین، جمعہ و عیدین کے لیے امام و خطیب کا تقرر، زکاۃ و دیگر صدقات واجبہ کی وصولی کے لیے عاملین کا تقرر اور اس طرح کے دوسرے امور کے لیے "مرکزی مجلس قضا" کا دائرہ کم از کم ایک یا دو چند ریاستوں کو عام ہو۔ اور دو چند ریاستوں سے مراد ایسی ریاستیں ہیں جہاں مجلس قضا قائم نہ ہو سکے جیسے سِکِم، میگھالیہ، ناگالینڈ وغیرہ۔

مرکزی مجلس قضا کی حیثیت قاضی القضاۃ کی ہو جو اہل افراد کی شوریٰ سے ضلعی مجلس قضا میں حسبِ ضرورت ترمیم اور جزوی عزل و نصب کر سکے۔

اور ضلعی مجلس قضا کی حیثیت نائب قاضی کی مانی جائے، جو مرکزی مجلس کے ماتحت ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مجلس قضا قانونی ممانعت والے مقدمات مثل حدود و قصاص کے سوا تمام امور کے مقدمات کا فیصلہ کر سکتی ہے، البتہ کچھ امور ایسے ہیں جن کے تعلق سے صرف قاضی شریعت یا مجلس قضا کا فیصلہ ہی قابل تنفیذ ہو سکتا ہے۔ ایسے امور بھی کثیر ہیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

(۱) فسخ نکاح بوجہ فقدان زوج۔
(۲) فسخ نکاح بوجہ تعسُّر نفقہ۔
(۳) فسخ نکاح بوجہ جنون۔
(۴) فسخ نکاح بوجہ عِنّت۔
(۵) فسخ نکاح بوجہ خیار بلوغ۔
(۶) تفریق بین الزوجین بوجہ لعان۔
(۷) تفریق بوجہ حرمت مصاہرت۔
(۸) صغیر و صغیرہ بے ولی کا نکاح۔
(۹) یتیم بلا ولی کے وصی کا تقرر۔
(۱۰) جمعہ و عیدین کے امام و خطیب کا تقرر۔
(۱۱) عامل کا تقرر۔

اوران کے سوابھی دوسرے بہت سے امور جن کی تفصیل فتاوی رضویہ جلد ۷ رسالہ: الهبة الاحمدیه میں ہے۔

فتاوی رضویہ میں ہے:

”مسلمانوں کے معاملات اور اطفال مسلمین کے ولایات میں قاضی کا مسلمان ہونا شرط ہے... غرض اسلامی ریاستوں میں قاضیان ذی اختیار شرعی کا موجود ہونا واضح اور جہاں اسلامی ریاست اصلا نہیں وہاں اگر مسلمانوں نے باہمی مشورہ سے کسی مسلمان کو اپنے فصل مقدمات کے لیے مقرر کرلیا تو وہی قاضی شرعی ہے۔ مسلمانوں پرواجب ہے کہ اپنے کاموں میں اس کی طرف رجوع کریں اور اس کے حکم پر چلیں۔ **یتیمان بے ولی پروصی اس سے مقرر کرائیں نابالغان بے وصی کا نکاح اس کی رائے پر رکھیں“۔(۱)**

”اپنی ان دینی ضرورتوں کو پوری کرنے کے لیے اپنی تراضی سے ان امور کا قاضی مقرر کرلینا اور نصب امام وخطیب جمعہ وامام عیدین وتفریق لعان وعنین وتزویج قاصرین وقاصرات بلاولی وفسخ نکاح بخیار بلوغ وامثال ذلک امور جن میں کوئی مزاحمت قانونی نہیں اس کے ذمہ رکھنا بلاشبہہ میسر ہے، گورنمنٹ نے کبھی اس سے ممانعت نہ کی، جن قوموں نے اپنی جماعتیں مقرر کرلیں اور اپنے معاملات مالی ودیوانی قسم اول بھی باہم طے کر لیتے ہیں گورنمنٹ کوان سے بھی کچھ تعرض نہیں۔“(۲)

مندوبین نے اس تجویز سے اتفاق کے ساتھ اس میں یہ ترمیم رکھی کہ مجلس قضا میں ایک شخص کی حیثیت صدر مجلس اور قاضی کی ہو، باقی دو نائب قاضی ہوں۔ اس کے بعد اس پر عمل درآمد کے لیے محنت اور تگ ودو کی ضرورت بتائی اور یہ طے ہوا کہ اس طرح اگر کام ہوجائے تو بہتر ہے ورنہ ہر علاقہ کے اعلم علما کو اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے معاملاتِ مسلمین کے تصفیہ وحل کا کام انجام دینا چاہیے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایک ضمنی بحث یہ درپیش آئی کہ دیہات میں قاضی اور قضا کا عمل ہوسکتا ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ دیا گیا کہ روایت نوادر کی روشنی میں دیہات کے اندر قاضی اور عملِ قضا ہوسکتا ہے۔ اسی پر فتویٰ ہے۔ اس کی دلیل درج ذیل جزئیات ہیں۔

(۱) قلّده قضاء بلد كذا، لا يدخل السّواد والقرى بلا نصّ عليه، و هذا على رواية النوادر مستقيم، لأنّ المصر شرط لنفاذ القضاء.(۳) وعلى غير رواية النوادر فلا

---

(۱) فتاوىٰ رضويه، ج:۷، ص:۳۲۸. ملخصًا رضا اكيڈمی، ممبئی

(۲) فتاوىٰ رضويه، ج:۷، ص:۵۰٤. رضا اكيڈمی، ممبئی

(۳) هذا إذا قلّدهٗ مطلقاً أمّا إذا قلّده قضاء بلد مع السواد والقرىٰ فلا يكون المصر شرطا لنفاذ القضاء. ۱۲ المرتب غفرله

يدخل القرى و إن نص عليه، لعدم نفاذ القضاء فيه، و المأخوذ رواية النوادر للحاجة. (۱)

(۲) قضى في الرستاق نفذ لأن على رواية النوادر- وهو المأخوذ - المصر ليس بشرط لنفاذ القضاء. (۲)

(۳) المصر شرط لنفاذ القضاء فى ظاهر الرواية - وفي رواية النوادر لا، فينفذ في القرى، وفي عقار لا في ولايته على الصحيح. خلاصة -و به يفتى-بزازيه. (۳)

(۴) قال شمس الأئمة السرخسي -رحمه الله تعالى- في ظاهر الرواية عن أبي حنيفة -رحمه الله تعالى- المصر شرط لنفاذ القضاء، وهكذا ذكر الخصاف -رحمه الله تعالى- و إليه أشار محمد -رحمه الله تعالى- في الكتاب، و عن أبي يوسف رحمه الله تعالى المصر ليس بشرط لنفاذ القضاء. (۴) واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: قاضی نے اپنے حدود قضا سے باہر رہ کر بوجہ شہادت شرعیہ کوئی فیصلہ کیا اور اس کا اعلان جدید ذرائع ابلاغ مثلاً ٹیلی فون، فیکس وغیرہ سے کیا تو کیا وہ اعلان اس کے حدود قضا میں نافذ العمل ہوگا؟

جواب: قاضی اپنے حدود قضا سے باہر رہ کر اپنے حدود قضا کے لیے بھی کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔

عنایہ میں ہے:

قول القاضي في غير موضع قضائه كقول واحد من الرعايا. (۵)

بحر الرائق میں ہے:

القاضي إنما يصير قاضيا إذا بلغ الموضع الذي قُلِّد فيه القضاء. اهـ (۶)

---

(۱) الفتاوى البزازية، ج:۱، على هامش الهندية، ج:۵، ص:۱۳۵ كتاب آداب القاضى ، الفصل الأول، كوئٹہ، پاکستان

(۲) الفتاوى البزازية، ج:۱، على هامش الهندية، ج:۵، ص:۱۷٤ كتاب آداب القاضى، الفصل الرابع، قبيل نوع فى اليمين المضافة، كوئٹہ، پاکستان

(۳) در مختار مع رد المحتار، اوائل كتاب القضاء، ج:۵، ص:۵۰۱، دار الفكر، بيروت

(۴) خانيه بر هامش هنديه، ج: ۲، ص: ٤۵۰، كتاب الدعوى والبينات، فصل فى من يجوز قضاء القاضى إلخ، كوئٹہ، پاکستان،

(۵) عنايه، مطبوع مع فتح القدير، ج:۷، ص ۲۹۲، باب كتاب القاضى إلى القاضى، مكتبة التجاريه، مكة

(۶) بحر الرائق، كتاب الحوالة، باب كتاب القاضى إلى القاضى وغيره ، ج:۷، ص:۱۲، دار الكتب العلمية، بيروت.

واللہ تعالیٰ اعلم۔

سوال: اگر قاضی کو اپنے حدود ولایت سے باہر رہ کر اپنے دائرۂ ولایت کے لیے کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں ہے تو کیا جدید ذرائع ابلاغ کے ذریعہ کسی پیش آمدہ مسئلے میں فیصلہ کرنے کے لیے کسی کو اپنا نائب بنا سکتا ہے؟

جواب: وہ قاضی جسے اپنا نائب مقرر کرنے کا حق شرعاً حاصل ہے وہ اپنے حدود قضا کے لیے جدید ذرائع ابلاغ مثلاً ٹیلی فون، فیکس، ای میل کے ذریعہ اپنا نائب وخلیفہ بنا سکتا ہے۔ البتہ جس کے پاس اس قسم کا فون، فیکس یا ای میل آئے وہ دوبارہ اصل قاضی سے رابطہ کر کے تحقیق کر لے کہ واقعتاً اسی کا فون، فیکس، ای میل ہے۔

بحر الرائق میں ہے:

وظاهر إطلاقهم أن المأذون له بالإستخلاف صريحا أو دلالة يملكه قبل الوصول إلى محل قضائه كما يملكه بعده، وقد جرت عادتهم إذا ولوا ببلد السلطان قضاء بلدة بعيدة بإرسال خليفة يقوم مقامهم إلى حضورهم ، وقد سئلت عنها في سنة تسع و تسعين و تسع مائة فأجبت بذلك،والله الموفق(۱) والله تعالىٰ أعلم.

(۱) بحر الرائق، ج:۷، ص:۷، مطبع دار الكتب العلمية، بيروت

شرکاے سیمینار

(اکابر)

(۱) پیر طریقت حضرت علامہ سید کمیل اشرف صاحب اشرفی مصباحی، سجادہ نشین حضرت مخدوم ثانی علیہ الرحمہ، کچھوچھہ شریف

(۲) عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ صاحب، سرپرست مجلس شرعی وسربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ

(۳) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، شیخ الجامعہ وصدر مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ

(۴) حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۵) حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، شیخ الحدیث دارالعلوم نور الحق چرہ محمد پور، فیض آباد

(۶) حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی، مفتی وشیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد۔

اسماے گرامی اصحاب مقالات (جو شریک سیمینار ہوئے)

(۷) مفتی محمد نظام الدین رضوی — ناظم مجلس شرعی وصدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ

(۸) علامہ مفتی زین العابدین شمسی — صدر مدرس مدرسہ امداد العلوم، مٹہنا، سدھارتھ نگر

(۹) مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی — صدر مدرس جامعہ نوریہ، بریلی شریف

(۱۰) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، مئو

(۱۱) مفتی محمد حبیب اللہ خاں نعیمی مصباحی — استاذ دارالعلوم فضل رحمانیہ پچپیڑوا، بلرامپور

(۱۲) مولانا عبدالحق رضوی مصباحی — رکن مجلسِ شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۳) مولانا بدر عالم مصباحی — رکن مجلس شرعی واستاذ جو مفتی امعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۴) مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی — رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۵) مولانا آل مصطفیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو

(۱۶) مولانا نفیس احمد مصباحی — رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۷) مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی — استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ، مئو

(۱۸) مولانا شمس الہدیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی واستاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۹) مفتی اختر حسین قادری — استاذ دارالعلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی
(۲۰) مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی — استاذ دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی
(۲۱) مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۲) مفتی محمد نسیم مصباحی — رکن مجلس شرعی واستاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۲۳) مفتی ابرار احمد امجدی — مہتمم مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی
(۲۴) مولانا محمد ناظم علی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۵) مفتی عبدالسلام رضوی مصباحی — مدرسہ انوار العلوم، تلسی پور، بلرام پور
(۲۶) مولانا محمد شہاب الدین نوری — استاذ و مفتی دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۲۷) مولانا قاضی شہید عالم رضوی — استاذ جامعہ نوریہ، بریلی شریف
(۲۸) مولانا شبیر احمد مصباحی — صدر مدرس مدرسہ سراج العلوم برگدہی، مہراج گنج
(۲۹) مولانا قاضی فضل رسول مصباحی — استاذ مدرسہ سراج العلوم برگدہی، مہراج گنج
(۳۰) مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی — جامعہ عربیہ انوار القرآن، بلرام پور
(۳۱) مولانا ابرار احمد اعظمی — استاذ دارالعلوم ندائے حق، جلال پور، امبیڈکر نگر
(۳۲) مولانا زاہد علی سلامی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۳) مولانا محمد سلیمان مصباحی — استاذ جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۳۴) مولانا محمد انور نظامی مصباحی — مہتمم مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ
(۳۵) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی — استاذ و مفتی مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس
(۳۶) مولانا اختر کمال قادری مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۷) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۸) مولانا ساجد علی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۹) مولانا غلام جیلانی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۰) مولانا دستگیر عالم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۱) مولانا خواجہ آصف رضا نوری مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۲) مولانا محمد رفیع الزماں مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۴۳) مولانا مقصود احمد مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۴) مولانا محمد عرفان عالم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۵) مولانا شیر محمد برکاتی مصباحی — استاذ دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۴٦) مولانا احمد رضا مصباحی — استاذ دار العلوم تنویر الاسلام، امرڈوبھا، سنت کبیر نگر
(۴۷) مولانا محمد قاسم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۸) مولانا محمد جابر خاں مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۴۹) مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۰) مولانا محمد اشتیاق عالم نوری مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۱) مولانا نثار احمد خاں مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۲) مولانا صباح الدین مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۳) مولانا محمد توفیق برکاتی مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۴) مولانا محمد شبیر عالم مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۵) مولانا محمد صفی اللہ مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵٦) مولانا محمد شاہد رضا مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۷) مولانا محمد رحمت علی مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۸) مولانا محمد صابر مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(۵۹) مولانا محمد شمشیر عالم رضوی مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(٦۰) مولانا محمد احتشام الدین مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(٦۱) مولانا محمد شمشیر علی رضوی مصباحی — درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ
(٦۲) مولانا نیاز احمد نعیمی — شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ
(٦۳) مولانا محمد شہروز عالم مصباحی — شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ
(٦۴) مولانا محمد مجاہد حسین مصباحی — شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ
(٦۵) مولانا محمد انور حسین مصباحی — شعبۂ تقابل ادیان، جامعہ اشرفیہ

اسمائے گرامی اصحابِ مقالات (جو شریک سیمینار نہ ہو سکے)

(٦٦) مفتی شیر محمد خاں رضوی — دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور، راجستھان

(۶۷) مفتی شفیق احمد شریفی — افضل المدارس، الہ آباد
(۶۸) مفتی عنایت احمد نعیمی — صدر مدرس الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، بلرام پور
(۶۹) مفتی نذر محمد قادری — دار العلوم ربانیہ، باندہ
(۷۰) مولانا محمد اسحاق مصباحی — کیمری، رام پور
(۷۱) مفتی محمد معراج القادری مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۲) مولانا محمد عالمگیر مصباحی — دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور، راجستھان
(۷۳) مولانا معین الدین مصباحی — دار العلوم بہار شاہ، حسنو کٹرہ، فیض آباد
(۷۴) مفتی محمود احمد برکاتی مصباحی — دار العلوم قادریہ، دودھی، سون بھدر
(۷۵) مولانا محمد رابع نورانی — دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۷۶) مفتی محمد عالم نوری مصباحی — دار العلوم غوثِ اعظم، ہزاری باغ
(۷۷) مولانا محمد محسن رضا برکاتی — دار العلوم انوارِ مصطفیٰ رضا، دھرول، گجرات
(۷۸) مفتی محمد محمود اختر مصباحی — دار العلوم انوارِ مصطفیٰ رضا، دھرول، گجرات
(۷۹) مفتی محمد کونین عالم نوری مصباحی — دار العلوم انوارِ مصطفیٰ رضا، دھرول، گجرات
(۸۰) مولانا محمد اشرف جیلانی مصباحی — دار العلوم عزیزیہ، نان پارہ، بہرائچ
(۸۱) مولانا محمد سلیم الدین رضوی مصباحی — ڈمکا۔

بقیہ شرکاے سیمینار جن کے مقالے موصول نہ ہوئے

(۸۲) مولانا یٰسین اختر مصباحی — دار القلم، دہلی
(۸۳) مولانا محمد ادریس مصباحی — مہنداول، بستی
(۸۴) مولانا نصیر الدین عزیزی مصباحی — رکن مجلسِ شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۸۵) مولانا اسرار احمد مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۶) مولانا اعجاز احمد مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۷) مولانا محمد عبد المبین نعمانی مصباحی — رکن المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۸۸) مولانا سید احمد اشرف مصباحی — کچھوچھہ شریف
(۸۹) مولانا مبارک حسین مصباحی — رکن مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۰) مولانا صاحب علی صاحب — اشاعت الاسلام، پرتاول، مہراج گنج

(۹۱) مولانا انوار احمد امجدی	کتب خانہ امجدیہ، دہلی
(۹۲) مفتی محمد عابد حسین مصباحی	مفتی مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور
(۹۳) مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۴) مولانا جمال مصطفیٰ قادری مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۵) مولانا افروز قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ
(۹۶) مولانا مفتی بشیر القادری	دار العلوم حضرت عائشہ، گریڈیہ
(۹۷) مولانا غلام نبی مصباحی	جامعہ اشرفیہ
(۹۸) مولانا شکیل احمد مصباحی	نائب ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۹) مولانا رفیع القدر مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۰) مولانا حسیب اختر مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۱) مولانا مشرف علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۲) مولانا کاظم علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰۳) مولانا محمد رئیس مصباحی	کچھوچھہ شریف۔

[حضرت مفتیِ اعظم راجستھان ۲۹ر نومبر ۲۰۰۵ء کو جامعہ اشرفیہ میں اپنے قیام کے دوران شارح بخاری دار الافتا میں تشریف لائے اور بارہ سیمیناروں کے فیصلے ملاحظہ فرما کر ان الفاظ میں تصدیق فرمائی:]

"مجلسِ شرعی کے جتنے فیصلے آج تک ہوئے ہیں، ان کی تصدیق کرتا ہوں۔"

(۱۰۴) محمد اشفاق حسین نعیمی، صدر مدرس دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور

مفتیِ اعظم راجستھان

۲۹ر نومبر ۲۰۰۵ء

حضرت کی اصل تحریر اور دستخط کا عکس یہ ہے

مجلس شرعی کے جتنے فیصلے آج تک ہوئے ہیں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ محمد اشفاق حسین نعیمی
صدر مدرس دار العلوم اسحاقیہ جودھ پور
مفتی اعظم راجستھان
۲۹ر نومبر ۲۰۰۵ء

تیرہواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۲۰/۲۱/۲۲/ صفر ۱۴۲۷ھ
مطابق ۲۱/۲۲/۲۳/ مارچ ۲۰۰۶ء
بروز سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ
بمقام امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فیصلہ ۲۵ - [illegible] - ۲۷ - ۲۸ - ۲۹ - مسائلِ حج
فیصلہ ۳۰ - دنیا کی حکومتیں اور ان کی شرعی حیثیت
فیصلہ ۳۱ - آنکھ اور کان میں دوا ڈالنا مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟
فیصلہ ۳۲ - تقلیدِ غیر، کب جائز، کب ناجائز؟
☆ - شُرکاے سیمینار

فیصلہ (۲۵تا۲۹)

مسائل حج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ حامدًا و مصلّیاً و مسلّمًا

① یہ مسئلہ واضح ہے کہ حاج مفرد، اسی طرح قارن دخولِ احرام سے اتمام حج تک مستقل احرام سے عمرہ نہیں کر سکتا، کیوں کہ تا اتمام حج ان کا پہلا احرام حجِ افراد یا حجِ قران برقرار ہے جس کے ہوتے ہوئے کسی اور احرام مستقل کی گنجائش نہیں۔ یہی حکم اس متمتّع کے لیے بھی ہے جو ہدی (حج کی قربانی) کا جانور ساتھ لے گیا ہے۔

لیکن وہ متمتّع جو ہدی ساتھ نہیں لے گیا ہے وہ عمرہ ادا کرنے کے بعد حلال ہو جاتا ہے، پھر حج کا احرام ایامِ حج سے ذرا پہلے باندھ کر حج ادا کرتا ہے، درمیانی وقفہ میں وہ مزید عمرے کر سکتا ہے یا نہیں، یہ مسئلہ اختلاف فقہا کی وجہ سے حل طلب تھا۔ اس لیے ایسے متمتّع سے متعلق **سوال** ہوا کہ:

①۔ ”حج سے پہلے مزید عمرے کرنا جائز ہے یا ناجائز؟“

جواب یہ ہے کہ:

جو آفاقی، حج تمتع کے ارادے سے مکہ معظمہ گیا وہ عمرۂ تمتع کے علاوہ مزید عمرے حج سے پہلے کر سکتا ہے۔ مگر بعض فقہا چوں کہ ایک سے زیادہ عمرے کرنے سے منع فرماتے ہیں اور اختلاف فقہا کی رعایت اولیٰ ہے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ جسے حج کے بعد بھی مکہ معظمہ میں قیام کی سعادت نصیب ہو وہ ۱۳؍ ذی الحجہ کے بعد ہی عمرے کرے اور جسے حج کے بعد جلد ہی وہاں سے کوچ کرنا ہو وہ حج سے پہلے بھی جتنے عمرے چاہے کر سکتا ہے۔ لباب المناسک میں ہے:

”لا یعتمر (المتمتع) قبل الحج.“ اھ

اس کے تحت شرح لباب میں ہے:

"وهذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة أيضا، وقد سبق أنه غير صحيح بل إنه ممنوع من التمتع والقران، وهذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة فجاز له تكرارها؛ لأنها عبادة مستقلة أيضا كالطواف." اه (شرح لباب)

فتح القدیر میں ہے:

ثم ظهر لي أن الوجه منع العمرة للمكي في أشهر الحج سواء حج من عامه أولا. اه. (۱)

ردالمحتار میں فتح القدیر کی درج بالا عبارت کے تحت فرماتے ہیں:

"إنه ليس بمذهب لعلمائنا ولا للأئمة الأربعة، ولا خلاف في عدم كراهتها لأهل مكة." اه. (۲)

منحۃ الخالق میں باب تمتع کے اخیر میں ہے:

"والظاهر أن المتمتع بعد فراغه من العمرة لا يكون ممتنعًا من إتيان العمرة فإنه زيادة عبادة وهو وإن كان في حكم المكي إلا أن المكي ليس ممنوعا عن العمرة فقط على الصحيح، وإنما يكون ممنوعا عن التمتع كما تقدم. اه ما في اللباب." اه. (۳) والله تعالىٰ أعلم.

۲ دوسرا سوال: حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے یا نہیں؟

چوں کہ مشائخ کرام نے حج بدل تفویض کرنے کی صورت یہ بتائی ہے کہ بھیجنے والا اپنے مامور کو افراد یا قران، کسی کی بھی اجازت دے سکتا ہے۔ اس سے بعض فقہانے یہ اخذ کیا کہ وہ تمتع نہیں کر سکتا، ورنہ قول مشائخ میں اس کا بھی ذکر ہوتا۔ اس کے ساتھ ان فقہانے یہ وجہ بھی بیان فرمائی کہ حج بدل کی شرط یہ ہے کہ حج آفاقی ہو، اور اگر وہ تمتع کی صورت اپنائے تو عمرہ کا احرام ختم ہونے کے بعد اس کا احرام حج مکہ ہی سے ہوگا، اس صورت میں اس کا حج مکی ہوا، آفاقی نہ ہوا، اس لیے اس کی اجازت اس کے لیے نہیں ہونی چاہیے۔

مگر بیش تر فقہاے کرام کی عبارتوں سے حج بدل والے کے لیے تمتع کا جواز ثابت ہوتا ہے اور اس بارے میں علامہ علی قاری نے جو دو وجہیں عدم جواز کی پیش کی ہیں ان کا مفصل جواب امام احمد رضا قدس سرہ

(۱) فتح القدير، ج:۳، ص:۱۱، كتاب الحج، باب التمتع، پوربندر، گجرات.
(۲) رد المحتار، ج:۲، ص:۵۲۱، كتاب الحج، مطلب أحكام العمرة، دار الفكر، بيروت.
(۳) منحة الخالق، ج:۲، ص:۶۴۵، كتاب الحج، باب التمتع، دار الكتب العلمية، بيروت.

نے جد الممتار میں رقم فرمادیا ہے۔ اس لیے حکم یہی ہے کہ آمر کی اجازت سے حج بدل کرنے والا تمتع کر سکتا ہے اور اس میں اس کی کوئی قید نہیں کہ حج کا احرام باندھنے کے لیے اہل آفاق کی میقات پر آئے، بلکہ حدودِ حرم میں جہاں سے چاہے حج کا احرام باندھے اور مسجد الحرام شریف سے باندھنا افضل ہے۔ جن عبارتوں سے استدلال ہے وہ یہ ہیں:

کنز الدقائق میں ہے:

"ودم القِران والجناية على المأمور."

اس کے تحت بحر الرائق میں ہے:

"وأراد بالقران دم الجمع بين النسكين قِرانا كان أو تمتُّعا، كما صرح به في غاية البيان، لكن بالإذن المتقدم." اھ (۱)

الاختيار لتعليل المختار میں ہے:

"ودم المتعة والقران والجنايات على المأمور". (۲)

النہر الفائق میں ہے:

"ودم القران والتمتع والجناية على المأمور." (۳)

در مختار میں ہے:

"ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع و إلا فيصير مخالفا، فيضمن." (۴)

لباب میں ہے:

و ينبغي للآمر أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: "حج عني كيف شئت مفردا أو قارنا أو متمتعا." (۵)

ایک اور مقام میں ہے:

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ص:۱۱۷، ج:۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) الاختيار لتعليل المختار، ص:۱۱۹، باب الحج عن الغير

(۳) النهر الفائق، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ص:۱٦٥، ج:۲، دار الكتب العلمية، بيروت

(۴) در مختار مع رد المحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ص:۳۲، ج:۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۵) اللباب، باب الحج عن الغير، فصل فی النفقة، ص:۳۰٤، مصر.

لو أمره بالقران أو التمتع فالدم على المأمور. (۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ ان عبارتوں کی روشنی میں فرماتے ہیں:

"الحمد لله هذا نص صريح في جواز التمتع في حج البدل، وأنه إذا كان بإذن الآمر لا يكون خلافا وأن النسكين يقعان عن الآمر وإلا لزم الخلاف." (۲)

حضرت ملا علی قاری لباب کی مقدم الذکر عبارت "حج عني كيف شئت مفردا أو قارنا أو متمتعا" کے تحت فرماتے ہیں:

فيه أن هذا القيد سهو ظاهر، إذ التفويض المذكور في كلام المشايخ مقيّد بالإفراد والقران لا غير، ففي الكبير: قال الشيخ الإمام أبو بكر محمد بن الفضل: "إذا أمر غيره أن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حج عني بهذا كيف شئت إن شئت حجة (فَحَجَّ) وإن شئت فاقرن... وقد سبق أيضا أن من شرط الحج عن الغير أن يكون ميقاتيا آفاقيا، وتقرر أن بالعمرة ينتهي سفره إليها ويكون حجه مكيا." اهـ (۳)

حضرت علامہ علی قاری نے صاحب لباب کے قول: "لو أمره بالقران أو التمتع" میں تمتّع کو معنی لغوی پر محمول کیا، اس پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ محققانہ کلام فرمایا ہے، رقم طراز ہیں:

أقول: حمله على المعنى اللغوي في غاية البعد، وأما اقتصار المشايخ على الإفراد والقران فربما يريدون بالقران ما هو أعمّ من التمتع؛ لأن في كليهما الجمع بين النسكين، وقد نقل العلامة الشارح عن الإمام القاضي خان. أول باب العمرة ص: ٢٥٥ أن وقتها جميع السنة إلا خمسة أيام يكره فيها العمرة لغير القارن اهـ. فقال العلامة نفسه: يعني في معناه المتمتع. اهـ.

وعبارة الخانية ظاهرة في وفاق اللباب وحملها على عكس الترتيب لا يفيد فإن العمرة عن غيره الآفاقي كالحج عنه في وجوب كون كل عن ميقاته الآفاقي إذا استنابه في أحدهما. وقد قال في اللباب وشرحه ص: ٢٤٥: لو أمره بالعمرة فحج عنه أو عن نفسه ثم اعتمر له لم يجز. اهـ.

---

(۱) اللباب، باب الحج عن الغير، فصل جميع الدماء المتعلقة بالحج، ص: ٣٠٥، مصر

(۲) جد الممتار، ج: ٢، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ص: ٢٦٣، المجمع الاسلامی، مبارك پور

(۳) شرح اللباب، باب الحج عن الغير، فصل في النفقة، ص: ٣٠٤، مصر

واشتراط كون الحج عن الغير ميقاتيا مسلّم بالمعنى الأعم الشامل لميقات المكي و غيره، أما اشتراط كونه من الميقات الآفاقي فغير مسلّم مطلقا، و لذا لما قال في اللباب في شرائط الحج عن الغير "العاشر: أن يحرم من الميقات" قال القاري: أي من ميقات الآمر ليشمل المكي وغيره اه.

و لا شك أن الآمر لو تمتع بنفسه لكان ميقاته للحج الحرم، فكذا نائبه بإذنه، ولما فرع عليه في اللباب بقوله: فلو اعتمر وقد أمره بالحج ثم حج من مكة لا يجوز و يضمن، قال في الكبير: ولا يجوز ذلك عن حجة الإسلام ؛لأنه مأمور بحجة ميقاتية إه ... قال القاري ص: ٢٤٤: فيه أنه إن أراد بالميقاتية المواقيت الآفاقية ففي إطلاقه نظر ظاهر إذ تقدم أن المكي إذا أوصى بالري أن يحج عنه، يحج عنه من مكة، و كذا سبق أن من أوصى أن يحج عنه من غير بلده يحج كما أوصى قرب من مكة أو بعد اه. ... فكيف يجعل الآفاقية شرطا هنا، بل هو في شك ههنا من نفس شرط الميقاتية فضلاً عن الآفاقية حيث قال بعده : و أيضا فيه إشكال آخر حيث أن الميقات من أصله ليس شرطا لمطلق الحج و أصالته، بل إنه من واجباته فكيف يكون شرطا وقت نيابته فإن وجد نقل صريح أو دليل صحيح فالأمر مسلّم و إلا فلا اه. ـ ولا نسلم أن سفره هذا يتجرد للعمرة ولا يكون للحج كمن سعى إلى الجمعة و صلّى قبلها السنة لا يكون سعيه مصروفا عن الجمعة كما نص على التنظير به في الهداية.

ثم إن اللباب نص في باب التمتع في فصل منه ص: ١٤٨: إنه لا يشترط لصحة التمتع أن يكون النسكان عن شخص واحد حتى لو أمره شخص بالعمرة وآخر بالحج جاز اه.

وقد أقره عليه القاري ثمه قائلا: أي :و اذنا له في التمتع جاز لكن دم المتعة عليه في ماله اه. فهذا إذعان منه لما في اللباب فإذن الجواز هو الجواب . والله تعالى أعلم بالصواب.(۱)

*اس بحث کے تحت یہ **سوال** پیدا ہوا کہ آمر نے کوئی صراحت نہ کی، بلکہ بغیر کسی قید اور صراحت کے*

---

(۱) جد الممتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، ص:۲٦۳، ٢٦٤، ٢٦٥، ج:۲، المجمع الاسلامی، مبارك پور

کسی کو حج بدل کے لیے بھیج دیا اور جانے والے نے تمتع کیا تو حج آمر کی طرف سے ادا ہو گیا، یا مامور کی طرف سے ہوا اور اس پر خرچ کا تاوان دینا لازم آیا؟

اس کے **جواب** میں مندوبین نے بتایا کہ عموماً ایسا جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ آمر و مامور اقسامِ حج کا علم نہیں رکھتے، اور آمر یہ خیال کرتا ہے کہ جیسے حج ہوتا ہے ویسے ہی میرا مامور میری جانب سے حج ادا کرے گا۔ اب اکثر لوگ حج تمتع کرتے ہیں کیوں کہ اس میں ان کے لیے راحت بھی ہے اور حجِ افراد کی بہ نسبت ثواب بھی زیادہ ہے۔ قران اگرچہ سب سے افضل ہے مگر اس میں عمرہ ادا کرنے کے بعد حلال نہیں ہوتا اور احرام کی پابندی اتمام حج تک حجِ افراد کی طرح برقرار رہتی ہے، تو یہ مانا جائے گا کہ عموماً جیسا حج ہوتا ہے وہ حج تمتع ہے، اس لیے آمر کی اجازت اور مامور کی بجاآوری بر بنائے عرف اسی پر محمول ہوگی، البتہ مامور کو یہ چاہیے کہ آمر سے مطلق اجازت لے لے، اسی طرح آمر بھی اسے عام اجازت دے دے کہ تم (افراد، قران، تمتع) جیسے چاہو میری جانب سے حج ادا کرو۔

لباب میں ہے:

"وينبغي للآمر أن يفوض الأمر إلى المأمور فيقول: حج عني كيف شئت مفردا أو قارنا أو متمتعا."(۱)

اس ضمن میں یہ مسئلہ بھی مامور کو بتایا جائے کہ وہ تمتع یا قران کرے تو قربانیِ واجب کا خرچ خود اس کے ذمہ ہوگا آمر کے ذمہ نہیں، آمر اگر نام لے کر تمتع یا قران کا مامور بنائے جب بھی یہی حکم ہے۔

لباب ص: ۳۰۵ پر ہے:

"لو أمره بالقران أو التمتع فالدم على المأمور." اھ. (كذا في الكنز و البحر والنهر والاختيار وغيرها)

دوسری قابلِ توجہ بات یہ سامنے آئی کہ مامورین تمام اخراجات آمرین کے مال سے کرتے ہیں جب کہ آمر کے مال سے مامور کو صرف وہی اخراجات کرنے کی اجازت ہے، جو ادائے حج کے سلسلے میں ضروری ہیں، اور جو مال بچے اسے آمر کو واپس کرنا ضروری ہے۔ بہارِ شریعت میں لباب کے حوالہ سے ہے:

"مصارف حج سے مراد وہ چیزیں ہیں جن کی سفرِ حج میں ضرورت پڑتی ہے، مثلاً کھانا، پانی، راستہ میں پہننے کے کپڑے، احرام کے کپڑے، سواری کا کرایہ، مکان کا کرایہ، مشکیزہ، کھانے پینے کے برتن، جلانے اور سر میں ڈالنے کا تیل، کپڑے دھونے کا صابن، پہرہ دینے والے کی اجرت، حجامت کی بنوائی۔ غرض جن چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے ان کے اخراجات متوسط کہ نہ فضول خرچی ہو نہ بہت کمی، اور اس کو یہ اختیار نہیں

(۱) لباب، ص: ۳۰۵، مطبع مصر

کہ اس مال سے خیرات کرے، یا کھانا فقیروں کو دے دے، یا کھاتے وقت دوسروں کو بھی کھلائے، ہاں! اگر بھیجنے والے نے ان امور کی اجازت دے دی ہو تو کر سکتا ہے۔" (۱)

واپسی مال سے متعلق اسی میں در مختار و رد المحتار کے حوالے سے ہے:

"حج سے واپسی کے بعد جو کچھ بچا اسے واپس کر دے، اسے رکھ لینا جائز نہیں اگرچہ وہ کتنی ہی تھوڑی سی چیز ہو۔ یہاں تک کہ توشہ میں سے جو کچھ بچا وہ، اور کپڑے، اور برتن غرض تمام سامان واپس کر دے، بلکہ اگر شرط کرلی ہو کہ جو بچے گا واپس نہ کروں گا، جب بھی، کہ یہ شرط باطل ہے مگر دو صورتوں میں۔

اول یہ کہ بھیجنے والا اسے وکیل کر دے کہ جو بچے اسے اپنے کو توہبہ کر دینا اور قبضہ کر لینا۔

دوم یہ کہ اگر قریب بہ مرگ ہو تو اسے وصیت کر دے کہ جو بچے اس کی میں نے تجھے وصیت کی، اور اگر یوں وصیت کی کہ وصی سے کہہ دیا کہ جو بچے وہ اس کے لیے ہے، جو بھیجا جائے یا تو جسے چاہے دے دے، تو یہ وصیت باطل ہے، وارث کا حق ہو جائے گا اور واپس کرنا پڑے گا۔" (۲)

(۳) **تیسرا سوال** یہ تھا کہ طواف افاضہ کے وقت عورت حیض یا نفاس سے دوچار ہوئی تو وہ طوافِ فرض کیسے کرے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ طواف فرض کا وقت مدۃ العمر ہے اس لیے وہ پاک ہونے تک انتظار کرے اور پاک ہونے پر وہ طواف کر کے واپس ہو۔

یہ عمل اس عورت کے لیے تو آسان ہے جسے بعد میں حسبِ ضرورت اقامت کی اجازت حکومت کی طرف سے حاصل ہو، لیکن جس عورت کے لیے ایسی اجازت حکومت سے نہ ہو اس کے لیے مزید قیام کر کے طواف کی ادائگی دشوار ہے، اور ناپاک ہوتے ہوئے طواف بھی ناجائز ہے، کیوں کہ مذہبِ حنفی میں طواف کے لیے طہارت واجب ہے۔

اس مسئلہ کے کئی گوشوں پر دیر تک بحث و تمحیص جاری رہی، آخر میں درج ذیل امور پر اتفاق رائے ہوا۔

(۱) حج کے لیے جانے والی عورتیں پہلے کوشش کریں کہ درخواست حج کے فارم کے ساتھ یہ درخواست بھی کریں کہ ہماری فلائٹ بعد میں رکھی جائے۔ تاکہ انھیں بعد حج مزید قیام کا موقع ملے اور ایام نحر میں دم آجائے تو بعد کے زمانۂ اقامت میں ادائے طواف بہ خوبی میسر ہو۔

(۲) اگر اس نے درخواست نہ دی یا منظوری نہ ملی اور ایسی صورت پیش آگئی کہ وقتِ طواف ہو گیا اور

---

(۱) بہارِ شریعت، ج:۶، ص:۱۶۱، قادری کتاب گھر، بریلی شریف۔
(۲) بہارِ شریعت، ج:۶، ص:۱۶۱، ۱۶۲، قادری کتاب گھر، بریلی شریف۔

ادائگی طواف سے پہلے عورت کو دم آگیا تو مدت قیام میں توسیع کے لیے کوشش کرے، اس میں کامیابی مل گئی تو بھی طواف بہ خوبی اس کے لیے میسر ہو گا۔

(۳) اگر اس کوشش میں بھی ناکامی ہو تو اس کے لیے وہی حکم ہے جو فقہا نے تحریر فرمایا ہے کہ اگر وہ کسی عالم سے اپنا حکم دریافت کرے تو وہ اسے بتا دے کہ اگر ناپاکی میں تو نے طواف کیا تو گنہ گار ہو گی اور تجھے توبہ کرنا ہو گا، البتہ فرض ادا ہو جائے گا اور حرم میں بدنہ کی قربانی تیرے اوپر لازم ہو گی۔

(۴) اگر عورت کو ایامِ نحر کے شروع میں یا اخیر میں پاکی کا وقت میسر ہوتا ہے تو جہاں تک ہو سکے اس وقت کے اندر طواف فرض جلد سے جلد ادا کر لے۔

ردالمحتار میں ہے:

تنبيه: نقل بعض المحشيين عن منسك ابن أمير حاج: لو هم الركب على القفول ولم تطهر فاستفتت هل تطوف أم لا؟

قالوا: يقال لها: لا يحل لكِ دخول المسجد و إن دخلتِ وطفتِ أثمتِ وصح طوافكِ و عليكِ ذبح بدنة. وهذه المسألة كثيرة الوقوع يتحير فيها النساء. اهـ (۱)

(۴) **چوتھا مسئلہ** یہ پیش ہوا کہ جوان ساس اپنے داماد کے ساتھ، اسی طرح بہو اپنے جوان خسر کے ساتھ سفرِ حج کو جائے تو اس کا جواز ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ پر دیر تک بحث جاری رہی۔ بعض حضرات نے ایسی عبارتیں پیش کیں جن کا رجحان عدم جواز کی طرف ہے اور بعض حضرات نے ایسی عبارتیں پیش کیں جن میں بعض قیدوں کے ساتھ جواز کا حکم ملتا ہے۔

بہ نظر حالاتِ زمانہ وغلبۂ فساد یہ فیصلہ کیا گیا کہ:

عورت حتی الامکان اپنے شوہر یا قابلِ اطمینان محرمِ نسبی کے ساتھ سفر کرے اور جوان ساس اپنے داماد کے ساتھ اسی طرح بہو اپنے جوان خسر کے ساتھ سفر نہ کرے۔

ردالمحتار میں ہے:

"نقل السيد أبو السعود عن نفقات البزازية: لا تسافر بأخيها رضاعا فی زماننا. اهـ. أي لغلبة الفساد.

قلت: و يؤيده كراهة الخلوة بها كالصهرة الشابة، فينبغي إستثناء الصهرة الشابة هنا أيضا؛ لأن السفر كالخلوة." اهـ. (۲)

---

(۱) رد المحتار، كتاب الحج، مطلبٌ فی طواف الزيارة، ج:۳، ص:۵۳۹، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) رد المحتار، كتاب الحج، مطلبٌ يقدم حق العبد على الحق الشرع، ج:۳، ص:۴۶۴، دار الكتب العلمية، بيروت

فتاوی رضویہ رسالہ انور البشارۃ میں ہے:

"عورت کے ساتھ جب تک شوہر یا محرم بالغ قابلِ اطمینان نہ ہو، جس سے نکاح ہمیشہ کو حرام ہے، سفر حرام ہے، اگر کرے گی حج ہو جائے گا، مگر ہر قدم پر گناہ لکھا جائے گا۔" (۱)

در مختار میں ہے:

"والخلوة بالمُحرّمةِ مباحة إلا الأخت رضاعا والصهرة الشابة." (۲)

ردالمحتار میں ہے:

"قال في القنية: و في استحسان القاضي الصدر الشهيد: و ينبغي للأخ من الرضاع أن لا يخلو بأخته من الرضاع؛ لأن الغالب هناك الوقوع في الجماع. اهـ. و أفاد العلامة البيري أن "ينبغي" معناه الوجوب هنا. (قوله: والصهرة الشابة) قال في القنية: ماتت عن زوج و أم فلهما أن يسكنا في دار واحدة إذا لم يخافا الفتنة، وإن كانت الصهرة شابة فللجيران أن يمنعوها منه إذا خافوا عليهما الفتنة." اهـ. (۳) والله تعالیٰ أعلم.

⑤ **پانچواں مسئلہ** یہ پیش ہوا کہ حاجی اگر مکہ معظمہ میں پندرہ دن یا اس سے زائد قیام پذیر رہ چکا ہو تو اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہے یا نہیں؟

جواب میں تمام مندوبین نے اس امر پر اتفاق کیا کہ اگر حاجی وہاں مالکِ نصاب ہو تو اس پر عید الاضحیٰ کی قربانی واجب ہے، لہٰذا قارن اور متمتّع پر دو دو قربانی واجب ہوگی۔ ایک شکرانہ قران یا تمتع کی اور دوسری عید الاضحیٰ کی۔ البتہ عید الاضحیٰ والی قربانی حرم میں بھی ہو سکتی ہے اور حرم سے باہر کہیں بھی، حتیٰ کہ اپنے وطن میں بھی کسی کو اس کام پر مامور کر سکتا ہے۔ ایسا ہی بدائع، ص: ۶۳، ج:۵، کتاب التضحیہ اور درِ مختار و رد المحتار، ج:۵، ص:۲۰ کتاب الاضحیہ اور فتاوی رضویہ، ص: ۷۱۰، ج: ۴، رسالہ انور البشارۃ وغیرہ میں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) فتاوىٰ رضويه، كتاب الحج، رساله: انور البشارة، ج:٤، ص:٦٩١، سنى دار الاشاعت، مبارك پور

(۲) الدر المختار، كتاب الحظر والاباحة، فصلٌ فى النظر والمس، فوق رد المحتار، ج:٩، ص:٥٢٩، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) رد المحتار، كتاب الحظر والاباحة، فصلٌ فى النظر والمس، ، ص:٥٣٠، ج:٩، دار الكتب العلمية، بيروت

دنیا کی حکومتوں کی شرعی حیثیت

سوال نامہ

آج دنیا کی حکومتیں چار حصوں میں بٹی ہوئی ہیں۔

(۱) خالص مسلم حکومتیں جہاں مسلم سلاطین یا وزرا کی حکمرانی ہے جیسے انڈونیشیا، بحرین، عرب امارات، پاکستان وغیرہا۔

(۲) وہ ممالک جہاں پہلے مسلمانوں کی حکمرانی تھی اور اب وہاں مسلم و غیر مسلم دونوں کی مشترکہ حکومت ہے یا صرف غیر مسلموں کی حکومت ہے مگر شعائر اسلام پر کوئی پابندی نہیں جیسے ہندوستان۔

(۳) وہ ممالک جہاں سلطنت اسلام کبھی نہ تھی اور نہ اب ہے جیسے امریکہ، یورپ کے ممالک اور نیپال، وغیرہ مگر ان ممالک میں شعائر اسلام پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

(۴) جہاں پہلے سلطنت اسلام تھی پھر کافروں نے اس پر قبضہ کر کے شعائر اسلام کو بالکل ہی اٹھا کر احکام کفر نافذ کر دیے جیسے اندلس، قرطبہ، بلنسیہ۔

پہلی دو صورتیں دار الاسلام کی ہیں جب کہ اخیر کی دو صورتیں دار الکفر کی ہیں۔

(۱) وہ ممالک جو اقسام اربعہ میں اخیر کی دو قسموں سے ہیں ان کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

دار الاسلام، دار الحرب، دار المعاہدہ

(۲) اور آج جب کہ تمام حکومتوں کا باہم معاہدۂ امن و صلح ہو چکا تو دار الحرب کی تعبیر کی بجائے دار المعاہدہ والامن کی تعبیر مناسب ہوگی یا نہیں؟

فیصلہ (۳۰)

اس موضوع پر بہت دیر تک بحثوں کا سلسلہ جاری رہا اور دو موقف سامنے آئے۔ کسی موقف والے اپنی رائے سے ہٹنے کے لیے تیار نہ تھے، اس لیے ایک تجویز کی صورت میں درج ذیل سوال مندوبین کے سامنے پیش کیا گیا اور عرض کیا گیا کہ جس موقف سے اتفاق ہو اس پر دستخط ثبت کر دیں۔

سوال: فقہاے کرام کی تعریف و توضیح کی روشنی میں جو ملک دار الاسلام ہے اسے دار الاسلام ہی مانا جائے گا اور جو ملک دار الحرب ہے اسے دار الحرب ہی مانا جائے گا۔ کوئی تیسری قسم ہرگز نہ ہوگی۔

البتہ نوعِ دوم کے جن ملکوں نے اپنے حدود میں اہلِ اسلام اور دیگر اہلِ مذاہب کے لیے امان و سلامتی کا قانون بنا رکھا ہے اور بڑی حد تک وہ اس پر عمل کی بھی کوشش کر رہے ہیں، انھیں دار الامن یا دار المعاہدہ کہا جا سکتا ہے، یا نہیں؟

جن حضرات نے اس امر پر دستخط کیا کہ دار الاسلام اور دار الحرب کی اصطلاح اور تقسیم مذکور کو برقرار رکھتے ہوئے ایسے ممالک کو دار الامن یا دار المعاہدہ کہا جا سکتا ہے، ان کے اسماے گرامی درج ذیل ہیں:

۱-علامہ محمد احمد مصباحی (صدر مجلس شرعی) -۲- مفتی محمد نظام الدین رضوی (ناظم مجلس شرعی) -۳-مولانا صاحب علی مصباحی -۴-مولانا اسرار احمد مصباحی -۵-مولانا زین العابدین شمسی -۶-مولانا اعجاز احمد مصباحی -۷-مولانا نصر اللہ قادری -۸-مولانا شمس الہدیٰ مصباحی -۹-مولانا محمد عارف اللہ فیضی -۱۰-مولانا قاضی فضل رسول -۱۱-مولانا شبیر احمد مصباحی -۱۲-مولانا عبد السلام قادری -۱۳- مفتی زاہد علی سلامی -۱۴-مولانا محمد عالم گیر رضوی مصباحی -۱۵-مولانا محمد بشیر القادری -۱۶-مولانا صدر الوریٰ قادری -۱۷-مولانا نفیس احمد مصباحی -۱۸-مولانا محمد انور نظامی مصباحی -۱۹- مفتی محمد حبیب اللہ مصباحی -۲۰- مفتی محمد اختر حسین قادری ۲۱- مفتی محمد ابرار احمد امجدی -۲۲- مفتی انفاس الحسن چشتی -۲۳-مولانا محمد سلیمان مصباحی -۲۴-مولانا ابرار

احمد اعظمی -۲۵-مولانا نظام الدین مصباحی -۲۶-مولانا محمد مسیح احمد قادری -۲۷-مولانا احمد رضا اعظمی مصباحی -۲۸-مولانا محمد قاسم مصباحی -۲۹-مولانا دستگیر عالم مصباحی -۳۰-مولانا محمد معین الدین اشرفی مصباحی -۳۱-مولانا محمود احمد برکاتی -۳۲-مفتی محمد نسیم مصباحی -۳۳-مولانا محمد علی رضا مصباحی -۳۴-مولانا اختر حسین فیضی مصباحی -۳۵-مولانا شیر محمد خاں مصباحی -۳۶-مولانا محمد اختر رضا مصباحی -۳۷-مولانا ساجد علی مصباحی -۳۸-مولانا محمد رضوان قادری -۳۹-مولانا محمد اسلم رضا قادری (کراچی) -۴۰-مولانا جلال الدین مصباحی (سریاں، اعظم گڑھ) -۴۱-مولانا محمد نعیم الدین عزیزی -۴۲-مولانا محمد جلال الدین نوری -۴۳-مولانا محمد اختر کمال قادری -۴۴-مفتی محمد مجیب اشرف صاحب -۴۵-مفتی بدر عالم مصباحی -۴۶-مولانا محمد عرفان عالم مصباحی۔

باقی حضرات کی رائیں ان ہی کے الفاظ میں حسبِ ذیل ہیں:

(۱)-مفتی شبیر حسن رضوی:

"کہا جاسکتا ہے لیکن اصطلاحِ قدیم کو بالکل ترک نہ کیا جائے۔"

(۲)-مفتی عنایت احمد نعیمی:

"کہا جاسکتا ہے لیکن اصطلاحِ قدیم کو بالکل ترک نہ کیا جائے۔"

(۳)-مفتی محمد معراج القادری:

"کہا جاسکتا ہے، مگر فقہا کی اصطلاح ہی عموماً استعمال کی جائے۔"

(۴)-مولانا محمد نصیر الدین مصباحی:

"کہا جاسکتا ہے، مگر فقہا کی اصطلاح ہی عموماً استعمال کی جائے۔"(۱)

(۵)-مفتی آل مصطفیٰ مصباحی:

"سوال نامے کی رو سے یہاں جس پس منظر میں تعبیر مقصود ہے، اسے "دار الحرب" کی بجائے "دار الامن" نہیں کہا جاسکتا۔ ہاں صرف اس ملک کے مسلم افراد و اشخاص کے لحاظ سے دار الامن کہا جاسکتا ہے، جیسا کہ فقہائے کرام نے فرمایا ہے۔"

(۶)-مولانا محمد ناظم علی مصباحی:

(۱) ان چار رایوں کا حاصل بھی وہی ہے جو ۴۶ حضرات کی آرا کا ہے، اور یہاں کوئی تبدیلی نہیں، بلکہ دستوری معاہدہ اور قیامِ امن کی وجہ سے اس کی تعبیر واقع ہے۔ مرتب غفرلہ

"فقہاے احناف کی تعبیر باقی رکھی جائے۔"

(۷)-مولانا عبد الحق رضوی:

"فقہاے کرام کی اصطلاح باقی رکھی جائے۔"

(۸)-مولانا محمد عبد المبین نعمانی قادری:

"حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ امجدیہ میں اس تعلق سے جو فرمایا ہے اسی کو باقی رکھا جائے۔"(۱) واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۹)-مولانا قاضی فضل احمد مصباحی:

"صرف دار المعاہدہ نہیں کہا جا سکتا۔"

(۱) حضرت صدر الشریعہ علیہ الرحمہ کا ارشاد فتاویٰ امجدیہ جلد چہارم میں یہ ہے — اگر مسلمان دار الحرب میں امان لے کر جائے تو وہی دار الحرب اس مسلم کے لیے دار الامن ہے، یوں ہی اگر حربی کافر امان لے کر دار الاسلام میں آیا تو اس کے لیے یہی دار الامان ہے۔ لہٰذا دار الامان جس کو کہا جاتا ہے وہ یا دار الاسلام ہے یا دار الحرب، ان دو کے علاوہ کوئی تیسری قسم نہیں ہے۔ (ص:۲۰۱،۲۰۰) پہلے موقف کا حاصل بھی یہی ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

آنکھ اور کان میں دوا ڈالنا مفسد صوم ہے یا نہیں ؟

آپ کو یہ معلوم کر کے حیرت ہوگی کہ یہ مسئلہ نہ تو آج کا جدید مسئلہ ہے اور نہ ہی اس میں کوئی اختلاف ہے، پھر چودہ سو سال بعد اس پر غور و خوض کی ضرورت کیوں محسوس کی گئی ؟

واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں ہمارے علماے مذہب کا اتفاق ہے کہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا اور کان میں تیل یا دوا ڈالنے سے جب کہ دماغ تک اس کے پہنچنے کا احساس ہو بالاتفاق چاروں مذہب میں روزہ فاسد ہو جائے گا۔ لیکن جدید میڈیکل سائنس کی ترقی نے فقہ اسلامی کے اس متفق علیہ مسئلے کی صحت پر سوالیہ نشان قائم کر دیا تھا، کیوں کہ اس نے اعضا کی ساخت کا مشاہدہ کر کے یہ حتمی اور یقینی تحقیق پیش کر دی کہ آنکھوں میں پلک سے لے کر حلق تک سوراخ پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آنکھ میں دوا ڈالیں یا سرمہ لگائیں تو دوا اور سرمے کا ذائقہ حلق میں محسوس ہوتا ہے، بلکہ اس کی رنگت بھی نظر آتی ہے، اس لیے آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہو جانا چاہیے۔

اس کے برخلاف کان میں ایک پردہ حائل ہوتا ہے جس میں کوئی سوراخ نہیں ہوتا، اس لیے کان کے پردے سے حلق یا دماغ تک کسی نالی کے ذریعہ کوئی تعلق نہیں پایا جاتا۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ کان میں تیل یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہونا چاہیے۔

یہ اعتراض فقہ اسلامی کے پیروکاروں کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج تھا، جسے سب سے پہلے مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ نے قبول کیا اور فقہ اسلامی کی ایسی واضح تشریح کر دی جس سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ جدید میڈیکل سائنس کی تحقیق اور فقہ اسلامی کے احکام و علل میں کوئی منافات نہیں ہے۔ اس بات کو ذہن میں رکھ کر جب آپ مجلسِ شرعی کے فیصلوں کو بغور پڑھیں گے

تو بجا طور پر آپ کے دل میں یہ احساس اجاگر ہوگا کہ یہ مجلسِ شرعی کا زریں کارنامہ ہے۔

واضح ہو کہ بدن میں دو طرح کے سوراخ پائے جاتے ہیں۔ ایک تو باریک باریک سوراخ جن میں بال کی نوک برابر یا اس سے کچھ کم و بیش کشادگی ہوتی ہے، انھیں عربی میں "مسام" کہا جاتا ہے، جیسے آنکھ کی پلکوں کے سوراخ اور بال کی جڑوں کے سوراخ، یا انجکشن کے ذریعہ ہونے والا سوراخ۔ دوسرے وہ سوراخ جو زیادہ کھلے ہوئے ہوتے ہیں، انھیں منفذ کہا جاتا ہے، جیسے: منہ، ناک، کان کے سوراخ۔ مسام کے ذریعہ کوئی چیز بدن کے اندر جائے تو روزہ فاسد نہیں ہوتا اور منفذ کے ذریعہ جائے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ اس تفصیل کو ذہن نشین کر کے فیصلے پڑھیے۔ (مرتب غفرلہ)

فیصلہ (۳۱)

❶ اس پر تمام مندوبین کا اتفاق ہے کہ آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لیے کہ خود آنکھ جوف کے حکم میں نہیں، نہ ہی اس میں ایسا کوئی منفذ ہے جو دوا کو جوف تک پہنچائے۔ فقہائے کرام کی عبارتوں میں بھی صراحت موجود ہے کہ آنکھ میں دوا ڈالنا مفسدِ صوم نہیں۔

❷ کان میں تیل ڈالنا باتفاق ائمہ اربعہ مفسد صوم ہے۔ یہی حکم کان میں دوا ڈالنے کا بھی ہے۔ ہمارے مذہب کے متون، شروح، فتاویٰ، سب میں اس کی صراحت موجود ہے، اور دیگر مذاہب کا بھی اس پر اتفاق ہے، اس لیے یہ ایک اجماعی مسئلہ ہے جس سے عدول کی گنجائش نہیں۔

کتاب الاصل للامام محمد میں ہے:

قال أبو حنيفة: السعوط والحقنة في شهر رمضان يوجبان القضاء، ولا كفارة عليه، و كذلك ما أقطر في أذنه. اھ.(۱)

اسی طرح قدوری، بدایہ، ہدایہ، وقایہ، کنز وغیرہا متون اور شروح جیسے مبسوط امام سرخسی، فتح القدیر، بنایہ، بدائع، مجمع الانہر اور در مختار وغیرہا میں ہے۔

ہدایہ میں ہے:

من أقطر في أذنه أفطر؛ لقوله ﷺ: الفطر مما دخل، ولوجود معنى الفطر، وهو وصول ما فيه صلاح البدن إلى الجوف.(۲)

رہا یہ سوال کہ کان سے دماغ تک کوئی منفذ نہیں تو کان میں تیل ڈالنے سے روزہ فاسد کیوں ہوتا ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ منفذ کے ذریعہ اگر دوا یا غذا بدن کے ایسے مقام تک پہنچا دی جائے جس کا حکم شرعاً عضو

(۱) كتاب الأصل للإمام محمد، ج:۲، ص:۱۸۲، طبع بيروت
(۲) هدايه، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، ص:۲۰۰، ج:۱، مجلس بركات، مبارك پور

باطن کا ہو تو روزہ فاسد ہو جائے گا خواہ وہ عضو باطن جوفِ معدہ ہو یا حلق یا فرج داخل وغیرہ۔

محقق علی الاطلاق امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ صوم کی تعریف و تشریح میں فرماتے ہیں:

"والصوم لغة : هو الإمساك مطلقا. و في الشرع : إمساك عن الجماع و عن إدخال شيء بطنا له حكم الباطن ، من الفجر إلى الغروب عن نية." (۱)

منحۃ الخالق حاشیہ بحر الرائق میں ہے:

فلو قال المصنف: كما في الفتح : "هو إمساك عن الجماع و عن إدخال شيء بطنا. أو ما له حكم الباطن من الفجر إلى الغروب عن نية." لكان أجود. اھ. (۲)

کان کا اندرونی حصہ خود جوف اور باطن کا حکم رکھتا ہے، اس لیے اس میں دوا جانا مفسد ہے۔

محیط برہانی للعلامہ محمود بن احمد بن عبد العزیز بخاری حنفی ج: ۲، ص: ۳۸۳، طبع بیروت پر ہے:

لو اغتسل فدخل الماء في أذنه لا يفسد صومه بلا خلاف، وفي الإقطار في الأذن لم يشترط محمد رحمه الله الوصول إلى الدماغ. حتى قال مشايخنا إذا غاب في أذنه كفى ذلك لوجوب القضاء و بعضهم شرطوا الدخول إلى الدماغ. اھ.

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ (اقطار والی صورت میں ۔ن) اندرون گوش پانی کا غائب ہو جانا اکثر مشائخ کے نزدیک روزہ توڑنے کے لیے کافی ہے۔ اور شیخین کا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں اس لیے کہ متون میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے اور متون میں وہی مذکور ہوتا ہے جو اصل مذہب ہو۔

درج ذیل امور بھی بہ اتفاق آرا طے ہوئے۔

③ کان میں عمداً دوا ڈالنے پر قضا لازم ہوگی، کفارہ نہ ہوگا۔ مگر بلا عذر پانی، تیل، دوا وغیرہ مفسد چیز ڈالنے پر گنہ گار ضرور ہوگا۔

④ کان میں دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوگا خواہ دوا قصداً خود ڈالی ہو، یا اس کی رضا، یا بغیر رضا کے دوسرے نے ڈالی ہو، یا دوا جوفِ گوش تک کسی طرح خود چلی گئی ہو، سب صورتوں میں روزہ فاسد ہوگا اور قضا لازم ہوگی۔

⑤ روزہ دار اگر ایسا مریض ہے کہ کان میں دوا نہ ڈالے تو مرض شدت اختیار کر جائے گا یا روزہ توڑنے کی نوبت آجائے گی، ایسی حالت میں اس کے لیے دوا ڈالنے کی اجازت ہے مگر دوا ڈالنے پر روزہ ٹوٹ جائے گا اور قضا لازم ہوگی۔ ہاں! ایسی حالت میں دوا ڈالنے سے مریض گنہ گار نہ ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) فتح القدير، اول كتاب الصوم ج۲/ ص ۳۰۶ - ۳۰۷، برکاتِ رضا، پور بندر، گجرات

(۲) منحة الخالق على هامش البحر الرائق ، كتاب الصوم، ص:۴۵۳، ج:۲، دار الكتب العلمية، بيروت

فیصلہ (۳۲)

تقلید غیر کب جائز کب ناجائز؟

سوال: بعض مسائل میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے عدول کرکے دوسرے مذاہب کے ائمہ کی تقلید کی جاتی ہے، یہ کب جائز ہے؟

جواب: اجتہادی مسائل میں دفعِ حرج و ضرر کے لیے اپنے امام کے مذہب سے عدول کرکے دوسرے امام کے مذہب کو اختیار کرنا جائز ہے۔ البتہ اس کے لیے ترتیب ذیل کی پابندی ضرور ہوگی۔

(۱) پہلے اصحاب امام کے وہ اقوال، یا روایات اختیار کی جائیں جنھیں ائمۂ ترجیح نے اسباب ستہ میں سے کسی سبب کی بنا پر ترجیح دی ہو۔

(۲) اگر اصحاب امام کے اقوال، یا روایات کی ترجیح منصوص نہ ہو اور اسباب ستہ میں سے کوئی سبب متحقق ہو تو بھی امام کے مذہب مختار سے عدول کرکے اصحابِ امام کے اقوال و روایات کو حسبِ ترجیح مرجحین اختیار کرنا جائز ہوگا، جیسے اموال ربویہ کیلیہ میں وزن کا اعتبار۔ (فتاوی رضویہ ج ۷/ ص ۴۳)

ان امور کی تفصیل فتاوی رضویہ جلد اول، ص: ۳۸۵ پر ہے اور حاشیۂ فتاوی رضویہ میں اس کا خلاصہ ان الفاظ میں ہے:

"چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے، لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے، وہ چھ باتیں یہ ہیں:

ضرورت، دفع حرج، عرف، تعامل، دینی ضروری مصلحت کی تحصیل، کسی فساد موجود یا مظنون بہ ظن غالب کا ازالہ۔ ان سب میں بھی حقیقۃً قولِ امام پر ہی عمل ہے۔"(۱)

(۳) اور اگر فتوی امام و اصحاب امام دونوں کے قول پر ہو اور قولِ امام پر عمل میں کوئی دشواری پیش ہو تو

(۱) فتاوی رضویہ، ج:۱، ص: ۳۸۵، باب المیاہ، رسالہ اجلی الإعلام، رضا اکیڈمی، ممبئی

آسانی کے لیے قولِ اصحاب پر عمل جائز ہوگا، جیسے دو مثل سایہ ہونے سے پہلے عصر کا جواز۔(۱) اور دیہات میں جمعہ کے تعلق سے امام ابو یوسف کی روایت نادرہ پر عمل۔(۲)

(۴) مجتہدین فتوی و اصحاب نظر فی الدلائل، اسباب ستہ کے سوا ضعفِ دلیل کی بنا پر بھی قول امام سے عدول کر سکتے ہیں کہ یہ حضرات دلائل کی قوت و ضعف پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ فتاوی رضویہ رسالہ: اجلی الاعلام میں ہے:

حامل آخر على العدول عن قول الإمام مختص بأصحاب النظر وهو ضعف دليله. **أقول**: أي في نظرهم وذلك لأنهم مأمورون باتباع مايظهر لهم. قال تعالى: "فاعتبروا يأولى الأبصار" ولا تكليف إلا بالوسع، فلا يسعهم إلا العدول ولا يخرجون بذلك عن إتباع الإمام، بل متبعون لمثل قوله العام "إذا صح الحديث فهو مذهبي" ...... قال ش: "فإذا نظر أهل المذهب في الدليل وعملوا به صح نسبته إلى المذهب لكونه صادرا بإذن صاحب المذهب إذ لا شك أنه لو علم ضعف دليله رجع عنه واتبع الدليل الأقوى." (۳) اه. ملخصا. وكذا في شرح عقود رسم المفتي وغيره.

(۵) اگر اس سے بھی حرج و مشقت کا ازالہ نہ ہو سکے اور حرج درجۂ ضرورت میں ہو تو اپنے مذہب کے اصحابِ تخریج کے قولِ شاذ کو اختیار کرنے کی اجازت ہوگی، یہ دوسرے مذہب کی تقلید سے بہتر ہے۔ فتاوی رضویہ باب الوضو میں ہے:

تقدم أن الدم في مجلس يجمع، وهي الرواية الدوارة في الكتب أجمع.

لكن قال الإمام الأجل برهان الملة والدين صاحب الهداية رحمه الله تعالى في كتابه "مختارات النوازل" في فصل النجاسة: الدم إذا خرج من القروح قليلا قليلا غير سائل فذاك ليس بمانع وإن كثر. وقيل: لو كان بحال لو تركه لسال يمنع. اه.

ثم أعاد المسألة في نواقض الوضوء، فقال: ولو خرج منه شيء قليل و مسحه بخرقة حتى لو ترك يسيل لا ينقض.

فهذا صريح في ترجيح عدم الجمع مطلقا لكنه متوغل في الغرابة، حتى قال

---

(۱) الملفوظ حصہ اول، ص: ۳۰ - ۳۱، قادری کتاب گھر، بریلی شریف

(۲) فتاوی رضویہ، جلد: ۳، ص: ۷۰۲. سنی دار الاشاعت، مبارک پور

(۳) فتاوی رضویہ، ص: ۳۸۶، ۳۸۷، ج: ۱، باب المیاہ، رسالہ أجلی الإعلام، رضا اکیڈمی، ممبئی.

العلامة الشامي: لم أر من سبقه إليه، ولا من تابعه عليه بعد المراجعة الكثيرة فهو قول شاذ. قال: ولكن صاحب الهداية إمام جليل من أعظم مشايخ المذهب من طبقة أصحاب التخريج والتصحيح، فيجوز للمعذور تقليده في هذا القول عند الضرورة، فإن فيه توسعة عظيمة لأهل الأعذار.

قال: وقد كنت ابتليت مدة بكي الحمصة ولم أجد ما تصح به صلاتي على مذهبنا بلا مشقة إلا على هذا القول فاضطررت إلى تقليده. ثم لمّا عافاني الله تعالى منه أعدت صلاة تلك المدة و لله الحمد. اھ. هذا كلامه في شرح منظومته في رسم المفتي، و قال في الفوائد المخصصة: صاحب الهداية من أجل أصحاب الترجيح فيجوز للمبتلى تقليده؛ لأن فيما ذكرناه مشقة عظيمة. فجزاه الله تعالى خير الجزاء حيث اختار التوسيع و التسهيل الذي بنيت عليه هذه الشريعة الغراء السهلة السمحة. اھ. (۱)

ان عبارات کا خلاصہ حاشیہ فتاوی رضویہ میں یوں ہے:

"صاحبِ ہدایہ نے ایک کتاب میں فرمایا کہ خون جو تھوڑا تھوڑا نکلے کہ کسی دفع کا نکلا ہوا بہنے کے قابل نہ ہو، اگرچہ جمع کرنے سے کتنا ہی ہو جائے اصلاً ناقض وضو نہیں، اگرچہ ایک ہی مجلس میں نکلے۔ یہ قول خلافِ مشہور و مخالفِ جمہور ہے، بے ضرورت اس پر عمل جائز نہیں۔ ہاں! جو ایسے زخم یا آبلوں میں مبتلا ہو جس سے اکثر وقت خون یا ریم قلیل نکلتا رہے کہ ایک بار کا نکلا ہوا بہنے کے قابل نہیں ہوتا، مگر جلسہ واحدہ کا جمع کیے سے ہو جاتا ہے اور بار بار وضو اور کپڑوں کی تطہیر موجبِ ضیقِ کثیر ہے جو معذوری کی حد تک نہ پہنچا، اس کے لیے اس پر عمل میں بہت آسانی ہے۔" (۲)

نیز حاشیہ فتاوی رضویہ میں ہے:

عند الضرورة تقليد "قيل" في المذهب أحسن من تقليد مذهب الغير. اھ. (۳)

⑥ اور اگر کوئی ایسی دشواری سامنے آجائے جس کا حل اپنے مذہب کی روایاتِ ضعیفہ اور تخریجاتِ شاذہ میں بھی نہ ہو، مگر مذہب مالکی، شافعی، حنبلی میں اس کا حل ہو ساتھ ہی حنفی مذہب سے ان کا اختلاف حلال و حرام اور صحت و فساد کا ہو تو حسبِ تفصیلِ ذیل ضرورت یا حاجت کی بنا پر، اسے اختیار کرنے کی اجازت ہوگی۔

الف: مشائخ کرام نے مذاہب اربعہ کا جو تقابلی جائزہ اور محاکمہ پیش کیا ہے، اگر اس سے یہ عیاں ہو کہ

---

(۱) فتاوی رضویہ، ص: ۶۲، ۶۳، ج: ۱، باب الوضو، رسالہ: الطراز المعلم، رضا اکیڈمی، ممبئی
(۲) فتاوی رضویہ، ص: ۶۲، ج: ۱، باب الوضو، رسالہ: الطراز المعلم، رضا اکیڈمی، ممبئی
(۳) حاشیۂ فتاوی رضویہ، ص: ۶۳، ج: ۱، باب الوضو، رسالہ: الطراز المعلم، رضا اکیڈمی، ممبئی

مذہب حنفی کی دلیل قوی ہے اور دوسرے مذہب کی دلیل ضعیف تو اپنے مذہب سے عدول کرکے وہ دوسرا مذہب اختیار کرنے کے لیے ضرورت شرعیہ کا پایا جانا ضروری ہے۔

ب : اور اگر تقابلی جائزہ و محاکمہ سے یہ عیاں ہو کہ دوسرے امام کا مذہب بھی باقوت ہے تو اسے اختیار کرنے کے لیے یک گونہ مشقت کا پایا جانا بھی کافی ہے، جو مرتبۂ حاجت سے کم تر نہیں ہونی چاہیے۔

ہمارے فقہاے کرام نے جن مسائل میں وقتِ ضرورتِ صحیحہ دوسرے امام کی تقلید کی اجازت دی ہے، ان مسائل کے استقرا، اور دلائل کے جائزہ سے یہ امر عیاں ہو کر سامنے آتا ہے کہ وہاں ہمارے مذہب کی دلیل بہت قوی اور دوسرے مذہب کی بہت ضعیف ہے، جیسے فسخِ نکاح بہ وجہِ فقدان زوج، فسخ نکاح بہ وجہ تعسُّرِ نفقہ، اجارہ علی الطاعات، عدتِ ممتدۃ الطہر(۱)، عورت کا عورت کے ساتھ طویل سفر، وغیرہا مسائل۔

اور جن مسائل میں انھوں نے "نوع مشقت" کو بھی عدول کے لیے کافی مانا ان مسائل کے تقابلی مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ وہاں فریقین کے دلائل قوی ہیں، گو وجہِ ترجیح ہمارے ساتھ ہے، جیسے جمع بین الصلاتین فی السفر۔ ردالمحتار میں جمع بین الصلاتین کے سببِ جواز کے تعلق سے ہے:

الظاهر أنه أراد "بالضرورة" ما فيه نوع مشقة. اھ. (۲)

(۷) پھر یہ دونوں صورتیں دو حصوں میں منقسم ہو جاتی ہیں۔

(الف) اگر یہ ضرورت یا حاجت ایک فرد کے حق میں پائی جاتی ہے اور وہ اتنی فقہی بصیرت رکھتا ہے کہ اس بات کا صحیح فیصلہ کر سکے کہ اس کے حق میں ضرورت یا حاجت متحقق ہو چکی تو اپنی ذات کی حد تک وہ رخصت پر عمل کر سکتا ہے اگرچہ افضل عزیمت پر عمل ہے۔ البتہ دوسرے کو رخصت پر عمل کرنے کا حکم یا فتویٰ نہیں دے سکتا۔

(ب) اور اگر یہ ضرورت یا حاجت عمومی ہے اور محض وقتی و عارضی نہیں، بلکہ مستقل ہے کہ جن لوگوں کے ساتھ اس نوع کی مشکلات پیش آتی ہیں وہ عموماً ضرورت یا حاجت کے درجے میں ہوتی ہیں تو اب مفتی اور قاضی کو یہ اجازت ہے کہ وہ اس کے مطابق دوسروں کو فتویٰ دے، فیصلہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے

---

(۱) ممتدۃ الطہر: وہ عورت جو حیض آنے کے بعد پاک ہو اور عرصۂ دراز تک اس کی پاکی کا سلسلہ جاری رہے، حیض نہ آئے، اسے شوہر نے طلاق دی تو تین حیض سے اس کی عدت پوری ہونے کا حکم بڑے حرج و مشقت کا باعث ہے، اس لیے فقہانے اسے مذہبِ امام مالک پر عمل کی اجازت دی اور یہ بربناے ضرورت ہے، دیکھیے درِ مختار و ردالمحتار، باب العدۃ۔ (مرتب غفرلہ)

(۲) كتاب الصلاة، مبحث اوقات الصلاة، قبيل باب الأذان، ص:٤٦، ج:٢، دار الكتب العلمية، بيروت

فقہائے کرام نے اجارہ علی الطاعات، اور فسخِ نکاح بہ وجہِ فقدانِ زوج وغیرہ کی اجازت دی اور اب اسی کے مطابق فتوے اور فیصلے صادر کیے جاتے ہیں۔

⑧ اور اگر حنفی مذہب سے باقی تینوں مذاہب کا یہ اختلاف حلال وحرام اور صحت وفساد کا نہ ہو، بلکہ اولیٰ وخلافِ اولیٰ کا ہو، ساتھ ہی اپنے مذہب سے عدول میں کوئی "منفعتِ شرعیہ" پائی جائے تو بھی عدول جائز ہے، جیسے امام، حنفی اور مقتدی، شافعی ہوں اور اسے اندیشہ ہو کہ رفع یدین یا آمین بالجہر کے ترک کی صورت میں کوئی دشواری آسکتی ہے تو اس کے حق میں آمین بالجہر وغیرہ مکروہ نہ ہونا چاہیے۔

⑨ یہاں ایک چیز "رعایتِ مذہبِ غیر" بھی ہے، یعنی اپنے مذہب پر قائم رہتے ہوئے دوسرے ائمۂ مذاہب کی بھی یوں رعایت کی جائے کہ عمل کسی مذہب کے خلاف نہ ہو، یہ بالاجماع مستحب ہے۔ ہاں اس کا لحاظ رہے کہ رعایتِ مذہبِ غیر میں اپنے مذہب کے کسی مکروہ کا ارتکاب لازم نہ آئے۔

مثلاً وضو میں مذاہب کی رعایت یوں ہوگی کہ شروع میں نیت عبادت ہو، وضو آبِ جاری یا دہ در دہ حوض سے ہو، ترتیب قرآنی کے مطابق غسل ومسح ہو، دَلک وموالات کا بھی لحاظ رہے۔ اس طور پر وضو کرنے سے چاروں مذاہب کی رعایت بھی ہو جاتی ہے اور ساتھ ہی اپنے مذہب کے لحاظ سے اس میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے۔

یا نماز اس طور پر پڑھیں کہ تکبیر تحریمہ کے لیے خاص لفظ "اللہ اکبر" کہیں، سورہ فاتحہ کی بھی قراءت کریں، تعدیلِ ارکان کا بہ خوبی لحاظ رکھیں، قعدۂ اخیرہ میں درود شریف بھی پڑھیں۔ خروج بصنعہ لفظ "السلام علیکم" سے کریں۔ یہاں بھی چاروں مذاہب کی رعایت ہے اور اپنے مذہب کی رو سے کوئی کراہت نہیں ہے، اس لیے بالاجماع مستحب ہے۔ فتاویٰ رضویہ باب الغُسل میں ہے:

"واستحبابي غسل المسترسل نظرًا إلى خلاف الإمام الشافعي- رضي الله تعالىٰ عنه- لما نصوا عليه من أن الخروج عن الخلاف مستحب بالإجماع ما لم يرتكب مكروه مذهبه، كما في رد المحتار وغيره. اهـ. (۱)

(۱) فتاویٰ رضویہ، ص۹۷، ۹۸، ج۱، رسالہ تبیان الوضوء. وكذا في ص: ٤١٤، ج: ١، وص: ٨٠٨، ج: ١ وغيرها، رضا اکیڈمی، ممبئی

بربنائے ضرورت قولِ غیر پر عمل وحکم کے شرائط

جن صورتوں میں بربنائے ضرورت، یا حاجت دوسرے امام کے مذہب پر عمل، فتویٰ وفیصلہ کی اجازت دی جاتی ہے، ان صورتوں میں بھی عمل وفتویٰ وفیصلہ کے لیے چند شرائط کا تحقق مطلوب ہے جن کی طرف اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے:

”فقد أجازوا عند تحقق الضرورة الصحيحة تقليد الغير بشرائط، اھ.“(۱)

وہ شرائط یہ ہیں:

(۱) قولِ غیر پر عمل تمام امور واجبہ کے ساتھ ہو یعنی وہ قول جن شرائط وقیود سے مشروط ومقید ہے، سب کی پابندی کے ساتھ اس قول کو اختیار کیا جائے۔

(۲) قولِ غیر پر اسی حد تک عمل ہو جس حد تک ضرورت یا حاجت پائی جاتی ہے۔ اس سے یک سر مو تجاوز نہ کریں۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”ضرورتِ صادقہ کے وقت جو نسی مسئلہ میں ائمۂ ثلاثہ سے کسی امام کی تقلید کی جاتی ہے صرف اس مسئلہ میں اس کے مذہب کی رعایت امور واجبہ میں ضرور ہوگی، دیگر مسائل میں اپنے امام ہی کی تقلید ہوگی۔“(۲)

(۳) حنفی قاضی خود فیصلہ نہ کرے، بلکہ شافعی قاضی کو اس کا حکم دے کہ وہ فیصلہ کرے۔ فتاوی رضویہ میں درِ مختار سے ہے:

”ولو قضى به حنفي لم ينفذ، نعم، لو أمر شافعيا فقضى به نفذ.“اھ.(۳)

یا عدول، مالکی یا حنبلی مذہب کی طرف ہو تو اس مذہب کے قاضی سے کہے کہ وہ فیصلہ کرے۔ اب چوں کہ شافعی قاضی نہیں ملتے، لہذا ضرورت متحقق ہو تو حنفی قاضی براہِ راست فیصلہ کر سکتا ہے، جیسا کہ اب یہی علمائے اہلِ سنت کا موقف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ص: ۶۹۵، ج:۵، بحث فسخ نکاح بوجہ جنون برقول امام محمد علیہ الرحمہ، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۵، ص: ۶۹۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۳) در مختار، ج:۵، ص: ۳۰۶، مطلب فی فسخ النکاح بالعجز عن النفقة وبالغیبة، دار الکتب العلمیة، بیروت۔

شرکاے سیمینار

(اکابر)

(۱) عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ صاحب سرپرست مجلس شرعی و سربراہ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ
(۲) حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی صاحب شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الجامعہ و صدر مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴) حضرت علامہ مفتی محمد مجیب اشرف صاحب شیخ الحدیث جامعہ امجدیہ، گانجہ کھیت، ناگ پور
(۵) حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی صاحب شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد۔

وہ حضرات جنھوں نے تحریری طور پر رائے یا مقالہ یا فتویٰ پیش کیا

(۱) مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی — ناظم مجلس شرعی و صدر شعبۂ افتا، جامعہ اشرفیہ
(۲) مولانا مفتی زین العابدین شمسی — صدر مدرس مدرسہ امداد العلوم، مٹھنا، سدھارتھ نگر
(۳) مولانا مفتی عنایت احمد نعیمی — الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، بلرام پور
(۴) مولانا صاحب علی مصباحی — اشاعت العلوم، پرتاول، مہراج گنج
(۵) مولانا شمس الہدیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۶) مولانا عبد الحق رضوی مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ
(۷) مولانا مفتی حبیب اللہ نعیمی مصباحی — استاذ دار العلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا
(۸) مولانا مفتی محمد معراج القادری مصباحی — استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹) مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰) مولانا بدر عالم مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۱) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی — استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۲) مولانا عارف اللہ مصباحی — استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۳) مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۴) مولانا آل مصطفیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی

(۱۵) مولانا نفیس احمد مصباحی	رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶) مفتی انفاس الحسن چشتی	استاذ و مفتی جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، اوریا
(۱۷) مولانا مفتی اختر حسین قادری	استاذ و مفتی دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی
(۱۸) مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	استاذ دار العلوم علیمیہ جمدا شاہی، بستی
(۱۹) مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی	استاذ جامعہ انوار القرآن، بلرام پور
(۲۰) مفتی محمد نسیم مصباحی	رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۱) مفتی ابرار احمد امجدی	مہتمم مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی
(۲۲) مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۳) مولانا محمد سلیمان مصباحی	استاذ جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۴) مولانا محمد انور نظامی مصباحی	استاذ مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ
(۲۵) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	استاذ و مفتی مدرسہ ضیاء العلوم، پکی باغ، بنارس
(۲۶) مولانا ابرار احمد اعظمی	استاذ دار العلوم ندائے حق، جلال پور
(۲۷) مولانا عبد السلام مصباحی	استاذ جامعہ انوار العلوم، تلسی پور، بلرام پور
(۲۸) مولانا شمشاد احمد مصباحی	استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو
(۲۹) مولانا زاہد علی سلامی مصباحی	استاذ و مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۰) مولانا شبیر احمد مصباحی	پرنسپل مدرسہ سراج العلوم، برگدہی
(۳۱) مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	استاذ مدرسہ سراج العلوم برگدہی
(۳۲) مفتی معین الدین اشرفی مصباحی	استاذ و مفتی دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۳۳) مولانا محمود احمد برکاتی مصباحی	استاذ دار العلوم قادریہ، دودھی، سون بھدر
(۳۴) مولانا محمد اختر کمال قادری مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۵) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۶) مولانا ساجد علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۷) مولانا عالم گیر مصباحی	استاذ دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۳۸) مولانا جمال مصطفیٰ قادری مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۹) مولانا مفتی بشیر القادری	مہتمم دار العلوم ام المومنین حضرت عائشہ، گریڈیہ

(۴۰) مولانا دستگیر عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۱) مولانا محمد عرفان عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۲) مولانا محمد قاسم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۳) مولانا اختر رضا مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۴) مولانا محمد رضوان مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۵) مولانا احمد رضا مصباحی	استاذ دار العلوم تنویر الاسلام، امرڈوبھا، بستی
(۴۶) مولانا علی رضا مصباحی	استاذ دار العلوم تیغیہ، فیض الرسول، ویشالی
(۴۷) مولانا ابوطالب خاں رضوی	استاذ نور العلوم، کنٹھی، سلطان پور
(۴۸) مولانا افروز قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۹) مولانا شبیر عالم مصباحی	درجہ تحقیق، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۰) مولانا صابر رضا مصباحی	درجۂ تحقیق، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

وہ مقالہ نگار حضرات جو کسی وجہ سے سیمینار میں شریک نہ ہو سکے

(۵۱) مفتی شفیق احمد شریفی	پرنسپل دار العلوم غریب نواز، الہ آباد
(۵۲) مولانا محمد اسحاق مصباحی	جامعہ رضویہ پدھان والی مسجد، رام پور
(۵۳) مولانا نظام الدین مصباحی	بولٹن برطانیہ
(۵۴) مولانا مختار احمد رضوی	بہیڑی، بریلی شریف
(۵۵) مفتی محمد عالم نوری مصباحی	پرنسپل دار العلوم غوث اعظم، ہزاری باغ
(۵۶) مولانا خواجہ آصف رضا نوری مصباحی	جامعہ غوثیہ فیض الاسلام، بوکارو
(۵۷) مولانا محمد رفیع الزماں قادری مصباحی	دار العلوم اہل سنت غریب نواز، بیدولہ، ڈومریاگنج
(۵۸) مولانا سلیم الدین رضوی مصباحی	مدرسہ نوریہ، مخدوم نگر، دمکا۔

بقیہ شرکائے سیمینار جن کے مقالے موصول نہ ہوئے

(بیرون ملک)

(۵۹) شیخ عبد اللہ احمد محمد البیتی الیمنی	استاذ جامعہ ازہر مصر
(۶۰) حضرت مولانا ممتاز احمد اشرف القادری مصباحی	بریڈ فورڈ، برطانیہ

(۶۱) حضرت مولانا شفیق الرحمٰن مصباحی ہالینڈ
(۶۲) حضرت مولانا شمیم احمد مصباحی ساؤتھ افریقہ
(۶۳) حضرت مولانا حافظ حمید الحق مصباحی زمبابوے
(۶۴) حضرت مولانا اسلم رضا مصباحی کراچی

(اندرونِ ملک)

(۶۵) حضرت مولانا نصیر الدین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۶) حضرت مولانا اسرار احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۷) حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۸) حضرت مولانا محمد ادریس مصباحی پرنسپل مدرسہ فیض الاسلام، مہنداول
(۶۹) حضرت مولانا عبدالمبین نعمانی مصباحی مہتمم دارالعلوم قادریہ، چریاکوٹ
(۷۰) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۱) شیخ حسین احمد الثقافی استاذ مرکز الثقافۃ السنیہ، کیرالا
(۷۲) جناب مولانا معین الحق علیمی مصباحی مہتمم دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۷۳) جناب مولانا جلال الدین مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۴) جناب مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۵) جناب مولانا احمد رضا مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۶) جناب مولانا جعفر صادق استاذ مدرسہ ضیاء العلوم، ادری، مئو
(۷۷) جناب مولانا مقبول احمد مصباحی استاذ دارالعلوم حنفیہ رضویہ، قلابہ، ممبئی
(۷۸) جناب مولانا بیت اللہ مصباحی استاذ الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد
(۷۹) جناب مولانا سعید استاذ الجامعۃ الاسلامیہ روناہی، فیض آباد
(۸۰) جناب مولانا شیر محمد مصباحی استاذ دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۸۱) جناب مولانا جلال الدین مصباحی استاذ دارالعلوم حضوریہ، سریا، اعظم گڑھ
(۸۲) جناب مولانا غلام نبی مصباحی دارالافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۳) جناب مولانا محمد محبوب عزیزی ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۴) جناب مولانا رفیع القادر مصباحی استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۸۵) جناب مولانا شکیل احمد مصباحی — نائب مدیر ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۶) جناب مولانا امتیاز احمد مصباحی — تنظیم ابنائے اشرفیہ
(۸۷) جناب مولانا حسیب اختر مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۸) جناب ڈاکٹر زبیر احمد صدیقی — سرکاری ہاسپیٹل، مئو
(۸۹) جناب ڈاکٹر محبّ الحق — رضوی دار الشفا، گھوسی
(۹۰) مولانا مشرف علی مصباحی — دار الافتا، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۱) جناب مولانا قاسم مصباحی — شعبۂ کمپیوٹر جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۲) جناب مولانا کاظم علی مصباحی — مجلس برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۳) جناب قاری قیام الدین — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۴) جناب قاری اقرار احمد — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۵) جناب حافظ شرافت حسین — بھیونڈی
(۹۶) جناب حافظ شبنم بستوی — ممبئی
(۹۷) جناب وقار عزیزی — بھیونڈی
(۹۸) جناب مولانا ارشاد احمد صاحب — گھوسی

ان حضرات کے علاوہ جامعہ اشرفیہ کے شعبۂ تحقیق و تقابل ادیان کے ۲۲ ریسرچ اسکالرز بھی پابندی کے ساتھ شریک سیمینار رہے۔

☆☆☆☆☆
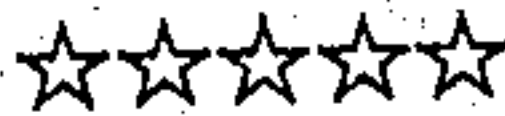
چودھواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۹/ ۲۰/ ۲۱/ صفر ۱۴۲۸ھ
مطابق ۱۰/ ۱۱/ ۱۲/ مارچ ۲۰۰۷ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ
بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فیصلہ (۳۴)

بیت المال کے نام پر تحصیل زکاۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم — حامدا و مصلیا ومسلما

آغازِ بحث: اصطلاحی بیت المال کے مصداقِ شرعی کی تعیین:

سلطان اسلام کے ذریعہ قائم شدہ وہ خزانہ جس میں اموالِ خمس و فئے و زکاۃ وضوائع جمع کیے جائیں اور سلطان یا اس کے ماذون کے ذریعہ مقررہ مصارف میں صرف کیے جائیں۔

سوال (۱): بیت المال قائم کرنے کا حق کسے ہے؟

جواب: اصلا یہ حق سلطان اسلام کا ہے، سلطان سے متعلق جو امور عدم سلطنتِ اسلام کی حالت میں علما سے متعلق ہیں وہ ایسے امور ہیں جن میں اقتدار اور قوتِ تنفیذ کی حاجت نہیں۔ جو امور محتاجِ شوکت و اقتدار ہیں ان میں علما سلطان اسلام کے قائم مقام ہونے سے قاصر ہیں جیسے اقامتِ حدود و قصاص۔

الحاوی، رسالہ کشف الضبابۃ میں ہے:

وولايةُ النظر في بيت المال كلها ولايات شرعية و هي من وظائف الإمام، و تفويضُه إياها لغيره استنابة اھ.(۱)

عنایہ شرح ہدایہ اور شرح نقایہ للملا علی القاری میں ہے:

حق الأخذ كان للإمام في الأموال الظاهرة والباطنة، لظاهر قوله تعالیٰ: "خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ"(۲) و على هذا كان رسول الله — صلّى الله تعالى عليه و سلّم —

(۱) الحاوي للفتاوی للإمام جلال الدين السيوطي رحمه الله، كتاب البيع ، كشف الضبابة فی مسألة الاستنابه، ج:۱، ص:۱۸۸، دار الفكر، بيروت

(۲) القرآن المجيد، سورة التوبة، آيت:۱۰۳

والخليفتان بعده، فلمّا وُلّي عثمان و ظهر تغير الناس كره أن يفتش العُمّال مستور أموال الناس ففوض الأموال الباطنة إلى أربابها نيابةً عنه خوفًا عليهم من السُعاة السوء، ولم يختلف عليه الصحابة في ذلك و هذا لا يُسقِطُ طلبَ الإمام أصلًا، و مِن ثَمَّ لو علم أن أهل بلدة لا يؤدونها طالبهم بها. اه. (۱)

اب یہ سوال سامنے آتا ہے کہ اقامتِ بیت المال یا تحصیلِ زکاۃ اموال کس طرح کے امور سے ہے؟

اس کے جواب میں کہا گیا کہ تحصیلِ زکاۃ اموالِ ظاہرہ کا حق سلطان کو اس شرط پر حاصل ہوتا ہے کہ وہ ظالموں، ڈاکوؤں، باغیوں وغیرہ سے ان اموال کی حفاظت کرتا ہو، ورنہ اسے تحصیلِ زکاۃ کا حق نہیں۔

بدائع الصنائع، ج: ۲، ص: ۱۳۷ پر "و أمّا شروط ولاية الأخذ فأنواعٌ" کے تحت ہے:

منها وجوب الحماية من الإمام حتّى لو ظهر أهل البغي على مدينة من مدائن أهل العدل أو قرية من قُراهم وغلبوا عليها فأخذوا صدقات سوائمهم وعشور أراضيهم وخراجها ثمّ ظهر عليهم إمام العدل لا يأخذ منهم ثانيا ؛ لأنّ حقّ الأخذ للإمام لأجل الحفظ والحماية ، ولم يوجد إلّا أنّهم يفتون فيما بينهم وبين ربّهم أن يؤدّوا الزكاة والعشور ثانيًا ، وسكت محمّدٌ عن الخراج .

اور اسی میں ص: ۵۲ پر "وأما بيان من له المطالبة بأداء الواجب في السوائم" کے تحت ہے:

وكذا المال الباطن إذا مرّ به التّاجر على العاشر كان له أن يأخذ في الجملة ؛ لأنّه لمّا سافر به وأخرجه من العمران صار ظاهرًا، والتحق بالسّوائم ، وهذا ؛ لأنّ الإمام إنّما كان له المطالبة بزكاة المواشي في أماكنها لمكان الحماية ؛ لأنّ المواشي في البراري لا تصير محفوظة إلّا بحفظ السّلطان وحمايته ، وهذا المعنى موجودٌ في مالٍ يمرّ به التّاجر على العاشر ، فكان كالسّوائم ، وعليه إجماع الصّحابة رضي الله عنهم.

نیز اسی میں ص: ۵۳ پر ہے:

إنّ على الإمام مطالبة أرباب الأموال العين وأموال التّجارة بأداء الزّكاة إليهم سوى المواشي والأنعام، وأنّ مطالبة ذلك إلى الأئمّة إلّا أن يأتي أحدهم إلى الإمام بشيء من ذلك فيقبله ولا يتعدّى عمّا جرت به العادة والسّنّة إلى غيره .

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ خود سلطانِ اسلام کی ولایتِ تحصیل اس شرط سے مشروط ہے کہ حفاظت

---

(۱) العناية شرح الهداية على هامش فتح القدير، كتاب الزكاة، ص:۱۱۹، ج:۲، باكستان —و— شرح النقاية، كتاب الزكاة، ص:۱۴۶، ج:۱، مطبع الجامعة الملية، دهلى.

اموال کی ذمہ داری وہ پوری کرتا ہو، ورنہ نہیں۔ اور علما کے پاس تو ظالموں، ڈاکوؤں وغیرہ سے حفاظتِ اموال کی قدرت ہی نہیں، نہ وہ حفاظت کے ذمہ دار، پھر وہ ولایتِ تحصیل میں سلطان کے قائم مقام کیسے ہوں گے۔

سلطان اسلام کو بیت المال قائم کر کے خُمس، فَی، ضوائع اور زکاۃ کے اموال جمع کرنے کا جو حق ملتا ہے وہ حفظ و حمایت کی قدرت کے ساتھ ہوتا ہے۔ علما میں آج وہ قدرت مفقود ہے۔ اس لیے اقامتِ بیت المال میں ان کے اندر نیابتِ سلطان کی بنیاد بھی مفقود ہے۔ تو انھیں حقِ اقامتِ بیت المال حاصل نہیں۔

سوال (۲) : بیت المال قائم کیا جائے یا نہیں؟

جواب: آج کے دور میں زکاۃ و صدقاتِ واجبہ کا بیت المال قائم کرنے کی اجازت نہیں؛ کیوں کہ بیت المال کے اموال کی حیثیت اموالِ یتیم کی ہوتی ہے، اور اس کی حفاظت کے لیے جس امانت، قدرت اور دباو کی ضرورت ہے وہ آج کم یاب ہے کیوں کہ خیانت، غصب، بد عہدی، ناخدا ترسی عام ہو چکی ہے اور حاکم شرعی کی قوتِ نافذہ نیز حق داروں کے مطالبہ، مواخذہ، احتجاج کا دباو بھی عموماً نہیں پایا جاتا جس کے پیش نظر یہ وثوق حاصل ہو کہ یہ اموال خُرد بُرد اور بے جا مصارف میں صرف ہونے سے محفوظ رہیں گے۔

فقہاے متاخرین کے دور میں جب بیت المال کے یہ اموال بیجا مصارف میں عام طور سے صرف ہونے لگے اور اس کی اصلاح دشوار ہو گئی تو فقہاے کرام نے یہ فرمان صادر کر دیا کہ بیت المال کا حال خراب ہو چکا ہے، لہذا اب میراث کا فاضل لاوارث مال بیت المال میں نہ جمع کر کے شوہر، بیوی کو دے دیا جائے وہ نہ ہوں تو مُعتِق کی بنات کو، وہ بھی نہ ہوں تو مُعتِق کے ذوی الارحام کو، وہ بھی نہ ہوں تو میت کی اولاد رضاعی کو دیا جائے۔

في حاشية المولى عجم زاده عن الخانية: ذكر الإمام عبد الواحد الشهيد في فرائضه: أن الفاضل عن سهام الزوج والزوجة لا يوضع في بيت المال، بل يدفع إليهما؛ لأنهما أقرب الناس إلى الميّت من جهة السبب، فكان الدفع إليهما أولى من غيرهما انتهى. و قوله: ”لا يوضع في بيت المال“ كقول الذخيرة السابق يدل على أن الدفع إليهما متعين، لا أن الدفع مخير بين الدفع إليهما وإلى بيت المال كما تُوهمه آخر العبارة. (۱)

حالاں کہ مذکورہ افراد اصل مذہب کے لحاظ سے ترکے، کے وارث نہیں اور نہ ہی بیت المال کے مال کے حق دار، پھر بھی فقہانے ان کی قرابت کے پیش نظر فاضل، لاوارث ترکے کا انھیں حق دار قرار دے دیا کہ بے جا مصارف میں صرف ہونے کی بہ نسبت قرابت دار صحیح مصرف ہوں گے۔ آج بھی یہ حکم باقی ہے اور اعلیٰ حضرت و صدر الشریعہ علیہما الرحمہ کا یہی فتویٰ ہے۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الوصایا، ج: ۱۰، ص: ۲۵۱، مکتبہ رضا اکیڈمی، ممبئی

کئی سو سال پہلے جب بے جا مصارف میں صرف ہونے اور اس کی اصلاح پر قابو نہ پانے کی وجہ سے بیت المال مال میں جمع کرنے کی اجازت نہ رہی تو آج اس کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے، جب کہ بحیثیت مجموعی دیانت و امانت کا حال پہلے سے بدتر ہو چکا ہے۔

آج جو بیت المال قائم ہیں ان کے اموال دو طرح سے صرف ہوتے ہیں:

ایک یہ کہ عموماً بغیر حیلہ شرعی کرائے کچھ رقم بینک میں جمع کر دی جاتی ہے اور کچھ رقم بیماروں کے علاج اور مقروضوں کی طرف سے ادائے قرض وغیرہ میں صرف ہوتی ہے۔

علاج میں صرف کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اسپتال میں زکاۃ فنڈ میں مالِ زکاۃ جمع کر دیا جاتا ہے اور فقرا کے آپریشن، دوا اور جانچ کے مصارف میں بغیر ان کی تملیک کے اپنے طور پر بحق اسپتال یا بحق ڈاکٹر یا پیتھالوجی وضع کر لیتے ہیں یا علاج کے مصارف ڈاکٹر اور میڈیکل اسٹور وغیرہ کو بلا تملیکِ فقیر دے دیتے ہیں۔

مقروضوں کا قرض یوں ادا کرتے ہیں کہ انھیں مالک بنائے بغیر قرض خواہوں کو دے دیتے ہیں اور بیت المال کے مصارف بھی اسی سے پورے کیے جاتے ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ زکاۃ کا بے جا مصرف میں استعمال ہے اور غبن و خیانت کے واقعات اس کے سوا ہیں اور جو رقم بلا تملیکِ فقیر بینک میں جمع ہوئی وہ تو ہلاک ہو گئی اور اتنے اموال کی زکاۃ اربابِ اموال کے ذمہ اور ان کا تاوان منتظمین بیت المال کے ذمہ رہا یہ بھی یقیناً مصرف بے جا میں استعمال ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زکاۃ و صدقاتِ واجبہ کا حیلۂ شرعی کرا کے مصارف کی صحیح تحقیق کیے بغیر انھیں استعمال کیا جاتا ہے اسی سے بیت المال کے مصارف بھی پورے کیے جاتے ہیں اور غبن و خیانت کے واقعات یہاں بھی اس کے سوا ہیں۔ جب زکاۃ کے مصارف متعین ہیں تو ان کے سوا میں صرف کرنے کے لیے بے حاجتِ شرعی حیلہ کرانا جائز نہیں۔

مدارس کے لیے یہ رقوم جمع کرنے اور حیلۂ شرعی کر کے استعمال کرنے کی اجازت بوجہ ضرورتِ شرعی ہے۔ ساتھ ہی ان رقوم کے حق دار طلبہ اور مدرسین و ملازمین کی طرف سے ہر آن مطالبہ، مواخذہ اور احتجاج کا دباؤ بھی۔ اس لیے یہاں اجازت ہے اور بیت المال میں ضرورت اور دباؤ دونوں تقریباً مفقود ہیں اور دیگر مفاسد بھی ہیں اس لیے نہ بیت المال قائم کرنے کی اجازت ہے نہ اس کے لیے زکاۃ و صدقات واجبہ کی رقوم لینے دینے کی اجازت۔

ہاں! اگر عطیات کی رقوم سے رفاہی فنڈ قائم کیا جائے تو درج بالا مصارف میں ان کا استعمال مصارف بے جا میں استعمال نہ ہوگا اس لیے اگر غبن و خیانت کے خطرات سے امن ہو تو عطیات کا رفاہی فنڈ قائم کرنے کی اجازت ہے۔

فیصلہ (۳۴)

مسلم کالج اور اسکول کے نام پر تحصیل زکاۃ

موضوع بحث یہ تھا کہ مسلم کالج اور اسکول کے لیے زکاۃ و صدقۂ واجبہ وصول کرنا اور حیلۂ شرعی کے بعد کالج اور اسکول کے مصارف میں صرف کرنا جائز ہے یا نہیں؟

مندوبین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ جائز نہیں، کیوں کہ زکاۃ و صدقاتِ واجبہ کے مصارف منصوص ہیں ان ہی میں ان کا صرف ہونا واجب ہے دوسری جگہ صرف کرنے کے لیے حیلۂ شرعی کا جواز دینی شرعی ضرورت کی بنا پر ہے۔ مدارس اسلامیہ جو خالص دینی تعلیم اور دین کی بقا کے لیے قائم ہیں، وہ دین کی ضرورت کے تحت ہیں ان کی بقا کے لیے حیلۂ شرعی کا جواز ہے مگر یہ حیثیت ان کالجوں اور اسکولوں کو حاصل نہیں جن میں کوئی ایک مضمون دینیات کا رکھ لیا جاتا ہے یا وہ بھی نہیں ہوتا اور ان کا اصل مقصود دنیاوی تعلیم کا فروغ ہوتا ہے اس لیے ان کے لیے زکاۃ و صدقاتِ واجبہ کی رقوم کی تحصیل اور ان کے لیے حیلہ کرنا بھی جائز نہیں۔ مفصل دلائل مقالات میں مرقوم ہیں۔

مآخذ

● إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝[۱]

● فتاویٰ رضویہ میں ہے: ”مدارس دنیوی میں نہ دیں کہ وہ قربت نہیں۔“[۲]

● الاشباہ والنظائر میں ہے: ”وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير ثم هو يكفن، فيكون الثواب لهما كذا في تعمير المسجد.“

● اسی عبارت کے تحت حموی میں ہے:

”وكذلك جميع أبواب البر التي لايتأتى التمليك فيها كعمارة المسجد وبناء القناطير.“[۳]

(۱) القرآن الكريم، آيت: ۶۰، التوبة: ۱۰.

(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب الاضحیہ، ج:۸، ص:۴۸۷، رضا اکیڈمی.

(۳)۔ الاشباه والنظائر، كتاب الحيل، الفصل الثالث فی الزكاة، ج:۳، ص:۲۹۸.

فیصلہ (۳۵)

کریڈٹ کارڈ

کریڈٹ کارڈ لینے اور اس کے ذریعہ معاملہ کرنے پر بحث ہوئی اور درج ذیل امور باتفاق آرا طے ہوئے۔

(۱) کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ قرض لینے کی صورت میں اصل رقم کی واپسی کے ساتھ اضافی رقم بنام سود دینا لازم ہے اس لیے کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ قرض لینا ہرگز جائز نہیں۔ ہاں! اجازت کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ قرض لینے کے باعث کارڈ ہولڈر کے لیے انکم ٹیکس دینے سے بچت ہو اور یہ بچت سود میں دی جانے والی رقم سے زیادہ ہو۔

(۲) کریڈٹ کارڈ کے ذریعہ سامان خریدنے میں قیمت کی ادائگی بینک کر دیتا ہے پھر وہ رقم کارڈ ہولڈر سے لیتا ہے اور واپسی رقم کے لیے ایک مدت مثلاً تیس دن ایسی رکھتا ہے جس کے اندر کارڈ ہولڈر رقم بینک کو دے دے تو اصل رقم پر اسے کوئی زیادتی نہیں دینی ہے۔ اور اگر اس مدت سے زیادہ دنوں میں دے تو بھی پانچ فیصد (یا کچھ کم وبیش) فوراً اسے دینا ہے بقیہ پنچانوے فیصد کی ادائگی پر اسے اضافی رقم اور جرمانہ دینا ہوگا۔

اگر کارڈ لینے والا یہ عزم رکھتا ہے کہ غیر سودی واپسی کی مدت مقررہ کے اندر وہ بینک کی رقم دے دے گا اور اسی کو عملی شکل بھی دیتا ہے تو اس پابندی کے ساتھ کارڈ لینا اور اس کے ذریعہ معاملہ کرنا درست اور جائز ہے۔ اور اگر زیادہ دنوں میں زائد رقم کے ساتھ ادائگی کرنا چاہتا ہے یا اسے عمل میں لاتا ہے تو یہ صورت ناجائز ہے۔

[اسی طرح اگر ادھار خریداری کی کوئی ایسی صورت قرار پاتی ہے جس میں بل کی ادائگی بغیر سود کے نہ ہو تو یہ صورت بھی ناجائز ہے۔ (مرتب غفرلہ)]

(۳) اس بارے میں یہ سوال زیر بحث آیا کہ کریڈٹ کارڈ لینے کے وقت یہ معاہدہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ اگر کارڈ ہولڈر خریداری کرے اور مقررہ مدت (مثلاً تیس دن) کے اندر بینک کا دین ادا کر دے تو اسے کوئی زائد رقم نہ دینی ہوگی اور اگر ادائگی اس مدت سے زیادہ ٹال دی تو اسے ایک مقررہ شرح کے حساب سے

زائد رقم بھی دینی ہوگی۔ کارڈ لینے والا اس شرط کو قبول کرتا ہے جب کہ اس شرط کی ایک شق جائز و درست ہے اور دوسری شق درست نہیں بلکہ شرط فاسد ہے تو کارڈ لینے والا اسے قبول کرکے گنہ گار ہوگا یا نہیں؟ جب کہ اس کا عزم یہ ہے کہ میرا عمل صرف پہلی شق (مقررہ مدت کے اندر اصل رقم ادا کردینے) پر ہوگا۔

بحث و تمحیص کے بعد اس حل پر اتفاق ہوا کہ چوں کہ اصل گناہ زائد رقم دینا ہے اس کی وجہ سے اس کی شرط قبول کرنا بھی گناہ ہوتا ہے لیکن یہاں اس کے ساتھ ایک شرط ایسی بھی ہے جو زائد رقم دینے سے خالی ہے اور عاقد کا عزم اسی پر عمل کا بھی ہے اور فی الواقع اسی پر اس کا عمل بھی ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اسے سقوطِ خطرِ طریق وغیرہ کا فائدہ بھی حاصل ہو رہا ہے اس لیے خلاف عزم، محض یہ لفظی یا تحریری شرط گناہ نہیں۔

۴ کسی مسلم کارڈ ہولڈر اور مسلم بینک کے درمیان مالی جرمانہ اور سود کے ساتھ مشروط معاملہ جائز نہیں اور جو مسلم بینک اس طرح کی شرط عائد کرتے اور اس پر عمل کرتے ہیں انھیں ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ ایسی ناجائز شرطیں ختم کرکے صرف جائز بنیادوں پر اپنا لین دین کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فیصلہ (۳۶)

تحصیل صدقات پر کمیشن

"تحصیل صدقات پر کمیشن" کے تعلق سے سوال یہ تھا کہ مدارس کے ذمہ دار حضرات سفرا کو مختلف علاقوں میں چندے کے لیے بھیجتے ہیں، پھر انھیں اس کام پر بدلِ محنت بھی دیتے ہیں۔ یہ معاملہ کس عقد کے تحت آتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں باتفاق آرا یہ قرار پایا کہ یہ معاملہ "عقد اجارہ" ہے اور ماہانہ تنخواہ پر چندہ کرنے والے سفرا "اجیر خاص" اور کمیشن پر چندہ کرنے والے "اجیر مشترک" ہیں۔

کمیشن پر چندہ کرنے، کرانے پر یہ سوال سامنے آتا ہے کہ سفیر سے یہ معاملہ ہوتا ہے کہ آپ کے ذریعہ جو چندہ وصول ہوگا اس کا ۲۵ فی صد مثلاً آپ کو بطور اجرت یا حقِ محنت دیا جائے گا۔ اور اجیر جو عمل کرے اسی کے ایک جز کو اجرت بنایا جائے یہ ناجائز ہے جس کی دلیل "قفیز طحان" کا معروف مسئلہ ہے۔ دوسرے یہ کہ سفیر کا عمل اور اس کا چندہ کتنا ہوگا یہ مجہول ہے اسی طرح اس کی اجرت بھی مجہول ہے۔ عمل اور اجرت کی جہالت کی وجہ سے بھی عقد اجارہ ناجائز ہوتا ہے۔ اس لیے کمیشن پر چندہ ناجائز ہونا چاہیے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ چندہ وصول ہو جانا سفیر کی قدرت میں نہیں بلکہ یہ چندہ دینے والوں کی قدرت میں ہے اس لحاظ سے جس عمل پر سفیر سے معاملہ ہوتا ہے وہ اس کا مقدور نہیں۔

ان امور پر غور و خوض اور بحث و مباحثہ کے بعد یہ طے ہوا کہ:

فی زمانا سفیر کی اجرت اس تعیین کے ساتھ طے نہیں ہوتی کہ تم جو چندہ وصول کر کے لاؤ گے بعینہٖ اسی سے تمھیں ۲۵ فی صد مثلاً اجرت دی جائے گی، بلکہ عاقدین کا قصد یہ ہوتا ہے کہ کل چندہ کی مالیت کا ۲۵ فی صد بطور اجرت دیا جائے گا۔ خاص وصول شدہ رقم سے لینے دینے کا معاملہ نہیں ہوتا۔

اس زمانے میں مدارس کو چندہ دینے والوں کی طرف سے عرفاً یہ اجازت بھی ہوتی ہے کہ سفرا وہ رقم مدارس تک بعینہٖ لے جائیں یا ڈرافٹ بنوا کر لے جائیں یا اور کوئی مناسب صورت اختیار کریں۔ اسی طرح نوٹوں کی تبدیلی مثلاً پچاس کے نوٹوں کو بدل کر سو سو کے یا ہزار، پانچ سو کے بنانے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔

ان امور کے پیش نظر اب مسئلہ "قفیز طحان" جیسی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ اور کل چندہ کی مالیت کا مقررہ فی صد طے کرنے اور خاص وصول کردہ رقم سے ادائگی معین نہ کرنے کی صورت میں وہ خرابی پیدا نہیں ہوتی جو "قفیز طحان" والے مسئلہ میں ہے۔

رہ گئی دوسری خرابی کہ کل چندہ کتنا ہوگا اور اس کی اجرت کتنی بنے گی یہ امر مجہول ہے تو یہ جہالت بعد عمل زائل ہو جاتی ہے اور مدارس دینیہ کو اس طرح کام لینے کی حاجت شرعی بھی متحقق ہے ساتھ ہی اس پر عوام و خواص کا تعامل بھی ہو چکا ہے اس لیے وقتِ عقد یہ جہالت مفسدِ عقد نہ رہی۔

اسی طرح «چندہ وصول ہو جانا» سفیر کا مقدور نہ ہونے کے باوجود حاجت اور تعامل کی وجہ سے درست ہے۔

(۱۰) کمیشن کا معاملہ زیادہ تر اس بنا پر پیش آتا ہے کہ اصحابِ ثروت اپنی زکاۃ خود مناسب مدارس تک بھیجنے یا پہنچانے کی زحمت کم سے کم تر کرتے ہیں اور بعض مدارس ایسے بھی ہیں جن کی طرف مقامی حضرات کے سوا کوئی سرے سے توجہ کرنے والا نہیں ہوتا اس لیے مدارس ضرورت محسوس کرتے ہیں کہ سفرا کو اہل خیر کے یہاں بھیجیں لیکن عموماً حال یہ ہے کہ چندہ کرنے کے لیے لوگ آمادہ نہیں ہوتے اور کسی طرح کچھ لوگ آمادہ ہو گئے اور صرف ماہانہ تنخواہ کو ان کا بدل محنت رکھا گیا تو کہیں اتنی مقدار ان کے لیے ناکافی ہوگی اور کہیں ناکافی تو نہ ہوگی لیکن سفیر زیادہ تگ و دو اور کوشش نہ کرے گا، بلکہ جتنا چندہ راحت و آسانی کے ساتھ مل جائے گا اسی پر قناعت کر لے گا۔ یہ حالات مدارس کے لیے پریشانی کا باعث ہیں۔ کمیشن پر وصولی کا جو سلسلہ جاری ہوا اس کے حالات بھی مختلف ہیں۔ کوئی نئی جگہ ہے تو وہاں کم وصولی ہوگی۔ پرانی جگہ ہے اور ادارہ وہاں معروف و مشہور ہے تو آسانی ہوگی اور لوگ ادارہ کی خدمات سے متاثر اور کسی طرح اس سے متعلق ہیں تو وصولی زیادہ ہوگی، اور لینے والا ذی وجاہت ہو تو اور زیادہ وصولی ہوگی۔

اس لحاظ سے سفرا کی حیثیت، ادارہ سے مقامات سفارت کی دوری و نزدیکی، وہاں ادارے کے تعارف و مقبولیت وغیرہ احوال پر نظر کرتے ہوئے ادارے اپنے سفرا کے لیے ماہانہ تنخواہ یا ڈبل تنخواہ یا فی صد مناسب سمجھتے ہوئے مقرر کریں، مگر فقہانے عامل کے لیے اس کی وصول کردہ رقم کا زیادہ سے زیادہ نصف حصہ دینے کی تحدید فرمائی ہے جب کہ اس سے کم مقدار اس کی مدت عمل کے خورد و نوش وغیرہ کے لیے کفایت نہ کرے۔ اسے نظر میں رکھتے ہوئے سفرا کی اجرت بھی کسی طرح اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی۔

دوسری طرف اس بات کی کوشش ہونی چاہیے کہ زیادہ سے زیادہ اہل خیر کو اس پر آمادہ کیا جائے کہ وہ ادارے کو اپنا چندہ ڈرافٹ، چیک وغیرہ کے ذریعہ خود بھیجیں۔ اور اس کی بھی کوشش ہو کہ متعارف اور زیادہ

وصولی والے مقامات پر کام کرنے کے لیے با تنخواہ سفرا تیار ہو جائیں اور ادارے کا زیادہ فائدہ ہو۔

(۲) محصل پر واجب ہے کہ وصول کردہ رقم سے کچھ بھی اپنے استعمال میں نہ لائے حتی کہ اپنے کرایہ میں بھی صرف نہ کرے، نہ اسے اپنے حق المحنت میں وضع کرے کہ یہ امانت میں خیانت اور مال مسلم میں تعدی ہوگی جس کے باعث وہ حق اللہ و حق العبد میں گرفتار و مستحق عذاب نار ہوگا۔ ساتھ ہی اس پر فرض ہوگا کہ صاحبِ مال کو تاوان دے نیز اسے بتائے کہ اس کی زکاۃ ادا نہیں ہو سکی ہے وہ ادا کر دے، یا اسے واپس کر دے تا کہ وہ مدرسہ تک پہنچا دے، یا کم از کم اس سے یہ اجازت لے کہ یہ اپنے پاس سے اس کی طرف سے جمع کر دے۔

جس نے اس طرح کی رقم سے کچھ بھی خرچ کیا ہو اور مالک کو اس کا تاوان نہ دے، نہ بطور مذکور اس سے اجازت لے تو قیامت کے دن اس کے باعث وہ عند اللہ ماخوذ ہوگا۔ اس لیے ایسے شخص پر واجب ہے کہ دنیا میں ہی ارباب اموال اور وہ نہ ہوں تو ان کے ورثہ سے اپنا معاملہ صاف کرا لے تا کہ وہ اپنی زکاۃ و صدقۂ فطر ادا کر لیں اور یہ مواخذۂ اخروی سے محفوظ ہو جائے۔

(۳) بعض ناخدا ترس سفرا ایسا بھی کرتے ہیں کہ چھ ماہ یا سال بھر کی تاخیر سے اپنی تحصیل کردہ رقم اداروں میں جمع کرتے ہیں۔ اس طرح زکاۃ کا مصرفِ زکاۃ تک پہنچنا بھی مؤخر ہوتا ہے اس گناہ کا وبال ان سفیروں کے سر آتا ہے، ساتھ ہی ادارہ کے کاموں میں بھی خلل اور سخت حرج واقع ہوتا ہے اس کے جواب دہ بھی سفرا ہی ہوں گے۔ ایسے لوگوں کو ہدایت کی جاتی ہے کہ تحصیل کردہ رقم جلد از جلد ادارے تک پہنچائیں اور اہل ادارہ بھی حیلۂ تملیک جلد سے جلد کر لیں اور صحیح مصارف میں صرف کریں۔ اور سبھی لوگ ہر معاملہ میں امانت و دیانت اور خوفِ خدا ملحوظ رکھیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ماخذ

• درِ مختار میں ہے:

"الأجراء على ضربين، مشترك و خاص.

فالأول من يعمل لا لواحد كالخياط ونحوه، أو يعمل له عملا غير موقت كان استاجره للخياطة في بيته غير مقيدة بمدة كان اجيرا مشتركا ... والثانی : وهو الأجير الخاص، ويسمى : "اجير واحد" وهو من يعمل لواحد عملاً موقتا بالتخصيص ويستحق الأجر بتسليم نفسه فی المدة، و ان لم يعمل." (ملخصاً) (۱)

• فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

---

(۱) درِ مختار، باب ضمان الأجير، ج:۹، ص:۸۷ — ۹۵، دار الكتب العلمية، بيروت

"والحيلة في ذلك لمن أراد الجواز، أن يشترط صاحب الحنطة قفيزا من الدقيق الجيد ولم يقل "من هذه الحنطة" أو يشترط ربع هذه الحنطة؛ لأن الدقيق إذا لم يكن مضافا إلى حنطة بعينها يجب فى الذمة ، والأجر كما يجوز أن يكون مشاراً إليه يجوز أن يكون دينا فى الذمة، ثم إذا جاز يجوز أن يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء. كذا فى المحيط.(١)

● ردالمحتار میں ہے:

"(تتمة) قال فى التاتر خانية: وفى الدلال والسمسار يجب أجر المثل وما تواضعوا عليه إن في كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم. وفى الحاوى: سئل محمد بن سلمه من اجرة السمسار فقال: أرجوا أنه لاباس به وإن كان فى الأصل فاسداً لكثرة التعامل . وكثير من هذا غير جائز، فجوزه لحاجة الناس إليه كدخول الحمام." (٢)

● فتاویٰ ہندیہ "کتاب الوقف" میں ہے:

"في فتاوى أبى الليث رحمه الله تعالىٰ: رجل جمع مالا من الناس لينفقه في بناء المسجد فانفق من تلك الدراهم في حاجته ثم رد بدلها في نفقة المسجد لا يسعه أن يفعل ذلك فإن فعل فإن عرف صاحب ذلك المال ردّ عليه أو ساله تجديد الإذن فيه. وإن لم يعرف صاحب المال استاذن الحاكم فيما استعمله وإن تعذر عليه ذلك رجوت له فى الإستحسان أن ينفق مثل ذلك من ماله على المسجد فيجوز ، لكن هذا واستئمار الحاكم يجب أن يكون في رفع الوبال أما الضمان فواجب، كذا فى الذخيرة.

ويبتنى علىٰ هذا مسائل ابتلى بها أهل العلم والصلحاء . منها: العالم إذا سأل للفقراء أشياء واختلط بعضها ببعض يصير ضامنا لجميع ذلك واذا ادّى صار مؤدّيا من مال نفسه ويصير ضامنا لهم ولا يجز يهم عن زكاتهم ، فيجب أن يستاذن الفقير لياذن له بالقبض فيصير خالطًا ماله بماله كذا فى المحيط. (٣)

---

(١) فتاویٰ عالمگیری، ج:٤، ص:٤٤٤، الفصل الثالث في قفيز الطحان وما هو في معناه من الباب الخامس عشر.

(٢) رد المحتار، باب ضمان الأخير، ج:٥، ص:٤٤

(٣) فتاویٰ عالمگیری، ج:٢، ص:٤٨٠، ٤٨١، الثانى عشر فى الأوقاف التى يستغنى عنها

شرکاے سیمینار

(اکابر)

(۱) بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان اعظمی دام ظلہ العالی شیخ الحدیث شمس العلوم، گھوسی
(۲) عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ مصباحی دام ظلہ العالی سرپرست مجلسِ شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ
(۳) شیخ القرآن حضرت علامہ عبداللہ خان عزیزی دام ظلہ العالی شیخ القرآن الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد
(۴) صدر العلما حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۵) حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی دام ظلہ العالی شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور۔

اسماے گرامی اصحاب مقالات

(۱) مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی	ناظم مجلسِ شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۲) مفتی نذر محمد قادری	صدر المدرسین دارالعلوم ربانیہ، باندہ
(۳) مولانا صاحب علی مصباحی	مدرسہ اشاعت الاسلام، مہراج گنج
(۴) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۵) مفتی حبیب اللہ مصباحی	دارالعلوم فضل رحمانیہ بچپڑوا، بلرام پور
(۶) مفتی محمد معراج القادری مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۷) مولانا شمس الہدیٰ مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۸) مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۹) مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۱۰) مولانا نفیس احمد مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۱۱) مولانا آلِ مصطفیٰ مصباحی	رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو
(۱۲) مولانا قاضی شہید عالم رضوی	جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۱۳) مولانا بدر عالم مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

(۱۴)مولانا ناظم علی مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۱۵)مولانا انفاس الحسن چشتی	صدر المدرسین جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف
(۱۶)مولانا اختر حسین قادری	دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۱۷)مولانا نظام الدین قادری	دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۱۸)مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، خیر آباد، سلطان پور
(۱۹)مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، پکی باغ، بنارس
(۲۰)مولانا ابرار احمد امجدی	مدرسہ ارشد العلوم، اوجھاگنج، بستی
(۲۱)مولانا شبیر احمد مصباحی	مدرسہ سراج العلوم برگدہی، مہراج گنج
(۲۲)مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مدرسہ سراج العلوم برگدہی، مہراج گنج
(۲۳)مفتی محمد نسیم مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۲۴)مولانا محمد انور علی نظامی مصباحی	مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ، جھارکھنڈ
(۲۵)مولانا عبد السلام رضوی مصباحی	مدرسہ انوار العلوم، تلسی پور، بلرام پور
(۲۶)مولانا ابرار احمد اعظمی مصباحی	دار العلوم ندائے حق، جلال پور، امبیڈکر نگر
(۲۷)مولانا شمشاد احمد مصباحی	جامعہ امجدیہ، گھوسی
(۲۸)مولانا زاہد علی سلامی مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۲۹)مولانا محمد معین الدین اشرفی مصباحی	دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۳۰)مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی	جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۳۱)مولانا محمد عالم گیر رضوی مصباحی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور، راجستھان
(۳۲)مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۳۳)مولانا ساجد علی مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۳۴)مولانا دستگیر عالم مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۳۵)مولانا محمد عرفان عالم مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۳۶)مولانا محمد صادق مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۳۷)مولانا محمد قاسم مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۳۸)مولانا محمد کونین رضا نوری مصباحی	دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا، دھرول، گجرات
(۳۹)مولانا احمد رضا اعظمی مصباحی	دار العلوم تنویر الاسلام، امرڈوبھا
(۴۰)مولانا شبیر محمد مصباحی	دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ

(۴۱) مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی — استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۴۲) مولانا اختر رضا مصباحی — استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۴۳) مولانا محمد رضوان قادری مصباحی — استاذ جامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

وہ مقالہ نگار حضرات جو کسی وجہ سے سیمینار میں شریک نہ ہو سکے۔

(۴۴) حضرت مولانا مفتی محمد ایوب نعیمی — صدر المدرسین و صدر شعبۂ افتا جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
(۴۵) حضرت مفتی شمس الدین احمد رضوی — صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مسعود العلوم، بہرائچ
(۴۶) مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی — جامع اشرف، کچھوچھہ شریف
(۴۷) مولانا محسن ہادی — دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا، جام نگر
(۴۸) مولانا محمود اختر مصباحی — دار العلوم انوار مصطفیٰ رضا، جام نگر۔

بقیہ شرکائے سیمینار جن کے مقالے موصول نہ ہو سکے۔

(۴۹) مولانا یٰسین اختر مصباحی — دار القلم، دہلی
(۵۰) مولانا اسرار احمد مصباحی — الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۵۱) مولانا بدر القادری مصباحی — دی ہیگ، ہالینڈ
(۵۲) مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی — جامعہ حضرت بلال، بنگلور
(۵۳) مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی — المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۵۴) مولانا مفتی عنایت احمد نعیمی — الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، گونڈہ
(۵۵) مولانا اعجاز احمد مصباحی — الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۵۶) مولانا عبد الحق رضوی مصباحی — الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۵۷) مولانا مبارک حسین مصباحی — الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۵۸) مولانا حمید الحق مصباحی — ہرارے، زمبابوے
(۵۹) شہاب الدین احمد نوری — دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۶۰) مولانا عبد الرحمٰن مصباحی — جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو
(۶۱) مولانا عبد الغفار مصباحی — مدرسہ ضیاء العلوم، خیرآباد، مئو
(۶۲) مولانا محمد مسیح احمد مصباحی — دار العلوم انوار القرآن، بلرام پور
(۶۳) مولانا صلاح الدین مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور
(۶۴) مولانا محمد نعیم الدین عزیزی مصباحی — استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

(۶۵)مولانا اختر کمال قادری مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۶۶)مولانا جلال الدین نوری مصباحی	استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۶۷)مولانا محمد نعیم اختر مصباحی	خطیب جامع مسجد، راجہ مبارک شاہ، مبارک پور
(۶۸)مولانا قاری نور الحق مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۶۹)مولانا مفتی بشیر القادری	دار العلوم حضرت عائشہ، گریڈیہ
(۷۰)مولانا طفیل احمد مصباحی	الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، سکٹھی مبارک پور
(۷۱)مولانا محمود احمد مصباحی	الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ سکٹھی مبارک پور
(۷۲)مولانا احمد رضا مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۷۳)مولانا محمد فاروق مصباحی	مبلغ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۷۴)مولانا اختر الاسلام علیمی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۷۵)مولانا سعید الرحمٰن	المجمع اسلامی، مبارک پور
(۷۶)مولانا محمد شکیل احمد مصباحی	نائب مدیر، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۷)مولانا محمد ذاکر مصباحی	مدرسہ عزیز العلوم، اعظم گڑھ
(۷۸)مولانا رفیع القدر مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۷۹)مفتی محمد ناصر حسین مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۸۰)مولانا حسیب اختر مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۸۱)قاری اقرار احمد مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۸۲)قاری قیام الدین مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۸۳)قاری عبد القیوم مصباحی	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۸۴)ماسٹر افضال احمد	الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۸۵)مولانا ارشاد احمد مصباحی	گھوسی
(۸۶)مولانا خورشید احمد مصباحی	گھوسی
(۸۷)مولانا شیخ محمد فاروق مصباحی	الجامعۃ اسلامیہ، سکٹھی۔

پندرہواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۸/ ۱۹/ ۲۰/ صفر ۱۴۲۹ھ
مطابق ۲۶/ ۲۷/ ۲۸/ فروری ۲۰۰۸ء
بروز سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنج شنبہ
بمقام: امام احمد رضا لائبریری، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

فیصلہ ۳۷ - طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط
فیصلہ ۳۸ - مساجد میں مدارس کا قیام
فیصلہ ۳۹ - نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت

فیصلہ (۳۷)

طبیب کے لیے اسلام اور تقویٰ کی شرط

دوا، علاج ایک انسانی ضرورت ہے مگر ہر شخص خود اس کی مہارت نہیں رکھتا اس لیے کسی طبیب کا سہارا لیتا ہے اور طبیب کی ہدایات، اور طریقۂ علاج پر عمل کرنا عموماً ایک دنیاوی معاملہ ہے لیکن بعض حالات میں یہ دینی معاملہ ہوجاتا ہے، یا اس کے ضمن میں دینی عمل بھی آجاتا ہے مثلاً ایک شخص آنکھ کی بیماری میں مبتلا ہے وہ کسی طبیب سے علاج کراتا ہے۔ ڈاکٹر اسے ہدایت کرتا ہے کہ اگر تم رکوع و سجود وغیرہ میں اپنا سر جھکاؤ گے تو بینائی سے محروم ہوجاؤ گے، یا یہ مرض شدت اختیار کرلے گا اور بہت دیر میں شفا ہوگی، یا صرف سر جھکانے سے منع کرتا ہے۔ یوں ہی رمضان کے روزے میں کسی مریض کو طبیب دوا کھانے کو کہے اور یہ بتائے کہ تم نے اگر دن میں یہ دوا فوراً نہیں کھائی تو جان کا خطرہ یا مرض بڑھنے کا اندیشہ ہے، ان حالتوں میں علاج کا تعلق براہ راست یا بالواسطہ عبادت اور دینی عمل سے ہوجاتا ہے۔ مریض کے لیے ان صورتوں میں طبیب کی ہدایات پر عمل کرنے کے لیے فقہاے کرام نے صراحت فرمائی ہے کہ طبیب کا مسلم اور صاحب تقویٰ یا بہ ظاہر دین دار ہونا ضروری ہے۔ لیکن اس وقت بشمول ہندوستان دنیا کے بیش تر ممالک کا حال یہ ہے کہ ان شرائط و اوصاف کے حامل اطبا عموماً دست یاب نہیں ہوتے، مجبوراً مسلمان ہر طرح کے ڈاکٹروں سے ہر قسم کا علاج کراتے ہیں اور ان کی طبی ہدایات پر عمل کرتے ہیں۔

سوال یہ در پیش ہے کہ موجودہ حالات میں بھی طبیب کے لیے حاذق ہونے کے ساتھ مسلم اور صاحب تقویٰ یا ظاہراً دین دار ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: (۱) وہ حالات جن میں بلا عذر شرعی کسی ناجائز کام مثلاً نجس یا حرام چیز سے علاج، خطرناک آپریشن، صوم و صلاۃ وغیرہ عبادات کا ابطال یا ترک اور حلق لحیہ وغیرہ کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔ ایسے عام حالات میں غیر مسلم ڈاکٹروں سے علاج دو طرح کا ہوتا ہے:

خارجی: جیسے جوڑوں کی مالش وغیرہ جس میں وہ کوئی طبی خیانت وبد خواہی نہ کر سکے۔
داخلی: جس میں طبی خیانت وبد خواہی کی گنجائش ہو۔
خارجی علاج غیر مسلم سے مطلقا جائز ہے۔ جیسے اس سے خرید وفروخت جائز ہے۔
داخلی علاج بھی جائز ہے جب کہ ماحول فسادات وتعصب کا نہ ہو، اور دیگر حالات میں بھی جب یہ معلوم ہو کہ وہ مسلمانوں سے تعصب نہیں رکھتا اور دل اس سے علاج کرنے پر جمے۔ اور اگر وہ بد مذہب ہو تو اس کا عدم تعصب اور زیادہ جانچنے اور پرکھ لینے کی ضرورت ہے۔ خصوصاً علما اور عمائد اہل سنت کو اس میں بہت احتیاط چاہیے۔

(۲) خاص حالات یعنی جب طبیب دوران علاج کوئی ایسی ہدایت کرے جس کا تعلق براہ راست دیانات سے ہو یعنی اس سے کسی عبادت کا ترک یا ابطال یا حرام کا ارتکاب یا نجاست سے آلودگی واقع ہو تو اصل حکم یہ ہے کہ معالج (۱) حاذق ہو (۲) مسلمان ہو (۳) صاحب تقوی، یا ظاہراً دین دار ہو۔ لیکن دین دار طبیب کی سخت کم یابی اور حرج شدید کی وجہ سے اب فاسق اور کافر طبیب سے علاج کی اجازت ہے بشرطے کہ تحری کے بعد مریض کا دل اس بات پر جمے کہ یہ طبیب خواہ مخواہ کوئی ایسا علاج تجویز نہیں کرتا جس کے باعث ایک مسلمان کو کسی حرام کا ارتکاب کرنا پڑے، اور جب فاسق، حاذق مسلم طبیب ملے تو غیر مسلم کے علاج سے پرہیز کرے۔

(۳) اگر علاج کا تعلق دیانات ضمنیہ یعنی ایسے امور سے ہو جن کے ضمن میں دیانات کا ثبوت ہوتا ہے تو ایسے امور میں فاسق وکافر سب کی خبر مقبول ہے، اس لیے ان حالات میں بھی ان سے علاج کرانا جائز ہے جب کہ مسلم مریض کو یہ ظن غالب ہو کہ اس طبیب کی ہدایت طبی فائدے اور قاعدے کی رو سے ہے، کسی امر حرام میں مبتلا کرنا اس کا مقصود نہیں۔

ایک سوال یہ تھا کہ اسلام اور تقوی وظاہری دین داری کی شرطیں اس لیے رکھی گئی تھیں کہ ان کی ہدایتوں پر اعتماد اور امراض کی تشخیص میں ان کے قول پر اطمینان ہو سکے۔ اب طبی آلات اور مشینیں طبیبِ حاذق صاحبِ تقوی کی تشخیص کے قائم مقام ہو سکتی ہیں یا نہیں؟

اس کے جواب میں یہ بتایا گیا کہ آلات اور مشینوں کے استعمال کے بعد ایک رپورٹ تیار ہوتی ہے جو ان مشینوں کو چلانے والا لکھتا ہے پھر طبیب اس پر اعتماد کر کے علاج تجویز کرتا ہے۔ رپورٹ میں غلطی ہوئی تو علاج بھی غلط ہو سکتا ہے۔ اس لیے رپورٹ تیار کرنے والے کا ماہر اور تجربہ کار ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اسے غیر متعصب بھی ہونا چاہیے۔ ان مشینوں کی رپورٹ خالص باب معاملات سے تعلق رکھتی ہے اور معاملات

میں فاسق و کافر سب کی خبر مقبول ہے اس لیے بشرط بالا یہ رپورٹ بھی قابل قبول ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ بعض امراض کا حال (مثلاً ہڈی یا عضو بڑھنا یا فریکچر ہونا وغیرہ) تو ان مشینوں سے قطعی طور پر ظاہر ہو جاتا ہے، اور بعض امراض کو ان مشینوں کے ماہر اپنے علم اور تجربہ کی روشنی میں متعین کرتے ہیں، بعض امراض میں خود انھیں بھی تردد ہوتا ہے اور اطبا ان رپورٹوں اور دیگر علامات و تجربات کے ذریعہ کسی تعیین تک رسائی پاتے ہیں، اور کہیں وہ بھی متردد رہ جاتے ہیں اور بہت سے ماہرین باہمی مشاورت سے کوئی حل نکالتے ہیں۔ اس تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ طبی ترقیوں کے باوجود آج بھی ان مشینوں کا اظہار ہر معاملے میں یقین یا غلبۂ ظن کا افادہ نہیں کرتا۔

ایک سوال یہ تھا کہ جن صورتوں میں مسلم مریض، طبیب کی ہدایت اور اپنے غلبۂ ظن و تحری پر عمل کرتے ہوئے کوئی عبادت ترک کرے تو آئندہ اسے کیا کرنا ہوگا؟۔

اس کا جواب یہ ہے کہ بہ صورت مذکورہ ترک عبادات کے باعث وہ گنہ گار نہ ہوگا، اور اگر روزہ توڑا ہے تو روزہ توڑنے کا کفارہ اس پر لازم نہ ہوگا، مگر قضا ضرور فرض ہوگی۔ اسی طرح اگر نماز فرض یا واجب ترک ہوئی ہے تو اس کی بھی قضا فرض یا واجب ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فیصلہ (۳۸)

مساجد میں مدارس کا قیام

اس میں شک نہیں کہ دینی تعلیم اہم کار دینی و ذکر الٰہی ہے اس لیے عہدِ رسالت، عہدِ صحابہ، اور زمانۂ مابعد میں مساجد کے اندر اس کا رواج تھا۔ لیکن یہ تعلیم و تعلم کسی دنیوی اجرت و وظیفہ کے بغیر خالصاً لوجہ اللہ ہوا کرتا تھا۔ اس کے جواز بلکہ مسنونیت میں کوئی کلام نہیں، مگر جو تعلیم کوئی معلم تنخواہ لے کر دیتا ہے وہ خالصاً لوجہ اللہ نہیں رہ جاتی، ایک کارِ دنیا ہو جاتی ہے اور مسجد میں کارِ دنیا ناجائز و گناہ ہے اس لیے اصل حکم تو یہی ہے کہ اگر کوئی باتنخواہ معلم مسجد میں بیٹھ کر تعلیم دے تو یہ جائز نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ بچوں کو علم دین سکھانا ضروری ہے؛ اس لیے مدارس قائم ہوتے ہیں، باتنخواہ معلم اور دیگر ضروریات کا انتظام ہوتا ہے۔ مگر ایسے مقامات بھی ہوتے ہیں جہاں کوئی ایسی زمین بہ آسانی دستیاب نہیں ہوتی جس پر باضابطہ تعلیمی کام سرانجام ہو، اور اسے ترک کرنے سے ایک تو بچوں کی دین سے ناآشنائی کا دائرہ بڑھتا ہے، دوسرے ان کے دینی عقائد و اعمال کا تحفظ بھی خطرے میں ہوتا ہے بلکہ صحیح تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے وہ بڑے ہو کر گمراہی و بدعملی کا شکار ہو جاتے ہیں، جہاں ایسی حالت پائی جائے وہاں اگر مسجد میں باتنخواہ معلم کے ذریعہ دینی تعلیم کا سلسلہ جاری کیا جائے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟۔

اس کے جواب میں مندوبین کا اتفاق ہے کہ جب شرعاً ضرورت یا حاجت متحقق ہو تو بہ صورت مذکورہ مسجد میں دینی تعلیم جائز ہے، مگر اس کی کوشش ہونی چاہیے کہ جلد وسائل مہیا کر کے مسجد سے باہر کسی جگہ مدرسہ قائم کیا جائے اور الگ مدرسہ بنانے کی وسعت ہو جانے کے بعد مسجد کو باتنخواہ تعلیم کے کام میں نہ استعمال کیا جائے۔ حضرت مفتی اعظم شاہ محمد مصطفیٰ رضا قادری بریلوی علیہ الرحمہ نے مدرسہ مظہر اسلام ابتداءً مسجد بی بی جی محلہ بہاری پور بریلی میں قائم کیا تھا، بعد میں مسجد سے متصل زمین میں منتقل کیا۔ ممبئی کے اندر مولانا سید حامد اشرف علیہ الرحمہ نے ابتداءً باولا مسجد میں درس گاہ قائم کی جس کے افتتاح میں حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی علیہ الرحمہ نے شرکت فرمائی، اور مجاہد ملت مولانا شاہ حبیب الرحمن قادری عباسی علیہ الرحمہ نے الہ آباد

میں مسجد اعظم کے اندر مدرسہ حبیبیہ قائم کیا۔

اب سوال یہ ہے کہ ضرورت یا حاجت شرعی کب متحقق ہوتی ہے؟ اس کی جانب کچھ اجمالی اشارہ گزرا اور مناسب یہ ہے کہ عوام اس سلسلے میں از خود کوئی فیصلہ نہ لیں، بلکہ جب کسی مسجد میں باتنخواہ دینی تعلیم جاری کرنے کی نوبت آئے تو پہلے ذمہ دار دارالافتا اور صاحب فتویٰ سے رابطہ کر کے حالات بتائے جائیں وہ تفتیش کے بعد جب یہ بتائیں کہ حاجت شرعی متحقق ہے، درس گاہ قائم کرنا درست ہے تب یہ سلسلہ جاری کیا جائے۔

دوسرا سوال یہ تھا کہ وہ زمین جو مسجد بنانے کے لیے وقف ہوئی اس کے کچھ حصے پر قبلِ تمامِ مسجدیت یا بعدِ تمامِ مسجدیت کوئی مدرسہ تعمیر کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

اس کے جواب میں اس بات پر مندوبین کا اتفاق ہے کہ جو زمین مسجد پر وقف ہوئی یعنی نماز کے لیے دائمی طور پر خاص کر کے لوگوں کے حوالے کر دی گئی اس پر مدرسہ تعمیر کرنا کسی حال میں جائز نہیں کیوں کہ یہ تغییر وقف ہے اور تغییر وقف ناجائز ہے۔ نیز یہ مسجد کے اصل مقصود اقامت شعار (نماز باجماعت) سے اس کو خالی کرنا ہے جو حرام ہے، ساتھ ہی غرض واقف کی مخالفت بھی ہے اور یہ بھی حرام ہے۔

بہ وقت ضرورت وحاجت مسجدوں میں اجرت پر تعلیم دینے کی اجازت الگ ہے اور مسجد کو مدرسہ بنا دینا یا مسجد بنانے کے لیے وقف شدہ زمین پر مدرسہ کی عمارت بنانا الگ ہے۔ دونوں میں کھلا ہوا فرق ہے۔

مآخذ:

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

”لا یجوز تغییر الوقف عن هیئته، فلا یجعل الدار بستانا ولا الخان حماما ولا الرباط دکانا. اه.“(۱)

در مختار میں ہے:

”مراعاة غرض الواقفین واجبة. اه.“

اشباہ میں ہے:

شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم: ”شرط الواقف کنص الشارع“ أي: في وجوب العمل به في المفهوم والدلالة کما بیناه في شرح الکنز. اه.(۲)

ارشاد باری ہے:

---

(۱) فتاویٰ عالمگیری، اخیر کتاب الوقف، ج:۲، ص:۴۰۹، کوئٹہ، پاکستان۔

(۲) الأشباه والنظائر، الفن الثاني في الفوائد، ص:۲۷۵، مطبع نول کشور لکھنؤ۔

"وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِیْ خَرَابِهَا۔"(۱)

فتاویٰ رضویہ، وقف مسجد کے بیان میں ہے:

"جو زمین متعلق مسجد ہے وہ مسجد ہی کے کام میں لائی جا سکتی ہے، اور اس کے بھی اسی کام میں جس کے لیے واقف نے وقف کی، وقف کو اس کے مقصد سے بدلنا جائز نہیں۔ شرط الواقف كنص الشارع في وجوب الاتباع۔ واقف نے اگر مدرسہ بنانے کی اجازت نہ دی تو اس میں عام مدرسہ بھی نہیں بن سکتا نہ کہ خاص۔ اور اگر عام مدرسہ کی اجازت دی ہے جب بھی کسی قوم کو خاص اپنا مدرسہ کرنے کی اجازت نہیں، اگر خلاف اجازت ایسا تصرف کریں گے غاصب ہوں گے، اور وہ عمارت منہدم کرا دینے کے قابل ہوگی اور بعد انہدام جو کچھ اینٹیں، کڑیاں ہوں اس کے مالک وہی لوگ ہوں گے جنھوں نے عمارت بنوائی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (۲)

یہاں تمام مسجدیت سے مراد اس کی عمارت کی تکمیل نہیں بلکہ یہ اس کے مسجد شرعی ہو جانے سے عبارت ہے۔ اور مسجد شرعی وہ زمین ہے جو نماز کے لیے وقف ہو اور مسلمانوں کو اس میں ہمیشہ نماز پڑھنے کی اجازت دے دی جائے۔ اب اگر واقف نے خالی زمین پر مسلمانوں کو ہمیشہ نماز پڑھنے کی اجازت دے کر زمین ان کے حوالے کر دی تو مسجدیت تام ہو گئی، اور اگر پہلے عمارت بنوائی اس کے بعد ان کے حوالے کر کے یہ اجازت دی تو اس وقت مسجدیت تام ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

"ذكر الصّدرُ الشّهيدُ –رحمهُ الله تعالىٰ– في الواقعات في باب العين من كتاب الهبة والصدقة: رجلٌ لهُ ساحة لا بناء فيها أمَرَ قومًا اَن يُّصَلُّوا فيها بجماعَةٍ، فهذا على ثلاثة اوجه. احدها اما ان أمرهم بالصلاة فيها اَبداً نصًّا بأن قال: صَلُّوا فيها أبداً أو أمرهم بالصَّلاةِ مطلقًا ونوى الأبدَ صارت الساحة مسجدا. لومات لايورَث عنه، كذا في الذخيرة وهٰكذا في فتاوىٰ قاضي خان." اھ(۳)

ہدایہ میں ہے:

"وقال أبو يوسف: يزول ملكه بقوله: "جعلتهُ مَسجداً" لأن التسليم عنده ليس بشرط؛ لأنه إسقاط لملك العبد . . . وصار كالإعتاق." (۴)

ردالمحتار میں ہے:

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ البقرۃ ۲، آیت: ۱۱۴

(۲) فتاویٰ رضویہ ص: ۴۹۶، ج: ۶، سنی دارالاشاعت، مبارک پور

(۳) فتاویٰ عالمگیری، الباب الحادي عشر في المسجد، ج: ۲، ص: ۴۵۵، کوئٹہ، پاکستان

(۴) ھدایہ، کتاب الوقف ص: ۶۴۴، ج: ۲، مجلس البرکات

”وفي الدّر المنتقى: وقدَّم في التَنوير والدُّرر والوقاية وغيرِها قولَ أبي يوسف، وعَلِمتَ أَرجحِيَّتَهُ في الوقف والقضاء.“اھ (۱)

تیسرا سوال یہ تھا کہ مسجد تعمیر ہو جانے کے بعد اس کی زمین کے فاضل حصے کو کرائے پر دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں اس امر پر اتفاق ہوا کہ مسجد تعمیر ہو جانے کے بعد فاضل زمین کی حیثیت عموماً فِنائے مسجد کی ہوتی ہے۔ اگر بچی ہوئی زمین فِنائے مسجد ہے تو اسے اجارے پر دینا جائز نہیں۔ فِنائے مسجد کی حرمت مثلِ مسجد ہے۔ فِنائے مسجد سے مراد مسجد کے متصل اس کے ارد گرد کی وہ زمین ہے کہ اس کے اور مسجد کے درمیان کوئی راستہ(۲) نہ ہو۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

”قيِّم المسجد لايجوز له أن يبني حوانيت في حد المسجد أوفي فِناءه، لأن المسجد إذا جعل حانوتا ومسكنا تسقط حرمته وهذا لايجوز، والفِناء تبع المسجد، فيكون حكمه حكم المسجد، كذا في محيط السرخسي.“اھ (۳)

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

”فِناءالمسجد مَا يظله ظلة المسجد إذا لم يكن ممرًا لعامة المسلمين.“ اھ(۴)

غنیہ میں ہے:

”فِناءُهُ (أى المسجد) : هو المكان المتصل به ليس بينه و بين (المسجد) طريق.“اھ (۵)

رہ گئے وہ جزئیات جن میں مفاد مسجد کے لیے فِنائے مسجد کو اجارے پر دینا جائز قرار دیا گیا ہے، تجارت کو روا رکھا گیا ہے ان جزئیات سے متعلق حضرت صدر الشریعہ اعظمی علیہ الرحمہ ”قامع الواهيات“،

---

(۱) رد المحتار، كتاب الوقف، ج:۵، ص:۵٤٦، مطبع دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) یہاں ”راستہ“ سے مراد عام راستہ ہے جس پر سب چلیں، نمازیوں کے مسجد کے اندر جانے کے لیے جو خاص راستہ ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں جیسا کہ جزئیات سے عیاں ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہ۔

(۳) فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الوقف، الفصل الثاني، ص:٤٦٢، ج:۲، پاکستان.

(۴) فتاوىٰ عالمگيرى، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد...إلخ، ص:۳۲۰، ج:۵، کوئٹہ، پاکستان.

(۵) غنية المستملى المعروفة بـ”حلبي كبير“، ص: ٦١٤، فصلٌ في أحكام المسجد، سهيل اكيڈمی، لاهور.

میں فرماتے ہیں: کہ اس قول کا قائل وناقل صرف ایک شخص ہے وہ بھی اس میں متردد ہے، جزم ویقین سے نہیں کہا ہے۔ جب کہ عدم جواز کے قائلین کی غالب اکثریت ہے اور یہ مدلل ومرجح ہے۔ حکم جزم کے ساتھ ہے۔ اس لیے عدم جواز ہی پر اعتماد واجب ہے۔ فقیہ فقید المثال امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی ایسا ہی افادہ فرمایا ہے: قامع الواہیات میں ہے:

"ثم هوشيء إنما يعرف نقله عن واحد وهو أيضا متردّدٌ فيه غير جازم به، قال في الهندية عن التتارخانية عن اليتيمة عن الخجندي : سئل عن قيّم المسجد يبيح فِناء المسجد ليتجر القوم هل له هذه الإباحة؟

فقال: إذا كان فيه مصلحة للمسجد فلا بأس به إن شاء الله.

قيل: لووضع في الفناء سررا فأجرها الناس ليتجروا عليها وأباح لهم فِناء ذلك المسجد هل له ذلك؟

فقال: لوكان لصلاح المسجد فلا بأس به إذا لم يكن ممرًا للعامّة.اه.

واستثناءه في الأول استثناءه في الثاني وقد تواردت الأئمة الأجلة على المنع، والقاعدة: العملُ بما عليه الأكثر، وقولهم مدلل والمدلل مرجح، وهم جازمون وفي الجزم الحكم فوجب التعويل عليه بوجوه، أفاده شيخنا في جد الممتار."اھ (۱) والله تعالىٰ أعلم.

(۱) قامع الواہیات، مشمولہ فتاوی امجدیہ، کتاب الوقف، ج:۳، ص:۹۱، دائرۃ المعارف، گھوسی

فیصلہ (۳۹)

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت

نیٹ ورک مارکیٹنگ کمپنیوں نے اپنی مصنوعات کی نکاسی کے لیے یہ طریقۂ کار اپنایا ہے کہ کمپنی پہلے کچھ چیزیں ایک شخص کو مقررہ دام پر فروخت کر کے اسے اپنا ممبر بنائے، پھر وہ ممبر اپنے ذریعہ ویسی ہی مقررہ دام کی چیزیں فروخت کروا کے دو ممبر بنائے، پھر ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ذریعہ ویسی ہی مقررہ دام کی چیزیں فروخت کروا کے دو، دو ممبر بنائے، پھر ان میں سے ہر ایک اپنے ذریعہ دو دو ممبر بنائے اوپر والے ہر ممبر کو اپنی خریداری اور اپنے بعد والے تمام ممبروں کی خریداری سے کمپنی کو ملنے والے منافع سے مقررہ فی صد کے حساب سے کمیشن دیے جانے کا وعدہ ہوتا ہے اور اس پر عمل بھی ہوتا ہے۔

ہر ممبر بننے والے کو ایک مقررہ فارم پُر کرنا ہوتا ہے اور ایک مقررہ رقم مثلاً پندرہ سو روپے جمع کرنی ہوتی ہے۔ جس کے عوض اسے کچھ مقررہ چیزیں یا کمپنی کی مصنوعات میں سے کچھ مطلوبہ چیزیں ملتی ہیں۔ پھر ممبری باقی رکھنے کے لیے ہر ماہ کچھ مقررہ رقم مثلاً سو روپے کی خریداری ضروری ہوتی ہے اور ممبر کمیشن کا حق دار اسی وقت ہوگا جب اس کی خریداری مع اس کے ماتحت ممبروں کی خریداری کے ایک مقررہ حد مثلاً پانچ ہزار روپے کو پہنچ جائے۔

اگر اس حد کو نہ پہنچے یا آگے ممبر نہ بنائے تو وہ کسی کمیشن کا حق دار نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر وہ ہر ماہ خریداری نہ کرے تو بھی ممبر نہ رہ سکے گا۔ مثلاً کسی ممبر نے دو ممبر بنائے تو ان کی مجموعی خریداری ساڑھے چار ہزار روپے کی ہوئی پورے پانچ ہزار کی نہ ہوئی اس لیے ان میں سے کسی کو کمیشن نہ ملے گا۔ ہاں اگر ان کے ذریعہ ایک ممبر اور بن جائے تو کل رقم چھ ہزار ہو جائے گی اور اوپر والا ممبر کمیشن کا حق دار ہو جائے گا۔ جب کہ وہ ہر ماہ کم از کم سو روپے کی خریداری جاری رکھتے ہوئے اپنی ممبری باقی رکھے۔ ورنہ وہ بھی حق دار نہ رہے گا۔

اس طریقۂ کار سے کمپنی کا فائدہ یہ ہے کہ اس کا ہر ممبر کمپنی کا ورکر بن جاتا ہے اور ممبروں کا دائرہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے تاکہ وہ کمیشن کا حق دار ہو سکے۔ اس کی وجہ سے کمپنی کو خود اپنے خریداروں اور ممبروں کا دائرہ بڑھانے

کے لیے مستقل ملازم رکھنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا تصور یہ ہے کہ ممبران کمیشن کے لالچ میں خود ہی باتنخواہ ملازموں سے زیادہ شوق کے ساتھ ورک کریں گے، اور کمپنی کی مصنوعات کی نکاسی روز بروز بڑھتی جائے گی۔ اگر کوئی مزید خریداری نہیں کرتا یا آگے اپنے ممبر نہیں بناتا تو کمپنی کے ذمہ اسے کمیشن دینا بھی نہیں اس لیے کمپنی کا کوئی خسارہ نہیں، اور ایسے ایک یا زیادہ ممبروں کے ذریعہ جتنی خریداری ہوگئی اس میں بھی کمپنی کا کوئی خسارہ نہیں، بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اس طریقۂ کار میں خریداروں کا کتنا فائدہ ہے کتنا نقصان؟ تو اس بارے میں جو معلومات فراہم ہوئیں ان سے یہ ظاہر ہوا کہ:

(۱) جو سامان کوئی ممبر پندرہ سو روپے میں خریدتا ہے اس کی قیمت بارہ سو اسی روپے بتائی جاتی ہے دو سو بیس روپے کمپنی اپنی فیس وغیرہ کے طور پر زائد لیتی ہے مگر عام خریدار اس کی پرکھ نہیں رکھتے کہ وہ سامان مارکیٹ ریٹ سے بارہ سو اسی روپے کے لائق ہے یا نہیں؟ ماہرین یہ بتاتے ہیں کہ وہ بازار بھاؤ سے بہ مشکل سات سو روپے کا ہوتا ہے۔ اسی طرح ماہانہ سو روپے میں جو سامان خریدا جاتا ہے وہ ساٹھ روپے کا ہوتا ہے۔ اس طرح ہر ممبر کو پہلی بار تقریباً آٹھ سو کا اور ہر ماہ چالیس روپے کا خسارہ ہوتا ہے۔

(۲) خسارے کی تلافی آئندہ ملنے والے کمیشن سے ہونا بھی بہت مشکل ہے کیوں کہ ہر ممبر مزید دو ممبر نہیں بنا پاتا۔ اس لیے کہ لوگ خریداری کے معاملہ میں عموماً آزاد رہنا پسند کرتے ہیں، اور انھیں جب کسی چیز کی ضرورت ہوتی ہے تو کھلے بازار سے خرید لیتے ہیں۔ ممبر بننے میں انھیں ایک تو فوراً مقررہ مقدار میں کچھ سامان لینا ضروری ہے اگر چہ انھیں ان سامانوں کی فوراً کوئی ضرورت نہ ہو، دوسرے ہر ماہ اسی کمپنی کے کچھ سامان لینا بھی ضروری ہے خواہ انھیں ہر ماہ ان سامانوں کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح آئندہ کمیشن ملنے کے بارے میں بھی وہ زیادہ پر امید نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ کمیشن کی دستیابی اس پر موقوف ہے کہ وہ مزید ممبر بنانے اور مقررہ مقدار میں خریداری کرانے میں کامیاب ہو جائیں۔ الغرض خریدار ممبر کو اپنے خسارے کا کوئی قطعی بدل سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ جو لوگ ان سامانوں کے معیار اور ریٹ سے بے خبر ہوتے ہیں وہ خریدار بن جاتے ہیں اور ماہوار بھی خریداری کرتے رہتے ہیں اور مطمئن رہتے ہیں کہ ہم نے جو رقم صرف کی ہے اس کے عوض میں مناسب اور واجبی دام پر ہمیں سامان مل گیا۔ اس لیے کوئی خسارہ نہیں۔ مزید کمیشن نہ ملے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اور مل جائے تو فائدہ ہی فائدہ ہے۔ نقصان کچھ بھی نہیں۔

یہ نیٹ ورک مارکیٹنگ یا ملٹی لیول مارکیٹنگ کا ایک اجمالی خاکہ ہے۔ اس طرح کاروبار کرنے والی کمپنیاں بہت ہیں۔ ان کے اصول و ضوابط، طریقہ کار وغیرہ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ اب **سوال** یہ ہے کہ یہ کاروبار فقہی اصطلاح کی رو سے کون سا عقد کہلائے گا اور شرعاً یہ جائز ہے یا نہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو کام ہوتے ہیں۔ ● مقررہ دام پر کمپنی کی اشیا کی خریداری ● اور ممبر سازی۔ ممبر بننے اور آئندہ ممبر بنا کر کمیشن کا حق حاصل کرنے کے لیے خریداری شرط ہے۔ دام کے عوض خرید و فروخت عقد بیع ہے اور ممبر سازی کر کے کمیشن حاصل کرنا عقد اجارہ ہے۔ کمپنی ممبر سازی کے لیے خریداری کی شرط رکھتی ہے۔ "یہ اجارہ بہ شرط بیع" ہے اور ممبر بننے والے خریداری اس شرط پر کرتے ہیں کہ آئندہ انھیں ممبر سازی کر کے کمیشن حاصل کرنے کا حق ملے توان کی جانب سے یہ "بیع بہ شرط اجارہ" ہے۔

الف: "بیع بہ شرط اجارہ" ہو یا "اجارہ بہ شرط بیع" دونوں ناجائز ہیں اس لیے کہ حدیث شریف میں بیع مع شرط سے ممانعت آئی ہے جس کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

ب: کمپنی کی اشیا اپنی کوالیٹی اور معیار کے لحاظ سے کم دام کی ہوتی ہیں۔ مگر انھیں بہت اونچے معیار کی اور زیادہ دام کی بتایا جاتا ہے۔ یہ دھوکا ہوا جسے حدیث میں غش کہا گیا ہے۔ یہ ناجائز ہے۔

ج: کسی چیز کا دام دس روپے ہونا چاہیے مگر کوئی تجربہ کار اسے نو روپے کی بتاتا ہے کوئی دس روپے کی بتاتا ہے کوئی گیارہ روپے کی، اور کسی نے اسے پندرہ روپے میں بیچا تو اسے غبن فاحش کہا گیا ہے۔ یہاں سات سو کی چیز بارہ سو یا پندرہ سو میں بیچی جاتی ہے۔ گویا دس کی چیز سترہ یا اکیس روپے میں دی۔ یہ ضرور غبن فاحش ہوا اور کسی ناواقف کو غبن فاحش میں ڈالنا حرام و ناجائز ہے۔

د: آئندہ ممبر بنا لینا اور کمیشن کا فائدہ پانا محض ایک امید موہوم ہے۔ نوے فیصد لوگ اس میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ایک طرح کی جوے بازی ہے جس میں فائدہ اور نقصان دونوں کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ جوے بازی بھی ناجائز و حرام ہے۔

ہ: پھر یہ خرابیاں ایک ہی شخص تک محدود نہیں رہتیں اگر ممبر سازی کا دائرہ بڑھتا ہے تو ان خرابیوں کا دائرہ بھی اگلے افراد تک بڑھتا جائے گا اور ناجائز و حرام کا ایک لمبا سلسلہ بنتا جائے گا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کاروبار بے شمار مفاسد اور بے شمار گناہوں کے طویل سلسلے پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کے ناجائز و حرام ہونے میں کوئی شک نہیں۔ اس لیے مسلمانوں کے دین و مال کی خیریت اسی میں ہے کہ ایسے کاروبار سے بالکل دور رہیں اور اس جال میں ہرگز نہ پھنسیں۔ ہاں جن لوگوں نے اس طرح کوئی چیز خریدی ہے وہ اس کے مالک ہو گئے اس کا استعمال ان کے لیے روا ہے اور جنھیں اپنی خریداری پر کوئی کمیشن ملا اسے بھی وہ اپنے کام میں لا سکتے ہیں مگر اس معاملہ کو ختم کرنا اور آئندہ اس سے بچنا ان پر واجب ہے۔

اور اگر دوسرے کو ممبر بنانے کی وجہ سے کمیشن کے حق دار ہوئے اور وہ دوسرا شخص غیر مسلم ہے تو اپنا کمیشن وصول کر کے استعمال میں لا سکتے ہیں۔ مگر دھوکا اور بد عہدی سے توبہ ضروری ہے اور اگر وہ دوسرا شخص مسلم ہے تو کمیشن وصول کر کے اس شخص کو واپس کر دیں اور ساتھ ہی توبہ کر کے اس عمل سے الگ ہو جائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرکاے سیمینار

(اکابر)

(۱) بحرالعلوم حضرت علامہ مفتی عبدالمنان مصباحی دام ظلہ العالی شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو

(۲) عزیز ملت حضرت علامہ عبدالحفیظ مصباحی دام ظلہ العالی سرپرست مجلس شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۳) شیخ القرآن حضرت علامہ عبداللہ خاں عزیزی دام ظلہ العالی شیخ القرآن الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد

(۴) محدث جلیل حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی دام ظلہ العالی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ مبارک پور

(۵) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۶) حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی دام ظلہ العالی شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی، فیض آباد۔

اسماے گرامی اصحابِ مقالات

(۱) مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی — صدر شعبۂ افتا و ناظم مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲) مولانا مفتی محمد عنایت احمد نعیمی — الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، گونڈہ، بلرام پور

(۳) مولانا مفتی شیر محمد خان رضوی — دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور

(۴) مولانا مفتی شفیق احمد شریفی — دار العلوم افضل المدارس، الٰہ آباد

(۵) مولانا صاحب علی مصباحی — مدرسہ اشاعت الاسلام، پرتاول، مہراج گنج

(۶) مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی — جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف

(۷) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد گوہنہ

(۸) مولانا عبدالحق رضوی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۹) مفتی محمد معراج القادری مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۰) مولانا مفتی حبیب اللہ مصباحی — دار العلوم فضل رحمانیہ، پچپڑوا، بلرام پور

(۱۱) مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد مئو

(۱۲) مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۳) مولانا نفیس احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۱۴)مولانا مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو
(۱۵)مولانا قاضی شہید عالم رضوی	جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۱۶)مولانا بدر عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷)مولانا محمد ناظم علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۸)مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو
(۱۹)مولانا مفتی شہاب الدین نوری	دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۲۰)مولانا عبد السلام مصباحی	مدرسہ انوار العلوم تلسی پور، بلرام پور
(۲۱)مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس
(۲۲)مولانا ابرار احمد امجدی	مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج، بستی
(۲۳)مولانا اختر حسین قادری	دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۲۴)مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۲۵)مولانا شبیر احمد مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۲۶)مولانا محمد انور نظامی مصباحی	مدرسہ گلشن بغداد، ہزاری باغ
(۲۷)مولانا محمد اسحاق مصباحی	رام پور
(۲۸)مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۹)مولانا زاہد علی سلامی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۰)مولانا اختر کمال قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۱)مولانا شمشاد احمد مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو
(۳۲)مفتی بشیر القادری	دار العلوم حضرت عائشہ، گریڈیہ
(۳۳)مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۳۴) مولانا ابرار احمد اعظمی	مدرسہ ندائے حق، جلال پور، امبیڈکر نگر
(۳۵)مولانا معین الدین مصباحی	دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۳۶)مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۷)مولانا ساجد علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۸)مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی	مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور

(۳۹)مولانا رفیق عالم رضوی مصباحی — جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۴۰)مولانا محمد عالم گیر رضوی مصباحی — دارالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۴۱)مولانا دستگیر عالم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۲)مولانا محمد عرفان عالم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۳)مولانا محسن رضا ہادی — دارالعلوم انوار مصطفیٰ رضا، جام نگر، گجرات
(۴۴)مولانا شبیر احمد مصباحی — دارالعلوم انوار مصطفیٰ رضا، جام نگر، گجرات
(۴۵)مولانا سرفراز احمد برکاتی — دارالعلوم امجدیہ، ناگ پور
(۴۶)مولانا احمد رضا مصباحی — مدرسہ تنویر الاسلام، امرڈوبھا، سنت کبیر نگر
(۴۷)مولانا زبیر احمد رضوی — دارالعلوم فاروقیہ، بلرام پور
(۴۸)مولانا محمد کونین نوری مصباحی — کوڑی نار، گجرات
(۴۹)مولانا محمد قاسم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۰)مولانا شمشیر علی مصباحی — دارالعلوم غوث صمدانی، راج کوٹ، گجرات
(۵۱)مولانا شیر محمد مصباحی — دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۵۲)مولانا محمود علی مشاہدی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۳)مولانا محمد ناصر مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۴)مولانا محمد جابر خاں مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۵)مولانا نور احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۶)مولانا نثار احمد خاں مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

اس سمینار میں ایسے حضرات نے بھی شرکت کی جنھوں نے تحریری طور پر تو کوئی حصہ نہیں لیا مگر ان کی گراں قدر بحثیں مفید اور نتیجہ خیز ثابت ہوئیں۔ یا بحثوں کو سماعت کر کے نتیجہ بحث کی تائید فرمائی۔ ذیل میں ان کے اسمائے گرامی پیش ہیں۔

(۵۷)مولانا لیٰسین اختر مصباحی — دارالقلم، دہلی
(۵۸)مولانا اسرار احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۹)مولانا نصیر الدین عزیزی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۰)مولانا اعجاز احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۶۱) مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۶۲) مولانا مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی	مراد آباد
(۶۳) مولانا محمد ادریس مصباحی	نائب ناظم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۴) مولانا مبارک حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۵) مفتی انفاس الحسن چشتی	جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف
(۶۶) مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۷) مولانا انوار احمد قادری	بانی و مہتمم جامعہ غوثیہ غریب نواز، اندور
(۶۸) مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۹) مولانا صلاح الدین نظامی مصباحی	فیض العلوم جمشید پور
(۷۰) مولانا فضل الرحمٰن قادری	ماریشش
(۷۱) مولانا حمید الحق مصباحی	ہرارے، زمبابوے
(۷۲) مولانا محمد آزاد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۳) مولانا محمد ہارون مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۴) مولانا طفیل احمد مصباحی	الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، سکٹھی، مبارک پور
(۷۵) مولانا محمد نعیم اختر مصباحی	امام و خطیب جامع مسجد، مبارک پور
(۷۶) مولانا محمد افروز قادری	لیڈی اسمتھ، ساؤتھ افریقہ
(۷۷) ڈاکٹر زبیر صدیقی	سرکاری اسپتال، گھوسی، مئو
(۷۸) مولانا محمد سلمان رضا خاں ازہری	الجامعۃ الاسلامیہ، روناہی

بقیہ شرکاے سمینار

(۷۹) مولانا قاری نور الحق مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۰) مولانا احمد رضا مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۱) مولانا محمود احمد مصباحی	الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، سکٹھی، مبارک پور
(۸۲) مولانا محمد فاروق مصباحی	مبلغ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۳) مولانا محمد ذاکر مصباحی	مدرسہ عزیز العلوم، اعظم گڑھ
(۸۴) مولانا رفیع القدر مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۸۵)مولانا شکیل احمد مصباحی	نائب مدیر، ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۶)مولانا اختر الاسلام علیمی	المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۸۷)مولانا حسیب اختر مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۸)مولانا سعید الرحمن	المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۸۹)مولانا شیخ محمد فاروق	الجامعۃ الاسلامیہ اشرفیہ، سکٹھی، مبارک پور
(۹۰)ماسٹر افضال احمد	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۱)قاری قیام الدین	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۲)قاری عبد القیوم	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۳)مولانا شعیب مصباحی	مدرسہ انوار العلوم، جین پور، اعظم گڑھ
(۹۴)حافظ و قاری نور الحق	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۵)مولانا غلام نبی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۶)مولانا مشرف حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۷)حافظ توفیق	مدرسہ تحفیظ القرآن، اعظم گڑھ

☆☆☆☆

سولھواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۸/ ۱۹/ ۲۰/ صفر ۱۴۳۰ھ
مطابق ۱۴/ ۱۵/ ۱۶/ فروری ۲۰۰۹ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دو شنبہ
بمقام: جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

میوچول فنڈ کے ذریعہ کمپنیوں میں کاروبار کا حکم

سوال نامہ

میوچول فنڈ ایک ایسی کمپنی ہے جو کثیر افراد سے بلا تفریق قوم و مذہب کثیر مال جمع کرتی ہے اور اس میں اپنا مال بھی ملاتی ہے، پھر مجموعی سرمایے کا کچھ حصہ نقد کی شکل میں محفوظ رکھتی ہے تاکہ وہ اپنی یا دوسروں کی مشکل گھڑی میں کام آئے، اور بیش تر سرمایہ مختلف کاروباری کمپنیوں کے مساواتی و ترجیحی حصص اور قرض تمسکات میں لگاتی ہے۔ اور وہ کمپنیاں رقم لگانے والوں کو اپنی قرار داد کے مطابق نفع دیتی ہیں۔ اس کے کارکنان یہ دیکھتے رہتے ہیں کہ کون سی کاروباری کمپنیاں زیادہ نفع میں چل رہی ہیں اور کون زیادہ قابلِ اعتماد ہیں جن میں خسارے کا اندیشہ کم سے کم تر ہے۔ پھر کارکنان ایسی چند کمپنیوں کا انتخاب کر کے ان میں سرمایہ لگاتے ہیں۔ چند کمپنیوں کے اندر سرمایہ لگانے سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بالفرض خسارہ ہوگا تو ایک دو کمپنیوں میں ہوگا، سب میں نہ ہوگا۔ ایک دو میں کچھ خسارہ ہوا، اور باقی سب میں نفع رہا تو خسارے کی تلافی ہو جائے گی بلکہ مجموعی اعتبار سے نفع ہی رہے گا۔ میوچول فنڈ اپنی ان خدمات کے عوض عوام سے سروس چارج کے نام پر مختصر رقم بھی وصول کرتا ہے، جو عموماً ۲۵ء۲ فی صد ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) کے شُرکا نفع و نقصان دونوں میں شریک ہوتے ہیں اور ترجیحی حصص (پریفرنس شیرز) کے شُرکا نقصان میں شریک نہیں ہوتے، بلکہ ان کے نفع کی مقدار پہلے سے مقرر ہوتی ہے، جو بہر حال انھیں ملنی ہے، کاروباری کمپنی نفع میں ہو یا نقصان میں۔

اس صورت حال کے پیش نظر پہلا سوال یہ سامنے آتا ہے کہ میوچول فنڈ میں حصہ لینا کس عقد شرعی کے تحت آتا ہے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ اس میں شرکت شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کے ذریعہ حاصل ہونے والی رقم نفع کا کیا حکم ہے۔ ان سوالات کے پیش نظر درج ذیل امور فیصل ہوئے۔

فیصلہ (۴۰)

(۱) میوچول فنڈ کے کارکنان کو سرمایہ اس طور پر دیا جاتا ہے کہ وہ اپنے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق یہ سرمایہ لگائیں، پھر کارکنان وہ سرمایہ مساواتی حصص، ترجیحی حصص اور قرض تمسکات میں لگاتے ہیں۔ اس لحاظ سے پہلا معاملہ جو میوچول فنڈ کی انتظامیہ کے ساتھ ہوا، وہ صرف توکیل ہے۔ اس کے بعد فنڈ کے ذمہ داران نے کمپنیوں کے ساتھ مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) کے جو معاملات کیے وہ شرکت عنان ہیں اور ترجیحی حصص (پریفرنس شیرز) اور قرض تمسکات کے جو معاملات کیے وہ عقد قرض ہیں۔

(۲) اگر کچھ کمپنیاں صرف مساواتی حصص میں سرمایہ کاری کرتی ہیں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات کے سرمایے نہ دیتی ہیں، نہ لیتی ہیں اور مسلمان کو ظن غالب ہو کہ وہ نقصان سے دو چار نہ ہوگا، ایسی کمپنیوں کے کاروبار میں حصہ لے سکتے ہیں، تاہم احتیاط یہ ہے کہ زیادہ دنوں تک اپنا سرمایہ اس میں نہ رکھیں، جب کمپنی نفع میں چل رہی ہو اسی وقت اپنا سرمایہ واپس لے لیں۔

اور جو کمپنیاں ترجیحی حصص اور قرض تمسکات بھی جاری کرتی ہیں یا جن کمپنیوں میں دونوں طرح کے سرمایے لگائے جاتے ہیں ان میں بھی روپے جمع کرتی ہیں، ان کمپنیوں کے میوچول فنڈ میں حصہ لینا ناجائز و گناہ ہے کہ یہ دونوں سرمایے سود کی شرط پر دیے، لیے جاتے ہیں۔

(۳) پہلی قسم کی کمپنیوں کے ذریعہ کاروبار بھی جائز اور اس کاروبار سے حاصل شدہ منافع بھی حلال اور پاک ہیں۔ دوسری قسم کی کمپنیوں کے ذریعہ کاروبار ناجائز ہے۔ مسلمان اس میں حصہ نہ لیں اور جو شریک ہو گئے وہ اپنا سرمایہ جلد اس سے نکال کر الگ ہو جائیں، اور اس کاروبار سے انھیں جو منافع حاصل ہوئے ہیں وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو مساواتی حصص سے متعلق ہیں۔ دوسرے وہ جو ترجیحی حصص اور قرض تمسکات سے متعلق ہیں۔ پہلی قسم کے منافع وہ لے سکتے ہیں، البتہ دوسری قسم کے منافع ان کے لیے ناجائز ہیں اس لیے انھیں لے کر فقرا و مساکین کو دے دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

پرافٹ پلس کا حکم

پرافٹ پلس زندگی بیمہ کی ایک اسکیم ہے، جس میں جمع کردہ ساٹھ فی صد یا کم و بیش رقم کمپنی شیر بازار میں لگاتی ہے اور تین سال کے بعد جو بھی نفع ہوتا ہے اسے کمپنی سال بہ سال صارف کی درخواست پر دیتی ہے ورنہ دس یا بیس سال مکمل ہو جانے پر پورا نفع ایک ساتھ کمپنی صارف کو دے دے گی۔ شیر بازار کی جن کمپنیوں میں پرافٹ پلس کا سرمایہ لگایا جاتا ہے ان میں مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) بھی ہوتے ہیں اور ترجیحی حصص (پریفرنس شیرز) بھی۔ البتہ یہ سرمایہ صرف مساواتی حصص میں ہی لگایا جاتا ہے۔ باقی چالیس فی صد سرمایہ بیمہ کارپوریشن کے پاس رہتا ہے۔ واضح رہے کہ مساواتی حصص کے حصہ دار نفع و نقصان دونوں میں برابر کے شریک ہوتے ہیں جب کہ ترجیحی حصص کے حصہ دار اپنے حصہ پر مقررہ شرح کے لحاظ سے نفع لیتے ہیں ان کا کبھی نقصان نہیں ہوتا۔

پرافٹ پلس کے تحت چار طرح کے فنڈ آتے ہیں جو حسب ذیل ہیں:

(۱) بونڈ فنڈ (Bond Fund)

(۲) محفوظ فنڈ (Secured Fund)

(۳) متوازن فنڈ (Balanced Fund)

(۴) گروتھ فنڈ (Growth Fund)

بونڈ فنڈ کی رقم شیر بازار میں نہیں لگائی جاتی اور باقی تینوں فنڈ کی رقم شیر بازار کے مساواتی حصص (ایکویٹی شیرز) میں لگائی جاتی ہے۔

اس کے تعلق سے یہ فیصلہ ہوا:

فیصلہ (۴۱)

(۱) پرافٹ پلس کا جز حصہ (۱۵فی صد سے ۸۰فی صد تک) جو مساواتی حصص میں لگایا جاتا ہے وہ شرکت عقد کی ایک خاص قسم "شرکت عنان" ہے۔

(۲) اور پرافٹ پلس کا جز حصہ (۸۵فی صد سے ۲۰فی صد تک) جو لائف انشورنس کارپوریشن میں رہتا ہے، وہ اس کے ذمہ قرض ہے جس کے متعلق ان کا دستور یہ ہے کہ ایک مقررہ میعاد کے بعد اس پر نفعِ کثیر دیتا ہے جو فریقین کو معلوم ہے اور عرفاً ولفظاً معہود و متعین، تو یہ "قرض بشرط نفع" ہوا۔

(۳) حادثہ کی صورت میں پورے انشورنس کی رقم بیمہ دار کے نامزد وارث یا قرابت دار کو کچھ قانونی کارروائیوں کے بعد ادا کی جاتی ہے اور یہ ادائگی بھی پہلے سے معہود اور مشروط ہے تو یہ قمار کا معاملہ ہوا۔

شرعی احکام:- پرافٹ پلس کی شرعی حیثیت مختلف ہونے کی وجہ سے اس کے احکام بھی مختلف ہیں، جو حسب ذیل ہیں:

(۱) شرکت عنان جائز ہے مگر جن کمپنیوں میں پرافٹ پلس والوں کا سرمایہ جمع ہوتا ہے وہ ترجیحی حصص کے سرمایے بھی کاروبار میں لگاتی ہیں اور تمام سرمایے اور ان کے اموال بلا امتیاز مخلوط طور پر رکھے جاتے ہیں، پھر مجموعی منافع سے ترجیحی حصص والوں کو سود کی رقم ادا کی جاتی ہے، جس کے ذمہ دار تمام مساواتی حصص والے ہوتے ہیں، اس لیے یہ کاروبار جائز ہونے کے باوجود ناجائز ہوگیا۔ لہذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس سے اجتناب کریں اور جو لوگ شریک ہو چکے ہیں وہ جلد از جلد اپنے شیر کسی غیر مسلم کے ہاتھ بیچ کر باہر آجائیں۔ البتہ جو نفع کمایا وہ حلال ہے کہ پاک مال کا نفع ہے اور ناجائز صرف فعل ہے، مال نہیں۔

(۲) سیکولر حکومتوں اور وہاں کے غیر مسلموں کے ساتھ ان کی رضامندی سے وہ تمام عقود جائز ہوتے ہیں جو مسلمان مسلمان کے درمیان ناجائز ہوتے ہیں، اس لیے جن صورتوں میں پرافٹ پلس کی حیثیت قرض بشرط نفع اور قمار بنتی ہے ان صورتوں میں پرافٹ پلس کی اجازت ہے، مگر جہاں پرافٹ پلس بغیر شرکت کے اور شرکت بغیر ترجیحی حصص کے نہیں پائی جاتی، وہاں پرافٹ پلس سے اجتناب واجب ہے کہ یہ ایک ناجائز کاروبار میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہے۔

(۳) پرافٹ پلس کی پہلی صورت قرض بشرط نفع کی ہے، لہذا وہ جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

طویل المیعاد قرض پر زکاۃ کا حکم

سوال نامہ

بعض ملکوں میں لوگ کاروبار، مکان، دکان یا گاڑی کے لیے قرض لیتے ہیں، جس کی ادائگی کے لیے ایک طویل مدت مثلاً ۵، ۱۰، ۲۰، ۲۵، یا ۳۰ سال ہوتی ہے۔ اور یہ شرط بھی ہوتی ہے کہ قرض لینے والا شخص ایک مقررہ تفصیل کے مطابق کل رقم قرض واپس کرنے کے ساتھ زائد رقم بھی ادا کرے۔ بعض بینکوں اور کمپنیوں کے یہاں یہ قید بھی ہوتی ہے کہ جو مدت مقرر کی گئی ہے اس سے پہلے قرض کی ادائگی نہیں کر سکتے، اگر پہلے ادا کیا تو جرمانہ دینا پڑے گا اور بعض کے یہاں ایسی کوئی قید نہیں ہوتی۔ قرض دار مقررہ مدت سے پہلے بھی زیادہ سے زیادہ رقم ادا کر سکتا ہے مگر زائد رقم کی جو شرح بینک نے مقرر کی ہے وہ دینی پڑے گی۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ قرض دار نے بینک سے جب قرض لیا اس وقت اس کی پوزیشن اچھی تھی مگر بعد میں وہ بحران کا شکار ہو گیا اور اسے یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ اگر بینک کی بقیہ قسطیں جمع نہ کیں تو بینک مکان پر قبضہ کر لے گا۔ اس سے بچنے کے لیے وہ کم شرح منافع پر کسی دوسرے بینک سے قرض لیتا ہے۔

اس صورتِ حال سے متعلق خاص طور سے دو سوال زیر بحث آئے۔

ایک یہ کہ غیر مسلم بینکوں یا کمپنیوں سے ایسا طویل المیعاد قرض یا قرض پر قرض لینا جائز ہے یا نہیں، جب کہ اس میں قرض سے زیادہ رقم دینے کی شرط مستقرض کے لیے ہوتی ہے۔

دوسرا سوال یہ کہ ایسا قرض دار قرض کی کل رقم اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ مال نصاب پر زکاۃ دے گا یا قرض کی میعاد نہ آنے کی وجہ سے رقم قرض کو بھی اپنے مال میں شمار کرے گا اور اس کی بھی زکاۃ دے گا؟

فیصلہ (۴۲)

پہلے سوال کے جواب میں یہ فیصلہ ہوا کہ ایسے بینک یا کمپنی کو نفع دینے کی شرط پر قرض لینا ناجائز و حرام ہے خواہ ادائگی قرض کی مدت مختصر ہو یا طویل۔ لیکن بعض صورتوں میں جواز ہے۔ وہ صورتیں یہ ہیں:

(۱) اگر کسی شخص کے حق میں ضرورت شرعیہ متحقق ہے اور بے نفع دیے قرض ملنے کی صورت نہیں تو اس کے لیے بقدر ضرورت ایسا قرض لینا جائز ہے خواہ وہ قرض ابتداءً ہو یا قرض پر قرض ہو۔

(۲) اگر یہ یقین یا ظن غالب ہو کہ قرض نہ لیا تو انکم ٹیکس دینا پڑے گا جس کی مقدار اس رقم سے زیادہ ہوگی جو قرض لینے کی صورت میں مزید دینی پڑے گی، ایسی صورت میں بھی مذکورہ قرض لینے کا جواز ہے۔

(۳) اگر کسی کو مکان یا دُکان کی حاجت شرعیہ ہے اور اسے یہ معلوم ہے کہ اگر کرایے پر مکان لے تو بیس پچیس سال کے کرایے میں بڑی خطیر رقم دینی پڑے گی، اور اگر بینک سے قرض لے کر مکان خریدے تو اس سے کم میں مالکِ مکان ہو جائے گا اور آئندہ کرایہ دینے کی بھی کوئی فکر نہ ہوگی۔ ایسے شخص کو اگر ظن غالب ہو کہ وہ قرض کی تمام قسطیں پابندی سے ادا کر لے گا تو اسے بھی اس طرح کا قرض لینے کی اجازت ہے۔

درج بالا احکام کے ماخذ یہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:

"لا ربوا بين المسلم والحربي."(۱)

ردالمحتار میں ہے:

"قال في الشرنبلالية: و من شرائط الربا عصمة البدلين."(۲)

ردالمحتار میں ہے:

---

(۱) نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، كتاب البيوع، باب الربا، ج:٤، ص:٨٣

(۲) رد المحتار، ج:٧، ص:٣٩٩، كتاب البيوع، باب الربا، دار الكتب العلمية، بيروت

"قال في فتح القدير: لا يخفى أن هذا التعليل إنما يقتضي حل مباشرة العقد إذا كانت الزيادة ينالُها المسلم... وقد ألزم الأصحاب في الدرس أن مرادهم من حل الربا و القِمار ما إذا حصلت الزيادةُ للمسلم نظرا إلى العلة و إن كان إطلاق الجواب خلافه اھ."(۱)

دوسرے سوال (ایسا قرض دار قرض کی کل رقم اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ مال نصاب پر زکاۃ دے گا، یا قرض کی میعادنہ آنے کی وجہ سے رقم قرض کو بھی اپنے مال میں شمار کرے گا اور اس کی بھی زکاۃ دے گا؟) **کے جواب** میں یہ طے ہوا کہ ایسا قرض دار قرض کی کل رقم اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ مالِ نصاب پر زکاۃ دے گا۔

اس کے ماخذ درج ذیل ہیں:

① بدائع الصنائع میں (شرائط فرضية الزكاة الراجعة إلى مَن عليه) کے تحت ہے:

"و منها أن لا يكون عليه دين مُطالَب به من جهة العباد عندنا ، فإن كان فإنه يمنع وجوب الزكاة بقدره حالّا كان أو مؤجلا."(۲)

② تبیین الحقائق میں ہے:

"و لا فرق في الدين بين المؤجل والحال. والمراد "بالدين" دين له مطالِبٌ من جهة العباد." (۳)

دین مؤجل کے مانعِ وجوبِ زکاۃ ہونے کی صراحت درج ذیل کتابوں میں بھی ہے:

③ بنایہ شرح ہدایہ، ج:۳، ص:۳۶۵، کتاب الزکاۃ۔

④ البحر الرائق، ج:۲، ص:۲۰۴۔

⑤ در مختار مع رد المحتار، ج:۳، ص:۱۷۶۔

⑥ فتاویٰ قاضی خاں، ج:۱، ص:۱۲۲، کتاب الزکاۃ، فصل فی مال التجارۃ۔

⑦ فتاویٰ تاتارخانیہ، ج:۲، ص:۵۰-۵۱، کتاب الزکاۃ۔

⑧ نہایہ شرح ہدایہ۔

⑨ کفایہ شرح ہدایہ، ج:۲، ص:۱۶۰، کتاب الزکاۃ۔

---

(۱) رد المحتار، اواخر باب الربا قُبیل باب الحقوق، ج:٤، ص:٢٠٩، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) بدائع الصنائع، ج:٢، ص:٩، بركات رضا، پور بندر، گجرات

(۳) تبيين الحقائق، ج:٢، ص:٢٤، كتاب الزكاة، بركات رضا، پور بندر، گجرات

(۱۰) ہندیہ میں ہے:

"وكذلك المهر يمنع مؤجلا كان أو معجلا؛ لأنه مطالَب به، كذا في محيط السرخسي، وهو الصحيح على ظاهر المذهب. اهـ"(۱)

ایک اشتباہ:- بعض حضرات کا خیال ہے کہ دین میعادی وجوبِ زکاۃ سے مانع نہیں۔ انھوں نے مہر سے متعلق ہندیہ کے اس جزیے سے استناد کیا ہے:

"قال مشايخنا -رحمهم الله تعالى- في رجلٍ عليه مَهرٌ مؤجل لامرأته وهولا يريد اداءه: لا يجعل مانعاً من الزكاة اهـ."(۲)

اس طرح کی عبارت دیگر کتابوں میں بھی ہے۔

فتح القدیر میں ہے:

"وهل يمنعُ الدين المؤجل كما يمنع المعجل: في "طريقة الشهيد": لا رواية فيه. إن قلنا: لا، فله وجه، وإن قلنا: نعم، فله وجه. اهـ."(۳)

ردالمحتار میں ہے:

"قال في المعراج: وعن أبي حنيفة: لا يمنع. وقال الصدر الشهيد: لا رواية فيه. ولكل من المنع وعدمه وجه. زاد القهستاني عن الجواهر: والصحيح أنه غير مانع اهـ."(۴)

قہستانی کے الفاظ یہ ہیں:

"وقيل: يمنع المعجل دون المؤجل كما في الاختيار وذكر في المغني: أن دين العباد يمنع ولو مؤجلاً وعن الصدر الشهيد: لا رواية فيه. وللمنع وعدمه وجه كما في الكافي. والصحيح: أنه غير مانع كما في الجواهر اهـ."(۵)

بہارِ شریعت میں ہے:

"جو دین میعادی ہو وہ مذہب صحیح میں وجوب زکاۃ کا مانع نہیں (ردالمحتار)

چوں کہ عادۃً دین مہر کا مطالبہ نہیں ہوتا، لہٰذا اگرچہ شوہر کے ذمہ کتنا ہی دین مہر ہو جب وہ مالک نصاب ہے،

---

(۱) هنديه، كتاب الزكاة، ج:۱، ص:۱۷۳، كوئٹه، پاكستان

(۲) هنديه، كتاب الزكاة، ج:۱، ص:۱۷۳، كوئٹه، پاكستان

(۳) فتح القدير، كتاب الزكاة، ج:۲، ص:۷۳، بركات رضا، پوربندر، گجرات

(۴) رد المحتار، ج:۳، ص:۱۷۷، كتاب الزكاة، مطلب: الفرق بين السبب والشرط

(۵) جامع الرموز للقهستاني، ص:۱۸۵، ج:۱، كتاب الزكاة والعلة، دار الكتب العلمية، بيروت

زکاۃ واجب ہے (عالمگیری)۔"(۱)

غور طلب:- اول الذکر کتب معتمدہ میں صاف وضاحت ہے کہ دین خواہ مؤجل ہو یا معجل، وجوب زکاۃ سے مانع ہے یہاں تک کہ خود ہندیہ میں خاص مہر سے متعلق ہے کہ مؤجل ہو یا معجل، وجوب زکاۃ سے مانع ہے، اس لیے کہ اس کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اس پر محیط سرخسی کا حوالہ دیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ:"وھو الصحیح علی ظاهر المذهب."

اس لیے یہ غور کرنا ضروری ہے کہ ان عبارتوں میں ایسا تعارض کیوں ہے؟ دین مؤجل اور مہر مؤجل کو کہیں مانع وجوب زکاۃ کہا گیا ہے اور کہیں اس کے خلاف آیا ہے، ایسا کیوں؟

حل اشکال:- دین تین طرح کا ہوتا ہے:

(۱) دین حال:- جس کی ادائگی فوراً واجب ہو جیسے عام خرید و فروخت میں سامان کا دام، یا قرض۔

(۲) دین مؤجل مشروط:- جس کی ادائگی کی میعاد باہمی قرار داد کے ذریعہ معین ہو۔

(۳) دین مؤجل عرفی:- جس کی ادائگی کی میعاد عرفاً معلوم ہو مگر اس کے لیے کوئی خاص تاریخ متعین نہ ہو، جیسے آج کے زمانے میں عورتوں کا مہر کہ عرفاً اس کی ادائگی کا وقت طلاق یا موت ہے، مگر اس کے لیے کوئی خاص تاریخ متعین نہیں، طلاق یا موت کسی وقت بھی ہو سکتی ہے۔

جن عبارتوں میں دین معجل اور دین مؤجل دونوں کو وجوب زکاۃ سے مانع کہا گیا ہے ان میں دین مؤجل سے مراد وہ دین ہے جس کے لیے کوئی وقت اور تاریخ مقرر ہو، یعنی دین مؤجل مشروط۔ اور جن عبارتوں میں دین مؤجل کے مانع زکاۃ ہونے، نہ ہونے دونوں طرح کی باتیں لکھی گئی ہیں ان میں دین مؤجل سے مراد دین مؤجل عرفی ہے۔ یعنی دین مؤجل مشروط بالاتفاق مانع وجوب زکاۃ ہے اور صرف دین مؤجل عرفی کے مانع وجوب زکاۃ ہونے میں اختلاف ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ طحطاوی، شامی اور قہستانی میں جواہر کی جس عبارت کے پیش نظر دین مؤجل کے مانع وجوب زکاۃ نہ ہونے کی تصحیح نقل کی گئی ہے وہ مہر مؤجل کے بارے میں ہے جیسا کہ فتاویٰ ہندیہ کی درج ذیل عبارت سے واضح ہے:

"وذکر البزدوي في شرح الجامع الكبير: قال مشايخنا - رحمهم الله تعالى - في رجل عليه مهر مؤجل لامرأته وهو لا يريد اداءه لا يجعل مانعا من الزكاة لعدم المطالبة في العادة وأنه حسن أيضا، هكذا في جواهر الفتاوى. اهـ"(۲)

(۱) بہار شریعت، حصہ: ۵، ص: ۶/۸۷، مکتبۃ المدینہ۔
(۲) ہندیہ، کتاب الزکاۃ، ج: ۱، ص: ۱۷۳، کوئٹہ پاکستان۔

اسی مہر مؤجل کے حکم سے دَین مؤجل کے حکم کی تخریج کی گئی ہے اور اس مہر مؤجل سے مراد مؤجل عرفی ہے تو اس سے مستخرج دَین مؤجل سے مراد بھی مؤجل عرفی ہے۔

امام ابن الہمام فتح القدیر میں فرماتے ہیں:

"ولو كان عليه مهر لامرأته وهو لا يريد أداءهٗ لايجعل مانعا من الزكاة، ذكره في التحفة عن بعضهم؛ لأنه لا يعدّه دينا. و ذكر قبله: "مهر المرأةِ يمنع مؤجلاً كان أو معجلاً؛ لأنها متى طلبت أخذته". وقال بعضهم: إن كان مؤجلاً لايمنع؛ لأنه غير مطالب به عادة: انتهى. وهٰذا يفيد أنّ المراد المؤجل عرفًا. لاشرطًا مصرّحًا به وإلا لم يصح قوله: "لأنها متى طلبت أخذته" ولا "بأنه غير مطالب به عادة" لأن هذا في المعجل، لا المؤجل شرطا، فلا معنى لتقييد عدم المطالبة فيه بالعادة .اھ "(۱)

الغرض ان عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ ایسا دین جو عرفاً مؤجل ہو یعنی عادۃً جس کا مطالبہ نہ ہوتا ہو، نہ ہی آدمی اسے اپنے ذمہ دین سمجھتا ہو وہ وجوبِ زکاۃ سے مانع نہیں جیسے زوجہ کا مہر مؤجل جو عرفاً موت یا طلاق تک مؤخر ہوتا ہے۔

مگر بینکوں کے دیون کا حال اس سے جدا ہے۔ یہاں مدیون اچھی طرح سمجھتا ہے کہ میرے ذمہ بینک کا دین ہے جسے میں نے ادا نہ کیا تو جائداد نیلام ہو سکتی ہے اور بینک ایک زبردست مطالب بھی ہے کہ وہ عدم ادائگی کی صورت میں جائداد نیلام کر کے اپنا دین وصول کرنے کی قوت رکھتا ہے، مگر ایک لمبی مدت تک صرف اس لیے چھوٹ دیتا ہے کہ مثلاً بیس لاکھ کی جگہ بائیس لاکھ وصول کر سکے۔ اس لیے بینکوں کا قرض بہر حال وجوبِ زکاۃ سے مانع ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بادی النظر میں یہاں ایک اور فرق سامنے آتا ہے وہ یہ کہ قرض دین قوی ہے اور مہر دین ضعیف جیساکہ عامۂ کتبِ فقہ میں اس کی صراحت ہے، لیکن یہ فرق یہاں مفید نہیں اس لیے کہ دین کے قوی یا ضعیف ہونے کا اثر "قرض خواہ" پر وجوبِ زکاۃ کے سلسلے میں پڑتا ہے۔ اور مدیون یا مقروض کو تو بہر حال اسے زکاۃ کے حساب سے وضع کر لینے کی اجازت ہے۔

سوال:- آخر میں ایک سوال یہ پیش ہوا کہ مدیون پر جو دین ہے وہ تو اپنے مال سے وضع کر کے بقیہ کی زکاۃ دے گا مگر اس پر بینک کی طرف سے جو زائد مال دینا ظاہراً لازم ہو رہا ہے اس کو اپنے مال سے وضع کرے گا یا وضع نہ کر کے اس کی بھی زکاۃ دے گا؟

---

(۱) فتح القدیر، ج:۲ ص:۱۷۳، کتاب الزکاۃ، برکات رضا، پوربندر

جواب:-اس کے جواب میں یہ بتایا گیا کہ زائد مال جو ظلماً دینا لازم ہو رہا ہے وہ مانع زکاۃ نہیں، مستقرض اس کی زکاۃ ادا کرے۔ہندیہ کتاب الزکاۃ میں ہے:

"لو كان الدين خراج أرض يمنع وجوب الزكاة بقدره. وهذا إذا كان خراجا يوخذ بحق وكان تمام الحول بعد إدراك الغلّة، وأما إذا كان قبل إدراكها فلا. وما يؤخَذُ بغير حق لا يمنع وجوب الزكاة ما لم يوخذ منه قبل الحول." (۱)

ایک سوال یہ تھا کہ ایسے تاجر جن کے ذمہ بینکوں وغیرہ کا قرض بھی ہوتا ہے وہ زکاۃ کیسے نکالیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا شخص مالِ تجارت کی قیمت، بینک بیلنس، اپنے گھر اور جیب وغیرہ میں موجود روپے اور دوسروں کے ذمہ اس کا جو قرض یا دین ہو وہ سب جوڑ لے پھر اس میں سے اپنے ذمہ کا قرض و دین وضع کر کے باقی مالِ نصاب کا ڈھائی فی صد زکاۃ میں ادا کرے، اور حساب میں بزنس میں لگائے ہوئے روپے نہ جوڑے بلکہ بزنس کا جو مال ہے اس کی واجبی قیمت جوڑے۔واضح رہے کہ نرخ بازار کے اعتبار سے کسی چیز کی جو مالیت بنتی ہو وہی "قیمت" ہے۔اسی کا اعتبار ہوگا۔بائع اور خریدار کے درمیان باہمی رضامندی سے کسی چیز کا جو دام طے ہو وہ "ثمن" ہے۔یہاں اس کا اعتبار نہیں۔باہمی رضامندی سے کسی چیز کا دام بازار بھاو سے کم بھی طے ہو سکتا ہے اور زیادہ بھی۔

ماخذ:-فتاویٰ رضویہ، تبیین الحقائق، تاتار خانیہ، محیط امام سرخسی، ہندیہ، رد المحتار۔

جہاں واجبی شے کی جگہ کوئی اور چیز زکاۃ میں دی جائے تو صرف بلحاظِ قیمت جانبین ہی دی جا سکتی ہے۔

في التبيين: لو أدّىٰ من خلاف جنسه تعتبر القيمة بالإجماع اھ.(۲)

"اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی۔نرخ نہ بنوانے کے وقت کا اعتبار ہوگا، نہ وقتِ ادا کا۔اگر ادا سالِ تمام کے پہلے یا بعد ہو، جس وقت یہ مالکِ نصاب ہوا تھا، وہ ماہِ عربی و تاریخ و وقت جب عود کریں گے اس پر زکاۃ کا سال تمام ہوگا۔اس وقت کا نرخ لیا جائے گا۔"(۳)

---

(۱) فتاوىٰ هنديه، كتاب الزكاة، ج:۱، ص:۱۷۳، كوئٹه، پاكستان

(۲) تبيين الحقائق، كتاب الزكاة، باب زكاة المال، ص:۷٤، ج:۲، بركات رضا، پوربندر

(۳) فتاوىٰ رضويه، كتاب الزكوة، رساله تجلى المشكوٰة لا نارة اسئلة الزكوٰة، ج:٤، ص:٤١٠، سنى دار الاشاعت، مبارك پور

در آمد، بر آمد گوشت کا حکم

سوال نامہ

آج مسلم ممالک میں دنیا کے مختلف ممالک سے گوشت در آمد کیا جاتا ہے اور اسے گویا وہی حیثیت دی جاتی ہے جو غلے اور سبزی وغیرہ کو ساری دنیا میں دی جاتی ہے حالاں کہ غلے، سبزی وغیرہ اپنی اصل کے لحاظ سے حلال ہیں جب کہ گوشت میں اصل حرمت ہے، اس کے باعث بہت سے لوگ جو خوفِ خدا رکھتے اور حلال و حرام میں اختلاط سے بچنا چاہتے ہیں ان کے لیے بہت سے مسلم ممالک میں گوشت کا مسئلہ بہت اہم مسائل سے ہو گیا ہے، کیوں کہ مستقل بچ نہیں سکتے اور کھا بھی نہیں سکتے، اس لیے اس امر کی تحقیق کی ضرورت پیش آئی کہ مختلف ممالک سے جو گوشت مسلم ممالک کو یا ایک ہی ملک میں ایک شہر سے دوسرے شہر کو بر آمد کیے جاتے ہیں کیا وہ سبھی حرام ہیں یا کچھ شرعی نقطۂ نظر سے حلال بھی ہیں۔ بہر صورت امت کی رہ نمائی ضروری ہے، لہٰذا فقہ اسلامی کے ذخائر کو سامنے رکھ کر علمائے کرام یہ انکشاف فرمائیں کہ:

(۱) ایک شہر سے دوسرے شہر منتقل کیا جانے والا گوشت شریعت کی نگاہ میں کیسا ہے؟

(۲) مسلم ممالک سے مسلم ممالک کو در آمد بر آمد کیا جانے والا گوشت حلال ہے یا نہیں؟

فیصلہ (۴۳)

ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک ملک سے دوسرے ملک لائے جانے والے گوشت سے متعلق مذاکرات ہوئے اور درج ذیل امور طے ہوئے:

❶ جو گوشت غیر مسلم ملکوں یا غیر مسلم کمپنیوں کے ذریعہ در آمد ہو وہ حلال نہیں، اس لیے کہ ان ملکوں میں زیادہ تر یہ کام عیسائیوں کے ہاتھوں میں ہے اور ان کی اکثریت اپنے کتابی مذہب سے مرتد ہو چکی ہے اور اس لیے بھی کہ ان ملکوں میں مشینوں سے ذبح کا رواج ہے۔

❷ جس گوشت کے بارے میں معلوم ہو کہ مشین سے ذبح کیے ہوئے جانور کا ہے وہ حلال نہیں خواہ وہ مسلم ملک اور مسلم کمپنی ہی کے ذریعہ در آمد ہوا ہو۔

❸ جو گوشت مسلم ملک سے مسلم ملک میں آئے اور یہ معلوم ہو کہ مشین کا ذبح کیا ہوا نہیں بلکہ مسلمان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا ہے، وہ حلال ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

❊ ولو أن رجلا أراد أن يشتري لحما فقال له رجل عدل: لا تشترِ فإنه ذبيحة مجوسي، وقال له القصاب: إنه ذبيحة مسلم والقصاب عدل، قال الفقيه أبو جعفر -رحمه الله تعالى- : إن السّامع يتحرّى، فإن لم يقع تحرّيه على شيء يسقط الخبران، فتبقى الإباحة الأصلية .اھ(۱)

❊عالم گیری میں ہے:

رجل دخل على قوم من المسلمين ياكلون طعاما و يشربون شرابا فدعوه إليه فقال رجل مسلم ثقة قد عرفه: "هذا اللحمُ ذبيحة المجوسي و هٰذا الشراب قد خالطه الخمر" و قال الذين دعوه الى ذٰلك: "ليس الأمر كما قال، بل هو حلال" فإنه ينظر في حالهم فإن كانوا عدولا ثقات لم يلتفت إلى قول ذٰلك الرجل الواحد وإن كانوا متهمين أخذ بقوله ولم

(۱) فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندية، ص:٤١٦، ج:۳

يسعه أن يقرب شيئًا من الطعام والشراب... فإن كان في القوم رجلان ثقتان أخذ بقولهما، وإن كان فيهم واحدٌ ثقة عمل فيه بأكبر رأيه، فإن لم يكن له رای و استوی الحالان عنده فلا بأس باكل ذلك و شربه اھ(۱)

(۲) امریکہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں بعض شہروں میں یہودیوں کے مذابح ہیں، جو بالعموم اپنے طور پر اپنے کتابی مذہب کے پابند ہوتے ہیں، ان کے ذبیحہ کی حلت قرآن میں مصرح ہے۔ مزید برآں وہ یہ اہتمام بھی کرتے ہیں کہ اپنے یہاں مسلم ذابح رکھتے ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور ہی مسلم دُکان داروں کو اپنے ملازمین سے سپلائی کرتے ہیں، پھر ان مسلم دُکان داروں سے عام مسلمان گوشت خریدتے ہیں۔ یہ جائز و حلال ہے۔ لیکن اگر وہ ایک ہی گاڑی میں حلال اور حرام جانور الگ الگ کر کے مسلم اور غیر مسلم کے یہاں بھیجتے ہیں تو مسلمانوں کو یہ چاہیے کہ وہ گوشت پہلے تین بار دھولیں، پھر پکائیں۔ اور مناسب یہ ہے کہ مسلم حضرات یہ کاروبار اپنے مسلمان بھائیوں کی بھلائی کے لیے خود اپنے ہاتھ میں لیں اور شریعت کی پوری پابندی کے ساتھ ذبح و ترسیل اور فروخت کا کام انجام دیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱) عالمگیری، ص:۳۰۹، ج:۵، ملتقطاً

جدید مسعیٰ میں سعی کا حکم

تحقیقات سے معلوم ہوا کہ عہد نبوی و عہد صحابہ و تابعین سے رمضان ۱۴۲۹ھ تک سلفاً خلفاً جو مسعیٰ عملاً اجماعی تھا، اب اضافہ شدہ مسعیٰ اس سے بالکل خارج ہے، لیکن صفا سے مروہ تک جانے کا راستہ موجودہ حکومت نے اس طرح بنایا ہے کہ کوئی شخص صرف قدیم مسعیٰ میں سعی مکمل نہ کر سکے۔ اس لیے کوئی حل تلاش کرنا ضروری ہوا۔

فیصلہ (۴۴)

مجلس شرعی کے اجلاس میں بحث و تمحیص کے بعد جس حل پر اتفاق ہوا، وہ یہ ہے کہ مذہب حنفی کے ایک قول کے مطابق صفا سے سعی کی ابتدا سنت ہے، اس قول پر اگر مروہ سے صفا کی طرف سعی کی جائے تو وہ بھی شمار میں آئے گی۔ ایسی صورت میں ہر حاجی و معتمر کو چاہیے کہ چار بار مروہ سے صفا کی طرف جائے یعنی کل آٹھ چکر لگائے تو چار چکر قدیم مسعیٰ میں ہو جائیں گے، اتنے سے اکثر سعی ادا ہو جائے گی اور باقی تین چکر نا قابلِ شمار ہونے یا فوت ہونے کی وجہ سے دم واجب نہ ہوگا بلکہ اخیر کے تین چکروں میں سے ہر چکر کے عوض ایک صدقۂ فطر کی مقدار تصدق لازم ہوگا۔ اور اگر کل چودہ چکر لگالیں تو قدیم مسعیٰ میں سات چکر پورے ہو جائیں گے اور صدقہ کرنا بھی واجب نہ ہوگا۔

(۱) معذورین جن کا ایک چکر بھی قدیم مسعیٰ میں ہونے کی گنجائش نہیں رکھی گئی، ان کے بارے میں حکم فقہ یہ ہے کہ بربنائے عذر فوت سعی کی وجہ سے دم یا صدقہ واجب نہ ہوگا۔

(۲) حکومت سعودیہ سے مطالبہ یہ ہے کہ تمام نصوص و روایات کی اہمیت کو بھی سامنے رکھے اور انتظامی سہولت بھی پیدا کرے۔ اس کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ قدیم مسعیٰ کے اوپر سعی کے لیے ایک یا کئی منزلیں بنائے، تاکہ اطراف عالم سے حجاز مقدس پہنچنے والے حجاج و معتمرین کے مناسک پورے طور سے ادا ہوں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شرکائے سیمینار

(اکابر)

(۱) بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان اعظمی مصباحی شیخ الحدیث مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو
(۲) عزیز ملت حضرت علامہ عبد الحفیظ مصباحی — سرپرست مجلسِ شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ
(۳) محدث جلیل حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی — شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی — صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵) حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف صاحب — دار العلوم امجدیہ، ناگ پور
(۶) حضرت علامہ مفتی شبیر حسن رضوی مصباحی — شیخ الحدیث الجامعۃ الاسلامیہ رونا ہی
(۷) حضرت علامہ مفتی حبیب یار خاں — جامعہ نوریہ، اندور۔

اسمائے گرامی اصحاب مقالات

(۸) مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹) مولانا مفتی محمد عنایت احمد نعیمی — الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، بلرام پور
(۱۰) مولانا مفتی شیر محمد خان رضوی — دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۱۱) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۲) مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۳) مولانا مفتی حبیب اللہ نعیمی مصباحی — دار العلوم فضل رحمانیہ بچپڑوا، بلرام پور
(۱۴) مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۵) مولانا نفیس احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶) مولانا محمد ناظم علی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷) مولانا قاضی شہید عالم رضوی — جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۱۸) مولانا مفتی بدر عالم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۹) مولانا مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی — رکن مجلس شرعی و استاذ جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو
(۲۰) مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی — مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو

(۲۱) مولانا عبد السلام رضوی مصباحی	مدرسہ انوار العلوم، تلسی پور، بلرام پور
(۲۲) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس
(۲۳) مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۴) مولانا ابرار احمد امجدی	مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی
(۲۵) مولانا محمد انور نظامی مصباحی	مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ
(۲۶) مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۷) مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی
(۲۸) مولانا شمشاد احمد مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی
(۲۹) مولانا ابرار احمد اعظمی	مدرسہ ندائے حق، جلال پور، امبیڈکر نگر
(۳۰) مولانا محمد مسیح احمد مصباحی	مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور
(۳۱) مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی	مدرسہ جامع اشرف، کچھوچھہ شریف
(۳۲) مولانا رفیق عالم رضوی مصباحی	جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۳۳) مولانا شبیر احمد مصباحی	مدرسہ سراج العلوم برگدہی، مہراج گنج
(۳۴) مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۳۵) مولانا معین الدین اشرفی مصباحی	دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۳۶) مولانا کمال الدین رضوی	دار العلوم عربیہ سعدی پور، باندہ
(۳۷) مولانا محمد عالم گیر رضوی مصباحی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۳۸) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۹) مولانا ساجد علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۰) مولانا دستگیر عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۱) مولانا احمد رضا مصباحی	مدرسہ تنویر الاسلام، امرڈوبھا
(۴۲) مولانا شیر محمد خان مصباحی	دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۴۳) مولانا محمد جابر خان مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۴) مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۵) مولانا انور احمد قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۴۶) مولانا نثار احمد خاں مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۷) مولانا محمد آزاد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۸) مولانا محمد ہارون مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۹) مولانا محمد شبیر عالم مصباحی — دارالعلوم انوار مصطفیٰ رضا، جام نگر، گجرات

درج ذیل علماے کرام نے کوئی مقالہ تو پیش نہیں کیا مگر بحثوں میں حصہ لیا اور اظہار راے فرمایا:

(۵۰) مولانا یٰسین اختر مصباحی — دارالقلم، دہلی
(۵۱) مولانا اسرار احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۲) مولانا نصیر الدین عزیزی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۳) مولانا اعجاز احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۴) مولانا بدر القادری مصباحی — ہالینڈ
(۵۵) مولانا مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی — مراد آباد
(۵۶) مولانا محمد ادریس مصباحی — مہنداول
(۵۷) مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی — المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۵۸) مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی — امریکہ
(۵۹) مولانا عبد الحق رضوی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۰) مفتی شہاب الدین نوری — مدرسہ فیض الرسول، براؤں شریف
(۶۱) مولانا مبارک حسین مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۲) مفتی زاہد علی سلامی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۳) مولانا اختر کمال قادری مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۴) مولانا جلال الدین نوری مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۵) مولانا محمد قاسم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۶) مفتی بشیر القادری — دارالعلوم حضرت عائشہ، گریڈیہ
(۶۷) مولانا محمد اشرف مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۸) مولانا سراج الدین مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور

(۶۹) مولانا عاقب شافعی — بھیونڈی
(۷۰) مولانا محمد عرفان عالم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

بقیہ شرکاے سیمینار

(۷۱) مولانا سید ولی اللہ بقائی مصباحی — صفی پور شریف
(۷۲) مولانا عرش محمد مصباحی — مدرسہ ضیاء العلوم، ادری
(۷۳) مولانا محمد جعفر مصباحی — مدرسہ ضیاء العلوم، ادری
(۷۴) مولانا نور الحق نوری — جامعہ نوری، اندور
(۷۵) مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۶) مولانا حمید الحق برکاتی مصباحی — زمبابوے
(۷۷) مولانا نظام الدین قادری — ساؤتھ افریقہ
(۷۸) مولانا حبیب اختر مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۹) ماسٹر افضال احمد — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۰) مولانا طفیل احمد مصباحی — مدرسہ اسلامیہ اشرفیہ، سکیٹھی
(۸۱) مولانا قاری نعیم اختر مصباحی — خطیب جامع مسجد راجہ مبارک شاہ، مبارک پور
(۸۲) مولانا محمد فاروق مصباحی — مبلغ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۳) مولانا محمد محبوب عزیزی — دفتر ماہ نامہ اشرفیہ
(۸۴) مولانا رفیع القدر مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۵) مولانا قاری نور الحق مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۶) مولانا محمد اسلم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۸۷) مولانا محمد صابر — دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ
(۸۸) حافظ وحید الحق — گھوسی
(۸۹) مولانا اختر حسین مصباحی — کولکاتہ
(۹۰) مولانا فضیل احمد اشرفی — کچھوچھہ شریف
(۹۱) مولانا مشرف حسین مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۲) مولانا محمد عالم مصباحی — جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۹۳) مولانا امام الدین صاحب — مہراج گنج
(۹۴) حافظ و قاری نور الحق مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۹۵)حافظ و قاری قیام الدین مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۶)حافظ و قاری عبد القیوم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹۷)مولانا عبد المصطفیٰ صاحب — جین پور
(۹۸)مولانا محمود احمد مصباحی — مدرسہ اسلامیہ، اشرفیہ سکٹھی
(۹۹)مولانا وقار عزیزی — بھیونڈی
(۱۰۰)مولانا محمد فاروق مصباحی — مدرسہ اسلامیہ، اشرفیہ سکٹھی
(۱۰۱)مولانا سعید اختر مصباحی — المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۱۰۲)مولانا امتیاز احمد مصباحی — المجمع الاسلامی، مبارک پور
(۱۰۳)حافظ معین الدین صاحب — مبارک پور

توثیقی دستخط

امین ملت سید محمد امین میاں قادری — سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ، مارہرہ مطہرہ

[حضرت امینِ ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری دامت برکاتہ القدسیہ سرپرست مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے انیسویں فقہی سیمینار کے موقع پر توثیقی دستخط ثبت فرمایا۔]

☆☆☆☆
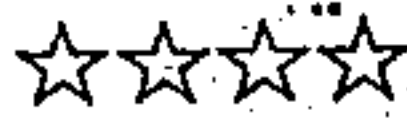
سترہواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۴/۱۵/۱۶/۱۷/ صفر ۱۴۳۱ھ
مطابق: ۳۰/۳۱/ جنوری و یکم، ۲/ فروری ۲۰۱۰ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ، سہ شنبہ
بمقام: دار العلوم نوری، اندور، ایم. پی.

فیصلہ ۲۵ - مساجد کی آمدنی سے اے سی وغیرہ کا انتظام
فیصلہ ۲۶ - مجوزہ فلیٹوں کی سلسلہ وار بیع
فیصلہ ۲۷ - غیر رسم عثانی میں قرآن حکیم کی کتابت
فیصلہ ۲۸ - طویلے کے جانوروں اور دودھ پر زکاۃ
☆ - شرکاے سیمینار

فیصلہ (۴۵)

مساجد کی آمدنی سے اے. سی. وغیرہ کا انتظام

دو نشستوں میں مساجد کے اوقاف کی آمدنی سے اے. سی. وغیرہ کے اخراجات کی ادائگی کا عنوان زیرِ بحث آیا۔ پہلا سوال یہ تھا کہ اے. سی.، کولر، گیزر وغیرہ اسباب راحت کیا مصالحِ مسجد سے ہیں؟ اس سوال کے ضمن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ مصالحِ مسجد کیا ہیں؟ اور ان کی تعریف کیا ہے؟

اس پر عباراتِ فقہا کی روشنی میں مقالہ نگار حضرات نے گفتگو کی اور مباحثہ بھی ہوا۔ آخر میں مندوبین کا اس پر اتفاق ہوا کہ:

مصالحِ مسجد وہ اشخاص اور اشیا ہیں جو مسجد یا مقصودِ مسجد کی بقا و استحکام کے لیے ضروری یا دافعِ حرج یا نافع و مفید ہوں۔ یہ مصالح کبھی درجۂ ضرورت میں ہوتے ہیں، کبھی درجۂ حاجت میں اور کبھی درجۂ منفعت میں ہوتے ہیں۔ درجۂ زینت اور درجۂ فضول کی چیزیں کبھی مصالحِ مسجد میں شمار نہیں ہوتیں۔

اس تعریف کے مآخذ:

المستصفی من علم الأصول میں ہے:

أما المصلحة فهی عبارة فی الأصل عن جلب منفعة أو دفع مضرة ولسنا نعنی به ذلك ... لكنا نعنی بالمصلحة: المحافظة علی مقصود الشرع. اھ(۱)

بحر الرائق میں ہے:

(المسألة) السَّادِسَةُ فِي بَيَانِ مَنْ يقدم مَعَ الْعِمَارَةِ وَهُوَ الْمُسَمَّى فِي زَمَانِنَا بِالشَّعَائِرِ وَلَمْ أَرَهُ إلَّا فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ قَالَ: وَالَّذِي يُبْتَدَأُ بِهِ مِن ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ عِمَارَتُهُ شَرَطَ

---

(۱) المستصفی، المطبوع مع فواتح الرحموت، ج:۱، ص:۲۸۶، الأصل الرابع من الأصول الموهومة استصلاح، مكتبة التراث الاسلامية

الْوَاقِفُ أَوْ لَا، ثُمَّ مَا هُوَ أَقْرَبُ إِلَى الْعِمَارَةِ وَاَعَمُّ لِلْمَصْلَحَةِ كَالإِمَامِ لِلْمَسْجِدِ وَالْمُدَرِّسِ لِلْمَدْرَسَةِ يُصْرَفُ إِلَيْهِمْ إِلىٰ قَدْرِ كِفَايَتِهِمْ ثُمَّ السِّرَاجُ وَالْبِسَاطُ كَذٰلِكَ إِلَى آخِرِ الْمَصَالِحِ. اهـ. (۱)

نیز اسی میں ہے:

فَتَحَصَّلَ أَنَّ الشَّعَائِرَ الَّتِي تُقَدَّمُ فِي الصَّرْفِ مُطْلَقًا بَعْدَ الْعِمَارَةِ الإِمَامُ وَالْخَطِيبُ وَالْمُدَرِّسُ وَالْوَقَّادُ وَالْفَرَّاشُ وَالْمُؤَذِّنُ وَالنَّاظِرُ وَثَمَنُ الْقَنَادِيلِ وَالزَّيْتِ وَالْحُصرِ وَيُلْحَقُ بِثَمَنِ الزَّيْتِ وَالْحُصرِ ثَمَنُ مَاءِ الْوُضُوءِ أَوْ أُجْرَةُ حَمْلِهِ أَوْ كُلْفَة نَقْلِهِ مِنَ الْبِئْرِ إِلَى الْمِيضَاةِ فَلَيْسَ الْمُبَاشِرُ وَالشَّاهِدُ وَالْجَابِي وَالشَّادُّ وَخَازِنُ الْكُتُبِ مِن الشَّعَائِرِ. اهـ. (۲)

تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں ہے:

وَالْمُتَوَلِّي مِنْ أَرْبَابِ الشَّعَائِرِ وَالْكَاتِبُ مِنْ أَرْبَابِ الشَّعَائِرِ زَمَنَ الْعِمَارَةِ، لَا كُلَّ وَقْتٍ. وَبَقِيَّتُهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَرْبَابِ الشَّعَائِرِ كَذَا أَفْتَى الْمُهْمَنْدَارِي. (۳)

نیز اسی میں ہے:

وَفِي الْفَتَاوَى الرَّحِيمِيَّةِ: سُئِلَ فِي وَقْفِ مَسْجِدٍ عَامِرٍ ضَاقَ رَيْعُهُ عَنْ أَرْبَابِ الشَّعَائِرِ مِنَ الْخَطِيبِ وَالإِمَامِ وَالْمُؤَذِّنِ وَغَيْرِهِمْ وَعَنْ أَرْبَابِ وَظَائِفِهِ فَمَنْ يُقَدَّمُ؟ أَجَابَ: يُقَدَّمُ أَرْبَابُ الشَّعَائِرِ الَّذِينَ هُمْ أَقْرَبُ إِلَى الْعِمَارَةِ. اهـ(۴)

ردالمحتار میں ہے:

فَإِنْ انْتَهَتْ عِمَارَتُهُ وَفَضَلَ مِنَ الْغَلَّةِ شَيْءٌ يُبْدَأُ بِمَا هُوَ أَقْرَبُ لِلْعِمَارَةِ وَهُوَ عِمَارَتُهُ الْمَعْنَوِيَّةُ الَّتِي هِيَ قِيَامُ شَعَائِرِهِ. قَالَ فِي الْحَاوِي الْقُدْسِيِّ: وَالَّذِي يُبْدَأُ بِهِ مِن ارْتِفَاعِ الْوَقْفِ أَيْ مِنْ غَلَّتِهِ عِمَارَتُهُ شَرَطَ الْوَاقِفُ أولا ثُمَّ مَا هُوَ أَقْرَبُ إِلَى الْعِمَارَةِ وَأَعَمُّ لِلْمَصْلَحَةِ كَالْإِمَامِ لِلْمَسْجِدِ وَالْمُدَرِّسِ لِلْمَدْرَسَةِ يُصْرَفُ إِلَيْهِمْ إِلَى قَدْرِ كِفَايَتِهِمْ،

---

(۱) البحر الرائق، كتاب الوقف، بيان من يقدم من العمارة، ج:۵، ص: ۳۵۶، مطبع دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) البحر الرائق، کتاب الوقف، ص:۲۱۵، ج:۵، باب الاستدانہ لاجل العمارۃ، کوئٹہ، پاکستان

(۳) تنقيح الفتاوی الحامدیہ ص: ۴۹۳، ج:۲، کتاب الوقف، الباب الثاني في أحكام استحقاق أهل الوقف وأصحاب الوظائف.

(۴) مصدر سابق.

ثُمَّ السِّرَاجِ وَالْبِسَاطِ كَذٰلِكَ إِلَى آخِرِ الْمَصَالِحِ،... قَالَ فِي الْبَحْرِ: وَالسِّرَاجِ بِالْكَسْرِ: الْقَنَادِيلُ وَ مُرَادُهُ مَعَ زَيْتِهَا، وَالْبِسَاطُ بِالْكَسْرِ أَيْضًا الْحَصِيرُ، وَيُلْحَقُ بِهِمَا مَعْلُومُ خَادِمِهِمَا وَهُمَا الْوَقَّادُ وَالْفَرَّاشُ فَيُقَدَّمَانِ، وَقَوْلُهُ إِلَى آخِرِ الْمَصَالِحِ: أَيْ مَصَالِحِ الْمَسْجِدِ، يَدْخُلُ فِيهِ الْمُؤَذِّنُ وَالنَّاظِرُ وَيَدْخُلُ تَحْتَ الْإِمَامِ الْخَطِيبُ لِأَنَّهُ إِمَامُ الْجَامِعِ اه مُلَخَّصًا. ثُمَّ لَا يَخْفَى أَنَّ تَعْبِيرَ الْحَاوِي «بِثُمَّ» يُفِيدُ تَقْدِيمَ الْعِمَارَةِ عَلَى الْجَمِيعِ كَمَا هُوَ إِطْلَاقُ الْمُتُونِ فَيُصْرَفُ إِلَيْهِمْ الْفَاضِلُ عَنْهَا خِلَافًا لِمَا يُوهِم كَلَامُ الْبَحْرِ.اھ(۱)

در مختار میں ہے:

وَفِي شَرْحِهَا لِلشُّرُنْبُلَالِيِّ عِنْدَ قَوْلِهِ:

وَيَدْخُلُ فِي وَقْفِ الْمَصَالِحِ قَيِّم
إِمَام، خَطِيب وَالْمُؤَذِّنُ يَعْبُرُ

الشَّعَائِرُ الَّتِي تُقَدَّمُ شَرَطَ أَمْ لَمْ يَشْتَرِطْ بَعْدَ الْعِمَارَةِ هِيَ إِمَام وَخَطِيب وَمُدَرِّس وَوَقَّاد وَفَرَّاش وَمُؤَذِّن وَنَاظِر وَثَمَنُ زَيْتٍ وَقَنَادِيلُ وَحُصُر وَمَاءُ وُضُوءٍ وَكُلْفَةُ نَقْلِهِ لِلْمِيضَأَةِ فَلَيْسَ مُبَاشِر وَشَاهِد وَشَاد وَجَابٍ وَخَازِن كُتُبٍ مِنْ الشَّعَائِرِ، فَتَقْدِيمُهُمْ فِي دَفْتَرِ الْمُحَاسَبَاتِ لَيْسَ بِشَرْعِي وَيَقَعُ الْاِشْتِبَاهُ فِي بَوَّابٍ وَمُزَمِّلَاتِي. قَالَهُ فِي الْبَحْرِ. قُلْتُ: وَلَا تَرَدُّدَ فِي تَقْدِيمِ بَوَّابٍ وَمُزَمِّلَاتِي وَخَادِمِ مَطْهَرَةٍ. انْتَهَى. (۲)

توضیح کے لیے کچھ مثالیں:

خود مسجد کی بقا و استحکام سے متعلق چیزوں میں عمارتِ مسجد اور اس کے لوازم ہیں اور مصالح سے متعلق اشخاص میں جاروب کش، دربان، فرّاش، متولی، ناظر وغیرہ ہیں اور مقاصدِ مسجد کی حفاظت کرنے والے اشخاص و اشیا میں امام، مؤذن، چٹائی، دری، قالین، چراغ، بلب، وضوخانہ وغیرہ ہیں۔

مصالحِ مسجد کی تعریف متعین ہونے کے بعد اصل مسئلہ پر بحث شروع ہوئی کہ اے. سی.، کولر، گیزر وغیرہ اسبابِ راحت مصالحِ مسجد سے ہیں یا نہیں۔

اس کے جواب میں یہ فیصلہ ہوا کہ مصالح کی تعیین میں موسم، مقامات اور لوگوں کی عادات کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ دنیا کے کچھ ممالک اور علاقے گرم ہیں، کچھ سرد ہیں، کچھ معتدل ہیں۔

---

(۱) رد المحتار ص: ۵٦۰، ۵٦۱، ج:٦، كتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها

(۲) الدر المختار المطبوع مع رد المحتار، ص: ۵٦٦، ۵٦۷، ج:٦، كتاب الوقف، مطلب في قطع الجهات للعمارة، دار الكتب العلمية، بيروت.

اسی طرح موسموں کا بھی فرق ہوتا ہے۔

گرم ممالک جیسے: حجاز مقدس، سوڈان، نائیجیریا اور تنزانیہ وغیرہ، جہاں گرمیوں میں لوگ اے. سی. چلاتے اور اس کے خوگر ہوتے ہیں یا وہاں قانوناً گھروں میں اے. سی. انسانی زندگی کی ضرورت بن جاتی ہے اگر ایسی جگہوں میں اے. سی. کا انتظام نہ ہو تو جماعت میں چند تقویٰ شعار لوگوں کے سوا کوئی شامل نہ ہو گا اور جہاں اے. سی. کا انتظام ہو گا وہاں مسجد نمازیوں کے لیے تنگ بھی ہو سکتی ہے۔ ایسے مقامات پر اے. سی.، کولر، برقی پنکھے مصالحِ مسجد سے ہیں۔ اب اگر نمازیوں کو ان کے بغیر حرج و ضرر ہو تو یہ مصلحت بدرجہ حاجت ہوگی، ورنہ بدرجہ منفعت۔

مگر کولر ایسا ہونا چاہیے جو اپنی تیز آواز سے نمازیوں کے خشوع و خضوع میں یا نماز میں خلل انداز نہ ہو یا اگر تیز آواز والا ہو تو اتنی دوری پر ہو کہ اس کی آواز خللِ انداز نہ ہو اور بہر حال اسے اس طرح رکھیں کہ صف میں کسی نمازی کی جگہ نہ گھیرے۔

زیادہ سرد علاقوں میں جہاں ٹھنڈک کی شدت سے لوگ بیمار ہو جاتے ہیں یا بیمار ہونے کا صحیح اندیشہ ہوتا ہے، یا عمارت مخدوش یا منہدم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے (ایسی جگہوں میں) ہیٹر بھی زندگی کی ضرورت بن جاتا ہے۔ ایسے بلاد میں ہیٹر بھی مصالح مسجد میں داخل ہے۔ سرد ممالک کے اندر بند کمروں میں کبھی لوگوں کے ہجوم کے باعث صرف سانس کی ہوا سے اندر کا ماحول مکدر اور متعفّن ہو جاتا ہے، اس سے بچنے کے لیے اے. سی. اور ایگزاسٹ فین استعمال کیے جاتے ہیں، ایسے حالات اور اوقات میں سرد ممالک میں بھی اے. سی. اور اس طرح کے پنکھے مصالح مسجد میں شامل ہیں۔

گیزر اور بوائلر پانی گرم کرنے کے جدید آلات ہیں اور یہ سرد ممالک جیسے برطانیہ وغیرہ اور سرد بلاد جیسے شملہ، نینی تال، دار جلنگ، سکم، کشمیر وغیرہ بلکہ تیز سردی کے موسم میں چند مقامات کے سوا عام بلادِ ہند و پاک میں مصالح مسجد سے ہیں۔ ان کی نظیر عہدِ قدیم کے سقایہ ہیں جو گرم پانی کے انتظام کے لیے ہوتے تھے۔

معتدل مقامات یا معتدل موسم جن میں سردی گرمی حدِ اعتدال پر رہتی ہے، نہ سردی ضرر و حرج کا باعث ہوتی ہے، نہ گرمی تکلیف کا باعث بنتی ہے، ایسے مقامات اور موسموں میں اے. سی.، کولر، گیزر مصالح مسجد سے نہ ہوں گے۔

فریج سے عموماً پینے کا پانی ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ اس کا انتظام مسجد میں ہو تو وہاں جانے میں لوگوں کو رغبت ہو سکتی ہے مگر مساجد کے اصل مقصود میں اس پانی سے کوئی فائدہ نہیں، اس لیے فریج کا شمار مساجد کے لیے اسباب زینت میں ہو گا، یہ مصالح مسجد میں شمار نہ ہوگی۔ ہاں اگر ایسے فریجر کا انتظام ہو جس سے گرم مقامات

میں یا سخت گرمیوں کے موسم میں وضو کے لیے ٹھنڈا پانی فراہم کیا جائے تو وہ مصالح مسجد سے ہوگا۔ اس کی نظیر عہد قدیم کا سرداب ہے جس میں وضو کے لیے پانی ٹھنڈا کیا جاتا تھا۔

اس موضوع کا دوسرا سوال یہ تھا کہ اے۔ سی۔، کولر، گیزر، بوائلر، ہیٹر اور فریج کی خریداری مسجد کی آمدنی سے جائز ہے یا نہیں؟

اس کے جواب میں یہ تفصیل ہے:

مسجد کی آمدنی دو طرح ہوتی ہے:

(۱) قدیم اوقاف کی آمدنی۔ (۲) اصحاب خیر کے عطیات اور چندے کی آمدنی۔

الف: قدیم اوقاف کی آمدنی اگر مصالحِ مسجد کے لیے ہو خواہ واقف نے اس کی صراحت کر دی ہو یا زمانہ وقف کے عرفِ عام سے متعین ہو یا شروع ہی سے وہ آمدنی مصالح میں صرف ہوتی ہو تو جن مقامات میں یہ چیزیں مصالحِ مسجد سے قرار پاتی ہیں وہاں مذکورہ اوقاف کی آمدنی سے درج بالا اشیا کی خریداری اور ان اشیا سے متعلق مصارف میں صَرف کرنا جائز ہے، جب کہ ان سے اہم مصارف و شعائر میں اسے استعمال کرنے کی حاجت نہ ہو۔

اور اگر قدیم اوقاف کی آمدنی مصالحِ مسجد کے لیے نہ ہو، یا درج بالا اشیا سے اہم اور ضروری مصارف میں اسے استعمال کرنے کی حاجت ہو تو وہ آمدنی ان اشیا کی خریداری اور ان کی تنصیب وغیرہ میں صَرف کرنی جائز نہ ہوگی۔

ردالمحتار میں ہے:

فيقدّم أوّلاً العمارةُ الضّرورية ثمّ الأهمّ فالأهمُّ مِن المصالح و الشّعائر بقدر ما يقوم به الحال، فإن فضل شيء يعطى لبقية المستحقين. اھ.(۱)

فتح القدیر میں ہے:

وَلَهُ (لِلْمُتَوَلِّي) أَنْ يَشْتَرِيَ مِنْ غَلَّةِ الْمَسْجِدِ دُهْنًا وَحَصِيرًا وَآجُرًّا وجصًّا لِفُرُشِ الْمَسْجِدِ إنْ كَانَ الْوَاقِفُ وَسَّعَ، فَقَالَ: يَفْعَلُ مَا يَرَاهُ مَصْلَحَةً، وَإِنْ وَقَفَ لِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، وَلَمْ يَزِدْ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ ذَلِكَ، فَإِنْ لَمْ يُعْرَفْ لَهُ شَرْط يَعْمَلُ مَا عَمِلَ مَنْ قَبْلَهُ. اھ.(۲)

نیز اسی میں ہے:

وَلَهُ (لِلْحَاكِم) أَنْ يَبْنِيَ عَلَى بَابِ الْمَسْجِدِ ظُلَّةً لِدَفْعِ أَذَى الْمَطَرِ عَنِ الْبَابِ مِنْ

---

(۱) رد المحتار ص: ۵۶۱، ج: ۶، کتاب الوقف، مطلب يبدأ بعد العمارة بما هو أقرب إليها، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) فتح القدير، ص: ۴۵۰، ج: ۵، الفصل الأول في المتولي من كتاب الوقف، بركات رضا، پوربندر

مَالِ الْوَقْفِ إِنْ كَانَ عَلَى مَصَالِحِ الْمَسْجِدِ، وَإِنْ كَانَ عَلَى عِمَارَتِهِ أَو تَرْمِيمِهِ فَلَا يَصِحُّ، وَالْأَصَحُّ مَا قَالَهُ ظَهِيرُ الدِّينِ أَنَّ الْوَقْفَ عَلَى عِمَارَةِ الْمَسْجِدِ وَمَصَالِحِ الْمَسْجِدِ سَوَاء. وَإِذَا كَانَ عَلَى عِمَارَةِ الْمَسْجِدِ لَا يَشْتَرِي مِنْهُ الزَّيْتَ وَالْحَصِيرَ وَلَا يَصْرِفُ مِنْهُ لِلزِّينَةِ وَالشُّرفَاتِ، وَيَضْمَنُ إِنْ فَعَلَ. اھ.(۱)

فتاوی خیریہ میں ہے:

وإذا وجد شرط الواقف فلا سبيل إلى مخالفته و إذا فقد عمل بالاستفاضة والاستيهارات العادية المستمرّة من تقادم الزمان إلى هذا الوقت. اھ. (۲)

فتاوی رضویہ میں ہے:

جہاں شرط واقف معلوم نہ ہو عمل درآمد قدیم کا اعتبار ہے۔ خیریہ میں ہے: ينظر الى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان ان قوامه كيف كانوا يعملون. **قدیم** کے یہ معنی جس کا حادث ہونا معلوم نہ ہو۔ دس بارہ برس یا سو دو سو برس سے جو بات بعدِ وقف بے شرط واقف حادث ہوئی، حادث ہی ہے، اس پر عمل ناجائز ہے۔(۳)

(ب) اصحاب خیر کے عطیات اور چندے جو اغراض بتا کر وصول کیے گئے ہوں یا عرفاً جو اغراض معلوم و متعین ہوں بس انھیں اغراض میں وہ عطیات اور چندے صرف کرنا جائز ہے اور ان کے ماسوا کاموں میں صرف کرنا جائز نہیں۔ لہذا جہاں اے. سی.، کولر، گیزر، فریج وغیرہ کو بھی اغراض میں شامل رکھا گیا ہو یا صرف انھی کے لیے چندہ ہوا ہو وہاں اصحاب خیر کے عطیات سے ان اشیا کی خرید اور فیٹنگ جائز ہے۔

اس موضوع کا تیسرا سوال یہ تھا کہ اگر کسی نے اپنی جیب خاص سے ان اشیا کو خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دیا، تو ان کے استعمال پر بجلی کے بل کی ادائگی کیا مسجد کی آمدنی سے ہو سکتی ہے؟

اس کے جواب میں یہ فیصلہ ہوا کہ جن صورتوں میں اے. سی. گیزر، فریج وغیرہ مصالح مسجد سے قرار نہیں پاتے، ان صورتوں میں مسجد کے اندر ان کے استعمال پر بجلی کے بل کی ادائگی بھی مسجد کی آمدنی سے جائز نہیں، مگر یہ کہ چندے کے اغراض میں اسے شامل کر کے اربابِ خیر کو آگاہ کر دیا گیا ہو یا پھر خاص بجلی کے بل کے لیے الگ سے چندہ کر لیا جائے۔ فقہا فرماتے ہیں: مراعاة غرض الواقفين واجبة. والله تعالى أعلم.

---

(۱) فتح القدير، ص: ٤٥٠، ج:٥، الفصل الأول في المتولي من كتاب الوقف، بركاتِ رضا، پوربندر

(۲) فتاوی رضويه ص: ٤٦٢، ج:٦، سنی دار الاشاعت، مبارك پور.

(۳) فتاوی رضويه ص: ٤٧٢، ج:٦، سنی دار الاشاعت، مبارك پور

مجوزہ فلیٹوں کی سلسلہ وار بیع

سوال نامہ

کچھ بڑے شہروں میں فلیٹوں کی خرید و فروخت کا سلسلہ اس طرح رائج ہے کہ بلڈر فلیٹ کا نقشہ تیار کر کے مشتہر کر دیتے ہیں کہ جسے فلیٹ خریدنا ہو وہ خرید لے، ہم اس نقشے کے مطابق اسے تیار کر کے دیں گے۔
اس پر مجلس شرعی کے گیارہویں فقہی سیمینار منعقدہ ممبئی، صفر ۱۴۲۶ھ میں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ مذہب صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ پر یہ بیع استصناع ہے اور اب بوجہِ حاجت و تعامل اسی پر فتویٰ ہے۔
بعد میں یہ سوال سامنے آیا کہ مجوّزہ فلیٹوں کی خریداری کا سلسلہ کبھی دراز بھی ہوتا ہے۔ پہلا خریدار وہی فلیٹ دوسرے کو بیچ دیتا ہے، دوسرا کسی تیسرے کو، تیسرا چوتھے کو، اس طرح یہ سلسلہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کا طریقۂ کار یہ ہوتا ہے کہ ہر سابق خریدار بعد والے خریدار سے معاملہ طے کر لینے کے بعد بلڈر کو مطلع کرتا ہے کہ میں نے وہ مجوزہ فلیٹ فلاں کے ہاتھ بیچ دیا ہے۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد فلیٹ پر میرے بجائے اس کو قبضہ دیا جائے۔ بلڈر اسے مان لیتا ہے اور کاغذات کی خانہ پُری مکمل کرتا ہے، سابق خریدار بعد والے خریدار کو وہ فلیٹ کبھی اسی دام پر، کبھی زیادہ پر اور کبھی کم پر بھی دے دیتا ہے اور دوسری، تیسری خریداری کے وقت صورتِ حال میں کچھ تبدیلی بھی آجاتی ہے، جس کی تفصیل اس طرح ہے۔

(۱) دوسری، تیسری خریداری کے وقت بھی بلڈر نے ابھی زمین حاصل نہ کی، صرف کاغذات پر فلیٹوں کے نقشے تیار ہیں۔

(۲) زمین کی خریداری اور پلاٹنگ ہوگئی، مگر کسی خریدار کے فلیٹ کی جگہ متعیّن نہیں۔

(۳) فلیٹ تیار ہو گیا لیکن خریدار کے حق میں ابھی نام زد نہ ہوا۔

④فلیٹ خریدار کے لیے نام زد ہو گیا، مگر اسے ابھی قبضہ نہ ملا۔

سوال ❶ ان چاروں صورتوں میں سلسلہ وار بیع ہوتی ہے تو پہلے خریدار سے دوسرے کا یا دوسرے سے تیسرے کا جو معاملہ ہوتا ہے، اس کا کیا حکم ہے؟ اور دوسرے تیسرے خریدار سے اگر نفع یا زائد رقم لی جاتی ہے تو اس کا لینا جائز ہے یا نہیں؟

ان سوالات پر مقالات میں مختلف رائیں اور دلیلیں سامنے آئیں، سیمینار میں زور دار بحثیں بھی ہوئیں۔ آخر میں بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ ہوا وہ درج ذیل ہے:

فیصلہ (۴۶)

پہلے خریدار نے بلڈر سے فلیٹ لینے کا جو معاملہ طے کیا ہے وہ بیع استصناع ہے۔ بیع استصناع میں مبیع اصالۃً معدوم ہوتا ہے مگر بوجہِ تعامل و حاجت، شریعتِ طاہرہ نے اسے موجود مانا ہے۔

ہدایہ اواخر باب السلم، بحث استصناع میں ہے:

والصحيح أنه يجوز بيعا، لا عدةً، والمعدوم قد يعتبر موجوداً حكما. اھ. (۱)

فتح القدیر اور کفایہ میں معدوم کو حکماً موجود ماننے کے کچھ نظائر بھی ذکر کیے ہیں۔

بیع استصناع میں خریدار کو مبیع پر حکماً ملک بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ بدائع الصنائع میں ہے:

أما حكم الإستصناع : فهو ثبوت الملك للمستصنع فى العين المبيعة فى الذمة، و ثبوت الملك للصانع فى الثمن ملكا غير لازم. اھ. (۲)

اب یہ پہلا خریدار جب کسی دوسرے سے اس فلیٹ کا معاملہ طے کر لیتا ہے اور بلڈر کے یہاں اس کا نام درج کرا دیتا ہے، تو یہ دوسرا معاملہ نہ بیع مطلق ہے نہ بیع استصناع بلکہ ''نزول عن الحق بالعوض'' ہے۔ یعنی پہلے خریدار کو اس فلیٹ میں جو حق بیع استصناع سے حاصل ہوا تھا، یہ دوسرے سے عوض لے کر اس کے لیے اپنے حق ملک سے دست بردار ہو جاتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ آجاتا ہے۔ اور ضمناً ایک جدید بیع استصناع کا انعقاد ہو جاتا ہے۔ یہی حال تیسرے، چوتھے شخص کے ساتھ معاملہ میں ہوتا ہے۔ عاقدین کے معاملہ کو لغو سے بچانے اور ممکنہ حد تک اسے درست بنانے کے لیے یہاں ''نزول عن الحق بالعوض'' مانا گیا ہے۔ اور یہ ان کی باہمی قرار داد کے مطابق بھی ہے۔ یہ حکم پہلی دو صورتوں کا ہے، جن میں فلیٹ ابھی تیار نہیں ہوا۔

مال لے کر حق سے دست برداری میں صرف اتنا ضروری ہوتا ہے کہ حق ثابت و متقرر ہو جیسے حق قصاص، حق دیت، حق وظائف وغیرہ۔ حق شفعہ وغیرہ کی طرح حق مجرد نہ ہو۔ ''صلح عن الحق بالعوض'' میں بھی یہی حکم ہے۔

---

(۱) هداية، ج:۳، ص:۸٤، اواخر باب السلم، بحث استصناع، مجلس البركات

(۲)- بدائع الصنائع، كتاب الاستصناع، ج:٥، ص:٤، بركات رضا، پوربندر، گجرات.

ماخذ:

ہدایہ، میں ہے:

”وَإِنْ صَالَحَ مِنْ شُفْعَتِهِ عَلَى عِوَضٍ بَطَلَتْ شُفْعَتُهُ وَرَدَّ الْعِوَضَ لِأَنَّ حَقَّ الشُّفْعَةِ لَيْسَ بِحَقٍّ مُتَقَرِّرٍ فِي الْمَحَلِّ، بَلْ هُوَ مُجَرَّدُ حَقِّ التَّمَلُّكِ فَلَا يَصِحُّ الإِعْتِيَاضُ عَنْهُ.. بِخِلَافِ الْقِصَاصِ؛ لِأَنَّهُ حَقٌّ مُتَقَرِّرٌ، وَبِخِلَافِ الطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ لِأَنَّهُ اعْتِيَاض عَنْ مِلْكٍ فِي الْمَحَلِّ، وَنَظِيرُهُ إِذَا قَالَ لِلْمُخَيَّرَةِ: اخْتَارِينِي بِأَلْفٍ أَوْ قَالَ الْعِنِّينُ لامْرَأَتِهِ اخْتَارِى تَرْكَ الْفَسْخِ بِأَلْفٍ فَاخْتَارَتْ سَقَطَ الْخِيَارُ وَلَا يَثْبُتُ الْعِوَضُ.“ (۱)

عنایہ، میں ہے:

”والفاصلُ بين المتقرر وغيره: أنّ ما يتغير بالصّلح عمّا كان قبله فهو متقرر، وغيره غير متقرر. واعتبر ذلك في الشفعة والقصاص، فإنّ نفس القاتل كانت مباحة في حق من له القصاص وبالصّلح حصل له العصمة في دمه فكان حقًّا متقررا. وأمّا في الشفعة فإن المشتري يملك الدّار قبل الصلح و بعده على وجهٍ واحدٍ فلم يكن حقًّا متقررًا، و بخلاف الطلاق والعتاق لأنه اعتياض عن ملك في المحل. و نظيره إذا قال الزوج للمخيّرة اختاريني بألف. وقال العِنّينُ لإمرأته: اختاري ترك الفسخ بألف، فاختارت المخيرة الزوج و امرأة العنين ترك الفسخ سقط الخيار و لا يثبت العوض لأنه مالك لبضعها قبل اختيارها وبعده على وجه واحد فكان أخذ العوض أكل مال بالباطل وهو لا يجوز اهـ.“ (۲)

غمز العیون شرح اشباہ میں ہے:

و كذا يثبت عندنا حق الزوجين في القصاص، لقوله ﷺ:” من ترك مالا أو حقًّا فلورثته“ ولا شك أن القصاص حقه لأنه بدل نفسه فيستحقه جميع ورثته بحسب إرثهم، كذا في شرح السراجية للسيد الشريف. اهـ. (۳)

ردالمحتار میں ہے:

---

(۱) هدايه، ص:۳۹۰، ج:٤، مجلس بركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور

(۲) عنايه، ص:٤٢٤، ٤٢٥، ج:۹، اول باب ما يبطل به الشفعة، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) غمز العيون شرح الأشباه، ص:٤٥٨، كتاب الجنايات من الفن الثاني، نول كشور، لكهنؤ

"وَذَكَرَ الْبِيرِيُّ عِنْدَ قَوْلِ الْأَشْبَاهِ: "وَيَنْبَغِي أَنَّهُ لَوْ نَزَلَ لَهُ وَقَبَضَ الْمُبْلَغَ، ثُمَّ أَرَادَ الرُّجُوعَ عَلَيْهِ لَا يَمْلِكُ ذَلِكَ. فَقَالَ: أَيْ عَلَى وَجْهِ إِسْقَاطِ الْحَقِّ إِلْحَاقًا لَهُ بِالْوَصِيَّةِ بِالْخِدْمَةِ وَالصُّلْحِ عَنِ الْأَلْفِ عَلَى خَمْسِ مِائَةٍ، فَإِنَّهُمْ قَالُوا يَجُوزُ أَخْذُ الْعِوَضِ عَلَى وَجْهِ الْإِسْقَاطِ لِلْحَقِّ".

وَيُؤَيِّدُهُ مَا فِي خِزَانَةِ الْأَكْمَلِ وَإِنْ مَاتَ الْعَبْدُ الْمُوصَى بِخِدْمَتِهِ بَعْدَمَا قَبَضَ الْمُوصَى لَهُ بَدَلَ الصُّلْحِ فَهُوَ جَائِزٌ. انتهى. فَفِيهِ دَلَالَةٌ عَلَى أَنَّهُ لَا رُجُوعَ عَلَى النَّازِلِ، وَهَذَا الْوَجْهُ هُوَ الَّذِي يَطْمَئِنُّ بِهِ الْقَلْبُ لِقُرْبِهِ. انتهى. كَلَامُ الْبِيرِيِّ. ثُمَّ اسْتَشْكَلَ ذَلِكَ بِمَا مَرَّ مِنْ عَدَمِ جَوَازِ الصُّلْحِ عَنْ حَقِّ الشُّفْعَةِ وَالْقَسْمِ فَإِنَّهُ يَمْنَعُ جَوَازَ أَخْذِ الْعِوَضِ هُنَا ثُمَّ قَالَ: وَلِقَائِلٍ أَنْ يَقُولَ هَذَا حَقٌّ جَعَلَهُ الشَّرْعُ لِدَفْعِ الضَّرَرِ، وَذَلِكَ حَقٌّ فِيهِ صِلَةٌ وَلَا جَامِعَ بَيْنَهُمَا فَافْتَرَقَا وَهُوَ الَّذِي يَظْهَرُ. اهـ.

وَحَاصِلُهُ: أَنَّ ثُبُوتَ حَقِّ الشُّفْعَةِ لِلشَّفِيعِ، وَحَقِّ الْقَسْمِ لِلزَّوْجَةِ وَكَذَا حَقِّ الْخِيَارِ فِي النِّكَاحِ لِلْمُخَيَّرَةِ إِنَّمَا هُوَ لِدَفْعِ الضَّرَرِ عَنِ الشَّفِيعِ وَالْمَرْأَةِ، وَمَا ثَبَتَ لِذَلِكَ لَا يَصِحُّ الصُّلْحُ عَنْهُ؛ لِأَنَّ صَاحِبَ الْحَقِّ لَمَّا رَضِيَ عُلِمَ أَنَّهُ لَا يَتَضَرَّرُ بِذَلِكَ فَلَا يَسْتَحِقُّ شَيْئًا أَمَّا حَقُّ الْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ، فَلَيْسَ كَذَلِكَ بَلْ ثَبَتَ لَهُ عَلَى وَجْهِ الْبِرِّ وَالصِّلَةِ فَيَكُونُ ثَابِتًا لَهُ أَصَالَةً فَيَصِحُّ الصُّلْحُ عَنْهُ إِذَا نَزَلَ عَنْهُ لِغَيْرِهِ، وَمِثْلُهُ مَا مَرَّ عَنِ الْأَشْبَاهِ مِنْ حَقِّ الْقِصَاصِ وَالنِّكَاحِ وَالرِّقِّ حَيْثُ صَحَّ الِاعْتِيَاضُ عَنْهُ؛ لِأَنَّهُ ثَابِتٌ لِصَاحِبِهِ أَصَالَةً لَا عَلَى وَجْهِ رَفْعِ الضَّرَرِ عَنْ صَاحِبِهِ وَلَا يَخْفَى أَنَّ صَاحِبَ الْوَظِيفَةِ ثَبَتَ لَهُ الْحَقُّ فِيهِ بِتَقْرِيرِ الْقَاضِي عَلَى وَجْهِ الْأَصَالَةِ لَا عَلَى وَجْهِ رَفْعِ الضَّرَرِ، فَإِلْحَاقُهَا بِحَقِّ الْمُوصَى لَهُ بِالْخِدْمَةِ، وَحَقِّ الْقِصَاصِ وَمَا بَعْدَهُ أَوْلَى مِنْ إِلْحَاقِهَا بِحَقِّ الشُّفْعَةِ وَالْقَسْمِ، وَهَذَا كَلَامٌ وَجِيهٌ لَا يَخْفَى عَلَى نَبِيهٍ.

بِالْجُمْلَةِ فَالْمَسْأَلَةُ ظَنِّيَّةٌ وَالنَّظَائِرُ مُتَشَابِهَةٌ وَلِلْبَحْثِ فِيهَا مَجَالٌ وَإِنْ كَانَ الْأَظْهَرُ فِيهَا مَا قُلْنَا. (۱)

• فقیہ عبقری امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے بھی اپنے ایک فتوے میں حقوق ثابتہ کا معاوضہ لے

(۱) رد المحتار ملخصا، اوائل البیوع، ص: ٣٦، ٣٧، ج: ٧، کتاب البیوع، مطلب فی العرف الخاص، دار الكتب العلمية، بيروت

کر دست کش ہونے کو جائز قرار دیا ہے اور در مختار، غمز العیون، رد المحتار وغیرہ سے یہ تحقیق بڑی جامعیت مگر اختصار کے ساتھ نقل فرمائی ہے اور اپنا فیصلہ یہ سنایا ہے:

"مسئلہ اعتیاض عن الوظائف میں ہر چند علما کو اختلاف ہے اور یہ مبحث معرکۃ الآرا ہے مگر مرضی و مختارِ جماہیرِ فحول، و نحاریرِ عدول، صحت و قبول ہے اور وہی ہنگامِ اعتبار و ملاحظۂ نظائر إن شاء الله تعالیٰ اظہر۔" (۱)

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو حق اصالۃً ثابت ہو، اس کے بدلے میں مال لے کر اس سے دست برداری جائز ہے اور یہ جواز علی الاطلاق ہے، لہٰذا اصحابِ حق اپنے حق کا جتنا معاوضہ چاہے لے سکتا ہے اور جو حق محض کسی سے ضرر دور کرنے کے لیے ثابت ہو اس سے دست برداری میں اگر اس کے عوض مال لے تو جائز نہیں۔

اور پہلے بیان ہو چکا کہ فلیٹوں کی بیع استصناع میں خریدار کو مجوزہ فلیٹ پر حق ثابت حاصل ہوتا ہے، لہٰذا نزول عن الحق کے طور پر دوسرے سے اس کا معاوضہ لے کر دست بردار ہو سکتا ہے اور یہ جواز کتاب و سنت و جزئیاتِ فقہ سے ثابت ہے۔

اس تفصیل کی روشنی میں دوسری بیع کی شرعی حیثیت ہوئی۔ "نزول عن الحق" یعنی اپنے حق سے بامعاوضہ دست بردار ہو کر دوسرے کو اپنا قائم مقام بنانا۔

اس دست برداری کے ذریعہ جب بلڈر یعنی صانع کی اجازت و رضا کے ساتھ دوسرا شخص پہلے کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور پہلے کی جگہ اس کو مجوزہ فلیٹ پر حق ملک حاصل ہو جاتا ہے تو اس عمل کے ضمن میں بلڈر اور دوسرے شخص کے درمیان عقد استصناع متحقق ہو جاتا ہے۔ اس طرح تیسرے، چوتھے سارے خریدار باری باری پہلے خریدار کی جگہ اگر مستصنع ہوتے جائیں گے اور ہر بار نزول عن الحق کے ضمن میں نیا عقدِ استصناع وجود پذیر ہوتا رہے گا۔ فقہا فرماتے ہیں:

وكم من شيء يثبت ضمنًا ولا يثبت قصداً. اھ. (در مختار وغیرہ)

بہت سی چیزیں وہ ہیں جو ضمناً تو ثابت ہو جاتی ہیں مگر قصداً و مستقلاً ثابت نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

جواب صورت سوم: دوسری، تیسری خریداری کے وقت فلیٹ تیار ہو چکا ہے لیکن ابھی متعین نہیں کہ کون سا فلیٹ کس خریدار کا ہے تو ایسے فلیٹ کی بیع جو دوسرے، تیسرے شخص سے ہوتی ہے، اصل مذہب میں ناجائز ہے۔ یہاں فلیٹ تیار ہے، اس لیے استصناع کی صورت متحقق نہیں ہو سکتی اور بیع مطلق میں مبیع کا معلوم ہونا ضروری ہے اور یہاں مبیع مجہول ہے۔ اس لیے یہ بیع فاسد و ناجائز ہے۔

جواز کی صورت:

① اگر مجلس عقد میں اپنا فلیٹ متعین کر کے بتا دے تو جہالت ختم ہو جائے گی اور عقد صحیح ہو جائے گا۔

---

(۱) فتاوی رضویہ، ص: ۱۰۴، ج: ۷، سنی دار الاشاعت، مبارک پور

② اگر مجلس عقد میں تعیین نہ ہو سکی تو بیع فاسد کو ترک کر کے معین فلیٹ اپنے خریدار کو دے دے اور وہ اسے قبول کر لے۔ اس طرح بطور تعاطی بیع جدید منعقد ہو جائے گی جو صحیح ہوگی۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

اور اگر (مبیع کی۔ن) تعیین نہ تھی جیسا کہ بیانِ بیع میں کہ عرضی دعویٰ میں ہے، "اس وقت تک (مبیع کی تعیین۔ن) نہیں" تو یہ بیع بوجہ جہالت فاسد ہوئی... ہاں اگر مجلس عقد کے اندر تعیین کر دی تھی تو بیع صحیح ہو گئی۔ لأن المجلس یجمع الکلمات اسی طرح اگر بعد مجلس اس عقد فاسد کو ترک کر کے ایک طرف سے ۲۴ر گز معین بائع نے مشتری کو دیے اور اس نے لیے تو بھی صحیح ہو گئی۔ (۱)

③ مجوزہ فلیٹوں کے خریداروں کے عمل در آمد کو سامنے رکھ کر کچھ اور گنجائش ہو سکتی ہے۔

مجوزہ فلیٹوں کے خریدار دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ بیچنے کے لیے فلیٹ خریدتے ہیں اور کچھ اپنے رہنے کے لیے خریدتے ہیں۔

جو خریدار بیچنے کے لیے خریدتے ہیں وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے مثلاً چار، پانچ ہزار فٹ یا ایک منزل، دو منزل خریدتے ہیں۔ انھیں اس سے سروکار نہیں ہوتا کہ یہ چار پانچ ہزار فٹ کس سمت کے یا کس منزل کے ہوں گے، یا ایک منزل دو منزل اوپر کی ہوگی یا درمیانی یا نچلی۔ وہ صرف اتنا چاہتے ہیں کہ جتنا فلیٹ طے ہوا ہے، اتنا انھیں مل جائے، چاہے جس سمت کا ہو اور جس منزل کا ہو۔ یہاں سمت اور منزل کی جہالت باعثِ نزاع نہیں، اس لیے یہ بیع صحیح ہے۔

اور جو خریدار رہنے کے لیے خریدتے ہیں وہ عموماً یہ طے کر لیتے ہیں کہ فلیٹ کس منزل پر اور کس سمت کا ہوگا۔ ان کی بیع بھی صحیح ہے کہ اس میں کوئی وجہِ فساد نہیں۔

ہاں کچھ خریدار ایسے بھی ہوتے ہیں جو عقد کے وقت منزل اور سمت طے نہیں کرتے اور فلیٹ پر قبضہ کے وقت نزاع کرتے ہیں تو یہاں جہالت باعثِ نزاع ہے، لہٰذا یہ بیع فاسد ہے۔

اور رہائش کے لیے فلیٹ لینے والوں پر واجب ہے کہ خریداری کے وقت ہی فلیٹ کی سمت اور منزل وغیرہ طے کر لیں اور جو ایسا نہ کر سکیں وہ اوپر ذکر کیے گئے حل کی صورت اختیار کریں۔

چوتھی صورت: فلیٹ خریدار کے لیے نام زد ہو گیا، مگر اسے ابھی قبضہ نہ ملا۔ ایسا خریدار وہ معین فلیٹ بنا کر اسے دوسرے کے ہاتھ بیچ سکتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ فلیٹ ایک عقار یعنی غیر منقولہ جائداد ہے جس کی بیع

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب البیوع ج:۷، ص:۲۰، ۲۱، ملخصًا، مطبع: رضا اکیڈمی، ممبئی / در مختار و رد المحتار کتاب البیوع، ج:۷، ص:۷۰، ۷۱، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

قبضہ سے پہلے بھی جائز ہے۔[۱]

اور فقہانے بالاخانہ کی بیع قبل قبضہ جو ناجائز قرار دی ہے اس سے مراد ایسا بالاخانہ ہے جو پائدار نہ ہو، جلد ہی منہدم ہو جاتا ہو، مگر آج بیس بیس منزلہ یا اس سے زیادہ منزلوں کے بالاخانے تعمیر ہوتے ہیں اور اتنے پائدار ہوتے ہیں کہ عموماً سو سو سال تک منہدم نہیں ہوتے۔ اس لیے فقہا کے ذکر کردہ بالاخانوں میں قبل قبضہ عدم جواز بیع کی جو علت "غرر انفساخ عقد" مذکور ہے، وہ یہاں معدوم ہے۔ اس لیے اس کا حکم عدم جواز بھی معدوم ہوگا۔

دوسرا سوال: بعد والی بیع میں زائد رقم یا نفع لینا۔

اس میں تفصیل ہے۔ حاصل یہ ہے کہ جب دوسری، تیسری بیع نزول عن الحق بالعوض (معاوضہ لے کر اپنے حق سے دست برداری) قرار پائے جیسے پہلی، دوسری صورت میں یا جب بیع تعاطی ہو تو پہلے دام سے کم وبیش لینا جائز ہے۔ اور جب بیع فاسد ہو (جیسے اوپر بعض صورتوں میں ذکر ہے) تو زیادہ رقم لینا ناجائز ہے۔ اگر زیادہ رقم لی ہے تو اسے صدقہ کرے۔ اور اگر فرمائشی خریدار اپنا فلیٹ خود اپنے بلڈر کو قبل قبضہ بیچے تو یہ بیع نہیں بلکہ فسخ بیع ہے اور فسخ بیع ثمن اول ہی پر ہو سکتا ہے۔ زیادہ لینا جائز نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۱)- هدايه، اواخر المرابحه، ج:۳، ص:۵۸،۵۹ ، مجلس بركات، مبارك پور / موطا امام محمد، باب ما لم يقبض من الطعام وغيره، ص:۳۳۳، ۳۳٤ مجلس بركات، مبارك پور / عمدة القارى، ج:۱۱، ص:۴۲

غیر رسم عثمانی میں قرآنِ حکیم کی کتابت

سوال نامہ

بعض ناشرین ہندی، انگریزی وغیرہ کے رسم الخط میں قرآن کی کتابت واشاعت کرنا چاہتے ہیں اور بعض یہ کام شروع بھی کر چکے ہیں۔ دنیا کے کچھ لوگ اس کے مؤید بھی ہیں مگر شرعی و دینی نقطۂ نظر سے یہ فعل بہت زیادہ ضرر رساں معلوم ہوا۔ اس لیے ارباب علم وافتا سے سوال ہوا کہ:

① عوام کی عربی سے ناآشنائی اور علم القرآن کی ضرورت کے پیشِ نظر کیا شرعاً اس بات کی گنجائش ہے کہ متن قرآن ہندی، انگریزی، گجراتی، مراٹھی وغیرہ رسم الخط میں لکھا اور شائع کیا جائے؟

② عربی حروف کے مخارج وصفات کی تعیین کے لیے اگر ہندی وغیرہ میں کچھ علامتیں خاص کر دی جائیں، جن کے باعث ممکن حد تک صحیح حروف کا علم اور ان کا تلفظ ہو سکے تو کیا خاص اس صورت میں غیر عربی رسم الخط میں کتابتِ قرآن کی اجازت ہے؟

فیصلہ (۴۷)

اس کے جواب میں جملہ مندوبینِ کرام نے بالاتفاق یہ فیصلہ کیا کہ قرآن کی کتابت نہ صرف رسم عربی، بلکہ رسم عثمانی میں فرض ہے۔ غیر عربی رسم الخط تو درکنار خود عربی رسم الخط میں بھی رسم عثمانی کے خلاف لکھنا حرام وناجائز ہے۔ اس کے دلائل یہ ہیں:

① رسم قرآنی توقیفی ہے، قیاسی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے خاص کاتبین سرکار کی ہدایت کے مطابق قرآن کی کتابت کرتے، اسی رسم کی پابندی صحابہ کرام نے کی جو آج بھی جاری ہے۔

② اس رسم میں خاص اسرارِ الٰہیہ ومقاصد جلیلہ ہیں جو دوسرے رسم میں نہیں۔

③ یہ خلفائے راشدین کا طریقہ ہے اور بحکم حدیث خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے طریقے کو اپنانا ضروری ہے۔

④ ائمہ اربعہ کا اس پر اتفاق ہے۔

⑤ اسی پر اجماعِ امت قائم ہے۔

مآخذ

① امام احمد بن مبارک سجلماسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

قال (سیّدی عبد العزیز الدبّاغ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ما للصحابۃ ولا لغیرھم فی رسم القرآن العزیز شعرۃ واحدۃ و إنّما ھو بتوقیف من النبی ﷺ وھو الذی أمرھم أن یکتبوہ علی الھیئۃ المعروفۃ بزیادۃ الأحرف و نقصانھا لأسرار لا تھتدی إلیھا العقول، ما کانتِ العربُ فی جاھلیتھا ولا أھلُ الإیمان من سائر الأمم فی أدیانھم یعرفون ذٰلک ولا یھتدون بعقولھم الی شیٔ منہ وھو سرٌ من أسرارہ خصّ اللہ بہ کتابَہُ العزیز، دون سائر الکتب السّماویۃ فلا یوجد شبہ ذٰلک الرسم، لا فی التوراۃ ولا فی الإنجیل ولا فی غیرھما من الکتب السّماویۃ. و کما أنّ نظم القرآن معجز فرسمہ

أيضًا معجز. و كيف تهتدى العقول إلى سرّ زيادة الألف فى مائة دون فئة و إلى سر زيادة الياء فى "بِاَيْىدٍ" من قوله تعالى: "وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ"... إلى غير ذٰلك مما لا يكاد ينحصر و كل ذٰلك لأسرار إلهية و أغراض نبوية و إنما خفيت على الناس لأنها من الأسرار الباطنية التى لا تدرك إلا بالفتح الربانى فهى بمنزلة الألفاظ والحروف المقطعة فى أوائل السُّور.اهـ (۱)

(۲) حضرت سیدی عبد العزیز دباغ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

و إنما يصح ان يدعى الاصطلاح من الصّحابة رضوان الله عليهم لو كانت كتابة القرآن العزيز إنّما حدثتْ فى عصرهم بعد وفاة النبى ﷺ فثبت أن الرسم توقيفى ،لا اصطلاحى و أنّ النّبى ﷺ هو الأمر بكتابته على الهيئة المعروفة.

فقلت إنّه عليه الصلوٰة والسلام كان لا يعرف الكتابة و قد قال تعالى فى وصفه "وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۞"

فقال رضي الله عنه: كان رسول الله ﷺ لا يعرفها بالاصطلاح والتعلّم من الناس وأما من جهة الفتح الربانى فيعلمها ويعلم أكثر منها وكيف لا ، والأولياء الأمّيون من أمّته الشريفة المفتوح عليهم يعرفون خطوط الأمم والأجيال من لدن آدم عليه السلام وأقلام سائر الألسن و ذٰلك ببركة نوره ﷺ فكيف به عليه الصلوٰة والسّلام.

قال رضي الله عنه : و من فتح الله عليه و نظر فى أشكال الرسم التى فى الواح القرآن ثم نظر فى أشكال الكتابة التى فى اللوح المحفوظ وجد بينهما تشابهًا كثيرا و عَايَنَ زيادة الألف فى اللوح المحفوظ فى "كفروا أو آمنوا" وغير ذٰلك مما سبق وعلم أسرارا فى ذٰلك كله وعلم أن تلك الأسرار من وراء العقول. اهـ (۲)

(۳) نیز امام احمد بن مبارک فرماتے ہیں:

فقلت: فإن كان الرسم توقيفياً بوحى من النّبى ﷺ و أنه كألفاظ القرآن فلِمَ لَمْ ينقله تواتراً حتى ترفع فيها الريبة و تطمئن القلوب به كما فى ألفاظ القرآن ؟ فإن ما من حرف حرف إلاوقد نقل تواترا لم يقع فيه اختلاف ولا اضطراب و أمّا الرسم

---

(۱) الإبريز، الباب الأول في الأحاديث التي سألناه عنها، ص:۸۷، ۸۸، دار الكتب العلمية، بيروت
(۲) الإبريز، الباب الأول في الأحاديث التي سألناه عنها، ص ۹۰، دار الكتب العلمية، بيروت

فإنّما نقل بالآحاد كما يعلم من الكتب الموضوعة فيه و من نقله بالاحاد ووقع الاضطراب بين النقلة فى كثير منه و كيف تُضيّع الأمة شيئاً من الوحى؟

فقال رضى الله عنه: ما ضَيَّعَتِ الأمة شيئًا من الوحى. والقرآنُ بحمد الله محفوظ ألفاظًا و رسماً، فأهل العرفان والشهود والعيان حفظوا الفاظه ورسمه ولم يُضيّعوا منهما شعرة واحدة وأدركوا ذٰلك بالشهود والعيان الذى هو فوق التواتر وغيرهم حفظوا الفاظه الواصلة إليهم بالتواتر واختلافهم فى بعض حروف الرسم لا يقدح ولا يصير الأمة مضيعة كما لا يضر جهل العامة بالقرأن و عدم حفظهم لألفاظه.

قلت: هٰذا الذى قاله الشيخ رضى الله عنه في غاية الحسن و نهاية العرفان. اھ (۱)

④ نیز امام احمد بن مبارک سجلماسی مالکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

قال الحافظ ابوعمرو الدانى فى كتاب "المقنع": حدثنا ابو محمد عبد الملك بن ابى الحسن أن عبد العزيز بن على حدّثهم قال: حدثنا المقدام بن تليد قال: حدثنا عبد الله بن عبد الحكم قال اشهب: سئل مالك رحمه الله تعالى فقيل له: ارأيت من استكتب مصحفاً اليوم؟ أترى أن يكتب على ما أحدث الناس من الهجاء اليوم؟ فقال: لا أرى ذٰلك، و لكن يكتبُ على الكتابة الاولى. قال أبو عمرو: ولا مخالف له فى ذٰلك مِن علماء الأمة.

وقال فى موضع أخر: حدثنا أبو محمد عبد الملك بن الحسن قال: حدثنا عبد العزيز بن على قال: حدثنا المقدام بن تليد قال: حدثنا عبد الله بن عبد الحكم قال: سئل مالك عن الحروف التى تكون فى القرآن مثل الواو والألف أترى أن تغير من المصحف إذا وجدت فيه كذٰلك؟ قال: لا— قال أبوعمرو: يعنى الواو والألف الزائدتين فى الرسم لمعنى مثل الواو فى "أولئك و أولى واولات" و شبهه و مثل الألف فى" لن ندعوا و قتلوا ولاأوضعوا ولا أذبحنه و مائة و مائتين ولا تيأسوا و يبدؤا وتفتؤا و يعبؤا" و شبهه، و كذا الياء فى "من نبأى المرسلين و ملأيه" و شبهه. اھ

و قال الجعبرى فى شرح العقيلة: ما نقله أبوعمرو عن مالك هو مذهب الأئمة

(۱) الإبريز، الباب الأول في الأحاديث التي سألناه عنها، ص: ۹۱، دار الكتب العلمية، بيروت

الأربعة و إنما خص مالك لأنه صاحب فتياه، و مستندهم مستند الخلفاء الأربعة رضوان الله عليهم. اهـ (۱)

⑤ اتقان میں ہے:

أجمعوا على لزوم اتباع رسم المصاحف العثمانية فى الوقف إبدالًا و إثباتًا و حذفًا و وصلًا و قطعًا .اهـ (۲)

⑥ الکواکب الدریہ میں ہے:

أجمعت الأمة المعصومة من الخطأ بعد ذلك فى عهد التابعين والأئمّة المجتهدين على تلقّى ما نقل فى المصاحف العثمانية التى أرسلها إلى الأمصار بالقبول و على ترك ما سوا ذلك... ولذلك جعل الأئمة موافقة الرسم العثمانى ولو احتمالًا شرطًا لقبول القراءة، فقالوا: كل قراءة ساعدها خط المصحف مع صحة النقل و مجيئها على الفصيح من لغة العرب فهى المعتبرة.اهـ (۳)

⑦ شارح عقیلہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے:

أنّ عثمان أرسل إلى كل جند من اجناد المسلمين مصحفًا و أمرهم أن يحرقوا كل مصحف يخالف الذى أرسل إليهم ولم يعرف أن أحدًا خالف فى رسم هذه المصاحف العثمانية.اهـ (۴)

⑧ مدخل میں ہے:

من لا يعرف المرسوم من الأُمَّةِ يجب عليه أن لا يقرأ فى المصحف إلا بعد أن يتعلم القراءة على وجهها أو يتعلم مرسوم المصحف، فإن فعل غير ذٰلك فقد خالف ما اجتمعت عليه الأمةُ، و حُكمه معلوم فى الشرع الشريف. اهـ (۵)

بعض لوگ جو غیر عربی قرآن کی ضرورت بتاتے ہیں ان کے جوابات بھی دیے گئے۔

(۱) الإبريز، الباب الأول ، ص:۹۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۲) الإتقان فى علوم القرآن، فصل في كيفية الوقف على اواخر الكلم، ص:۱۱۸، ج:۱، طبع ممبئى

(۳) الكواكب الدرية فيما ورد في إنزال القراءة على سبعة أحرف من الأحاديث النبوية، ص:۳٤

(۴) خميلة أرباب المقاصد شرح عقيلة اتراب القصائد للإمام الجعبرى، ص:۳۰۵

(۵) المدخل لابن الحاج المالكي، فصلٌ في نية الناسخ وكيفيتها، ج:٤، ص:۸٦، مكتبة دار التراث، القاهرة.

کہا گیا کہ اگر کوئی عجمی اسلام لائے تو فوراً اس پر نماز اور نماز میں قرآن کی قراءت فرض ہوگی۔ اب وہ عربی سے ناآشنا ہے تو اس کے لیے نماز پڑھنا مشکل ہوگا اور اس کے عجمی رسم الخط میں متنِ قرآن موجود ہو تو اسے دیکھ کر وہ فوراً کچھ سورتیں یاد کرلے گا اور نماز ادا کر سکے گا۔

اس کے کئی جوابات دیے گئے:

① ایسا عجمی بھی اسلام لاسکتا ہے جو اپنی زبان بھی لکھنا، پڑھنا نہ جانتا ہو، اس کے لیے کیا صورت ہوگی؟

② عہدِ رسالت سے اب تک ہر دور میں پڑھے لکھے اور بے پڑھے ہر طرح کے لوگ اسلام لاتے اور قرآن سیکھ کر اپنے فرائض ادا کرتے رہے۔ آج یہ کیوں نہیں ہوسکتا؟ نماز میں قراءت کے لیے قرآنِ مکتوب ہی سے یاد کرنا کوئی ضروری نہیں، زبانی سن کر اور سیکھ کر بھی یہ عمل ہوسکتا ہے۔ عہدِ رسالت و صحابہ میں بھی بے شمار اُمّی (بے پڑھے لکھے) اسلام لائے اور زبانی سیکھ کر قرآن کی قراءت کی۔ یہ کام آج بھی ہوسکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔

③ ہمارے مذہب میں نومسلم کے لیے ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب تک وہ دو تین سورتیں نہیں سیکھ لیتا، اپنی نمازیں کسی قاری کی اقتدا میں ادا کرے، مقتدی پر قراءت فرض نہیں اور سنن و نوافل میں بھی اقتدا جائز ہے، خصوصاً جب کہ بلاتداعی ہو تو کسی طرح کی کراہت تنزیہی بھی نہیں۔

علاوہ ازیں اگر غیر عربی قرآن کا رواج ہو تو انجام یہ ہوگا کہ اصل قرآن کا وجود نادر اور صرف لائبریریوں کی زینت ہو کر رہ جائے گا اور عربی رسم الخط سے آشنائی کا سلسلہ بھی کم سے کم تر یا معدوم ہو جائے گا، جیسے آج یہ مشاہدہ ہے کہ جن علاقوں میں اردو رسم الخط متروک ہے اور اردو جملے یا عبارتیں بھی دیوناگری رسم الخط میں لکھ کر پڑھنے، پڑھانے کا رواج ہو گیا ہے، ان علاقوں کے عوام میں اردو خواں اگر معدوم نہیں تو نادر ضرور ہو گئے ہیں۔ خدانخواستہ اگر متن قرآن کے ساتھ بھی یہ سلوک روا رکھا گیا تو اس کا انجام بھی اس سے کچھ مختلف نہ ہوگا۔ والعیاذ باللہ رب العٰلمین.

دوسرے سوال کے جواب میں مندوبین نے یہ لکھا کہ اولاً ہندی وغیرہ میں عربی حروف کے مخارج وصفات کی تعیین کے لیے علامات خاص کرنا بہت دشوار ہے، اور اگر کچھ علامتیں مقرر بھی ہو جائیں تو کسی قاری کی تعلیم و تمرین کے بغیر صحیح ادائگی ناممکن ہے۔ بالفرض یہ بھی ہو جائے تو بھی کسی اجنبی زبان میں کتابتِ قرآن کی اجازت نہیں ہوسکتی۔ اس لیے کہ رسم قرآنی توقیفی ہے، جس کی پابندی عربی رسم الخط میں بھی ضروری ہے اور غیر عربی میں اس کی پابندی ممکن، تو کیا متصور بھی نہیں۔

الحاصل غیر رسم عربی اور غیر رسم عثمانی میں متن قرآن کی کتابت کسی طرح سے جائز و درست نہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم، وعلمہ جل مجدہ أتم وأحکم.

فیصلہ (۴۸)

طویلے کے جانوروں اور دودھ پر زکاۃ

بڑے شہروں میں دودھ سپلائی کرنے والے زیادہ تاجروں کا کاروبار عظیم پیمانے پر پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ یہ لوگ بھینسوں کے بڑے بڑے طویلے رکھتے ہیں جن میں کافی ملازمین مختلف کاموں پر مامور ہوتے ہیں۔ یہ تاجرین بھینسیں خرید کر لاتے ہیں، جن میں کچھ کو اپنے طویلے کے لیے چھانٹ لیتے ہیں اور ان کا دودھ سپلائی کرتے ہیں اور زیادہ بھینسیں وہ فروخت کر دیتے ہیں۔

اس صورتِ حال سے متعلق یہ سوال ہوا کہ "طویلے کی بھینسیں جن کے دودھ سے بڑے پیمانے پر کاروبار ہو رہا ہے، مالِ تجارت ہیں؟ یا کرایے کے مکان یا آلۂ حرفت کی طرح ہیں؟ اور ان بھینسوں یا ان کے دودھ پر زکاۃ ہے یا نہیں؟ اور جو بھینسیں خرید کر بیچ دی جاتی ہیں ان پر زکاۃ ہے یا نہیں؟"

جواب میں مقالہ نگاروں کی رائیں اور دلیلیں بہت مختلف نظر آئیں۔ بحث و تمحیص کے بعد جو فیصلہ ہوا وہ درج ذیل ہے:

(۱) طویلے والے جو بھینسیں اپنے پاس رکھ لیتے ہیں اور ان کے دودھ بیچتے ہیں ان بھینسوں پر زکاۃ نہیں، اس لیے کہ یہ اموالِ زکاۃ سے نہیں۔ زکاۃ تین طرح کے مال پر ہوتی ہے: (۱) سونا، چاندی۔ (۲) سائمہ۔ (۳) مالِ تجارت۔ طویلے کی یہ بھینسیں ان تینوں میں سے کسی قسم میں نہیں۔

سونا چاندی سے نہ ہونا بالکل عیاں ہے۔ سائمہ سے اس لیے نہیں کہ سائمہ اس جانور کو کہتے ہیں جو سال کے اکثر ایام میں چرائی پر رہے اور گھر سے اسے چارہ نہ دیا جائے۔

بدائع الصنائع میں ہے:

ثم السائمۃ، ھی الراعیۃ التی تکتفی بالرعی عن العلف و یمونھا ذلک، ولا تحتاج الی

أن تعلف، فإن كانت تسام في بعض السنة و تعلف و ثمان في البعض يعتبر فيه الغالب، لأن للأكثر حكم الكل. اهـ (۱)

طویلے کی ان بھینسوں کا حال "سائمہ" سے مختلف ہے۔ یہ چرائی پر بہت کم رہتی ہیں اور گھر کے چارے پر زیادہ۔ ان کے چارے پانی اور کھلانے پلانے کا باضابطہ اہتمام ہوتا ہے اور اس کے لیے ملازمین رکھے جاتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ سائمہ سے نہیں۔

اب رہی تیسری قسم مالِ تجارت تو یہ بھینسیں مالِ تجارت بھی نہیں، اس لیے کہ ان کو پالا جاتا ہے، انھیں بیچا نہیں جاتا۔ "تجارت" نام ہے مال سے مال کے تبادلے کا۔ یہاں بھینسوں کا مال سے تبادلہ مطلقاً نہیں ہوتا۔

بدائع الصنائع میں ہے:

"تجارة" وهي مبادلة المال بالمال ... لأن التجارة كسب المال ببدل ما هو مال. اهـ. ملخصاً (۲)

جب طویلے کی یہ پالتو بھینسیں اموالِ زکاۃ کی کسی قسم میں شامل نہیں تو خاص ان بھینسوں کی زکاۃ بھی واجب نہ ہوگی۔

رہا یہ کہ ان بھینسوں کے دودھ سے مال کمایا جاتا ہے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اپنے گھر یا غلام یا دیگ وغیرہ کو کرایے پر دے کر ان سے مال کمایا جاتا ہے۔ ایسے گھر، غلام اور دیگ وغیرہ پر زکاۃ نہیں تو یہی حکم طویلے کی پالتو بھینسوں کا بھی ہوگا۔

فتاویٰ قاضی خاں میں ہے:

لو اشترى الرجل دارا أو عبداً للتجارة ثم آجره يخرج من أن يكون للتجارة لأنه لما آجره فقد قصد المنفعة، ولو اشترى قدورا من صُفر يمسكها أو يواجرها لا تجب فيها الزكاة كما لا تجب في بيوت الغلّة. اهـ - (۳)

اسی میں ہے:

وكذا لو اشترى جوالق بعشرة آلاف درهم ليواجرها من الناس فحال عليها الحول

---

(۱) بدائع الصنائع، فصل في صفة نصاب السائمة، ج:۲، ص:۳۰، بیروت

(۲) بدائع الصنائع، ج:۲، ص:۱۲، بیروت

(۳) خانیہ بر هامش هندیہ، کتاب الزکاۃ، فصل في مال التجارة، ج:۱، ص:۲۵۱، مطبع: کوئٹہ، پاکستان۔

لا زکاۃ فیہا لأنہ اشتراہا للغلّۃ و عَزْمُہ أنہ لو وجد ربحا یبیعہا لا یعتبر... و کذا الجمّال اذا اشتری ابلا للکراء أو المکاری اذا اشتری حمرا للکراء. اھ[۱]

خزانۃ الروایات میں ہے:

رجل اشتری أعیانا منقولۃ لو آجرہا میاومۃ و مشاہرۃ و مسانہۃ و یحصل لہ من المنقولات مال عظیم لا تجب فیہا الزکوٰۃ لأنہا لیست بمال التجارۃ. اھ

(خزانۃ الروایات)

۲ ان بھینسوں کے دودھ سے اگر اتنی آمدنی ہوتی ہو جو ساڑھے باون تولے چاندی کے دام کے برابر یا اس سے زیادہ ہو اور اس آمدنی پر سال بھی گزر جائے تو اس آمدنی کی زکاۃ واجب ہوگی۔[۲]

۳ تاجرین جن بھینسوں کو بیچنے کے لیے خریدتے ہیں پھر بیچ دیتے ہیں وہ مالِ تجارت ہیں، اس لیے ان کی زکاۃ اپنے شرائط کے ساتھ واجب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱)- خانیہ بر ہامش ہندیہ، کتاب الزکاۃ، فصل في مال التجارۃ، ج:۱، ص:۲۵۰، مطبع: کوئٹہ، پاکستان.

(۲)- یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے پاس آمدنی کا یہی ایک ذریعہ ہو۔ واضح ہو کہ ساڑھے باون تولے چاندی انگریزی دورِ حکومت کے سکے سے ۵۶ روپے بھر ہوتی ہے اور آج کے رائج آلۂ وزن سے وہ ۶۵۳ گرام ۱۸۴ ملی گرام چاندی ہے۔ ۱۲ مرتب غفرلہٗ

شرکاے سیمینار

(اکابر)

(۱) فقیہ جلیل حضرت علامہ قاضی عبد الرحیم بستوی، مرکزی دار الافتا، ۸۲ر سوداگران، بریلی شریف
(۲) عزیز ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ عزیزی مصباحی، سرپرست مجلسِ شرعی و سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ
(۳) محدث جلیل حضرت علامہ عبد الشکور مصباحی، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴) عمدۃ المحققین حضرت علامہ محمد احمد مصباحی، صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ
(۵) جامع معقولات و منقولات حضرت علامہ خواجہ مظفر حسین رضوی، شیخ الحدیث دار العلوم نور الحق چرہ محمد پور، فیض آباد
(۶) خلیفۂ حضور مفتیِ اعظم حضرت علامہ مفتی مجیب اشرف، بانی و مہتمم دار العلوم امجدیہ، ناگ پور
(۷) مفتیِ مالوہ حضرت مولانا مفتی حبیب یار خاں قادری مہتمم دار العلوم نوری، اندور۔

اسماے گرامی اصحابِ مقالات

(۸) مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی — ناظم مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹) مولانا محمد نصر اللہ رضوی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۰) مفتی حبیب اللہ نعیمی مصباحی — دار العلوم فضل رحمانیہ، بچپڑوا، بلرام پور
(۱۱) مولانا عارف اللہ فیضی مصباحی — مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۲) مفتی محمد معراج القادری مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۳) مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۴) مولانا نفیس احمد مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۵) مولانا محمد ناظم علی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶) مولانا قاضی شہید عالم رضوی — جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۱۷) مولانا مفتی بدر عالم مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۸) مفتی آلِ مصطفیٰ مصباحی — جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی
(۱۹) مفتی انفاس الحسن چشتی — جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف

(۲۰) مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی، بستی
(۲۱) مولانا عبد السلام رضوی مصباحی	مدرسہ انوار العلوم، بلرام پور
(۲۲) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، پکی باغ، بنارس
(۲۳) مولانا اختر کمال قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۴) مفتی محمد نسیم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۵) مولانا ابرار احمد امجدی	مرکز تربیت افتا، اوجھا گنج، بستی
(۲۶) مولانا محمد انور نظامی مصباحی	مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ
(۲۷) مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۸) مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد مئو
(۲۹) مولانا ابرار احمد اعظمی	مدرسہ ندائے حق، جلال پور
(۳۰) مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی	مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور
(۳۱) مولانا رفیق عالم رضوی مصباحی	جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف
(۳۲) مولانا شبیر احمد مصباحی	مدرسہ سراج العلوم برگدہی، مہراج گنج
(۳۳) مولانا معین الدین اشرفی مصباحی	دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۳۴) مفتی شہاب الدین نوری	دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۳۵) مولانا زاہد علی سلامی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۶) مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۷) مولانا ساجد علی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۸) مولانا دستگیر عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۹) مولانا محمد عرفان عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۰) مولانا شیر محمد خاں مصباحی	دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۴۱) مولانا منظور احمد خان عزیزی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۴۲) مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۳) مولانا صلاح الدین نظامی مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور
(۴۴) مولانا سید صابر علی مصباحی	دار العلوم نوری، اندور۔

اصحابِ مقالات جو سیمینار میں شرکت نہ کر سکے

(۴۵) مفتی محمد عنایت احمد نعیمی	الجامعۃ الغوثیہ، اترولہ، گونڈہ
(۴۶) مولانا شمشاد احمد مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی
(۴۷) مولانا مختار احمد قادری	بہیڑی بریلی شریف
(۴۸) مولانا محمد عابد حسین مصباحی	مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور
(۴۹) مولانا شیر محمد خاں رضوی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۵۰) مولانا رضاء الحق اشرفی مصباحی	مدرسہ جامع اشرف کچھوچھہ شریف
(۵۱) مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۵۲) مولانا محمد عالم گیر مصباحی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۵۳) مولانا احمد رضا مصباحی	مدرسہ تنویر الاسلام، امرڈوبھا
(۵۴) مولانا محمد جابر مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۵) مولانا نور احمد قادری مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۶) مولانا شہروز عالم مصباحی	مدرسہ اجمل العلوم، سنبھل، مراد آباد
(۵۷) مولانا محمد شبیر عالم مصباحی	دار العلوم انوار مصطفیٰ، گجرات
(۵۸) مولانا محمد محسن مصباحی و مولانا محمد شبیر عالم مصباحی	دار العلوم انوارِ مصطفیٰ، گجرات۔

وہ حضرات جن کا کوئی مقالہ تو موصول نہیں ہوا مگر بحثوں میں شریک رہے

(۵۹) مفتی محمد مطیع الرحمن رضوی	مالدہ، بنگال
(۶۰) مولانا نصیر الدین عزیزی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۱) مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی	مراد آباد
(۶۲) مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی	دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ
(۶۳) مولانا عبد الحق رضوی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۴) مولانا محمد حنیف خاں رضوی مصباحی	بریلی شریف
(۶۵) مولانا مسعود احمد برکاتی مصباحی	مکہ مسجد، گارلینڈ، ٹکساس، امریکہ

(۶۶) مولانا مبارک حسین مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۷) مفتی بشیر القادری مصباحی — گریڈیہ
(۶۸) مولانا شمیم احمد قادری — ٹانڈہ
(۶۹) مولانا نعیم الدین عزیزی مصباحی — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷۰) مولانا مجتبیٰ شریف مصباحی — ناگ پور
(۷۱) مولانا محمد قطب الدین رضا مصباحی — مبارک پور

بقیہ شرکاے سیمینار

(۷۲) مولانا شاکر علی نوری، ممبئی
(۷۳) مولانا انوار احمد قادری، اندور
(۷۴) مولانا منصور علی خاں، ممبئی
(۷۵) مولانا نور الحق نوری، اندور
(۷۶) حافظ عبد الغفار بابا نوری، اندور
(۷۷) مفتی عبد الرشید، اندور
(۷۸) مولانا عبد الحبیب رضوی، ناگ پور
(۷۹) مولانا کوثر علی رضوی، بریلی شریف
(۸۰) مولانا ریحان رضا مصباحی ناگ پور
(۸۱) مولانا رفیق الاسلام مصباحی، اندور
(۸۲) مولانا توحید ارشد مصباحی اندور
(۸۳) مولانا محمد ہاشم رضا مصباحی اندور
(۸۴) مولانا محمد افروز عالم مصباحی اندور
(۸۵) مولانا محمد مجاہد رضا مصباحی، اندور
(۸۶) مولانا محمد شاکر حسین، اندور
(۸۷) مولانا محمد عارف برکاتی، اندور
(۸۸) مولانا شہادت حسین نظامی اندور
(۸۹) مولانا محمد شریف الحق، اندور
(۹۰) مولانا محمد وسیم مصباحی، دہلی
(۹۱) مولانا رضی الدین، اندور
(۹۲) مولانا عبد السلام، اندور
(۹۳) مولانا عرفان، اندور
(۹۴) مولانا احمد یار خان، اندور
(۹۵) مولانا حشمت علی، اندور
(۹۶) مولانا قمر الدین، اندور
(۹۷) مولانا محمد عبد العلیم رضوی، اندور
(۹۸) مولانا غلام صابر رضوی، ناگ پور
(۹۹) مولانا فضل الرحمٰن، دیواس
(۱۰۰) مولانا اکبر علی، ناگ پور
(۱۰۱) مولانا محمد ابو الکلام، اندور
(۱۰۲) مولانا غلام نبی، حیدر پور
(۱۰۳) مولانا محمد نجم الدین، اندور
(۱۰۴) مولانا محمد عبد الجبار نوری، اندور
(۱۰۵) مولانا محبوب رضا، اندور
(۱۰۶) مولانا غلام سرور امجدی، اندور
(۱۰۷) مولانا عبد الجبار اشرفی، اندور

(۱۰۸)مولانا بذیل احمد خاں، اندور
(۱۰۹)مولانا محمد شکیل احسانی باندوی، اندور
(۱۱۰)مولانا منہاج الدین، اندور
(۱۱۱)مولانا مستقیم خاں، اندور
(۱۱۲)مولانا قاسم علی، اندور
(۱۱۳)مولانا محمد حنیف برکاتی، اندور
(۱۱۴)مولانا شبیر احمد، اندور
(۱۱۵)مولانا غلام مصطفیٰ، اکولہ
(۱۱۶)مولانا عزیز الرحمٰن، اندور
(۱۱۷)مولانا رہبر حسین، اندور
(۱۱۸)مولانا احمد رضا، اندور
(۱۱۹)مولانا انیس المصطفیٰ، اندور
(۱۲۰)مولانا سعید احمد نوری، اندور
(۱۲۱)مولانا شہید آزاد، اندور
(۱۲۲)حافظ شہاب الدین، مرادآباد
(۱۲۳)حافظ شفقت اللہ، اندور
(۱۲۴)حافظ امین الدین، اندور
(۱۲۵)حافظ عظیم الدین برکاتی
(۱۲۶)حافظ عبدالستار رضوی، اندور
(۱۲۷)حافظ شوکت حسین قادری، اندور
(۱۲۸)حافظ محمد نوشاد عالم عظیمی، اندور
(۱۲۹)حافظ محمد عقیل رضوی، اندور
(۱۳۰)حافظ محمد عمر قادری، اندور
(۱۳۱)حافظ عبدالحمید رضوی، اندور
(۱۳۲)حافظ اظہر الدین، اندور
(۱۳۳)حافظ عبدالوہاب، اندور
(۱۳۴)حافظ عبدالحفیظ کشمیری، اندور
(۱۳۵)جناب محمد ضمیر احمد خاں وکیل ہائی کورٹ،

توثیقی دستخط

حضرت سید امین ملت پروفیسر محمد امین قادری، سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ، مارہرہ مطہرہ

[حضرت نے انیسویں فقہی سیمینار منعقدہ دارالعلوم امجدیہ، بھیونڈی میں سترہویں فقہی سیمینار کے فیصلوں کی توثیق فرمائی]

اٹھارہواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۷/۱۸/۱۹/ صفر ۱۴۳۲ھ
مطابق ۲۲/۲۳/۲۴/ جنوری ۲۰۱۱ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دوشنبہ
بمقام: حرا پبلک اسکول، مہاپولی، ضلع تھانے، مہاراشٹر

فیصلہ (۴۹) -اینی میشن کا شرعی حکم.
فیصلہ (۵۰) -برقی کتابوں کی خرید و فروخت
فیصلہ (۵۱) -زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال
فیصلہ (۵۲) -انٹرنیٹ کے شرعی حدود
☆-شرکاے سیمینار

اینی میشن کا شرعی حکم

سوال نامہ

اینی میشن (animation) انگریزی زبان کا لفظ ہے، جس کا معنی ہے بے جان کو جان دار کرنا، ساکن و جامد کو متحرک و فعال بنانا۔ کمپیوٹر ٹیکنالوجی کی اصطلاح میں اینی میشن کا مطلب حیوانات، نباتات، جمادات وغیرہ مخلوقات کی ساکن و جامد تصاویر کو اس طرح خود کار اور فعال بنا دینا کہ وہ حقیقی شے کی طرح حرکت و عمل کرتی ہوئی نظر آنے لگیں۔ تفصیل سوال نامے میں ہے۔

اس موضوع کے تحت خاص سوالات یہ تھے:

(۱) کارٹون شرعی اعتبار سے تصویر ہے یا نہیں؟

(۲) ذی روح کی تصویر بنانے کی حرمت احادیثِ کثیرہ سے ثابت ہے۔ جان دار کی تصویر رکھنے اور دیکھنے، دکھانے، اسی طرح خریدنے، بیچنے کی حرمت کس دلیل سے ثابت ہے؟

(۳) طب و جراحت کی تعلیم کے لیے کارٹونی تصاویر کا استعمال کیسا ہے؟

(۴) اسلامی غزوات اور اسلامی تاریخ و شخصیات سے متعلق اینی میٹیڈ تصویری یا کارٹونی پروگرام، فلمیں یا فلیش دیکھنا، دکھانا کیسا ہے؟

ان سوالات کے جوابات کے لیے اس وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی کہ «تصویرِ جان دار» کی حقیقت کیا ہے؟ اور وہ کارٹون پر صادق آتی ہے یا نہیں؟ پھر ان تصاویر اور کارٹونوں کے احکام کیا ہیں؟ ان امور پر بحث و تمحیص کے بعد باتفاق مندوبین جو فیصلے ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

فیصلہ (۴۹)

① تصویر ذی روح وہ ہے جو جنس حیوان کی حکایت و مشابہت پر مشتمل ہو، اس طرح کہ سر اور چہرہ کسی حیوان کا ہو۔ (ماخوذ از کتبِ حدیث وفقہ ولغت، فتاویٰ رضویہ، ج:۱۰، ص:۵۰، کتاب الحظر والاباحۃ)

② وہ کارٹون جو جنسِ حیوان کی مشابہت پر مشتمل ہو وہ تصویر ذی روح ہے، جو ایسا نہ ہو وہ ذی روح کی تصویر نہیں۔

③ ذی روح کی تصویر بنانے کا جو حکم ہے وہی حکم ذی روح کا کارٹون بنانے کا بھی ہے۔ غیر ذی روح کی صورت گری حرام نہیں، اسی طرح غیر ذی روح کا کارٹون بھی حرام نہیں، کیوں کہ اس سے بھی حکایتِ حیات نہیں ہوتی۔

④ جان دار کی تصویریں بروجہ اعزاز رکھنا ناجائز ہے، جب کہ رکھنے کی حاجت و ضرورت نہ ہو، اسی طرح جو تصویریں تفریحِ نظر کے لیے بنائی اور دکھائی جاتی ہیں، انھیں بالقصد دیکھنے میں بنانے والوں کی اعانت اور مقصد برآری ہے، اس لیے انھیں قصد و شوق یا اعزاز کے ساتھ دیکھنا بھی جائز نہیں۔

لیکن اگر بربنائے حاجت تصویر بنی اور اس کا دیکھنا، دکھانا بطور حاجت ہوتا ہے تو یہ دیکھنا، دکھانا جائز ہے، جیسے تصویروں کا بطور اہانت رکھنا اور دیکھنا جائز ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"عنایہ سے گزرا نَحْنُ اُمِرْنَا بِاِهَانَتِهَا تو ترکِ اہانت میں ترکِ حکم ہے۔"

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب رکھنا، دیکھنا بطورِ اہانت نہ ہو تو اسے بطور اعزاز مانا جائے گا، ہاں حاجت و ضرورت کی صورتیں اس سے الگ ہیں۔

حاجت کا مطلب یہ ہے کہ تصویر نہ ہو تو انسان ضرر اور مشقت میں مبتلا ہو جیسے شناختی کارڈ، پاس پورٹ، راشن کارڈ کی تصویریں، جن کے بغیر انسان ضرر اور حرج میں مبتلا ہوگا۔ اسی طرح بعض مواقع اور واقعات کی تصویریں نہ ہوں اور ان سے متعلق حکومت یا کورٹ کی تفتیش ہو تو اپنا دفاع مشکل ہوگا اور سخت ضرر ہوگا، یہ بھی

درجۂ حاجت میں ہیں، مثلاً یورپ وغیرہ کی بعض مسجدوں میں آلاتِ مصوری اس مقصد سے نصب ہوتے ہیں کہ یہ ثبوت فراہم کیا جا سکے کہ یہاں آنے جانے والے کون تھے اور کوئی حادثہ ہوا تو اس کا ذمہ دار کون ہے؟

آج کل بہت سی عام استعمال کی چیزیں اور دواؤں کے ڈبے وغیرہ جان دار کی تصویروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ دوکان دار انھیں لیتے اور دوکانوں میں حفاظت سے رکھتے ہیں، پھر خریدار ان سے حاصل کرتے اور اپنے کام میں لاتے ہیں، ان چیزوں کی خرید و فروخت اور استعمال میں تصویروں کا دیکھنا ضمناً اور تبعاً ہوتا ہے اور نظر سے بچنا سخت مشکل ہے، اس لیے ایسی تصویریں دائرۂ ممانعت میں نہ ہوں گی۔

⑤ وہ پروگرام جس میں کارٹونوں کے ذریعہ اسلامی تاریخ کو مسخ کر کے پیش کیا گیا ہے، یا اسلامی شخصیات کے حقیقی کردار کو مسخ کیا گیا ہے، ایسے پروگرام دیکھنا اور ان کی سی ڈی خریدنا، بیچنا، دیکھنا جائز نہیں۔ بجز اس صورت کے کہ ذمہ دار اہلِ علم رد کے لیے انھیں دیکھیں۔

⑥ طب و جراحت کی تعلیم میں اب تصاویر لازمی طور پر داخل ہو چکی ہیں اور مسلمان طالب علم کا ان تصویروں کے بغیر اس فن کو حاصل کرنا دشوار ہے، اس لیے طب و جراحت کی تعلیم کے لیے ایسی تصاویر کا استعمال جائز ہے۔

⑦ اسلامی فرائض و واجبات اور اخلاق و آداب کی تعلیم کے نام پر بدمذہبوں نے سی ڈیاں تیار کر رکھی ہیں، جو بہت سی غلط معلومات پر بھی مشتمل ہیں اور ناواقف طلبہ و عوام ان کے ذریعہ مسائل سیکھ رہے ہیں۔ ان سے طلبہ و عوام کو بچانا ہماری ذمہ داری ہے، اس لیے جہاں طلبہ و عوام سے علماے اہلِ سنت براہِ راست رابطہ کر کے انھیں تعلیم نہ دے پاتے ہوں وہاں کم از کم یہ انتظام ہو کہ اپنے علما کے ذریعہ ایسی آسان اور صحیح سی ڈیاں فراہم ہوں جن سے ناواقف لوگ استفادہ کر سکیں۔

مختصر یہ کہ جہاں حاجت متحقق ہو وہاں دینی معلومات کی فراہمی کے لیے ایسی سی ڈیاں تیار کرانا اور استعمال میں لانا جائز ہے، جہاں حاجت نہ ہو وہاں جواز بھی نہیں۔ واللہ تعالیٰ أعلم، و علمہٗ أتم و أحکم۔

فیصلہ (۵۰)

برقی کتابوں کی خرید و فروخت

برقی کتابوں کا تفصیلی تعارف سوال نامے میں دینے کے بعد چند سوالات قائم کیے گئے تھے، جواب میں ۳۹؍ مقالات مجلس شرعی کو موصول ہوئے۔

ایک سوال یہ تھا کہ برقی کتابیں اگر سی ڈی (C.D) یا ڈی وی ڈی (D.V.D) میں محفوظ ہوں تو ان کی خرید و فروخت کا کیا حکم ہے؟

اس کے جواب میں تمام مقالہ نگاروں کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سی ڈی وغیرہ میں محفوظ برقی کتابوں پر مال کی تعریف صادق ہے اور ثمن کے عوض انھیں لینا شرعاً بیع ہے، جو بلا شبہہ جائز و درست ہے۔

سیمینار میں یہ امر زیر بحث آیا کہ وہ مخصوص شعاعیں جو بنام کتاب ناشر کے کمپیوٹر یا ہارڈ ویئر میں محفوظ ہیں، خریدار محض کوڈ نمبر معلوم کر کے انھیں اپنے کمپیوٹر یا ہارڈ ویئر میں منتقل کرتا ہے اور ثمن ادا کرتا ہے، یہ بیع ہے یا نہیں؟ اور اس کا جواز ہے یا نہیں؟

جواب میں اس پر گفتگو ہوئی کہ بیع باہمی رضا مندی سے مال کو مال سے باہم بدلنے کا نام ہے تو شعاعیں مال ہیں یا نہیں؟

اس کے حل کے لیے یہ تنقیح ضروری تھی کہ مال کی تعریف کیا ہے؟ پھر وہ تعریف ان شعاعوں پر صادق ہے یا نہیں؟ اس کے تحت مال کی درج ذیل تعریف و تنقیح پر مندوبین کا اتفاق ہوا۔

مال کی تعریف: مال وہ عین ہے جس کی طرف طبائع میل کریں اور وقتِ حاجت کے لیے جمع کر کے رکھا جائے۔

اس تعریف میں مال کے "عین" ہونے کی قید اتفاقی نہیں، بلکہ احترازی ہے، یہی ظاہر الروایہ ہے، اور شارحین کتبِ مذہب نے اپنی شرحوں میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔

علامہ ابنِ ہمام فرماتے ہیں: ”المالُ عین یمکن إحرازها و إمساكها.“ (۱)

مجمع الانہر میں ہے:

”والمراد بالمال عين يجري فيه التنافس والابتذال.“ (۲)

شروح وفتاویٰ میں بیع کی جو چار بنیادی قسمیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی اس بات کی دلیل ہیں کہ مال میں ”عین“ کی قید احترازی ہے۔

ہدایہ وعالم گیری میں ہے:

”واما انواعه... فبالنظر الى المبيع اربعة: بيع العين بالعين وهى المقايضة. و بيع الدين بالدين و هو الصرف. و بيع الدين بالعين وهو السَّلَمُ. وعَكسُهٗ وهو بيعُ العَينِ بالدَّينِ كاكثرِ البياعات. هكذا فى البحر الرائق.“ (۳)

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

”اصل کلی یہ ہے کہ جس طرح عقدِ بیع، اعیان پر وارد ہوتا ہے، یوں ہی اجارہ ایک عقد ہے کہ خاص منافع پر ورود پاتا ہے۔“ (۴)

جامع الرموز میں محرر مذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تعریف نادر الروایہ ”المالُ مَا مَلكتَهٗ مِن كُلِّ شَىءٍ“ سے اَعراض کے بھی مال ہونے کا جو ثبوت فراہم ہوتا تھا، اس کے متعلق علامہ قُہستانی نے یہ تعریف ذکر کرنے کے بعد صراحت فرمادی ہے کہ تحقیق یہ ہے کہ کتبِ اصول کی رو سے اَعراض مال نہیں۔

فرماتے ہیں: ”والتّحقيقُ عَلىٰ مَا فى الأُصول اَنّها ليست بمال فانه مايدّخر لوقت الحاجة.“ (۵)

اب دیکھنا یہ تھا کہ مخصوص شعاعوں پر مال کی یہ تعریف صادق ہے یا نہیں؟

جواب میں جدید تحقیقات کی روشنی میں یہ ثابت کیا گیا کہ شعاعیں چھوٹے چھوٹے ذرات سے مرکب جسم

---

(۱) فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ج:٦، ص:٣٩٣، مطبع: برکاتِ رضا، پوربندر، گجرات

(۲) مجمع الانهر،كتاب البيوع، ج:٢، ص:٣، مطبع: دار احياء التراث العربي، بيروت.

(۳) عالمگیری، كتاب البيوع، الباب الأول، ج:٣، ص:٣، مطبع: کوئٹہ، پاکستان

(۴) فتاویٰ رضویہ، ج:٨، ص:١٨٧، رساله اجود القِرىٰ لطالب الصحة في اجارة القُرىٰ، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۵) جامع الرموز، المعروف بہ قہستانی، ج:٢، ص:٢

ہیں اور جمع، ذخیرہ اندوزی، منتقلی، تصرف و تبدیل وغیرہ خواص جسم کے قابل و حامل ہیں۔ اس لیے یہ بلا شبہہ مال ہیں اور ان کی خرید و فروخت جائز ہے۔

کتاب ''بجلی کی کہانی'' میں ہے:

تھامسن (۱۸۵۶ء-۱۹۴۰ء) نے دیکھا کہ جب کسی خالی نلکی (جس میں ہوا بھی نہ ہو) کے دونوں سروں کے درمیان بہت زیادہ وولٹیج لگایا جاتا ہے تو اس کی کیتھوڈ سے روشنی کی ایک لہر اٹھتی ہے جس سے پوری نلکی منور ہو جاتی ہے اور یہ کیتھوڈ شعاعیں برقی اور مقناطیسی قطعوں سے اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ شعاع برقی ہے۔ لیکن نلکی تو بالکل خالی تھی۔ اس نلکی کو ''کروکس ٹیوب'' (Croockes Tube) کہا جاتا تھا۔

کیا بجلی خلا میں سفر کر سکتی ہے؟

۳۰؍ اپریل ۱۸۷۹ء کو جب تھامسن اس نلکی کو غور سے دیکھ رہے تھے تو اچانک ان کے تمام شبہات دور ہو گئے۔ انھیں یقین تھا کہ یہ شعاع برقی ہے اور اس میں لاتعداد برقی ذرات موجود ہیں۔ کیتھوڈ سے نکل کر یہ نلکی کے دوسرے سرے تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور نلکی کو منور کر دیتے ہیں۔ تھامسن نے مانا کہ جب کسی دھاتی تار سے برقی رو گزرتی ہے تو یہی ذرات اس تار میں بہتے ہیں۔

اب سوال یہ تھا کہ ذرات آتے کہاں سے ہیں؟ ان کی اصل فطرت کیا ہے؟ یہ خالی نلکی سے تو پیدا نہیں ہو سکتے، تو پھر یہ آئے کہاں سے؟ کیا یہ مادے کے ایٹموں سے نکلے ہیں؟ اسی کش مکش میں انھوں نے تجربہ گاہ میں چہل قدمی شروع کر دی۔ اگر ان کا خیال صحیح ہے تو ان کی یہ ایجاد صدیوں سے چلی آ رہی لوگوں کی اس غلط فہمی کو دور کر دے گی کہ ایٹم غیر منقسم ہوتے ہیں۔ اگر یہ ذرات واقعی مادے کے ایٹموں سے خارج ہوئے ہیں تو کیا یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ ایٹم اور بھی چھوٹے چھوٹے ذرات سے مل کر بنا ہوتا ہے؟ تھامسن یہ جان گئے کہ انھوں نے ایک عظیم اور اہم ایجاد کر لی ہے۔ کیتھوڈ شعاع پر برقی اور مقناطیسی قطعوں کے اثر کا مشاہدہ کر کے انھوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ شعاع کے ان ذرات پر منفی چارج ہے۔

اس سے وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ہر مادے کے ایٹم منفی برقی ذرات سے بنے ہوئے ہیں۔ انھوں نے ان ذرات کو الیکٹرانس (Electrons) کا نام دیا۔

تھامسن نے یہ خیال بھی پیش کیا کہ ایٹم سے یہ ذرات بہ آسانی الگ کیے جا سکتے ہیں۔ اسی خیال کی بنیاد پر برقی سائنس کی بہت سی مشکلات حل ہو سکیں اور بہت سے سوالوں کا جواب مل گیا۔ مادے رگڑے جانے سے برقیا کیوں جاتے ہیں؟ اور جب کسی تار کے دونوں سروں کے درمیان ایک وولٹیج لگایا جاتا ہے تو اس سے برقی رو کیوں بہنے لگتی ہے؟ تھامسن کے نظریے نے ان سبھی سوالوں کا تسلی بخش جواب دے دیا۔

اسٹیفن گرے نے ایک مرتبہ اپنے دوست ویلر سے کہا تھا، "گرینول، مجھے اکثر یہ خیال آتا ہے کہ اگر ایک مرتبہ ہم بجلی کی صحیح فطرت جان جائیں، تو اس پوری کائنات کا راز خود بخود فاش ہو جائے گا۔"

مادّے کے بارے میں جیسے جیسے ہماری جانکاری بڑھتی جارہی ہے ویسے ویسے ہماری سمجھ میں آرہا ہے کہ اسٹیفن گرے غلط نہیں تھے۔ ایٹموں کی دنیا درحقیقت بجلی کی دنیا ہے۔ اس لیے ایٹم کی صحیح فطرت کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم بجلی کے بارے میں جانیں۔

میکسویل ایک عظیم ریاضی داں تھے۔ انھوں نے ریاضی کی مدد سے یہ واضح کیا کہ کم یا زیادہ ہونے والی شدت کے برقی قطعہ کے چاروں طرف ایک مقناطیسی قطعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہی نہیں، انھوں نے ریاضی کے فارمولے کے ذریعے یہ ثابت کر دکھایا کہ جب کبھی برقی اور مقناطیسی قطعہ میں تبدیلی آتی ہے تو اس کا اثر لہروں کی شکل میں پھیلتا ہے۔ یہ لہریں بے تار کی لہریں کہلاتی ہیں۔

جب میکسویل نے اپنے سادہ آلے سے بن تاروں کے لہروں کے وجود کو ثابت کیا تو انھوں نے یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ ان کا تجربہ ترسیل کی دنیا میں کراماتی سدھار لائے گا۔

میکسویل کے انتقال کے دس سال بعد ایک جرمن سائنس داں ہینرش ہرٹز (۱۸۵۷ء - ۱۸۹۴ء) نے ان کے نظریے کی تصدیق کی۔

اس کہانی کے اگلے باب کے ہیرو جگدیش چندر بوس نے ثابت کر دیا کہ غیر مرئی برقی لہریں اور مرئی روشنی کی لہریں دونوں یکساں ہوتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں۔ ۱۸۹۵ء میں انھوں نے ایک مقالہ ایشیاٹک سوسائٹی میں پڑھا جو اسی موضوع پر تھا۔ غیر مرئی برقی لہروں کی تحقیقات کے دوران انھیں خیال آیا کہ برقی مقناطیسی لہروں کے ذریعہ خلا میں پیغامات بھیجے جاسکتے ہیں۔ یہ غیر مرئی روشنی کسی بھی اینٹ، پتھر اور یہاں تک کہ عمارت کے بھی پار جاسکتی ہے، اس لیے ان لہروں کے ذریعہ بغیر کسی تار کے ہی پیغام بھیجا جاسکتا ہے۔(۱)

کتاب "ایجادات کی کہانی" میں ہے:

"میکس ویل کے خیال میں روشنی، گرمی، بجلی اور مقناطیسی اثرات کی لہروں کی شکل میں چلتی ہیں۔ یہ لہریں سمندر کی لہروں کی طرح مختلف جسامت کی ہوتی ہیں۔ کچھ بہت تیزی سے قریب قریب چلتی ہیں اور کچھ دور دور چلتی ہیں۔ میکسویل نے یہ خیال ظاہر کیا کہ بجلی کی مقناطیسی لہریں اسی طرح چلتی ہیں۔ یہ روشنی کی رفتار پر چلتی ہیں جو کہ ۱۸۶۰۰۰ میل فی سیکنڈ ہوتی ہے۔ اس نظریہ کے عملی نتائج بہت معنی خیز اور دل چسپ تھے، مگر دشواری یہ تھی کہ ان لہروں کو معلوم نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس کے لیے ایک ایسے آلے کی ضرورت تھی جس

(۱) بجلی کی کہانی، ص:۶۹، تا ۷۵ کے اقتباسات

سے انھیں روک لیا جائے۔ میکسویل کے اس نظریہ پر ہرٹز نے تحقیقات شروع کیں اور خود تجربے کر کے ان لہروں کو معلوم کیا اور اس طرح میکسویل کے نظریہ کو صحیح قرار دیا۔ (۱)

کتاب "بائیوگیس پلانٹ" میں ہے:

"زمین کو سورج سے جو لا محدود توانائی سیدھے یا غیر سیدھے طریقہ سے ملتی ہے وہ زمین پر حیوانات و نباتات کی زندگی اور فروغ کے لیے ذمہ دار ہے۔ سورج لگاتار اپنے اندرونی نیوکلیئر فیوزن (Nuclear Fusion) کے عمل سے ۳۸۰ ملین میگا واٹس (380 Million Mega Watts) توانائی خارج کرتا ہے، جس سے اس کا وزن چار ملین ٹن فی سیکنڈ (4 Million Tonnes Per Second) کم ہوتا رہتا ہے۔ (۲)

درج بالا عبارت سے معلوم ہوا کہ برقی شعاعوں میں جسامت بھی ہوتی ہے اور شمسی شعاعوں کے نکلنے سے سورج کا وزن کم بھی ہوتا ہے اور یہ دونوں امور بلاشبہہ عین اور مادّہ کے اوصاف ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم (۳)

---

(۱) ایجادات کی کہانی، ص: ۶۲
(۲) توانائی کے ذرائع، ص: ۲۸
(۳) الحاصل "برقی کتابیں" بھی شرعی نقطۂ نظر سے مال ہیں، لہٰذا انھیں خریدنا، بیچنا، ہبہ کرنا جائز و درست ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ ۱۲
مرتب غفرلہ

زینت کے لیے قرآنی آیات کا استعمال

سوال نامہ

اس موضوع سے متعلق سوال یہ تھا کہ:

(۱) کتابت یا کمپوزنگ میں اسماے جلالت، اسماے رسالت اور قرآنی آیات کو اس طرح لکھا جاتا ہے کہ گنبد، مینار یا محراب کی شکل بن جاتی ہے، بغور دیکھنے اور پڑھنے پر ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیات، یا اسماے مقدسہ ہیں اور کبھی یہ بہ آسانی ظاہر ہوتا ہے، ساتھ ہی گنبد و محراب کی شکل بھی معلوم ہوتی ہے۔

(۲) کبھی ان کلمات اور آیات کو اس طرح سیٹ کرتے ہیں کہ پھلوں، پھولوں یا پتوں کی شکل بن جاتی ہے۔

(۳) کبھی اس طرح کتابت یا کمپوزنگ ہوتی ہے کہ کسی جان دار کی شکل بن جاتی ہے۔

(۴) شادی یا کسی اور تقریب کے موقع پر رنگ برنگ کے جلتے بجھتے قمقموں اور بلبوں کو اس طرح سیٹ کیا جاتا ہے کہ لکھی ہوئی قرآنی آیات یا کلمہ طیبہ یا تسمیہ وغیرہ کی صورت بن جاتی ہے، یہ صورت دائیں بائیں چلتی، پھیلتی، سکڑتی، غائب ہوتی، ظاہر ہوتی نظر آتی ہے۔ ایسا آرائش و زیبائش کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس طرح کی نمائش کمپیوٹر کے ذریعہ بھی ہوتی ہے۔

ان سوالات کے جوابات میں جو امور طے ہوئے وہ درج ذیل ہیں:

فیصلہ (۵۱)

(۱) قرآنی آیات، اسمِ جلالت، اسمِ رسالت یا متفرق کلماتِ قرآنی یا غیر قرآنی کو اس طرح بنانا کہ کسی جان دار کی تصویر بن جائے، یہ جان دار کی صورت گری کی وجہ سے حرام و ناجائز ہے۔ مزید برآں شے معظم کا استخفاف بھی ہے۔

(۲) قرآنی آیات کو غیر ذی روح اشیا کی شکل میں اس طرح بنانا کہ رسمِ عثمانی کی مخالفت یا کسی حرف کی تقدیم و تاخیر ہو، یا کچھ غیر قرآنی حروف واشکال کی ملاوٹ ہو، یہ بھی ناجائز ہے۔

(۳) بہت سے نمونے بغور دیکھنے کے بعد یہی ظاہر ہوا کہ تزیین و آرائش کے طور پر بنی ہوئی شکلوں میں رسمِ عثمانی کی موافقت بھی نہیں رہتی، بعض حروف کی تقدیم و تاخیر، یا بعض حروف و اشکال کا اضافہ ہو جاتا ہے، اس لیے یہ فرض کرنا کہ کوئی تمام امور کی رعایت برقرار رکھتے ہوئے گنبد و محراب کی شکل بنائے، محض ایک مفروضہ ہوگا، اس لیے اس کی اجازت دینے کا معنی محض ایک فرضی اور خیالی چیز کی اجازت ہے۔

علاوہ ازیں قرآنی آیات کی کتابت کا مقصد یہ ہے کہ انھیں بہ آسانی پڑھ کر ان میں جو حکمت و موعظت ہے اس سے درس حاصل کیا جائے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرآنی آیات کو صاف واضح خط میں اصولِ کتابت اور رسمِ قرآنی کی پابندی کے ساتھ لکھا جائے، نہ یہ کہ پڑھنا اور سمجھنا دشوار بنانے کے ساتھ کسی پھل، یا عمارت، یا گنبد و محراب کا تصور پیدا کیا جائے۔ اس لیے بھی اس کی اجازت نہیں۔

اور اگر کسی حقیر اور بے وقعت چیز کی شکل دی گئی تو اس میں ایک وجہِ ممانعت مزید ہوگی۔ یعنی آیاتِ معظمہ یا کلماتِ معظمہ کو بہ شکل حقیر دکھانا۔

(۴) شادیوں میں قرآنی آیات، مقدس اسماء و کلمات کو جلتے بجھتے قمقموں کے ذریعہ اس طرح سیٹ کرنا کہ کلمات دائیں بائیں چلتے، پھیلتے، سکڑتے، ٹھہرتے، اچانک غائب ہوتے، ظاہر ہوتے نظر آئیں اور کلمات کے رقص کا سماں پیدا ہو، یہ ناجائز و حرام ہے۔

اور اگر ایسی صورت نہ ہو، ایک حالت پر ساکن رکھا جائے تو بھی محض آرائش کے لیے ان کلماتِ معظمہ کا استعمال ان کی عظمت کے خلاف اور ناجائز و گناہ ہے۔ اور قرآنی آیات میں بے وضو چھونا، شادی کے قبل و بعد ایسی جھالروں کو بے وقعتی سے رکھنا وغیرہ مفاسد بھی پائے جاتے ہیں اور رسمِ قرآنی کی پوری موافقت بھی عموماً نہیں ہوتی۔ یہ سب الگ اسباب حرمت ہیں۔

اس تفصیل سے کمپیوٹر میں ایسے کلمات و نقوش کو بے جا حرکتوں کے ساتھ دکھانے کا حکم بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر ایک حالت پر صحیح کتابت میں کمپیوٹر کے اندر دکھایا جائے تو حرج نہیں۔

⑤ اگر محفلِ مسلمین اور محفلِ کفار میں امتیاز کے لیے قمقموں کے ذریعہ کچھ غیر قرآنی کلمات دکھائے جائیں، مثلاً خوش آمدید، مرحبا، اہلاً و سہلاً، شادی مبارک، تو بہ نظرِ امتیاز اس کا جواز ہے۔ واضح رہے کہ عربی حروف بھی معظم اور خدا کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ اس لیے ان کا بھی ادب ملحوظ رکھنے کا حکم ہے۔

⑥ اسی طرح اگر کوئی شخص کلمۂ طیبہ یا تسمیہ لکڑی وغیرہ کے بورڈ پر صحیح انداز میں قمقموں کے ذریعہ سیٹ کر کے اپنے کمرے یا دوکان میں برکت کے لیے رکھے اور نامناسب حرکتوں کے بغیر انھیں روشن کرے تو بہ نظر تبرک اس کے لیے بھی جواز کا حکم ہے۔

⑦ آیاتِ قرآنیہ اور اسماے مبارکہ کو خوش خط لکھ کر خیر و برکت کے لیے گھر میں ادب و تعظیم کی جگہ رکھنا جائز ہے۔

⑧ سیب وغیرہ طیب و طاہر پھلوں اور کھانے کی چیزوں پر لکھ کر علاج کے لیے انھیں تناول کیا جائے، یہ بھی جائز ہے۔

⑨ یا خاص علامت وغیرہ کے لیے اس کی حاجت ہو، جیسے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صدقے کے اونٹوں کی ران پر "حَبِيْسٌ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ" لکھوانا یا درہم و دینار پر اسماے معظمہ لکھنا وغیرہ یہ بھی صورتِ جواز ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم و علمه أتم وأحکم.

انٹرنیٹ کے شرعی حدود

سوال نامہ

(۱) انٹرنیٹ پر اچھا، بُرا، مفید اور مضر سب کچھ ہے تو شرعاً انٹرنیٹ کا استعمال جائز ہے یا ناجائز، بصورتِ جواز انٹرنیٹ پر پھیلی برائیوں سے بچنے کی تدابیر کیا ہوں گی؟

(۲) اسلام مخالف مواد بھی انٹرنیٹ پر بہ کثرت ہے۔ اسلام وسنیت کے خلاف اعتراضات کا جواب دینے کے لیے دوسروں کی ویب سائٹس وزٹ کرنا ہوتی ہیں، جب کہ بہت سی ویب سائٹس پر جان داروں کی تصاویر ہوتی ہیں، تو کیا ان ویب سائٹس کا وزٹ کرنا جائز ہے۔ وزٹ نہ کرنے کی صورت میں یہ معلوم ہی نہیں ہوگا کہ ان ویب سائٹس پر اسلام مخالف کیا ہے اور نہ جاننے کی صورت میں جواب دینا بھی ممکن نہ ہوگا۔

(۳) انٹرنیٹ کا ایک آپشن ویڈیو کانفرنسنگ بھی ہے، اس میں باہم رابطہ کرنے والوں کی تصاویر مکمل نقل وحرکت کے ساتھ نظر آتی ہیں۔ مختلف ممالک میں بیٹھ کر علما اور دانش ور کسی موضوع پر تبادلۂ خیالات کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے اسی طرح ہم کلام ہوتے ہیں جس طرح ایک مجلس میں بیٹھ کر مباحثہ اور تبادلۂ خیالات کرتے ہیں۔ ان صورتوں میں انٹرنیٹ پر نقل وحرکت کرتی ہوئی تصویریں نظر آتی ہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ ویڈیو کانفرنسنگ جائز ہے یا نہیں؟

فیصلہ (۵۲)

(۱) سوال (۱) کے جواب میں یہ طے ہوا کہ انٹرنیٹ بذاتِ خود ایک آلہ ہے، جو استعمال کرنے والے کے لحاظ سے جائز، ناجائز کوئی بھی کام انجام دے سکتا ہے۔ اگر اس کا استعمال جائز امور کے لیے کسی محظور شرعی کی آمیزش کے بغیر ہو تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ انٹرنیٹ کے ذریعہ بہت سی اخلاقی برائیاں بھی پھیلائی جارہی ہیں، جن سے نئی نسل خصوصاً بچوں اور نوجوانوں کو بچانا ضروری ہے، اس کی ممکنہ تدابیر عمل میں لائی جائیں اور اپنے تمام متعلقین کو مناسب ذرائع سے جائز و مفید کاموں میں لگایا جائے۔

(۲) سوال (۲) کے جواب میں یہ طے ہوا کہ اسلام و سنیت کے خلاف جو کثیر مواد انٹرنیٹ کے ذریعہ پھیلایا جارہا ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس سے زیادہ موثر انداز میں انٹرنیٹ کے ذریعہ اسلام و سنیت کی اشاعت و حمایت میں جواب دیا جائے۔ بلکہ کچھ لائق افراد کو انٹرنیٹ ٹیکنالوجی کا ماہر بنایا جائے اور انھیں اشاعتِ حق و جواب اہلِ باطل کے کاموں پر مامور کیا جائے۔ اور ان کے مصارف بھی برداشت کیے جائیں۔ تاکہ موجودہ حالات کے مطابق ارشادِ ربانی: "وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" کی ذمہ داری سے ہم عہدہ برآ ہو سکیں۔

(۳) سوال (۳) کے جواب میں طے پایا:

[۱]- اکثر شرکائے سیمینار ویڈیو کانفرنسنگ میں نظر آنے والے ذی روح کے منظر کو محفوظ ہونے سے قبل عکس کے حکم میں مانتے ہیں، ان کے نزدیک یہ ویڈیو کانفرنسنگ مباح امور سے متعلق جائز ہے۔

[۲]- کچھ شرکائے سیمینار نظر آنے والے ذی روح کے منظر کو محفوظ ہونے سے قبل بھی تصویر مانتے ہیں، ان کے نزدیک بلا حاجتِ شرعیہ ویڈیو کانفرنسنگ ناجائز ہے۔

[۳]- محفوظ ہونے کے بعد ذی روح کا منظر سب کے نزدیک تصویر ہے اور ہر دو طبقہ کے نزدیک بلا حاجتِ شرعیہ یہ ویڈیو کانفرنسنگ ناجائز ہے۔

[۴]- حاجتِ شرعیہ ہو تو ہر طبقہ بہر صورت ویڈیو کانفرنسنگ جائز سمجھتا ہے۔

[۵]- کچھ مواقعِ حاجت یہ ہیں، جو ان کے اہل کے لیے جائز ہیں:

(الف) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مواد پر مشتمل ویب سائٹس وغیرہ کی تحقیق۔

(ب) اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جواب دینا اور دفاع کرنا۔

(ج) دعوت و تبلیغِ اسلام و سنیت کا فریضہ انجام دینا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

شرکائے سیمینار

(اکابر)

(۱) عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ مصباحی دام ظلہ، سرپرست مجلس شرعی و سربراہِ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور
(۲) صدر العلما حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ، صدر مجلس شرعی و صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۳) محدث جلیل حضرت مولانا عبد الشکور عزیزی دام ظلہ، شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴) حضرت مولانا مفتی مجیب اشرف دام ظلہ مہتمم جامعہ امجدیہ، گانجہ کھیت، ناگ پور
(۵) مفتی مالوہ حضرت مولانا مفتی حبیب یار خاں دام ظلہ، مہتمم دار العلوم نوری، اندور

اصحاب مقالات

(۶) مفتی محمد نظام الدین رضوی — ناظم مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷) حضرت مولانا محمد نصر اللہ رضوی — استاذ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۸) حضرت مولانا مفتی محمد معراج القادری مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹) حضرت مولانا بدر عالم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰) حضرت مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی — استاذ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۱) حضرت مولانا صدر الوریٰ مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۲) حضرت مولانا آل مصطفیٰ اشرفی مصباحی — استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی، مئو
(۱۳) حضرت مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۴) حضرت مولانا مفتی انفاس الحسن چشتی — استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف
(۱۵) حضرت مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی — مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو
(۱۶) حضرت مولانا مفتی محمد نسیم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷) حضرت مولانا مفتی زاہد علی سلامی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۸) حضرت مولانا اختر کمال قادری مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۹) حضرت قاضی مولانا فضل احمد مصباحی — مدرسہ ضیاء العلوم، کچی باغ، بنارس
(۲۰) حضرت مولانا محمد انور علی نظامی مصباحی — مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ

(۲۱) حضرت مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۲) حضرت مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	دارالعلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی
(۲۳) حضرت مولانا محمد رفیق عالم رضوی مصباحی	جامعہ نوریہ، بریلی شریف
(۲۴) حضرت مولانا مفتی ابرار احمد امجدی	مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج، بستی
(۲۵) حضرت مولانا مفتی ابرار احمد اعظمی	دار لعلوم ندائے حق، جلال پور
(۲۶) حضرت مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی	جامعہ انوار القرآن، بلرام پور
(۲۷) حضرت مولانا منظور احمد عزیزی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۸) حضرت مولانا مفتی محمد عالم گیر مصباحی	دارالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۲۹) حضرت مولانا ساجد علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۰) حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۱) حضرت مولانا دستگیر عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۲) حضرت مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور۔

مقالہ نگار حضرات جو کسی وجہ سے شریک سمینار نہ ہو سکے

(۳۳) حضرت مفتی محمد سفیان نعیمی	جامعہ نعیمیہ، مراد آباد
(۳۴) حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ نعیمی مصباحی	پچپڑوا، بلرام پور
(۳۵) حضرت مولانا مفتی شہاب الدین نوری	دارالعلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۳۶) حضرت مولانا شبیر احمد مصباحی	مہراج گنج
(۳۷) حضرت مولانا شمشاد احمد مصباحی	جامعہ امجدیہ، رضویہ، گھوسی، مئو
(۳۸) حضرت مولانا مفتی شیر محمد خاں رضوی	دارالعلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۳۹) حضرت مولانا عبد السلام رضوی مصباحی	تلسی پور
(۴۰) حضرت مولانا مفتی معین الدین اشرفی مصباحی	دارالعلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۴۱) حضرت مولانا محسن ہادی	جام نگر، گجرات
(۴۲) حضرت مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مہراج گنج
(۴۳) حضرت مولانا شیر محمد خاں رضوی مصباحی	دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۴۴) حضرت مولانا احمد رضا مصباحی	مدرسہ تنویر الاسلام، امرڈوبھا، سنت کبیر نگر

(۴۵) حضرت مولانا محمود علی مشاہدی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۶) حضرت مولانا محمد قاسم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۷) حضرت مولانا نور احمد قادری — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۸) حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۹) حضرت مولانا محمد شاہد رضا مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۰) حضرت مولانا عابد رضا مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۱) حضرت مولانا کہف الوریٰ مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۲) حضرت مولانا قطب الدین رضا مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۳) حضرت مولانا شبیر احمد مصباحی — گجرات

بقیہ شرکاے سمینار

(۵۴) حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی مصباحی — مانچسٹر
(۵۵) حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی — دہلی
(۵۶) حضرت مولانا محمد ادریس مصباحی — بستی
(۵۷) حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی — چریاکوٹ، مئو
(۵۸) حضرت مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی — مرادآباد
(۵۹) حضرت مولانا عبد الحق رضوی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۰) حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۱) حضرت مولانا قاری جلال الدین صاحب — روناہی فیض آباد
(۶۲) حضرت مولانا محمد مسعود برکاتی مصباحی — مکہ مسجد، گارلینڈ، ٹکساس، امریکہ
(۶۳) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۴) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۵) حضرت مولانا قاضی شہید عالم رضوی — بریلی شریف
(۶۶) حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۷) حضرت مولانا بشیر القادری — گریڈیہ
(۶۸) حضرت مولانا محمد عرفان عالم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۶۹) حضرت مولانا غلام مصطفیٰ قادری	گجرات
(۷۰) حضرت مولانا محمد سعید صاحب	روناہی، فیض آباد۔
(۷۱) حضرت مولانا مفتی اشرف رضا	ممبئی
(۷۲) حضرت مولانا محمد شاہد علی نوری	ممبئی
(۷۳) حضرت مولانا معین الحق علیمی	ممبئی
(۷۴) حضرت مولانا مفتی محمد زبیر مصباحی	ممبئی
(۷۵) حضرت مولانا مفتی محمد اختر رضا مصباحی	ممبئی
(۷۶) حضرت مولانا مفتی توفیق احسن برکاتی مصباحی	ممبئی
(۷۷) حضرت مولانا سید اکرام الحق مصباحی	ممبئی
(۷۸) حضرت مولانا قاری محمد شرف الدین مصباحی	ممبئی
(۷۹) حضرت مولانا افتخار اللہ مصباحی	ممبئی
(۸۰) حضرت مولانا مظہر حسین علیمی	ممبئی
(۸۱) حضرت مولانا صادق رضا مصباحی	ممبئی
(۸۲) حضرت مولانا اسید رضا سعدی	ممبئی
(۸۳) حضرت مولانا محمد عرفان علیمی	ممبئی
(۸۴) حضرت مولانا سرفراز نجمی	ممبئی
(۸۵) حضرت مولانا محمد خالد رضا نجمی	ممبئی
(۸۶) حضرت مولانا غلام غوث محی الدین نجمی	ممبئی
(۸۷) حضرت مولانا محمد اصغر رضا رضوی	ممبئی
(۸۸) حضرت مولانا زاہد الرحمٰن نوری	ممبئی
(۸۹) حضرت مولانا محمد سالک حسین مصباحی	ممبئی
(۹۰) حضرت مولانا نور عالم مصباحی	ممبئی
(۹۱) حضرت مولانا غلام حسین مصباحی	ممبئی
(۹۲) حضرت مولانا عبد الستار مصباحی	ممبئی
(۹۳) حضرت مولانا ارشاد احمد مصباحی	ممبئی

(۹۴) حضرت مولانا نور الحق مصباحی	ممبئی
(۹۵) حضرت مولانا محمد شریف امجدی	ممبئی
(۹۶) حضرت مولانا مفتی محمد شکیل مصباحی	بھیونڈی
(۹۷) حضرت مولانا مفتی محمد محبوب رضا مصباحی	بھیونڈی
(۹۸) حضرت مولانا شمس الدین مصباحی	بھیونڈی
(۹۹) حضرت مولانا انوار نظامی	بھیونڈی
(۱۰۰) حضرت مولانا مفتی اسلم مصباحی	بھیونڈی
(۱۰۱) حضرت مولانا ابرار احمد مصباحی	بھیونڈی
(۱۰۲) حضرت مولانا اسلم مصباحی	بھیونڈی
(۱۰۳) حضرت مولانا احمد رضا یمنی شافعی	بھیونڈی
(۱۰۴) حضرت مولانا اظہار احمد قادری	بھیونڈی
(۱۰۵) حضرت مولانا نفیس احمد	بھیونڈی
(۱۰۶) حضرت مولانا عبد اللہ نجمی	بھیونڈی
(۱۰۷) حضرت مولانا سید عمران نجمی	بھیونڈی
(۱۰۸) حضرت مولانا عظمت اللہ مصباحی	بھیونڈی
(۱۰۹) حضرت مولانا ابو الحسن قادری	بھیونڈی
(۱۱۰) حضرت مولانا تہذیب الاسلام مصباحی	بھیونڈی
(۱۱۱) حضرت مولانا لئیق قادری	بھیونڈی
(۱۱۲) جناب قاری نذر عالم صاحب	بھیونڈی
(۱۱۳) جناب قاری صدیق صاحب	بھیونڈی
(۱۱۴) جناب و قاری عزیزی صاحب	بھیونڈی
(۱۱۵) جناب قاری ریاض الدین اشرفی	ممبئی
(۱۱۶) جناب مولانا شوکت علی رضوی	کلیان

توثیقی دستخط

امین ملت حضرت سید محمد امین قادری برکاتی، سجادہ نشین خانقاہ عالیہ قادریہ، مارہرہ مطہرہ

انیسواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۱۹/ ۲۰/ ۲۱/ صفر ۱۴۳۳ھ
مطابق ۱۴/ ۱۵/ ۱۶/ جنوری ۲۰۱۲ء
بروز شنبہ، یک شنبہ، دو شنبہ
بمقام: دار العلوم امجدیہ، بھیونڈی، مہاراشٹر

فیصلہ ۵۳ - بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں
فیصلہ ۵۴ - فلیٹوں کی زکاۃ
فیصلہ ۵۵ - مسئلہ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں
فیصلہ ۵۶ - ڈی این اے ٹسٹ اسلامی نقطۂ نظر سے
☆ - شرکاے سیمینار

فیصلہ (۵۳)

بینکوں کی ملازمت شریعت کی روشنی میں

بینکوں کی ملازمت کا حکم واضح کرنے کے لیے یہ جائزہ لینا ضروری ہے کہ بینک میں کیا کام انجام دیے جاتے ہیں۔ کچھ باتیں سوال نامہ میں بیان کر دی گئی تھیں، اور ایک صورت ''قرض کی فراہمی بشرط واپسی بہ زیادتی'' بھی بیان کی گئی تھی جسے نظر میں رکھتے ہوئے مقالات لکھے گئے اور دلائل وآرا کا خلاصہ آج کی نشست میں پیش ہوا، پھر بینک کے ایک ریٹائرڈ آفیسر جناب ضیاء الدین منیار، ساکن ناسک، مہاراشٹر کی فراہم کردہ معلومات پیش کی گئیں جن سے ملازمین کے درجات، اقسام اور متعلقہ امور پر روشنی پڑتی ہے، وہ کچھ اس طرح ہیں۔

ملازمین: (۱) منیجر (۲) اکاؤنٹینٹ (۳) آفیسرس (۴) ہیڈ کیشیر (۵) کیشیر (۶) کلرکس (۷) چپراسی (۸) واچ مین۔

منیجر، بینک کے سارے معاملات اور اسٹاف کے کاموں کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اکاؤنٹنٹ، منیجر کا ماتحت ہوتا ہے اور آفیسروں اور کلرکوں سے کام لینے اور ان کے کام جانچنے، درست کرنے، کرانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔

آفیسرز کئی طرح کے ہوتے ہیں: لون آفیسر، سیونگ آفیسر، کرنٹ آفیسر، ڈپوزٹ آفیسر، بلس آفیسر۔ پھر ہر آفیسر کی ماتحتی میں ایک یا زیادہ کلرک ہوتے ہیں، اور اپنی متعلقہ ذمہ داری انجام دیتے ہیں۔ آفیسروں یا کلرکوں میں سے کوئی اگر غیر حاضر ہوتا ہے تو اس کا کام کسی دوسرے آفیسر یا کلرک سے لیا جاتا ہے۔

ہیڈ کیشیر کا کام کیش پر پورا کنٹرول رکھنا اور پبلک کو پے منٹ کرنا ہوتا ہے، اس کی حیثیت بینک کے دل کی ہوتی ہے اور پورا بینک ایک طرح اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

چپراسی کئی طرح کے ہوتے ہیں، اور آفیسروں یا کلرکوں کی ہدایت پر چھوٹے چھوٹے کام انجام دیتے ہیں۔

اس تفصیل کی روشنی میں قرض دینے اور زائد رقم اور اصل قرض وصول کرنے کے ذمہ دار (۱) منیجر (۲) اکاؤنٹنٹ (۳) لون آفیسر (۴) لون کلرک ہوتے ہیں۔

مگر بینک میں صرف یہی کام نہیں ہوتا، اور بھی اہم کام ہوتے ہیں۔

(۱) اکثر حضرات اس خیال سے بینک کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ اپنا سرمایہ بینک کی حفاظت میں رکھیں اور خود رکھنے میں جن خطرات کا اندیشہ ہے ان سے محفوظ رہیں اور حسب ضرورت اپنا سرمایہ بینک سے واپس لے کر اپنے کاموں میں استعمال کریں، بینک ان اموال کی حفاظت اور حسبِ طلب ان کی واپسی کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس کی انجام دہی میں منیجر، آفیسر، کلرک وغیرہ سب کو لگنا پڑتا ہے۔

(۲) بینک جمع شدہ رقوم کو نفع بخش تجارتوں میں بھی لگاتا ہے اور اس سے متعلق امور اپنے ملازمین کے ذریعہ انجام دیتا ہے۔

(۳) ترسیلِ زر اور اموال کے تحفظ کا کرایہ بھی وصول ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ تینوں کام جائز ہیں، خصوصاً اول الذکر کام میں عوام کا فائدہ اور ان کی زبردست اعانت بھی ہے۔ اس لیے ان تینوں امور سے متعلق ملازمت بھی بلا اختلاف جائز ہے۔

اب رہ گیا یہ کہ بینک سے مسلمان قرض لیتے ہیں اور اس کے ساتھ اصل قرض کی واپسی کے علاوہ حسبِ شرط مقررہ زائد رقم بھی دینی پڑتی ہے اور منیجر، اکاؤنٹنٹ، لون آفیسر، لون کلرک اس معاملے میں معاون ہوتے ہیں، اس لیے صرف یہی صورت غور طلب ہے۔

لیکن ایسے قرض کی تمام صورتیں حرام نہیں بلکہ بہت سی مباح بھی ہیں، جن کی قدرے تفصیل یہ ہے:

(۱) مسلمان انکم ٹیکس کے ضررِ کثیر سے بچنے کے لیے قرض لے اور اس کی میعاد پر ادا کر دے تاکہ انٹرسٹ، انکم ٹیکس سے کم رہے۔

(۲) چھوٹ پر لیے جانے والے قرضے، جب کہ واجب الادا قرض کی ادائگی میں اتنی دیر نہ کرے کہ انٹرسٹ بڑھ کر اصل سرمایۂ قرض یا چھوٹ کی مقدار سے بڑھ جائے۔

(۳) ایسے کام کے لیے قرض لیا جائے جس میں انٹرسٹ سے زیادہ نفع کا ظن غالب ہو۔

(۴) سخت احتیاج کی وجہ سے بقدر حاجت قرض لے اور ظن غالب ہو کہ وہ قرض ضرور ادا کر دے گا۔

(۵) اس طرح کا قرض بینک سے غیر مسلم حاصل کرے اور ملازمین اس کے کاغذات اور دستاویزات تیار کریں۔

اس سلسلے میں ایک کھلی ہوئی بات یہ ہے کہ بینک کا ملازم مستقرض کے استقراض کے اسباب جاننے کا

ذمہ دار نہیں ہوتا (اور وہ اس سے غرض بھی نہ رکھے) وہ یہ دیکھتا ہے کہ مستقرض کو قرض دینے کی اجازت بینک کی جانب سے ہے تو وہ اس کے کاغذات کی تکمیل کر کے معاملے کی تکمیل کر دیتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ مستقرض اپنے استقراض میں کسی گناہ کا مرتکب ہے یا نہیں، اس لیے گناہ پر تعاون اس کے قصد و خیال سے بہت دور ہوتا ہے تو معاملہ قرض کی تکمیل میں اسے گنہ گار قرار نہیں دیا جاسکتا۔

البتہ جو لوگ بلا وجہ جواز زائد نفع دینے کی شرط پر قرض لیتے ہیں انھیں اس سے بچنا ضروری ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بینک کے بہت سے یا اکثر کام واضح طور پر جائز و درست ہیں، ہاں قرض کی صورتیں غور طلب تھیں، جن کی تفصیل بیان کر دی گئی، ساتھ ہی مسلم کی ملازمت سے خود اس ملازم، اس کے متعلقین اور دیگر حضرات کی منفعت اور سہولت بھی ہے اس لیے حکم یہ ہے کہ مفصلہ بالا حالات میں بینکوں کی ملازمت جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فلیٹوں کی زکاۃ

سوال نامہ

بڑے بڑے شہروں میں عموماً آسانی سے زمین دستیاب نہیں ہوپاتی، اور مکانات کی تعمیر میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آتی ہیں، بلڈروں کے ذریعہ فلیٹوں کی خرید و فروخت کا رواج بہت عام ہو چکا ہے، یہ بلڈر بسا اوقات ایسی زمین خرید لیتے ہیں جو پہلے ہی سے کرایہ داروں کے قبضہ میں ہوتی ہے اور سالہا سال تک ان سے زمین خالی نہیں کرا پاتے، پھر کسی طرح زمین خالی ہوتی ہے تو اس پر فلیٹوں کا کام شروع ہوتا ہے، اور کم و بیش دو تین سال میں تکمیل کے مرحلے تک پہنچتا ہے۔

☆- اس مرحلے میں پہنچ کر زیادہ تر بلڈر فلیٹوں کو بیچ دیتے ہیں اور دام قسط وار وصول کرتے رہتے ہیں.

☆- کچھ یہ طے کر لیتے ہیں کہ فلیٹوں کو فروخت نہ کریں گے، کرایہ پر دے کر آمدنی حاصل کریں گے۔

☆- اور کچھ بلڈر ایسا کوئی فیصلہ تو نہیں کرتے، مگر ان کا ارادہ یہ ہو جاتا ہے کہ وہ کرایے پر فلیٹ اٹھا دیں گے۔

ایسی زمین اور فلیٹوں کی زکاۃ کا مسئلہ مختلف حیثیتوں سے تنقیح طلب تھا، اس لئے درج ذیل سوالات زیر بحث آئے۔

(۱) سالہا سال تک زمین کرایے داروں کے قبضے میں رہی تو اتنے برسوں تک خریدنے والے بلڈر کے ذمہ کرایے کی زکاۃ واجب ہوگی یا زمین کی یا دونوں کی؟

(۲) جس بلڈر نے یہ طے کر لیا کہ وہ فلیٹوں کو فروخت نہ کرے گا بلکہ انھیں کرایے پر دے گا تو وہ زکاۃ کرایے کی دے یا فلیٹ کی؟

(۳) جس بلڈر نے ایسا کوئی فیصلہ تو نہ کیا، مگر اس کا ارادہ یہ ہوا کہ فلیٹوں کو کرایہ پر دے گا، پھر اسی کے مطابق عمل بھی کیا تو وہ زکاۃ کس چیز کی دے، فلیٹوں کے ثمن کی، یا کرایے کی؟ اگر کرایے کی دے تو فوراً، یا کرایے پر قبضہ کے وقت سے سال گزرنے پر؟

[موضوع کے تمام ضروری گوشوں پر بحثیں ہوئیں، اور مندوبین کرام کے اتفاق رائے سے تمام گوشوں کا فیصلہ ہوا۔]

فیصلہ (۵۴)

(۱۰) پہلے سوال کے جواب میں طے ہوا کہ زکاۃ کرایے پر (اپنے شرائط کے ساتھ) واجب ہوگی اور سال گزرنے کا لحاظ زمین کا مالک ہونے کے وقت سے ہوگا، کیوں کہ یہ زمین مالِ تجارت ہے، جو کرایے پر ہے اور کرایہ کی حیثیت مالِ تجارت کے ثمن کی ہوتی ہے، تو جیسے زکاۃ ثمن کی واجب ہوتی ہے اور سال گزرنے کا اعتبار مالِ تجارت کا مالک ہونے کے وقت سے ہوتا ہے، ویسے ہی یہاں زکاۃ کرایے کی واجب ہوگی اور سال گزرنے کا اعتبار زمینِ تجارت کا مالک ہونے کے وقت سے ہوگا۔ خانیہ میں ہے:

إذا آجر داره أو عبده بمأتَي درهمٍ لا تجب الزكاة ما لَم يحل الحولُ بعد القبض في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. فإن كانت الدار والعبد للتجارة و قبض أربعين درهماً بعدالحول كان عليه درهم بحكم الحول الماضى قبل القبض؛ لأن أجرة دارِ التجارة وعبد التجارة بمنزلة ثمن مالِ التجارة في الصحيح من الرواية. اهـ (۱)

اس پر یہ اشکال وارد کیا گیا کہ جب تک زمین و مکان کرایہ دار کے قبضہ میں ہوتے ہیں، اس وقت تک کرایہ دار کی مرضی کے بغیر خریدار اس زمین و مکان پر قبضہ نہیں کرپاتا تو یہ ایک غیر مقدورُ التسلیم شے کی بیع ہوئی جو جائز نہیں۔ پھر زمین کی قیمت یا اس کے کرایے پر زکاۃ کیوں کر واجب ہوگی؟

اس کے جواب میں یہ کہا گیا کہ حکومتِ ہند کے نزدیک تسلیم شدہ کرایہ داری کے قوانین کی بنا پر رجسٹری کے بعد قانونی طور پر خریدار کو زمین خالی کرانے کا حق حاصل ہے، اگرچہ کرایہ دار اسے خالی کرنے پر آمادہ نہ ہو، اس لیے وہ مقدورُ التسلیم ہے اور اس کی بیع جائز و درست ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

---

(۱) فتاویٰ قاضی خان علیٰ هامش الفتاویٰ الهندية، كتاب الزكاة، فصلٌ في مال التجارة، ص:۲۵۳، ج:۱، کوئٹہ، پاکستان

"عمرو نے جس وقت خالد کے ہاتھ بیع کی اگر عمرو اس وقت گواہان عادل شرعی اس امر پر رکھتا تھا کہ یہ مکان میری ملک ہے، بکر و بائعِ بکر غاصب ہیں جب تو بیع عمرو بدست خالد صحیح و تام و نافذ واقع ہوئی، مکان ملکِ خالد ہو گیا، خالد کا دعویٰ صحیح ہے بوجہِ وجود بیّنہ عادلہ عمرو کو حکماً قدرۃ علی التسلیم حاصل تھی اور اسی قدر صحت و نفاذِ بیع کے لیے کافی ہے، حقیقۃً مقدور التسلیم فی الحال ہونا کسی کے نزدیک ضرور نہیں۔
غلام کو کسی کام کے لیے ہزار کوس پر بھیجا، اور یہاں اسے بیع کر دیا، بیع صحیح ہو گئی کہ عادۃً اس کا واپس آنا مظنون ہے، اگرچہ احتمال ہے کہ سرکشی کرے اور بھاگ جائے... رجوع مرجو ہے تو قدرۃ علی التسلیم حکماً حاصل ہے، یوں ہی جب بیّنہ عادلہ موجود ہے تو ڈگری ملنے کی امید قوی ہے تو یہاں بھی قدرتِ حکمیہ حاصل، اور یہی بس ہے۔"(۱)

بحث کے دوران یہ گوشہ سامنے آیا کہ اگر بلڈر نے تجارت کی نیت سے عشری یا خراجی زمین خریدی تو کیا اس پر حسبِ ترتیب عشر و خراج واجب ہوں گے، یا تجارت کی زکاۃ، یا دونوں کی؟

اس کے جواب میں یہ طے پایا کہ جب بلڈر نے وہ زمین تجارت کی نیت سے خریدی ہے تو اس پر تجارت ہی کی زکاۃ واجب ہوگی کہ وہ مالِ تجارت ہے، ہاں! اگر عشری زمین خریدی اور اس میں کاشت کی تو اس پر صرف عشر واجب ہوگا، زکاۃ واجب نہ ہوگی کہ ایک مال سے شریعت کے دو حق ایک ساتھ متعلق نہیں ہوتے۔ اور اگر کاشت نہیں کی تو چوں کہ خریدنے کے وقت تجارت کی نیت تھی اس لیے اس صورت میں اس پر زکاۃِ تجارت ہوگی۔ عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

رجل اشترى أرض عشر أو خراج للتجارة لم يكن عليه زكاة التجارة مع العشر أو الخراج عندنا ... لنا: أن المحل واحد؛ لأن كلا منهما مؤنة الأرض النامية، وكذلك الزكاة وظيفة المال النامي وهو الأرض، وكل منهما يجب حقا لله تعالىٰ، فلا يجب بسبب ملك مال واحد حقان لله تعالىٰ كما لا تجب زكاة السائمة وزكاة التجارة باعتبار مال واحد. (۲)

درِ مختار میں ہے:

وكما لو شرى أرضا خراجية ناوياً التجارة أو عشرية وزرعها، أو بذراً للتجارة وزرعه لا يكون للتجارة لقيام المانع. اهـ ملتقطاً.

ردالمحتار میں ہے:

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب البیوع، ج:۷، ص:۱، ۲، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۲) عنایہ علی ہامش فتح القدیر، ج:۶، ص:۳۹، ۴۰، برکاتِ رضا، پوربندر، گجرات

ومفهومه أنه إذا لم يزرعها تجب زكاة التجارة فيها لعدم وجوب العشر فلم يوجدالمانع ،أما الخراجية فالمانع موجود و هو الثنى و إن عطلت. (۱)

اوراسی سے پہلے یہ عبارت بھی ہے:

لا زكاة فيما نواه للتجارة من نحو أرض عشرية أو خراجية لئلا يودى الى تكرار الزكاة؛ لأن العشر أو الخراج زكاة أيضاً. (۲)

۲ دوسرے سوال کے جواب میں یہ طے پایا کہ بلڈر نے جب یہ نیت کرلی کہ وہ فلیٹ فروخت نہ کرے گا، بلکہ کرایے پر دے گا تو وہ بلڈنگ مالِ تجارت نہ رہی، بلکہ اس کی نیت کے مطابق آلۂ کسب ہوگئی، تو اب بلڈنگ پر زکاۃ واجب نہ ہوگی۔ البتہ جب وہ فلیٹ کرایے پر دے دے اور کرایے کی آمدنی ساڑھے باون تولے (۶۵۳ گرام، ۱۸۴ ملی گرام) چاندی کی قیمت کے برابر حاصل ہوجائے یا دوسرے اموال مثل سونا، چاندی، روپیہ وغیرہ کے ساتھ شامل کرکے ہوجائے اور حاجتِ اصلیہ سے خالی رہتے ہوئے اس پر سال گزر جائے تو اس کرایے کی آمدنی پر زکاۃ واجب الادا ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

مآخذ

① من اشترىٰ جارية للتجارة ونواها للخدمة بطلت عنها الزكاة. (۳)

② ولو اشتراها بنية التجارة ثم نوىٰ أن لا تكون للتجارة خرجت من كونها للتجارة. (۴)

③ وإن كانت للتجارة فرعاها ستة أشهر أو أكثر لم تكن سائمة إلا أن ينوى أن يجعلها سائمة بمنزلة عبد التجارة إذا أراد أن يخدمه سنين فيستخدمه فهو للتجارة على حاله إلا أن ينوى أن يخرجه من التجارة للخدمة. كذا فى الخلاصة. اهـ.(۵)

④ و منها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس فى دور السكنى ... زكاة ...

---

(۱) درمختار، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة، ص:۱۹۵، ج:۳، دار الكتب العلمية، بيروت.

(۲) رد المحتار، كتاب الزكاة، قبيل باب السائمة، ص:۱۹۵، ج:۳، دار الكتب العلمية، بيروت

(۳) فتاوىٰ هنديه، ج:۱، ص:۱۷٤، مبحث كون النصاب ناميا، كوئٹه، پاكستان.

(۴) فتاوىٰ تاتارخانيه، ج:۲، ص:۱۸

(۵) هنديه، كتاب الزكاة، باب ثانى، فصل اول، ج:۱، ص:۱۷۷، خانيه بر هامش هنديه ۱/ ۲٤۵، كوئٹه، پاكستان

وکذا... آلات المحترفین، کذا فی السراج الوهاج. اھ.(۱)

⑤ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"مکانات پر زکاۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں، کرایہ سے جو سالِ تمام پر پس انداز ہوگا، اس پر زکاۃ آئے گی، اگر خود یا اور مال سے مل کر قدرِ نصاب ہو۔" (۲)

③ آخری سوال یہ تھا کہ بلڈر نے زمین بہ نیت تجارت خریدی پھر بعد میں اسے کرایے پر دے دیا مگر اس کا عزم کرایے پر رکھنے کا نہیں ہے تو اس کا حکم ٹھیک وہی ہے جو پہلی صورت کا ہے کہ زمین مالِ تجارت ہے اور کرایہ پر دینے کی وجہ سے وہ آلۂ کسب کی طرح نہ ہوئی، بلکہ اس کا کرایہ اس کے ثمن کے درجے میں ہے، اس لیے زکاۃ اسی کرایے کی واجب ہوگی، اور سالِ زکاۃ کا شمار اس زمین کا مالک ہونے کے وقت سے ہوگا، دلیل خانیہ کی وہی عبارت ہے:

لأن أجرة دارالتجارة بمنزلة ثمن مال التجارة. واللہ تعالیٰ أعلم.

(۱) فتاویٰ ہندیہ، کتاب الزکاۃ، باب اول، ج:۱، ص:۱۷۲، کوئٹہ، پاکستان
(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب الزکاۃ، ج:۳، ص:۴۲۸، رضا اکیڈمی، ممبئی

فیصلہ (۵۵)

مسئلہ کفاءت عصر حاضر کے تناظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. حامداً و مصلیاً

اللہ عزوجل کے نزدیک سب سے زیادہ معزز اور شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ شعار ہو، خواہ وہ کسی نسب یا پیشے سے منسلک ہو اور مختلف قبائل اور ذات میں ان کی تقسیم باہمی امتیاز و تعارف کے لیے ہے۔ چناں چہ ارشادِ ربانی ہے:

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَ جَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ (۱)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

• ”تحقیق مقام یہ ہے کہ مدارِ نجات تقویٰ ہے لہٰذا محض تقویٰ بس ہے، اگر چہ شرفِ نسب و تکمیلِ علومِ رسمیہ نہ ہو اور مجرد شریف القوم یا ملاّ صاحب کہلانا کافی نہیں جب کہ تقویٰ اصلاً نہ ہو۔ حدیث: من أبطأ به عمله لم يسرع به نسبه. (جس کا عمل سست ہو اس کو اس کا نسب تیز نہیں کر سکتا) کے یہی معنی ہیں، نہ یہ کہ فضل نسب شرعاً محض باطل و مہجور، بلکہ شرع مطہر نے متعدد احکام میں فرق نسب کو معتبر رکھا ہے۔ اور سلسلۂ طاہرہ، ذریتِ عاطرہ میں انسلاک و انتساب ضرور آخرت میں بھی نفع دینے والا ہے۔“(۲)

• ”ہاں نسب پر فخر جائز نہیں، نسب کے سبب اپنے کو بڑا جان کر تکبر کرنا جائز نہیں، دوسروں کے نسب پر طعن کرنا جائز نہیں، انھیں کم نسبی کے سبب حقیر جاننا جائز نہیں، نسب کو کسی کے حق میں عار یا گالی سمجھنا جائز نہیں، اس کے سبب کسی مسلمان کا دل دکھانا جائز نہیں، احادیث جو اس باب میں آئیں انھیں معانی کی طرف

---

(۱) قرآن مجید، سورۃ الحجرات ۴۹، آیت: ۱۳

(۲) إراءة الأدب لفاضل النسب، ص: ٤. مشموله فتاوىٰ رضويه مترجم، ج: ۲۳، ص: ۲۰۱

ناظر ہیں۔"(۱)

آخرت میں عزت وسربلندی کا مدار ایمان، علم اور تقویٰ پر ہے۔ دنیا میں بھی اسلامی نقطۂ نظر سے اہلِ اسلام کو چاہیے کہ ایمان اور علم وتقویٰ ہی کو عزت وشرافت کا معیار بنائیں۔ مسلم معاشرے میں یہ معیار بالکل نظر انداز تو نہ ہوا مگر پوری طرح برپا بھی نہ ہوا۔ ہر دور میں لوگ قبیلہ ونسب، مال ودولت، صنعت وحرفت، دنیوی منصب وجاہ وغیرہ سے بھی متاثر ہوتے رہے اور اپنے بہت سے دنیوی امور میں ان کا لحاظ کرتے رہے۔ انھیں امور میں سے ایک امر نکاح بھی ہے۔ لوگ اپنی لڑکیوں کا رشتہ کرنے کے لیے ایسے لڑکے تلاش کرتے جو ان کے ہم سر اور برابر مانے جاتے ہوں، کم تر نہ شمار ہوتے ہوں، اگر ایسا نہ ہوتا تو لڑکی کا زندگی گزارنا مشکل ہوتا اور لڑکی والوں کے لیے بھی کم تر سے رشتہ قائم کرنا ننگ وعار اور سوسائٹی کی طرف سے طعن وتشنیع کا سبب بنتا، آدمی پوری طرح اسلامی نقطۂ نظر رکھتے ہوئے بھی ننگ وطعن کے تیروں کا زخم سہنے سے قاصر ہوتا، اور عافیت اسی میں جانتا کہ اپنے ہم سروں میں ہی رشتہ قائم کرے۔

اس صورتِ حال کو اسلامی شریعت نے بھی یکسر نظر انداز نہ کیا۔ در اصل انسانوں کے درمیان جو رشتۂ ازدواج منعقد ہوتا ہے وہ محض عارضی ووقتی نہیں ہوتا بلکہ عموماً پوری زندگی کی رفاقت، نہ صرف دو جانوں کی رفاقت بلکہ دو خاندانوں کی قرابت، ایک صالح نسل کی ولادت، تعلیم وتربیت اور ایک اچھے معاشرے کی تشکیل کا تصور کار فرما ہوتا ہے اس لیے اسلام کی حکیمانہ شریعت نے کسی نہ کسی درجے میں ان تمام امور سے اعتنا کیا ہے جو اس دنیوی سفر کی کامیابی میں معاون ومددگار یا ضرر رساں وخلل انداز ہوتے ہیں، کیوں کہ باہمی ناخوش گواری کے ساتھ ایک لمبا سفر طے کرنا نہ صرف یہ کہ کٹھن اور دشوار ہوتا ہے بلکہ عادۃً ناکامی اور جدائی سے ہم کنار ہوتا ہے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ کن باتوں میں ہم سری اور برابری بہ لفظ دیگر، کفاءت کا لحاظ کیا گیا ہے۔ کس حد تک لحاظ کیا گیا ہے، وہ آگے کی تحریر سے معلوم ہوگا۔ یہ لحاظ بھی لوگوں کے عرف کی بنیاد پر ہے اگر عرف بدل جائے تو حکم بھی بدل جائے گا۔ ہاں دین وعقیدہ کی درستی نکاح کی صحت کے لیے بہر حال ضروری ہے۔ لوگوں کا حال وخیال جو بھی ہو ایک صحیح العقیدہ کا نکاح کسی فاسد العقیدہ سے نہیں ہو سکتا۔

جن باتوں میں کفاءت کا اعتبار ہے وہ یہ ہیں:

(۱) نسب (۲) دین داری اور تقویٰ (۳) مال ودولت (۴) آبائی مسلمان یا نو مسلم ہونا (۵) حرفت اور پیشہ۔

(۱) نسب کا اعتبار ان لوگوں میں ہے جن کا نسب محفوظ ہے خواہ وہ عرب میں رہتے ہوں یا عجم میں۔

---

(۱) اراءة الأدب لفاضل النسب، ص:۱۳۔

ان کے سوا عام اہلِ عجم کا حال یہ ہے کہ ان کا شجرۂ نسب محفوظ نہیں جیسا کہ فقہا نے اس کی صراحت فرمائی ہے، اس لیے ان میں نسب کا اعتبار بھی نہیں۔ ہاں ان میں قومیت بمعنٰی ذات برادری کا اعتبار ہوتا ہے، جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

② دین داری کا اعتبار ہے اور ہونا چاہیے، اس لیے کہ ایک صالح اور پرہیزگار کے لیے اپنی لڑکی کو کسی فاسق اور غیر دین دار کے نکاح میں دینا ننگ و عار کا باعث ہے۔ مگر اس بارے میں اب عرف بدل چکا ہے، اب فسق کی زیادتی اور دین پر عمل سے دوری بڑھتی جا رہی ہے۔ مرد و زن، لڑکے اور لڑکیاں سب اس خرابی کے شکار ہیں۔ اس لیے اب صالح افراد کو بھی غیر صالح لوگوں میں رشتہ کرنا پڑتا ہے اور کوئی اسے عار نہیں سمجھتا، تاہم دین دار لوگوں کو چاہیے کہ حتی الامکان اس کا لحاظ رکھیں اور جو خاندان یا فرد دین سے بہت بے پروا ہو اس سے پرہیز کریں ورنہ شریعت سے بے پروائی اور بے باکی و خدا ناترسی کے اثرات و نتائج بہت افسوس ناک اور خطرناک ہوتے ہیں۔

③ مال کا اعتبار صرف اس حد تک ہے کہ مرد بھکاری یا خانہ بدوش نہ ہو، عزت کے ساتھ کھاتا پیتا ہو، مہر مثل اور نفقہ کی ادائگی پر قادر ہو۔

④ آبائی مسلمان اپنی لڑکیوں کا کسی نومسلم سے نکاح کرنا باعث عار سمجھتے ہیں مگر اس کا اثر قبولِ اسلام پر پڑ سکتا ہے، نومسلم کو اگر اپنایا یا اپنی اولاد کا رشتہ مسلمانوں میں نہ ملے تو اندیشہ ہے کہ وہ اپنے قدیم مذہب پر پھر پلٹ جائے یا دوسرا غیر مسلم جو اسلام لانا چاہتا ہے یہ حال دیکھ کر قبولِ اسلام پر آمادہ نہ ہو، اس لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ جو بھی صدق دل سے ایمان لائے اس کی توقیر کی جائے اور اس کے یا اس کی اولاد کے رشتے کے لیے راہ پیدا کی جائے اور اپنے معاشرے میں اسے باوقار بنایا جائے۔

⑤ پیشے تین طرح کے ہیں:

(۱)- حرام، جیسے چوری، ڈکیتی، جسم فروشی، شراب فروشی، رشوت ستانی، ظالموں کی نوکری، سودی کاروبار وغیرہ۔

(۲)- خسیس یعنی گھٹیا پیشے، جیسے بیت الخلا اور استنجا خانے، ان کی ٹنکیاں اور گندے نالے وغیرہ صاف کرنے کے پیشے، مُردار کی کھال سکھانے اور ان میں نمک لگانے کے پیشے اور اسی طرح کے دوسرے پیشے جن میں ناپاک یا گھن والی چیزوں سے آلودگی ہوتی ہے۔ عرفاً یہ پیشے خسیس اور ان سے وابستہ لوگ پست سمجھے جاتے ہیں۔

(۳)- حلال اور ستھرے پیشے، جیسے جائز تجارت، صنعت، زراعت، جائز ملازمت وغیرہ۔

تیسری قسم کے بعض پیشے والوں کو بھی عرفاً حقیر سمجھا جاتا تھا، مگر اس کی بنیاد پیشہ نہیں بلکہ کچھ پست اوصاف ہیں جو ان میں پائے جاتے تھے، وہ اوصاف جاتے رہے تو حقارت بھی جاتی رہی۔ رہا پیشہ تو بذاتِ خود اس میں کوئی ذلت و حقارت نہیں، اور اب تو حال یہ ہے کہ ہر طرح کے پیشے سے ہر قسم کی قومیں وابستہ ہو رہی ہیں، اگر کوئی صاف ستھرا پیشہ بذات خود ذلیل ہو تو اس سے منسلک ہونے والے اونچی قوموں کے افراد بھی حقیر اور پست شمار ہوں گے۔

شرافت و رذالت کی بنیاد:

اگر کوئی شخص علم دین، سیادت، اخلاقِ فاضلہ تینوں یا ان میں سے کسی ایک یا دو سے متصف ہو تو وہ شریف ہے۔ اور اگر کوئی شخص حرام یا مذکورہ خسیس پیشے سے منسلک ہو یا اس کی تہذیب اور عادات و اوصاف میں پستی ہو تو وہ غیر شریف ہے۔ مگر کفاءت کا مدار چوں کہ عرفِ دُنیوی پر ہے اس لیے لوگوں کے عرف میں اگر ان میں سے کوئی معزز سمجھا جاتا ہو تو وہ بھی شریف اور معزز شمار ہوگا جیسے ناجائز محکموں اور ظالم حکام کے ملازموں کو عرفاً ذلیل نہیں، بلکہ باعزت شمار کیا جاتا ہے۔

اہلِ عجم میں قومیت کی بنیاد:

قومیت یعنی ذات برادری کی بنیاد چار چیزوں پر ہے:

(۱) نسب، جن کا نسب محفوظ ہے، ان کی قومیت ان کے نسب کی بنیاد پر ہے، جیسے ساداتِ کرام جن کا نسب محفوظ ہے۔

(۲) پیشہ، جیسے بنکر، نداف، خیاط وغیرہ جن کے نام ان کے پیشوں کی طرف منسوب ہیں۔

(۳) اشخاص کی طرف نسبت، جیسے خان۔

(۴) مسکن کی طرف نسبت، جیسے مغل، ناگوری، مارواڑی وغیرہ۔

عقد نکاح کا معاملہ:

چوں کہ ازدواجی زندگی کی خوش گواری عموماً ہم سروں میں ہی ہوتی ہے اس لیے یہ لحاظ کیا گیا کہ لڑکی کا نکاح اس کے ہم سر اور کفو سے ہی ہو۔

(۱)- اولیا اور ذمہ داروں کو چاہیے کہ بالغ ہونے پر اولاد کے نکاح میں جلدی کریں۔ تعلیم کی تکمیل، ملازمت کی تلاش، اچھے سے اچھے رشتے کے انتخاب وغیرہ ناموں پر تاخیر در تاخیر نہ کریں کہ حدیث پاک میں اسے فتنہ اور فسادِ کبیر کا سبب بتایا گیا ہے اور جلدی کی تاکید کی گئی ہے، اس لیے مناسب رشتہ جلد تلاش کرکے اس کی ذمہ داری سے سبک دوش ہوں۔ حدیث شریف میں ہے:

❶ - عن عَلِيّ أَنَّهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ قَالَ لَهُ: يَا عَلِيُّ ثَلَاثٌ لَا تُؤَخِّرْهَا: الصَّلَاةُ إِذَا أَتَتْ، وَالْجِنَازَةُ إِذَا حَضَرَتْ، وَالْأَيِّمُ إِذَا وَجَدَتْ كُفُوًا. (۱)

❷ - وعن أبي هريرة -رضي الله تعالى عنه- قال: قال رسول الله -ﷺ- إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فَزَوِّجُوهُ، إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض. (۲)

❸ -وعن عمر بن الخَطَّاب و أنس بن مالك، عن رسول الله -ﷺ- قال: في التوراة مكتوبٌ : مَن بَلَغَتْ ابنتُه اثنتَي عشرة سنة ولم يزوّجها، فأصابتْ إثْمًا، فإِثْمُ ذٰلكَ عَلَيْهِ. رواهما البيهقي في شعب الإيمان. (۳)

(۲) اولاد اگر عاقل بالغ ہے تو اولیا اور ذمہ دار صرف اپنی پسند پر اکتفا نہ کریں بلکہ دوستوں، سہیلیوں وغیرہ کسی مناسب ذریعہ سے اولاد کی پسند بھی پہلے ہی معلوم کرلیں تاکہ بعد میں کوئی ناخوش گواری نہ پیدا ہو۔

(۳) اولاد کو بھی چاہیے کہ یا تو اپنے ماں باپ وغیرہ ذمہ داروں کی پسند پر اعتماد کریں یا کسی مناسب ذریعہ سے انھیں اپنی پسند سے آگاہ کر دیں اور حتی الامکان ان کی اطاعت و فرماں برداری میں اپنی بھلائی جانیں اور اس پر قائم رہیں۔

(۴) اہم مسئلہ یہ ہے کہ اگر عاقلہ، بالغہ لڑکی اپنے اولیا اور ذمہ داروں کی مرضی کے خلاف کسی دوسری برادری میں یا کسی غیر کفو سے، جو عاقل بالغ مسلمان ہے، اپنا نکاح کرلے تو یہ نکاح منعقد ہو جائے گا یا نہیں؟

فقہاے متاخرین نے امام اعظم سے حضرت حسن بن زیاد کی روایت نادرہ پر عمل کرتے ہوئے یہ فتویٰ دیا کہ ایسا نکاح منعقد نہ ہوگا، کیوں کہ غیر کفو سے نکاح پر اولیا کو ننگ وعار کا ضرر لاحق ہوتا ہے اور بعد میں اس کی تلافی بھی نہیں ہو پاتی، یعنی قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر کے نکاح کو فسخ کرانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

لیکن اب صورتِ حال یہ ہے کہ کالجوں کی مخلوط تعلیم، موبائل کے بڑھتے ہوئے روابط، کلبوں اور تفریح گاہوں کی آزادانہ روش اور دوسری بہت سی خامیوں اور خرابیوں کے باعث بہت سے لڑکے لڑکیاں اپنا نکاح خود کر لیتے ہیں، پھر کورٹ کے ذریعہ قانوناً اسے مضبوط بھی بنا لیتے ہیں اور ماں باپ اور خاندان سے الگ ہو کر آزادانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ اولیا اپنی قوت، سماج کی قوت یا قانون کی قوت کسی بھی ذریعہ سے انھیں جدا کرنے

(۱) أخرجه أحمد (۱/۱۰۵ رقم ۸۲۸) والترمذی ۳/۳۸۷، رقم ۱۰۷۵) والحاكم (۱۷٦/۳، رقم ۲٦۸٦) والبيهقی (۱۳۲/۷، رقم ۱۳۵۳۵) ومشكاة المصابيح، ص: ۲٦۷، الفصل الثاني من كتاب النكاح
(۲) أخرجه الترمذی (۳۹٤/۳، رقم ۱۰۸٤) وابن ماجة (٦۳۲/۱، رقم ۱۹٦۷)
(۳) مشكوة المصابيح، ص: ۲۷۱، الفصل الثانی، باب الولی فی النكاح، مجلس البركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور

سے عاجز ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب ان کا نکاح منعقد ہی نہ ہوا تو ان کی باہمی زندگی اور قربت تا عمر حرام کاری میں بسر ہوگی اور یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ اولاد زندگی بھر حرام کاری میں مبتلا ہو تو اس کا ضرر اور اس سے پیدا ہونے والا ننگ وعار غیر کفو میں نکاح کے عار سے بدرجہا بڑھا ہوا ہے۔

اصل مذہب حنفی اور امام اعظم سے منقول روایتِ ظاہرہ یہ ہے کہ عاقلہ، بالغہ اگر اپنا نکاح غیر کفو سے بے اذن ولی کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور ولی کو اختیار ہوگا کہ قاضی کے یہاں مقدمہ دائر کر کے یہ نکاح فسخ کرا دے۔

اس اصل مذہب سے عدول کر کے متاخرین نے جس مصلحت کے پیشِ نظر روایتِ نادرہ کو اختیار کیا آج اس مصلحت کا حصول اور مفسدہ کا زوال کسی طرح نظر نہیں آتا۔ اس لیے موجودہ حالات اس بات کے مقتضی ہیں کہ اب اصل مذہب کی طرف رجوع ہو اور روایت ظاہرہ کو اختیار کرتے ہوئے یہ حکم دیا جائے کہ عاقلہ، بالغہ نے بے اذنِ ولی اگر اپنا نکاح مسلمان غیر کفو سے کر لیا تو وہ نکاح جائز و درست ہوگا۔ اس روایت پر عمل و فتویٰ میں عاقلہ، بالغہ کو اپنی ذات کے معاملے میں اس کا حقِ تصرف بحال کرنا بھی ہے اور اولاد کو مدۃ العمر حرام کاری کے جرم سے بچانا بھی۔

مندوبین نے کافی بحث و تمحیص اور بہت گہرائی سے نظر کرنے کے بعد فیصلہ اسی پر کیا کہ اب اصل مذہب اور روایتِ ظاہرہ پر فتویٰ ہوگا اور اسی میں بھلائی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ایسے ہی ایک مسئلہ میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایتِ مفتی بہا سے عدول کر کے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظاہر مذہب کو اختیار کیا ہے۔ وہ ہے اسپرٹ ملی ہوئی پڑیا کی نجاست و طہارت کا مسئلہ۔ ان کے فتوے کا متن یہ ہے:

"پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریقِ شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عموم بلویٰ نجاستِ متفق علیہا میں باعث تخفیف۔ نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانۂ صحابہ سے عہد مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا، نہ کہ جہاں صاحبِ مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ والرضوان کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمۂ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجّح رکھا ہو، نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرین اہل فتویٰ کو اصل مذہب سے عدول اور روایتِ اُخریٰ امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی، نہ کہ جب مصلحت الٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر افتا کی موجب ہو۔"(۱)

یہ ہمارے مسئلۂ دائرہ کی نظیر اس طرح ہے کہ جیسے اس مسئلہ میں ابتلائے عام کے باعث گناہ سے بچنا دشوار ہے، ویسے ہی مسئلۂ دائرہ میں ماحول کی آزادی اور قانونی دباؤ کی وجہ سے گناہ سے بچنا دشوار ہے۔ قدر مشترک احتراز عن الاثم کی دشواری ہے۔

---

(۱)- فتاوی رضویه، كتاب الطهارة، باب الانجاس، ص:٤٩، ج:٢، رضا اكيڈمی، ممبئی.

اور جیسے پڑیا کی نجاست کے مسئلے میں مصلحت ظاہرِ مذہب کی جانب رجوع کی مقتضی ہوئی ویسے ہی مسئلہ دائرہ میں مصلحت اصل مذہب کی طرف رجوع کی مقتضی ہے اور روایتِ نادرہ پر عمل میں مطلوبہ مصلحت کا حصول اور مفسدہ کا زوال دونوں مفقود۔ اور روایتِ ظاہرہ پر بھی کثیر فقہا نے فتویٰ دیا اور اسے راجح وصحیح قرار دیا اور خود ہمارے امام ثانی قاضی القضاۃ امام ابو یوسف نے اسی کو احوط بتایا۔ پھر زمانۂ امام سرخسی تک تمام فقہا نے اسی ظاہر الروایہ پر فتویٰ دیا اور عمل کیا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ماخذ

①- وفي الخلاصة: وكثيرٌ من مشايخنا أفتوا بظاهر الرواية أنّها ليس لها أن تمنع نفسها.اه.وهذا يدلّ على أن كثيرًا من المشايخ أفتوا بانعقاده، فقد اختلف الإفتاء.اهـ(۱)

② - وهو ظاهر الرواية، وبه أفتى كثير من المشايخ، فقد اختلف الإفتاء. (۲)

③ - (وتعتبر الكفاءة لِلزوم النكاح) هذا على ظاهر المذهب وقد أفتى به.اهـ(۳)

④- و هي مسألةُ مَن نكحت غيرَ كفؤ بلا رضا أولياءِها و فيه اختلافُ الفتوى. اهـ(۴)

⑤- و سيأتي في الكفاءة: أنّ كثيرًا مّن المشايخ أفتوا بظاهر الرّواية، و هذا كلّه إذا كان لها أولياء، أمّا إذا لم يكن لها وليّ فهو صحيح مطلقا اتفاقا. اهـ(۵)

⑥- وَيَنْعَقِدُ نِكَاحُ الْحُرَّةِ الْعَاقِلَةِ الْبَالِغَةِ بِرِضَائِهَا وَإِنْ لَمْ يَعْقِدْ عَلَيْهَا وَلِيٌّ بِكْرًا كَانَتْ أَوْ ثَيِّبًا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ -رَحِمَهُمَا اللهُ- فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ... وَوَجْهُ الْجَوَازِ أَنَّهَا تَصَرَّفَتْ فِي خَالِصِ حَقِّهَا وَهِيَ مِنْ أَهْلِهِ لِكَوْنِهَا عَاقِلَةً مُمَيِّزَةً وَلِهَذَا كَانَ لَهَا التَّصَرُّفُ فِي الْمَالِ وَلَهَا اخْتِيَارُ الْأَزْوَاجِ ، وَإِنَّمَا يُطَالَبُ الْوَلِيُّ بِالتَّزْوِيجِ كَيْ لَا تُنْسَبَ إلَى الْوَقَاحَةِ.

ثُمَّ فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ لَا فَرْقَ بَيْنَ الْكُفْءِ وَغَيْرِ الْكُفْءِ وَلَكِنْ لِلْوَلِيِّ الِاعْتِرَاضُ فِي غَيْرِ الْكُفْءِ. اهـ. ملتقطا.(۶) والله تعالى اعلم

(۱) البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل فى الأكفاء، ص:۲۲۶، ج:۳، دار الكتب العلمية، بيروت
(۲) رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولى، ص:۱۵۸، ج:۴، دار الكتب العلمية، بيروت
(۳) الطحطاوى على الدر المختار، ج:۲، ص:۴۲، باب الكفاءة
(۴) الفتاوىٰ الخيرية لنفع البرية على هامش الحامدية، ج:۱، ص:۴، باب الأولياء والأكفاء
(۵) البحر الرائق، كتاب النكاح، اوائل باب الأولياء والإكفاء. ص:۱۹۴، ج:۳، دار الكتب العلمية، بيروت.
(۶) الهداية ، ج:۲،ص:۲۹۴، باب فى الأولياء، مجلس بركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور

فیصلہ (۵۶)

ڈی. این. اے. ٹیسٹ اسلامی نقطۂ نظر سے

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ڈی. این. اے (D.N.A.) کیا ہے؟

شریعتِ طاہرہ نے اولاد اور ان کے والدین نیز ان کے اصول و فروع (قریبی رشتہ داروں) میں "جزئیت" کا علاقہ و رشتہ تسلیم کیا ہے، یہاں تک کہ زانی و زانیہ کے ملاپ سے پیدا ہونے والے بچوں میں بھی زانی و زانیہ کی جزئیت موجود ہے، (بلکہ دوسرے خاندان کی کسی عورت نے کسی بچے کو دو ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پلا دیا تو اس سے بھی یک گونہ جزئیت کا علاقہ قائم ہو جاتا ہے) اسی جزئیت کا نام میڈیکل سائنس کی زبان میں ڈی. این. اے. (D.N.A) ہے۔ اور اس جزئیت کی تلاش و جستجو کا نام ڈی این اے ٹیسٹ ہے اور تلاش و جستجو کے نتیجے میں جو حقیقت اجاگر ہو کر سامنے آتی ہے اس کا نام "ڈی. این. اے. ٹیسٹ" کی رپورٹ ہے۔

یہ شرعی نقطۂ نظر سے ڈی. این. اے. کا تعارف ہوا۔

اور جدید سائنس کے نقطۂ نظر سے ڈی. این. اے. در اصل چند مخصوص اقسام کے کیمیاوی مرکب کا نام ہے، جس میں انسان کی اپنی شخصیت یا اس کے والدین اور اصول و فروع کی شخصیت و ذات کو ممتاز و متعین کرنے والے الگ الگ طرح کے موروثی اجزا پائے جاتے ہیں، کسی بھی انسان کے یہ اجزا پوری دنیا میں کسی اجنبی انسان کے اجزا سے میل نہیں کھاتے، جیسے ایک شخص کے انگوٹھے اور انگلیوں کے نشانات دوسرے شخص کے انگوٹھے اور انگلیوں کے نشانات سے میل نہیں کھاتے۔

تو کسی بھی انسان کے عضو یا جز میں خاص قسم کے اجزائے ممیزہ کی تلاش اور جانچ کا نام ڈی این اے ٹیسٹ ہے، اور جانچ کے بعد وہ اجزائے ممیزہ جس کے قرار پائیں اس کے ساتھ ان کے الحاق اور جس کے نہ ہوں اس سے ان کی نفی کی خبر کا نام ڈی این اے ٹیسٹ کی رپورٹ ہے۔

جانوروں کا ڈی این اے انسانوں کے ڈی این اے سے مختلف ہوتا ہے اور ہونا بھی چاہیے کہ دونوں الگ الگ نوع کے ہیں۔ ڈی این اے کی تحقیق سے یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ اسلام نے اولاد اور والدین کے درمیان جس جزئیت کا پتہ دیا تھا یہ اسی کا مشاہدہ اور انکشاف ہے، اس لیے جانچ جس قدر صحیح ہوگی رپورٹ اسی قدر صحیح اور حقیقت کے مطابق ہوگی۔

(۱) ڈی، این، اے ٹیسٹ اور اس کی رپورٹ کی شرعی حیثیت:

"کسی شخص کے ساتھ جزئیت کا الحاق یا اس کی نفی کی خبر" یہ اس کی شرعی حیثیت ہے، مگر یہ خبر "خبرِ محض" نہیں، بلکہ ایسی خبر ہے جس کی صحت کا بے شمار بار تجربہ ہو چکا ہے اور اب اس میں اصولی طور پر غلطی کا احتمال بہت ہی شاذ و نادر ہے، اس حیثیت سے یہ خبر "ظن غالب" کا افادہ کرتی ہے البتہ شرعی حکم کم سے کم دو مستند ماہرین کی رپورٹ ملنے کے بعد ہی جاری کرنا چاہیے اور اگر نجی موبائل مشین سے بھی جانچ کرا طمینان حاصل کرلیں تو مناسب ہے۔

شرع میں اس کی نظیر وہ قرائن قویہ ہیں جن کے افادہ و دلالت پر قلوب کو وثوق و اطمینان حاصل ہوتا ہے اور شریعت نے بھی ایک حد تک ان کا اعتبار کیا ہے۔

ہدایہ میں ہے:

فإذا استأذنها الولي فسكتت أو ضحكت فهو إذن لقوله عليه السلام: "البكرُ تستأمرُ في نفسها فإن سكتت فقد رضيت" ولأنّ جهة الرضاءفيه راجحة لأنها تستحيي عن إظهار الرغبة، لاعن الردّ، والضّحكُ أدلّ على الرضا من السكوت.اھ. (۱)

ہدایہ میں ہے:

وَلَوْ سَمِعَ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ، وَلَوْ فَسَّرَ لِلْقَاضِي لَا يَقْبَلُهُ، لِأَنَّ النَّغْمَةَ تُشْبِهُ النَّغْمَةَ فَلَمْ يَحْصُلِ الْعِلْمُ إِلَّا إِذَا كَانَ دَخَلَ الْبَيْتَ وَعَلِمَ أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ سِوَاهُ ثُمَّ جَلَسَ عَلَى الْبَابِ وَلَيْسَ فِي الْبَيْتِ مَسْلَكٌ غَيْرُهُ، فَسَمِعَ إِقْرَارَ الدَّاخِلِ وَلَا يَرَاهُ، لَهُ أَنْ يَشْهَدَ، لِأَنَّهُ حَصَلَ الْعِلْمُ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ. (۲)

نیز ہدایہ میں ہے:

---

(۱) الهداية ص: ۲۹٤، ج ۲، باب فی الأولياء من كتاب النكاح، مجلس البركات، مبارك پور

(۲) الهداية ص: ۱٤۲، ج:۳، كتاب الشهادة، مجلس البركات، مبارك پور

وَكَذَا إِذَا رَأَى رَجُلًا وَامْرَأَةً يَسْكُنَانِ بَيْتًا وَيَنْبَسِطُ كُلٌّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى الْآخَرِ انْبِسَاطَ الْأَزْوَاجِ. (جاز له أن يشهد بأنها زوجة) اھ. (۱)

ان قرائن میں D.N.A. ٹیسٹ کی رپورٹ جس قرینے سے زیادہ قریب اور زیادہ موافق ہے وہ قرینہ عقلیہ ہے۔ خالی گھر میں جو شخص داخل ہوا اور وہاں اس کے سوا کسی اور کے جانے کا عادۃً احتمال نہیں ہے کیوں کہ ہر طرف سے آنے جانے کے راستے بند ہیں اس لیے بلا شبہہ عقل باور کرتی ہے کہ اقرار کرنے والا وہی شخص ہے جو گھر میں داخل ہوا ہے۔ اسی طرح مثلاً اسپتال میں کسی عورت کے بچہ پیدا ہونے کے بعد دوسرے بچوں میں مخلوط ہو کر مشتبہ ہو گیا مگر D.N.A. ٹیسٹ سے اس کی جزئیت وہاں پر داخل صرف ایک زچہ سے پائی جاتی ہے۔ اور اس کے سوا بقیہ کسی زچہ سے اس کا ڈی. این. اے. میل نہیں کھاتا، تو عقل شہادت دیتی ہے کہ اس کی ماں وہی زچہ ہے جس سے اس کا ڈی. این. اے. میل کھا رہا ہے، یا جس کی جزئیت اس میں پائی جاتی ہے۔ وہ اس کے سوا کسی اور زچہ کا بچہ نہیں یہاں تک کہ جو شخص باہم موافقت رکھنے والے ان موروثی اجزا کو پہچانتا ہو اور اس نے جانچ کے دوران ان کا مشاہدہ کیا تو وہ اس کی شہادت بھی دے سکتا ہے کہ یہ فلاں زچہ کا جز ہے۔

اس طور پر دیکھا جائے تو "ڈی، این، اے ٹیسٹ رپورٹ" کی حیثیت "قرینہ عقلیہ" کی ہے اور اب تو ہزارہا ہزار بلکہ بے شمار بار کے مشاہدات و تجربات سے یہ امر یقینی ہو چکا ہے کہ یہ رپورٹ سو فیصد صحیح ہوتی ہے اور اس میں غلطی کا احتمال عادۃً نہیں رہ گیا ہے، دنیائے طب و سائنس میں اس کا حال یہی ہے اور دنیا کی حکومتوں نے بھی اپنی آسانی کے لیے اس پر اعتماد کیا ہے۔

ہاں یہ رپورٹ سو فیصد صحیح اس وقت ہے جب سیمپل صحیح طور پر لیا گیا ہو، مشین نے جو رپورٹ دی اسے صحیح پڑھا اور سمجھا جائے، ایک ہی عضو کے پندرہ (۱۵) یا کم از کم تیرہ (۱۳) مقامات سے ٹیسٹ کیا گیا ہو، مشین درست ہو، جانچ سے پہلے اس کی صفائی وغیرہ کر لی گئی ہو، ٹیکنیشین باصلاحیت ہو، تجربہ کار ہو، کیمیکل اچھے استعمال کیے گئے ہوں۔ اگر یہ سب باتیں پائی جائیں تو رپورٹ صحیح ہوگی۔ ان شرائط پر رپورٹ کی صحت کی بنا ایسی ہی ہے جیسی شرعی فتوے کی صحت کی بنا متعدد شرائط پر ہوتی ہے، مثلاً مفتی فقیہ ہو، ماہر مفتی کی خدمت میں شب و روز رہ کر مشق فتویٰ نویسی کی ہو، سوال کو بغور پڑھ کر اچھی طرح سمجھ لیا ہو، موافق، مخالف، جزئیات میں غور کر کے موافق جزئیات سے استناد کیا ہو، ساتھ ہی عرفِ ناس و حالاتِ زمانہ پر بھی نظر ہو، اضطرار وغیرہ کی استثنائی صورتوں سے غفلت نہ برتے، ان شرائط کے ہوتے ہوئے ماہر، ذمہ دار مفتی کا فتویٰ صحیح اور معتمد تسلیم کیا جاتا ہے۔ ویسے ہی ڈی. این. اے. کے ماہر کی رپورٹ بھی درج بالا شرائط کے ہوتے ہوئے صحیح و معتمد تسلیم کی

(۱) الهداية ص: ۱۴۳، ج: ۳، كتاب الشهادة، مجلس بركات، مبارك پور

جائے گی۔

(۲) زنا و قتل وغیرہ جرائم کا ثبوت "ڈی. این. اے." سے

ڈی، این، اے کی رپورٹ سے زنا، سرقہ، قتل وغیرہ موجب حد و قصاص جرائم کا ثبوت نہیں ہو سکتا کیوں کہ شریعت نے زنا کے ثبوت کے لیے اقرار یا چار دین دار مردوں کی چشم دید شہادت اور دوسرے حدود و قصاص کے ثبوت کے لیے اقرار یا دو مردوں کی شہادت لازمی قرار دی ہے اور یہ رپورٹ نہ اقرار ہے، نہ شہادت۔

لہٰذا ڈی، این، اے، ٹیسٹ کی رپورٹ سے زنا، سرقہ، قتل وغیرہ موجب حد و قصاص جرائم کا ثبوت نہ ہوگا، ہاں! اس کی حیثیت "قرینۂ عقلیہ" کی ہے اس لیے اس کی رپورٹ میں عضو یا جز کا نمونہ جس کا قرار پائے گا اس سے تفتیش ہو سکتی ہے۔

(۳) کسی بچے کے چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس واضح شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی. این. اے. ٹیسٹ کے ذریعہ متعین کیا جا سکتا ہے

(الف)- جس بچے کے چند دعوے دار ہوں اور کسی کے پاس شرعی ثبوت نہ ہو تو ایسے بچے کا نسب ڈی. این. اے. ٹیسٹ کے ذریعہ متعین کیا جا سکتا ہے۔

(ب)- یوں ہی چند نو مولود بچے خلط ملط ہو کر مشتبہ ہو گئے جیسا کہ بسا اوقات زچہ خانے میں ہو جاتا ہے تو ڈی. این. اے. ٹیسٹ کے ذریعہ ان بچوں کا نسب متعین کیا جا سکتا ہے۔

(ج)- کسی شخص پر اپنے باپ کے علاوہ کی طرف اپنے کو منسوب کرنے کا شبہہ ہو تو اس ٹیسٹ کے ذریعہ یہ شبہہ دور کیا جا سکتا ہے۔

(د)- کسی پر زنا کا الزام ہو اور عورت کسی کے نکاح یا عدت میں نہ ہو اور ڈی. این. اے. رپورٹ مثبت ہو تو پیدا ہونے والی بچی مُلزَم پر حرام قرار پائے گی۔

ماخذ

فتح القدیر میں ہے:

ولو ادعاه اثنان خارجان معا و وصف أحدهما علامة في جسده فطابق، فهو أولى من الآخر، إلا أن يقيم الآخر البينة فيقدم على ذي العلامة... ولو لم يصف أحدهما علامة كان ابنهما لاستوائهما في سبب الاستحقاق وهو الدعوة... إنما قدم ذو

العلامة للترجيح بها بعد ثبوت سببي الاستحقاق بينهما وهو دعوى كل منهما. بخلاف ما لو ادّعا اثنان عينا في يد ثالث وذكر أحدهما علامة لا يفيد شيئا. وكذا في دعوى اللقطة لا يجب الدفع بالوصف لأن سبب الاستحقاق هنا ليس مجرد الدعوى، بل البيّنة. فلو قضي له لكان له إثبات الاستحقاق ابتداء بالعلامة وذلك لا يجوز إنما حال العلامة ترجيح أحد السببين على الآخر. ولو ادعاه اثنان خارجان فأقام أحدهما البينة أنه كان في يده قبل ذلك كان أحق به لظهور تقدم اليد، وكلما لم يترجح دعوى واحد من المدّعيين يكون ابنا لهما. اهـ (۱)

بدائع الصنائع میں ہے:

فإن أمكن ترجيح أحدهما بوجه من الوجوه من الإسلام والحرية و العلامة واليد و قوة الفراش و غير ذلك من أسباب الترجيح يعمل بالراجح. اهـ (۲)-

اسی میں ہے:

"لو ادعاه رجلان أنه ابنهما ولا بينة لهما فإن كان أحدهما مسلما والآخر ذميا فالمسلم أولى؛ لأنه أنفع للقيط، وكذلك إذا كان أحدهما حرا والآخر عبدا فالحر أولى لأنه أنفع له، وإن كانا مسلمين حرين فإن وصف أحدهما علامة في جسده فالواصف أولى به عندنا ... لأن الدعوتين متى تعارضتا يجب العمل بالراجح منهما وقد ترجح أحدهما بالعلامة؛ لانه إذا رضئ العلامة ولم يصف الآخر دل على أن يده عليه سابقة فلا بد لزوالها من دليل. والدليلُ على جواز العمل بالعلامة قولُه تعالىٰ عز شانه خبراً عن أهل تلك المرأة : "اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۞." [يوسف:۲٦ — ۲۸] حكى الله تعالىٰ عن الحكم بالعلامة عن الأمم السالفة فى كتابه العزيز ولم يغيّر عليهم، والحكيم إذا حكى عن

(۱) فتح القدير، ص:۱۰۵، ۱۰٦، ج:٦، كتاب اللقيط، بركات رضا، پوربندر، گجرات

(۲) بدائع الصنائع، ص:۳۸٦، ج:٥، كتاب الدعوى، فصل: واما بيان ما يظهر به النسب، ج:٦، ص:۳۸٦، بركاتِ رضا، پوربندر، گجرات

منکر غَیَّره فصار الحکم بالعلامة شریعة لنا مبتدأة(۱)

فتح القدیر میں ہے:

والمخلوقة من مائه بنته حقیقةً لغةً، ولم یثبت نقلٌ فی اسم البنت والولد شرعاً، والإتفاق علی حرمة الإبن من الزنا علی أُمه فعلمنا انّ حکم الحرمة ممّا اعتبر فیه جهة الحقیقة، ثم هو الجاری علی المعهودْ من الاحتیاط فی أمر الفروج، وبحرمة البنت من الزنا قال مالك فی المشهور و احمد اھ.(۲)

مختصر یہ کہ: ڈی. این. اے. ٹیسٹ کی رپورٹ ثبوت شرعی نہیں، اس کی حیثیت قرینہ عقلیہ کی ہے، لہٰذا شریعت نے جن امور میں قرائن کا اعتبار کیا ہے ان تمام امور میں اس رپورٹ کا بھی اعتبار ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆☆

---
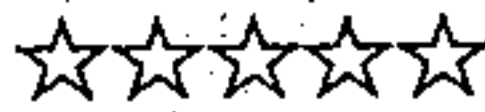
(۱) بدائع الصنائع، کتاب اللقیط، ص:۳۰۳، ج:۵ پور بندر، گجرات – و – ص: ۱۹۹، ج:۶، دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان

(۲) فتح القدیر، ص:۲۱۱، ج:۳، بیان المحرمات، کتاب النکاح، فصل فی بیان المحرمات، برکاتِ رضا، پور بندر، گجرات

شرکاے سیمینار

(اکابر)

(۱) امینِ ملت حضرت سید محمد امین برکاتی دام ظلہ العالی — سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ، مارہرہ شریف
(۲) عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ مصباحی — سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ مبارک پور
(۳) صدر العلما حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ — صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴) محدث جلیل حضرت مولانا عبد الشکور عزیزی دام ظلہ — شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵) حضرت علامہ مفتی محمد مجیب اشرف رضوی دام ظلہ — مہتمم دار العلوم امجدیہ، گانجہ کھیت، ناگ پور

اصحاب مقالات

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد نظام الدین رضوی — ناظم مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۷) حضرت مولانا نصر اللہ رضوی — استاذ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۸) حضرت مولانا مفتی محمد معراج القادری — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۹) حضرت مولانا بدر عالم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۰) حضرت مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی — استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد، مئو
(۱۱) حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۲) حضرت مولانا محمد ناظم علی رضوی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۳) حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۴) حضرت مفتی محمد نسیم مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۵) حضرت مولانا اختر کمال قادری مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۶) حضرت مولانا زاہد علی سلامی مصباحی — استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۱۷) حضرت مفتی انفاس الحسن چشتی — استاذ جامعہ صمدیہ، پھپھوند شریف، اوریا
(۱۸) حضرت مولانا عبد الغفار اعظمی مصباحی — استاذ مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد، مئو
(۱۹) حضرت مولانا قاضی فضل احمد مصباحی — استاذ مدرسہ ضیاء العلوم، ہری باغ، بنارس

(۲۰) حضرت مولانا محمد انور نظامی مصباحی	استاذ مدرسہ فیض النبی، ہزاری باغ
(۲۱) حضرت مفتی شہاب الدین نوری	استاذ دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۲۲) حضرت مولانا قاضی شہید عالم رضوی	جامعہ نوریہ، بریلی شریف
(۲۳) حضرت مولانا مفتی ابرار احمد امجدی	مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج، بستی
(۲۴) حضرت مولانا محمد مسیح احمد مصباحی	مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور
(۲۵) حضرت مولانا عبد السلام رضوی مصباحی	مدرسہ انوار العلوم، تلسی پور، بلرام پور
(۲۶) حضرت مولانا محمد سلیمان مصباحی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۲۷) حضرت مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	دار العلوم علیمیہ، جمدا شاہی بستی
(۲۸) حضرت مولانا محمد رفیق عالم نوری مصباحی	جامعہ نوریہ، بریلی شریف
(۲۹) حضرت مولانا شبیر احمد مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۳۰) حضرت مولانا منظور احمد خاں عزیزی	جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۳۱) حضرت مولانا محمد عالم گیر مصباحی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور
(۳۲) حضرت مفتی محمد بشیر القادری	دار العلوم حضرت عائشہ، گریڈیہ
(۳۳) حضرت مفتی معین الدین مصباحی	دار العلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۳۴) حضرت مولانا محمد نظام الدین مصباحی	بولٹن، امریکہ
(۳۵) حضرت مولانا اختر حسین فیضی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۶) حضرت مولانا ساجد علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۷) حضرت مولانا دستگیر عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۸) حضرت مولانا محمد ناصر حسین مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۹) حضرت مولانا مفتی محمود علی مشاہدی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۰) حضرت مفتی محمد توفیق احسن برکاتی مصباحی	جامعہ غوثیہ نجم العلوم، ممبئی
(۴۱) حضرت مولانا محمد ہارون مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۲) حضرت مولانا محمد ادریس مصباحی	مہنداول، بستی

وہ مقالہ نگار حضرات جو شریکِ سیمینار نہ ہو سکے

(۴۳) حضرت مولانا مفتی شیر محمد خاں رضوی	دار العلوم اسحاقیہ، جودھ پور

(۴۴) حضرت مولانا ابرار احمد اعظمی	دار العلوم ندائے حق، جلال پور
(۴۵) حضرت مفتی محمد شہاب الدین اشرفی	جامع اشرف کچھوچھہ شریف
(۴۶) حضرت مولانا محمد شمشاد احمد مصباحی	جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی، مئو
(۴۷) حضرت مولانا قاضی فضل رسول مصباحی	مدرسہ سراج العلوم، برگدہی، مہراج گنج
(۴۸) حضرت مولانا احمد رضا مصباحی	دار العلوم تنویر الاسلام، امرڈوبھا
(۴۹) حضرت مولانا شیر محمد خاں رضوی مصباحی	دار العلوم وارثیہ، لکھنؤ

بقیہ شرکائے سیمینار

(۵۰) حضرت علامہ یٰسین اختر مصباحی	دار القلم، دہلی
(۵۱) حضرت مولانا غلام عبد القادر علوی	دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف
(۵۲) حضرت مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی	دار العلوم قادریہ، چریاکوٹ
(۵۳) حضرت مولانا نصیر الدین عزیزی مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۴) حضرت مولانا اعجاز احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۵) حضرت مولانا شفیق الرحمٰن مصباحی	ہالینڈ
(۵۶) حضرت مولانا مسعود احمد مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۷) حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۸) حضرت مفتی حبیب اللہ نعیمی مصباحی	پچپڑوا، بلرام پور
(۵۹) حضرت مولانا محمد نعیم الدین عزیزی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۰) حضرت مولانا حافظ حمید الحق برکاتی	زمبابوے
(۶۱) حضرت مولانا محمد عرفان عالم مصباحی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۶۲) حضرت مولانا معین الحق علیمی مصباحی	ممبئی
(۶۳) حضرت مفتی اشرف رضا قادری	ممبئی
(۶۴) حضرت مولانا عبد المجید مصباحی	اندھیری، ممبئی
(۶۵) حضرت مفتی واجد علی یار علوی	مالیگاؤں
(۶۶) حضرت مولانا اختر رضا	جوگیشوری، ممبئی
(۶۷) حضرت مولانا سید اکرام الحق مصباحی	کرلا، ممبئی

(۶۸)حضرت مولانا کمال احمد قادری	ناگ پاڑہ، ممبئی
(۶۹)حضرت مولانا گلزار الدین چشتی	تھانہ، ممبئی
(۷۰)حضرت مولانا جمال احمد علیمی	ساکی ناکہ، ممبئی
(۷۱)حضرت مولانا اقبال احمد مصباحی	گھڑپ دیو، ممبئی
(۷۲)حضرت مولانا جیش محمد مصباحی	ممبرا، ممبئی
(۷۳)حضرت مولانا مفتی محمد شریف امجدی	کرلا، ممبئی
(۷۴)حضرت مولانا ماشاء اللہ	جوگیشوری، ممبئی
(۷۵)حضرت مولانا حسن رضا مصباحی	مالیگاؤں، ناسک
(۷۶)حضرت مولانا محفوظ الرحمٰن علیمی	ممبرا ممبئی
(۷۷)حضرت مولانا قاری ابوذر مصباحی	ممبئی
(۷۸)حضرت مولانا نور الحسن مصباحی	کرلا، ممبئی
(۷۹)حضرت مولانا مشرف رضا رضوی	ساکی ناکہ، ممبئی
(۸۰)حضرت مولانا عبد الصمد قادری	ساکی ناکہ، ممبئی
(۸۱)حضرت مولانا محمد احمد مصباحی	ملاڈ، ممبئی
(۸۲)حضرت مولانا محمد نور الدین مصباحی	ویرار، ممبئی
(۸۳)حضرت مولانا غازی ارمان مصباحی	ویرار، ممبئی
(۸۴)حضرت مولانا کلام الدین	ڈونگری، ممبئی
(۸۵)حضرت مولانا شمیم احمد مصباحی	کرلا، ممبئی
(۸۶)حضرت مولانا محمد اسلم مصباحی	امجدیہ، بھیونڈی
(۸۷)حضرت مفتی محمد شکیل احمد مصباحی	امجدیہ، بھیونڈی
(۸۸)حضرت مولانا محمد ندیم احمد خان مصباحی	امجدیہ، بھیونڈی
(۸۹)حضرت مولانا محبوب رضا مصباحی	بھیونڈی
(۹۰)حضرت مولانا شیخ نذیر احمد	بھیونڈی
(۹۱)جناب ڈاکٹر محمد علی	طبیہ کالج، ممبئی
(۹۲)جناب ڈاکٹر یٰسین قاضی چیف سرجن	بھیونڈی

(۹۳)جناب ڈاکٹر فیض الدین چائلڈ اسپیشلسٹ بھیونڈی
(۹۴)جناب مولانا محمد جاوید نجمی، مہاپولی بھیونڈی
(۹۵)جناب مولانا محمد یوسف نوری بھیونڈی
(۹۶)جناب مولانا محمد اسحاق برکاتی بھیونڈی
(۹۷)جناب مولانا مقصود احمد مصباحی بھیونڈی
(۹۸)حضرت مولانا ابرار احمد خان مصباحی بھیونڈی
(۹۹)حضرت مولانا جلال الدین احمد خان مصباحی بھیونڈی
(۱۰۰)حضرت مولانا عبد الستار مصباحی امجدی بھیونڈی
(۱۰۱)حضرت مولانا نفیس احمد شمسی بھیونڈی
(۱۰۲)حضرت مولانا قاری غفران احمد اعظمی اشرفی بھیونڈی
(۱۰۳)حضرت مولانا قاری نور الہدیٰ برکاتی بھیونڈی
(۱۰۴)حضرت مولانا قاری نظر عالم امجدی بھیونڈی
(۱۰۵)حضرت حافظ و قاری بشیر القادری بھیونڈی
(۱۰۶)حضرت حافظ و قاری غلام محمد چشتی بھیونڈی
(۱۰۷)حضرت مولانا مزمل حسین امجدی بھیونڈی
(۱۰۸)حضرت مولانا شیر محمد امجدی بھیونڈی
(۱۰۹)حضرت مولانا محمد شمس الدین مصباحی بھیونڈی
(۱۱۰)حضرت مولانا محمد وسیم مصباحی بھیونڈی
(۱۱۱)حضرت مولانا محمد فیض احمد مصباحی بھیونڈی
(۱۱۲)حضرت مولانا عاقب کھربے شافعی بھیونڈی
(۱۱۳)حضرت مولانا حافظ اکرام اشرفی مصباحی بھیونڈی
(۱۱۴)حضرت مولانا منظور عالم قادری بھیونڈی
(۱۱۵)حضرت مولانا اظہار صاحب بھیونڈی
(۱۱۶)حضرت حافظ محمد رضا، غیبی نگر بھیونڈی
(۱۱۷)حضرت مولانا اکمل برکاتی گیاوی بھیونڈی

(۱۱۸) حضرت مولانا فیض الدین نظامی	بھیونڈی
(۱۱۹) حضرت مولانا جاوید عالم امجدی	بھیونڈی
(۱۲۰) حضرت حافظ و قاری شمیم احمد امجدی	بھیونڈی
(۱۲۱) حضرت مولانا نثار احمد امجدی	بھیونڈی
(۱۲۲) حضرت مولانا محمد اسلم ندوی	بھیونڈی
(۱۲۳) عالی جناب عبدالرشید پیر محمد مومن	اسلام پورہ، بھیونڈی
(۱۲۴) عالی جناب محمد شیر رضا	مبلغ سنی دعوت اسلامی
(۱۲۵) حضرت مولانا محمد شعبان عزیزی	دارالعلوم قادریہ، بھیونڈی
(۱۲۶) عالی جناب وقار عزیزی صاحب	بھیونڈی

☆☆☆☆
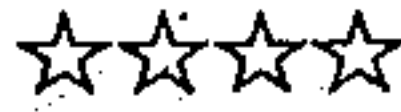
بیسواں فقہی سیمینار

منعقدہ: ۶/ ۷/ ۸/ رجب ۱۴۳۴ھ
مطابق ۱۷/ ۱۸/ ۱۹/ مئی ۲۰۱۳ء
بروز جمعہ، شنبہ، یک شنبہ
بمقام: جامعۃ البرکات، علی گڑھ

فیصلہ ۵۷ - انٹرنیٹ کے موادو مشمولات کا شرعی حکم
فیصلہ ۵۸ - عذر کے باعث طوافِ زیارت کا شرعی حکم
فیصلہ ۵۹ - چلتی ٹرین پر فرض اور واجب نمازوں کا شرعی حکم
فیصلہ ۶۰ - جینیٹک ٹسٹ کا شرعی حکم
☆ - شرکاے سیمینار

فیصلہ (۵۷)

انٹرنیٹ کے موادو مشمولات کا شرعی حکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ حامدًا و مصلّیًا و مسلّمًا

آج مسلمانوں کا ایک بڑا طبقہ انٹرنیٹ پر دستیاب مواد اور مضامین کا مطالعہ کر کے دینی معلومات حاصل کرتا ہے جب کہ انٹرنیٹ پر اچھے بُرے ہر طرح کے مضامین پائے جاتے ہیں، بسا اوقات ویب سائٹ وزٹ کرنے والے کچھ مضامین کے تعلق سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ مضامین شرعی نقطۂ نگاہ سے کیسے ہیں اور ان کے قائل کا حکم کیا ہے اور مستقبل قریب میں توقع ہے کہ انٹرنیٹ کی طرف لوگوں کا رجحان بہت زیادہ ہو جائے، اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ انٹرنیٹ پر پائے جانے والے مواد و مضامین کے تعلق سے یہ واضح کر دیا جائے کہ ان کی شرعی حیثیت کیا ہے اور مسلمان اپنی دینی معلومات کے لیے کس حد تک ان پر اعتماد کریں۔

اس سلسلے میں بحث اور غور و فکر کے بعد یہ امور طے پائے:

(۱) ویب سائٹ پر پائے جانے والے مضامین کی حیثیت کتابوں کی ہے جو اچھی، بُری، معتبر، غیر معتبر ہر طرح کی ہوتی ہیں تو جب تک یہ وثوق واطمینان نہ حاصل ہو جائے کہ ویب سائٹ کا کون سا مضمون اچھا، یا بُرا اور معتبر یا غیر معتبر ہے اس پر ہرگز اعتماد نہ کریں اور ذمہ دار علمائے اہل سنت سے اس کے متعلق ضرور پوچھ لیں۔

(۲) یہ مواد و مضامین "پرسنل ویب سائٹ" پر ہوتے ہیں یا "سوشل نیٹ ورک اکاؤنٹ" پر۔ دونوں کی حیثیت کچھ مختلف ہے۔

پرسنل (ذاتی) ویب سائٹ:

یہ ویب سائٹ کسی بھی فرد، تنظیم، اسکول، ادارہ، بینک، کمپنی کی اپنی ذاتی ویب سائٹ ہوتی ہے، جو اپنی مرضی کے مطابق بنوائی جاتی ہے۔ لیکن چوں کہ ہر ادارے یا کمپنی کا کمپیوٹر ہر وقت آن لائن نہیں رہتا اس لیے اس طرح کی ویب سائٹ کو چلانے کے لیے انٹرنیٹ سروس مہیا کرنے والی کسی کمپنی کے سرور (Server)

میں مخصوص جگہ بُک کرانی پڑتی ہے جہاں ہم اپنے مواد و مشمولات کو محفوظ کر سکتے ہیں، اور سرور (Server) چوں کہ ہمیشہ چالو رہتا ہے کبھی بند نہیں ہوتا، اس لیے دُنیا کے کسی بھی گوشے میں اپنے کمپیوٹر، لیپ ٹاپ یا موبائل کے ذریعہ Server سے رابطہ کر کے اس میں موجود مواد و مشمولات کو اپنے نجی کمپیوٹر یا موبائل پر پڑھ سکتے ہیں۔ Server میں جگہ بُک کرانے کے لیے کچھ رقم ادا کرنی پڑتی ہے، حکومت کی جانب سے اپنا ذاتی ڈومین نیم مل جاتا ہے اور رجسٹرڈ بھی ہو جاتا ہے۔ اب یہ ویب سائٹ کسی بدمذہب کی بھی ہو سکتی ہے اور اہل حق اہل سنت و جماعت کی بھی۔ دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔

۳ بدمذہبوں کی پرسنل ویب سائٹ کا حکم وہی ہے جو ان کی کتابوں اور مضامین کا ہے کہ مسلمان انھیں نہ پڑھیں، نہ اُن کے قریب جائیں البتہ عالم محقق کو اتمام حجت کے لیے انھیں پڑھنے کی اجازت ہے۔

۴ اہل سنت و جماعت کی پرسنل ویب سائٹ کا مطالعہ کریں البتہ اہل سنت کو چاہیے کہ اپنی ویب سائٹ کو شاطر ہیکروں کی خرد برد سے محفوظ رکھنے کے لیے یہ احتیاطی تدابیر ضرور اپنائیں۔

(الف) اچھی کمپنیوں سے ہی اپنی ویب سائٹ ہوسٹ (Host) کرائیں۔

(ب) اپنا پاس ورڈ مشکل سے مشکل تر منتخب کریں، جس کی سراغ رسانی بہت دشوار ہو۔

(ج) دوسروں کو اپنا پاس ورڈ نہ بتائیں، نہ بے احتیاطی کے ساتھ لکھ کر کہیں بھی چھوڑیں۔

(د) اور چھ ماہ یا کم و بیش میں اپنے پاس ورڈ بدلتے رہیں۔

(ہ) بہتر ہوگا کہ پروٹیکٹیڈ فائر وال بھی لے لیں جس کی حیثیت گیٹ کے واچ مین کی ہوتی ہے۔

(و) ان سب کے ساتھ اپنی ویب سائٹ کے مدیر اور نائب مدیر نیک و امانت دار رکھیں۔

اتنی احتیاط کے بعد ویب سائٹ بہت محفوظ ہو جاتی ہے اور کسی شاطر ہیکر کی خرد برد کا امکان عادتاً نہیں رہ جاتا۔

ان احتیاطی تدابیر کے بعد پرسنل ویب سائٹ پر دیے گئے مضامین اور کتب کی حیثیت ان مضامین اور کتب کی ہوگی جنھیں مضمون نگار یا مصنف مرتب کر کے اپنی الماری کے لاکر میں رکھ دے اور چابی اپنے کنٹرول میں اس طور پر رکھے کہ اس تک دوسروں کے ہاتھ نہ پہنچ سکیں۔ تالا ایسا مضبوط اور پیچیدہ ہو کہ اس کی چابی بنانی دشوار ہو، پھر کمرے کے دروازے پر ایک واچ مین بٹھا دے جو صرف مناسب لوگوں کو ہی کمرے میں آنے دے اور غیر مناسب لوگوں کو روک دے۔

۵ ان احتیاطی تدابیر کے باوجود کوشش یہ ہو کہ روزانہ آپ کا مدیر یا نائب مدیر ویب سائٹ چیک کرتا رہے تاکہ آپ کو یہ اطمینان حاصل رہے کہ وہ ہیکنگ سے محفوظ ہے اور خدانہ خواستہ اگر کسی وجہ سے وہ ہیک ہو گیا تو فوراً مختلف ذرائع سے اعلان کر کے اپنے قارئین کو باخبر کر دیں۔

⑥ کسی سنی صحیح العقیدہ عالم دین یا سنی تنظیم یا ادارے کی ویب سائٹ میں اہل سنت وجماعت کے عقائد یا معمولات کے خلاف اگر کوئی بات نظر آئے تو اسے جلد از جلد آگاہ کریں تا کہ وہ فوراً اصلاح کر سکے اور بلا تحقیق شرعی اس مضمون کی بنیاد پر اس پر حکم شرعی نہ صادر کریں کیوں کہ ممکن ہے کسی بدمذہب نے کرایے کے کسی ہیکر کے ذریعہ یہ غلط مضمون شامل کرا دیا ہو۔

تحقیق کیسے کریں؟

(الف) قائل یا مصنف باحیات ہو، اس کی عقل سالم اور حواس صحیح ہوں تو اس سے معلوم کریں کہ یہ قول یا مضمون آپ کا ہے؟ اقرار کی صورت میں کلام میں احتمالِ معانی ہو تو مراد بھی معلوم کر لیں پھر اس کی غلط فہمی کا ازالہ کر کے اصلاح کی کوشش کریں۔ اور ایضاحِ حق کے بعد بھی وہ باطل پر اصرار کرے تو اب قرار واقعی حکم شرعی اس پر جاری کر سکتے ہیں۔

(ب) قائل یا مصنف سے رابطہ نہ ہو سکے اور ویب سائٹ برسہا برس سے اس کے نام سے جاری و مشہور ہو، اور وثوق کے ساتھ یہ معلوم ہو کہ اس نے جانتے ہوئے اسے جاری رکھا، اور کبھی اس کی تردید نہ کی۔ تو بطور ظن غالب مضمون اسی کا مانا جائے گا۔

(ج) ویب سائٹ پر جو مواد ہیں وہ قائل کی کتاب میں بھی ہیں اور کتاب برسہا برس سے اس کے اہتمام میں شائع ہوتی رہی ہے وہ اسے فروخت کرتا اور احباب وغیرہ کو تحفے میں دیتا ہے تو بھی ویب سائٹ کا مضمون اسی کا تسلیم کیا جائے گا۔

ان دونوں صورتوں میں اگر وہ مضمون کفر یا فسق یا ضلالت پر مشتمل ہے تو حکم یہ ہو گا کہ یہ مضمون کفر، یا فسق، یا ضلالت ہے مسلمان اس کے اعتقاد سے بچیں کہ کفر کا اعتقاد کفر اور فسق و ضلالت کا اعتقاد فسق و ضلالت ہے۔

مگر منسوب الیہ پر حکم کفر جاری کرنے کے لیے کامل تحقیق اور قطعی ثبوت ضروری ہے۔

سوشل نیٹ ورک اکاؤنٹ

① سوشل نیٹ ورک ویب سائٹ بہت ہیں، ان میں سے بیس پچیس مشہور ہیں اور پانچ، چھ تو بہت زیادہ مشہور ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں: فیس بک، ٹویٹر، گوگل پلس، انسٹاگرام، ٹمبلر، مئی اسپیس، آرکٹ۔

② ان میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ٹویٹر ہے کیوں کہ جو لوگ اپنے مضامین کی حفاظت چاہتے ہیں ٹویٹر انھیں حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔

پھر بھی اس کا غلط استعمال ہو سکتا ہے۔ وہ اس طور پر کہ صارفین کے اکاؤنٹ کے حروف میں کچھ ترمیم

کر کے کسی صارف کے نام کا جعلی اکاؤنٹ کھولا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی کا اکاؤنٹ sajid.co ہے تو اس کے اکاؤنٹ میں تھوڑی ترمیم کر کے saajid.co کر دیا جائے اور ایک جعلی اکاؤنٹ کھولا جائے پھر اس میں غلط مواد فراہم کر دیا جائے۔ اب دیکھنے والوں کو اس معمولی ترمیم کا پتہ نہیں چل پائے گا اور وہ دوسرے اکاؤنٹ کو بھی پہلے آدمی کا اکاؤنٹ سمجھ کر دھوکا کھا جائیں گے۔

البتہ اگر کمپنی سے حفاظت کی ضمانت لے لی گئی ہے تو کمپنی ضروری تحقیقات کے بعد اس کے محفوظ ہونے کا یہ تصدیق نامہ اکاؤنٹ پیج کے ساتھ جوڑ دیتی ہے۔ Official Twitter Account

اور اس طرح کے جن ناموں کی ضمانت کمپنی سے نہیں لی گئی ان کے ساتھ اس طرح کی سند یا تصدیق نامہ کمپنی نہیں جوڑتی۔ اس ضمانت و تصدیق کے بعد سوشل نیٹ ورکنگ اکاؤنٹ کی حیثیت وہی ہو جاتی ہے جو پرسنل ویب سائٹ کی احتیاطی تدابیر کے بعد ہوتی ہے۔

اور جس اکاؤنٹ کے لیے یہ ضمانت و سند نہ ہو، خواہ اس کمپنی میں اس کا انتظام ہی نہ ہو یا اس سے یہ ضمانت و سند حاصل نہ کی گئی ہو اس کی حیثیت کتابوں کے کسی میلے میں دستیاب مضامین و کتب کی ہوتی ہے۔ اپنی الماری میں محفوظ مضامین و کتب کی نہیں، پھر اس میں ہیکنگ بھی ہو سکتی ہے۔

ان وجوہ کے باعث سوشل نیٹ ورک اکاؤنٹ کے عام مضامین کے تعلق سے یہ اعتماد نہیں ہو سکتا کہ وہ قطعاً منسوب الیہ کا ہی ہے۔

(۳) اور بہر حال سوشل نیٹ ورک کے جس مضمون کے متعلق تحقیق یا تصدیق کے ذریعہ یا قرائن سے یہ اعتماد ہو کہ وہ منسوب الیہ کا ہی ہے تو اس کا حکم درج بالا تفصیل کے مطابق ہوگا کہ مضمون بد مذہب کا ہو تو اس سے صرفِ نظر کریں اور کسی ذمہ دار سنی عالم دین کا ہو تو اس سے استفادہ کریں، ساتھ ہی ان سے رابطہ قائم کر کے اس کی تصدیق بھی حاصل کر لیں۔

(۴) اگر کسی معتمد سنی عالم یا تنظیم کے خلاف کوئی خبر پڑھیں تو ہر گز ہر گز ان کے تعلق سے صرف اس خبر کی بنیاد پر بدگمانی کے شکار نہ ہوں، بلکہ اس عالم یا تنظیم کے ذمہ دار سے رابطہ قائم کر کے حق تک رسائی کی کوشش کریں۔ آج بہت سے ناخدا ترس سوشل نیٹ ورک کو ذمہ داروں کی ہوا خیزی کا آلہ کار بنا چکے ہیں اس لیے اس سے ہر وقت متنبہ رہنا ضروری ہے۔

(۵) بہتر ہوگا کہ خود علما بھی اس نیٹ ورک پر آئیں تاکہ مسلمانوں کی دینی رہنمائی کے ساتھ اپنے مذہب و علمائے مذہب کا فوری دفاع کر سکیں۔

(۶) پرسنل ویب سائٹ کی دفعہ ۶ کا حکم یہاں بھی جاری ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

فیصلہ (۵۸)

عذر کے باعث طوافِ زیارت میں ایک یوم کی تاخیر جائز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سال حج ۱۴۳۳ھ / ۲۰۱۲ء میں حجاج کے ازدحام کثیر کے باعث یہ دقت پیش آئی کہ بارہویں ذی الحجہ کو کثیر حجاج طوافِ زیارت نہ کر سکے۔ قصہ یہ ہوا کہ مطاف اور مسجد حرام میں گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے پہلے پولس نے اندر جانے سے روکا، اور جب اندر گنجائش بالکل ہی نہ رہی تو ہر طرف سے مسجد حرام کے دروازے بند کر دیے اس وجہ سے بے شمار حجاج بارہویں ذی الحجہ کو مطاف کے قریب پہنچ کر بھی طواف سے محروم رہے اور انھوں نے تیرہویں ذی الحجہ کو طواف زیارت کیا۔ اس سلسلے میں کثرت سے حجاج اور ان کے متعلقین کے فون آئے پھر بعض ثقہ علما نے وہاں کا چشم دید حال بھی یہی بیان فرمایا۔ اب سوال یہ ہے کہ جو حجاج مطاف میں بے پناہ ازدحام اور مسجد حرام کے دروازے بند ہونے یا پولس کے روکنے کے باعث بارہویں کو طواف زیارت نہ کر سکے اور تیرہویں ذی الحجہ یا اس کے بعد کبھی کیا ان پر دم واجب ہے یا نہیں؟

ہر سال حجاج کی تعداد میں کافی اضافہ ہو رہا ہے جس کے باعث آئندہ بھی اس طرح کے یا اس سے بھی خراب حالات سامنے آسکتے ہیں اس لیے یہ امر غور طلب ہوا۔

اس مسئلے کے حل کے لیے درج ذیل جواب پیش ہوا جس پر تمام مندوبین نے اتفاق کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حجاج کے بے پناہ ازدحام اور مسجد حرام میں داخلہ ناممکن ہونے کی وجہ سے جو حجاج بارہویں ذی الحجہ کو غروب آفتاب سے پہلے طوافِ زیارت نہ کر سکے اور اس وجہ سے انھوں نے تیرہویں کو طواف زیارت کیا ان پر دم یا کوئی کفارہ واجب نہیں کہ عذر کی وجہ سے یہ تاخیر معاف ہے، علاوہ ازیں حضرات صاحبین (۱) رحمہا اللہ

---

(۱) صاحبین: یعنی قاضی امام ابو یوسف و امام محمد بن حسن شیبانی رحمہا اللہ تعالیٰ۔ ۱۲ مرتب غفرلہ

تعالیٰ کے اصل مذہب میں یہ تاخیر جائز، خلاف سنت ہے اور امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے شرح مختصر کرخی میں تحریر فرمایا ہے کہ طواف زیارت کا وقت ایام تشریق کے اختتام تک ہے یعنی تیرہویں ذی الحجہ تک۔ تو عذر شدید کی حالت میں اس قول پر عمل کی اجازت ہوگی۔

ہدایہ میں ہے:

ومن اخّر الحلق حتى مضت أيام النحر فعليه دم عند أبي حنيفة، وكذا إذا أخر طواف الزيارة. وقالا: لاشيء عليه في الوجهين.(۱)

درمختار میں ہے:

فان أخّره عنها أى أيام النحر، ولياليها منها، كره تحريما ووجب دم لترك الواجب وهذا عند الإمكان، فلو طهرت الحائض إن قدُر اربعة اشواط ولم تفعل لزم دم، وإلا لا.

ردالمحتار میں "ولياليها منها" کے تحت ہے:

واما فى حق الطواف فالمراد به الليالى المتخللة بين أيام النحر لأنه إذا غربت الشمس من اليوم الثالث الذى هو آخر أيام النحر ولم يطف لزمه دم كما ياتى فى مسألة الحائض فالليلة التى تعقب الثالث ليست تابعة له فى حق الطواف وإلا لكان فيها أداءً بلا لزوم دم كما فى الرمي فتدبر.(۲)

شرح لباب میں ہے:

(اول وقت طواف الزيارة طلوع الفجر الثانى من يوم النحر فلا يصح قبله) خلافاً للشافعي حيث يجوزه بعد نصف الليل منه (ولا أخرله فى حق الصحة، فلو أتى به ولوبعد سنين صح ولكن يجب فعله فى أيام النحر) أى أو لياليها عند الإمام. ويسن إجماعا فيكره تاخيره عنها بالاتفاق تحريما أو تنزيها (فلو اخره عنها) اى بغير عذر (ولو الى اخرايام التشريق لزمه دم) اي على الأصح لما قاله فى الغاية وإيضاح الطريق وهو الصحيح وفى بعض الحواشى: "وبه يفتى" وهو المذكور فى المبسوط وقاضيخان والكافى والبدائع وغيرها،

---

(۱) الهداية، كتاب الحج، باب الجنايات، ج:۱، ص:۲۵۶، مجلس بركات

(۲) رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فى طواف الزيارة، ج:۳، ص:۵۳۸، دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان

خلافاً لما ذکرہ القدوری فی شرح مختصر الکرخی: ان اخرہ الی آخر أیام التشریق وتبعہ الکرمانی صاحب المنافع والمستصفی (۱)

علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی "مطلب في طواف الزيارة" میں شرح لباب سے "شرح مختصر کرخی" کی یہ عبارت نقل فرمائی ہے اور "جد الممتار" میں اس پر کوئی کلام نہیں ہے۔

اس کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ ازدحام کثیر اور عذر کی بنا پر وقوف مزدلفہ کا وجوب ہی ساقط ہوجاتا ہے یعنی اصل عبادت ہی معاف ہوجاتی ہے تو یہاں ایام النحر کے دوران طواف زیارت کی ادائگی کا وجوب بھی عذر شدید اور ازدحام کثیر کی بنا پر قابل عفو ہوگا کہ یہاں عبادت صرف وقت سے مؤخر ہوئی ہے، اصل عبادت کی ادائگی تو بہر حال لازم ہے۔ ہاں! یہ تاخیر صرف تیرہویں ذی الحجہ تک ہی ہوسکتی ہے جیسا کہ اوپر بیان ہوا، نیز آگے آرہا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور اگر کسی نے اتنی تاخیر کی کہ ایام تشریق بھی گزر گئے تو اب وہ جب بھی طواف کرے گا دم واجب ہوگا کہ ایک تو تیرہویں کے بعد وہ عذر نہیں باقی رہ جاتا جو باعث تخفیف ہے اور دوسرے امام قدوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صراحت کے مطابق بھی وقت طواف تیرہویں ہی تک ہے، اس کے بعد نہیں۔ لہٰذا جس نے چودہویں ذی الحجہ کو یا اس کے بعد طواف کیا وہ دم دے۔ ہاں! حج اس کا بھی صحیح ہے۔ شرح لباب کی یہ عبارت اوپر منقول ہوئی: فلو أتی بہ ولو بعد سنین صح. واللہ تعالیٰ أعلم.

---

(۱) المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط المعروف بشرح اللباب، ص:۱۵۵، باب طواف الزیارۃ، مطبع مصر

فیصلہ (۵۹)

چلتی ٹرین پر فرض وواجب نمازوں کا حکم

اجمالی فیصلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم-حامداً ومصلّیاً ومُسَلِّمًا

اس بات پر جملہ مندوبین کرام کا اتفاق ہے کہ موجودہ ریلوے نظام کے تحت چلنے والی ٹرینوں میں جب وہ چل رہی ہوں اس وقت بھی فرض وواجب نمازوں کی ادائگی جائز وصحیح ہے اور بعد میں ان کا اعادہ نہیں۔[1] واللہ تعالیٰ أعلم

اس پر تمام مندوبین نے دستخط ثبت فرمائے۔ پھر بعد میں ذرا تفصیل کے ساتھ یہ فیصلہ یوں تحریر ہوا:

[ا]-• کہا جاتا ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز نہ ہونے پر اجماعِ اہلِ سنت ہے، اجماعِ مسلمین ہے، اجماعِ امت ہے۔
مگر حق یہ ہے کہ اس پر نہ اجماعِ اہلِ سنت ہے، نہ اجماعِ مسلمین ہے، نہ اجماعِ امت ہے۔

(ا) یہ مسئلہ شروع سے ہی اختلافی رہا، حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں جوازِ نماز کی صراحت فرمائی، حضرت محدث سورتی مولانا وصی اُحمد رحمۃ اللہ علیہ نے «احوط واشبہ عدم جواز» لکھا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ «عدم جواز» اور «احوط عدم جواز» میں فرق ہے، خاص کر اس صورت میں کہ انھوں نے «اشبہ عدمِ جواز» لکھ کر یہ وضاحت فرمائی: مع أنّ فيه خروجا عن الخلاف المندوب إليه في كتب معاشرنا الأحناف. اس میں خلاف سے بچنا بھی ہے جو ہمارے ائمۂ حنفیہ کی کتابوں میں مندوب لکھا ہے۔(۱)

نیز آپ نے لکھا ہے کہ: چلتی ٹرین میں نماز کے تعلق سے رسائل وفتاویٰ تالیف کیے گئے۔ عامۂ علما نے فساد صلاۃ کا اور بعض علما نے جواز کا موقف اختیار کیا، «صرح الحمایہ» میں صراحت کی کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے اور موارد نصوص پر نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، ملخصاً۔(۲)

---

(۱) التعليق المجلى، ص: ۲۵٤، مسائل فريضة الثانيه: القيام، مجلس بركات، مبارك پور
(۲) مصدر سابق

فقیہِ اعظم پاکستان مولانا نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمہ نے بھی جواز کا فتویٰ دیا اور اجماع کی نفی کے لیے ایک فقیہ کا خلاف واختلاف بھی کافی ہوتا ہے۔

(۲) اجماع نام ہے ایک وقت کے تمام مجتہدین کے کسی امرِ دینی پر اتفاق کا۔ اور عرصہ سے اصحاب اجتہاد پائے ہی نہیں جاتے، پھر ساری دنیا کے تمام فقہا و علما کا اس باب میں کیا موقف ہے اس کی نہ تحقیق کی گئی ہے، نہ آسانی سے کی جا سکتی ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"اجماع میں ایک وقت کے تمام مجتہدین کا اتفاق درکار ہے، ایک کے خلاف سے بھی اجماع نہیں رہتا۔"(۱)

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے:

لا يقال: "إنما احتجّ به (الشافعي رحمه الله تعالى) لأنه إجماعٌ معنىً، فإن أبيًّا كان يؤمّ بمحضر من الصّحابة ولم ينكر عليه أحدٌ فحلَّ محلَّ الإجماع."

لأن خلاف ابن عمر قد ثبت حيث قال: لا اعرف القنوت إلّا طول القيام ومع خلافه لا ينعقد الإجماع. اهـ(۲)

وفي الخلاصة: ليس احدٌ من أهل الاجتهاد في زماننا.(۳)

اور اس کی کامل تحقیق «فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت جلد دوم» بحث اجماع میں ہے۔

(۳) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

"اجماعِ شرعی جس میں اتفاقِ مجتہدین پر نظر تھی، علما نے تصریح فرمائی کہ بوجہِ شیوع وانتشارِ علما فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی۔

«مسلم الثبوت» اور اس کی شرح «فواتح الرحموت» میں ہے:

قال الإمام أحمد: مَنِ ادّعى الإجماع على أمر فهو كاذب.

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اب جو کسی امرِ دینی پر اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔"(۴)

• کہا جاتا ہے کہ:

"صحتِ صلاۃ کے لیے استقرار علی الأرض شرط اجماعی ہے اور جو حکم کسی امرِ اجماعی پر متفرع ہو وہ بھی اجماعی ہوتا ہے، جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہے:

فيه دليل على ان المكتوبة لا تجوز إلى غير القبلة وعلى الدّابّة، وهذا مجمعٌ عليه إلّا في شدّة

---

(۱) فتاوىٰ رضويه، كتاب القضاء والدعاوى، ص: ۴۸۲، ج: ۷، سنى دار الاشاعت، مبارك پور.

(۲) العناية على هامش فتح القدير، ص: ۳۷۸، ج: ۱، باب صلاة الوتر، كوئٹه، پاكستان.

(۳) فواتح الرحموت، ص: ۴۳۳، ج: ۲، دار النفائس، رياض.

(۴) فتاوىٰ رضويه، كتاب الاجاره، رساله: المنىٰ والدّرر، ص: ۲۱۰، ج: ۸، سنى دار الاشاعت، مبارك پور.

الخوف.(۱)

یہ عبارت امام ابوزکریا محی الدین نووی شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو انھوں نے شرح صحیح مسلم میں ایک حدیث کے ذیل میں تحریر فرمائی ہے۔

اب اس کے تعلق سے چند معروضات ہیں:

(۱) شرح صحیح مسلم کی عبارت میں اس بات کا کوئی ذکر نہیں کہ صحتِ صلاۃ کے لیے استقرار علی الأرض شرط ہے، پھر بھلا اس سے اُس شرط کے اجماعی ہونے کا ثبوت کیوں کر ہوگا۔

اجماع کے لیے «مُستند شرعی» ضروری ہے اور وہ مستند شرعی یہاں حدیث ہے جسے دلیل بنا کر امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ مسئلہ تحریر فرمایا ہے۔

(۲) خود امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے عبارتِ مذکورہ کے بعد متصلاً اپنے مذہب کا جو مسئلہ نقل کیا ہے اس سے کھلے طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ان کے یہاں «استقرار علی الأرض» شرط نہیں۔ عبارت یہ ہے:

فلو أمكنهُ استقبالُ القبلة والقيامُ والركوعُ والسّجودُ على الدّابّة واقفةً، عليها هودج أو نحوهُ جازت الفريضة على الصّحيح في مذهبنا. (۲)

اگر چوپایہ ٹھہرا ہوا ہو اور اس کی پشت پر رکھے ہَودہ یا سیٹ، وغیرہ پر استقبال قبلہ وقیام ورکوع وسجود کے ساتھ نماز پڑھنا ممکن ہو تو ہمارے مذہبِ صحیح پر فرض نماز جائز ہے۔

اس مسئلے میں نمازی کا استقرار زمین پر نہیں، دابہ (مثلاً اونٹ یا گھوڑے) پر ہے اور دابہ نہ زمین ہے، نہ تابعِ زمین۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"دابہ پر بلا عذر (نماز) جائز نہیں، اگرچہ کھڑا ہو کہ دابہ تابعِ زمین نہیں۔"(۳)

(۳) شرح صحیح مسلم کی درج بالا عبارت میں «دابہ پر نماز» کا ذکر ہے اور کھلی ہوئی بات ہے کہ ریل ہرگز دابہ نہیں، دابہ تو جان دار ہے، اپنے اختیار سے چلتا ہے اور ریل نہ جان دار، نہ اس میں اپنے اختیار سے چلنے کی صلاحیت۔ اس لیے اگر دابہ ٹھہرا ہوا ہو تو ہمارے مذہب میں اس پر نماز جائز نہیں، مگر ٹھہری ہوئی ٹرین کو تخت کے مثل قرار دیتے ہوئے اس پر نماز کے جواز کا حکم ہے۔

چلتے دابہ پر فرض نماز بالاجماع ناجائز ہے، اور چلتی کشتی پر بالاجماع جائز، مگر ریل نہ دابہ کی طرح ہے، نہ کشتی کی طرح، اسی وجہ سے چلتی ریل میں نماز کے تعلق سے اختلاف ہوا۔ لہٰذا دابہ پر فرض نماز کا عدم جواز اجماعی ہونے سے یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ ریل پر نماز کا عدم جواز بھی اجماعی ہے۔

---

(۱) حاشیہ نووی، ج:۱، ص:۲۴۴

(۲) شرح صحیح مسلم، باب جواز الصلاة النافلة على الدّابة، ص:۲۴۴، ج:۱، مجلس برکات، مبارك پور.

(۳) فتاویٰ رضویہ، اماکن الصلاة، ص:۴۴، ج:۳، سنی دار الاشاعت، مبارك پور.

ہاں ریل زمین پر چلتی ہے اس حیثیت سے یہ دابّہ کے مشابہ ہے اور خود سے نہیں چلتی، بلکہ کشتی کی طرح کسی کے چلانے سے چلتی ہے، اس حیثیت سے یہ کشتی کے مشابہ ہے۔

اب اگر ایک مشابہت کی وجہ سے ریل پر دابّہ کا حکم جاری ہو سکتا ہے تو دوسری مشابہت کی وجہ سے ریل پر کشتی کا حکم بھی جاری ہو سکتا ہے، اگر چہ راقم اس کا قائل نہیں۔

(۴) پھر امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو اجماع بتایا ہے وہ غیر حالتِ عذر سے مقید ہے اور حالتِ عذر میں غیر قبلہ کی جانب نماز اور دابّہ پر نماز کا جواز اجماعی اور دلیل قطعی سے ثابت ہے، اس پر آیت و حدیث وفقہ کی شہادتیں موجود ہیں، مگر قید کو ترک کر کے مطلقاً اجماع کا ذکر عوام کے لیے سخت غلط فہمی واشتباہ کا باعث ہے۔

مجلسِ شرعی کے فیصلے کا تعلق حالتِ عذر سے ہے، مجلس یہ تسلیم کرتی ہے کہ آج کے حالات میں ریل کا چلتے رہنا مسافر کے لیے شرعاً عذر ہے اور عذر ہو تو زمین پر قرار کے بغیر نماز پڑھنا بلا شبہہ جائز و صحیح ہے جیسا کہ خود فتاویٰ رضویہ، ص:۴۴، ج:۳ر میں اس کی صراحت ہے۔ اب اگر غیر حالتِ عذر میں «زمین پر قرار» کی شرط اجماعی بھی ہو تو حالتِ عذر پر اس کا انطباق کیسے؟ اور مجلس کے فیصلے پر اس کا کیا اثر؟ غیر حالتِ عذر میں نہ ہماری گفتگو ہے، نہ یہ مجلس کے زیرِ بحث۔

(۵) مذہبِ شافعی میں تختِ رواں پر جوازِ نماز کا واضح جزئیہ:

امام ابوزکریا نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے مذہب کے کچھ ایسے جزئیات کا بھی انکشاف فرمایا ہے جو چلتی ٹرین میں نماز کے جواز و صحت کی واضح دلیل ہیں، مثلاً تختِ رواں پر ان کے نزدیک نماز جائز و صحیح ہے جو چلتی ٹرین کی نظیر ہے۔ چناں چہ آپ «المجموع شرح المهذب» میں لکھتے ہیں:

وتصحُّ الفريضةُ في السفينة الواقفة والجارية والزورق المشدود بطرف الساحل بلا خلاف إذا استقبل القبلة وأتمّ الأركان، فإن صلّى كذلك في سرير يحمله رجال أو أرجوحة مشدودة بالحبالِ... ففي صحّة فريضته وجهان، الأصحُ: الصحّةُ كالسّفينة، وبه قطع القاضي أبو الطيب فقال في «باب موقف الإمام والمأموم»: قال أصحابُنا: لو كان يصلّي على سرير فحملهُ رجال وساروا به صحّت صلاتهُ.(۱)

ترجمہ: فرض نماز ٹھہری ہوئی کشتی، چلتی کشتی اور ساحل سے بندھی ہوئی چھوٹی کشتی میں بغیر کسی اختلاف کے صحیح ہے، بشرطے کہ استقبالِ قبلہ اور اتمامِ ارکان ہو۔ اگر اس طرح کسی ایسے تخت پر نماز پڑھی جسے چند افراد اٹھائے ہوئے ہیں یا ایسے جھولے پر جو رسیوں سے بندھا ہوا ہے، تو اس پر فرض نماز کی صحت کے بارے میں دو قول ہیں۔ اصح یہ ہے کہ کشتی کی طرح اس پر بھی نماز صحیح ہے، قاضی ابوالطیب نے اس پر جزم کیا۔ وہ «باب موقف الامام والماموم» میں فرماتے ہیں: ہمارے اصحاب نے فرمایا: اگر کسی تخت پر نماز پڑھ رہا تھا پھر تخت کچھ لوگوں نے اٹھایا اور اسے لے کر چلتے رہے تو نماز صحیح ہے۔ (شرح المہذب)

یہ حکم بھی تختِ رواں کا ہے وہ بھی غیر حالتِ عذر کا، جس میں استقبالِ قبلہ مقدور ہوتا ہے پھر بھی یہ مسئلہ چلتی ٹرین کی نظیر یقیناً ہے جب کہ اس میں استقبالِ قبلہ ممکن ہو۔

(۱) المجموع شرح المهذب، باب استقبال القبلة، ص:۲۱٤، الجزء الثالث، دار الفكر، بيروت، لبنان.

تفصیلی فیصلہ

مجلس شرعی، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور کے بیسویں فقہی سیمینار (منعقدہ ۶/۷/۸/ رجب ۱۴۳۴ھ مطابق ۱۷/۱۸/۱۹/ مئی۔ جمعہ، سنیچر، اتوار، بمقام جامعۃ البرکات، علی گڑھ) کا ایک موضوع ہے: "چلتی ٹرین پر فرض نمازوں کا حکم۔"

اس عنوان کے تحت سوال نامہ میں یہ تفصیل دی گئی کہ فرض اور واجب حقیقی یا حکمی کی ادائیگی صحیح ہونے کے لیے زمین یا تابع زمین پر استقرار اور اتحاد مکان (تمام ارکان کی ایک جگہ ادائیگی) شرط ہے۔ مگر جب کوئی مانع درپیش ہو تو حکم بدل جاتا ہے۔

اگر یہ مانع یا عذر، سماوی ہے تو دونوں شرطوں کے فقدان کے باوجود فرض و واجب کی ادائیگی صحیح ہوگی اور بعد میں اس نماز کا اعادہ بھی نہیں۔ لیکن مانع اگر ایسا ہے جو کسی بندے کی جانب سے ہے اور وہ براہ راست یا بطور سببِ قریب صحیح طریقے پر ادائے نماز سے روک رہا ہے تو حکم یہ ہے کہ بحالت مانع جیسے ممکن ہو نماز پڑھ

کیا روزِ روشن کی طرح یہ فقہی انکشاف اس امر کی دلیل قطعی نہیں ہے کہ "زمین پر قرار کی شرط" اجماعی نہیں ہے۔
اس صریح جزیئے کی روشنی میں شرطِ اجماعی کا دعویٰ اور "اجماعی پر متفرع" کے بھی اجماعی ہونے کا دعویٰ بخوبی جانچا، پرکھا جاسکتا ہے۔

• اس مقام پر ایک فقہی ضابطہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ:
"جو حکم کسی امر اجماعی پر متفرع ہو وہ بھی اجماعی ہوتا ہے۔"
یہ ضابطہ بھی نظر سے نہ گزرا، اس لیے فقہا یا علمائے اصول سے اس کی نقل یا پھر واضح دلیلِ شرعی کی ضرورت ہے۔
جیسے استقرار کی شرط کا اجماعی ہونا ثابت کرنے کے لیے کسی صریح عبارت اور دلیل کی ضرورت ہے۔
کسی «امر» کا اجماعی ہونا الگ بات ہے اور اس کی «فرع» کا اجماعی ہونا الگ بات۔ اجماع کا معنیٰ عزم و اتفاق ہے اور اس کے لیے قصد کی حاجت ہے۔ قال سیدی بحر العلوم: فانّ العزم فیه جمع الخواطر، والاتفاق فیه جمع الآراء. (فواتح الرحموت)
یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ ابوابِ فقہ میں نقلِ اجماع بھی اسی کا معتبر ہوگا جو مذاہبِ فقہ پر بہت وسیع اور گہری نظر رکھتا ہو اور ہلکا پھلکا اختلاف بھی اس کے احاطۂ نگاہ سے باہر نہ ہو، کیوں کہ دوسرے علم و فن کے علما بسا اوقات اکثر کے اتفاق پر بھی مجازاً اجماع کا اطلاق کر دیتے ہیں، اسے «اجماع اکثری» کہتے ہیں۔
ہمیں اس بات پر بھی نظر رکھنی چاہیے کہ مجددِ اعظم امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنی بے پناہ وسعتِ نظر کے باوجود «استقرار علی الأرض» کی شرط کو اجماعی نہ فرمایا، بلکہ یہ فرمایا "تحقیق یہ ہے۔ عند التحقیق" جب کہ مسئلہ اجماعی ہوتا تو فرماتے: "بالاجماع۔ اس پر اجماع ہے" کچھ تو ہے جس کے باعث اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ جیسے فقیہ بے مثال مقام استدلال میں اجماع کی بات نہیں کر رہے ہیں، اس پر ٹھنڈے دل سے غور ہونا چاہیے۔ (مرتب غفرلہ)

لے پھر بعد میں اس کا اعادہ کرے۔

چلتی ٹرین میں استقرار علی الارض کی شرط مفقود ہے۔ ہاں اگر ٹرین رکی ہوئی ہو تو وہ تخت کی طرح زمین پر مستقر ہے اور اس پر نماز صحیح ہے۔ چلتی ٹرین میں استقرار سے مانع براہ راست بندہ ہے یا یہ بندے کے اختیار سے نکل کر مانع سماوی قرار پا چکا ہے؟ بصورت اول چلتی ٹرین میں ادائیگی کے بعد اعادہ واجب ہے، بصورتِ دوم ادائیگی کے بعد اعادہ نہیں۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ نے ۱۹۲۱ء میں یہ لکھا تھا کہ "(ریل) انگریزوں کے کھانے، وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع مِن جهة العباد ہوا۔ اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعد زوالِ مانع اعادہ کرے۔"(۱)

بھارتیہ ریلوے کی تاریخ اور ریلوے نظام کی تبدیلی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوا کہ آزادیِ ہند سے پہلے کچھ پرائیویٹ کمپنیاں ٹرین چلاتی تھیں، یہ ریلوں کے چلنے اور رکنے کا نظام بنانے میں خود مختار ہوتی تھیں، ان کمپنیوں نے انگریزوں کے دور میں ان کے کھانے وغیرہ کے لیے ٹرین روکنے کی رعایت رکھی تھی اور مسلمانوں کی نماز کے لیے یہ رعایت نہ رکھی تھی اس لیے نمازی اس پر مجبور تھے کہ یا تو ٹرین رکنے پر فرض و واجب ادا کریں یا چلتی ٹرین پر پڑھیں، چلتی ٹرین پر پڑھنے میں استقرار کی شرط مفقود ہوتی اور اس سے مانع یہ پرائیویٹ کمپنیاں تھیں جنہوں نے اپنے نظام میں مسلمانوں کی رعایت نہ رکھی اس لیے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسے منع مِن جهة العباد قرار دے کر حسب امکان ادائگی، پھر بعد میں اعادہ کا حکم دیا۔

آزادی کے بعد ریلوے نظام پرائیویٹ کمپنیوں کے ہاتھ سے نکل کر خود حکومت کے ہاتھوں میں آگیا۔ حکومت نے منزل تک جلد پہنچانے اور مسافروں کی راحت رسانی کے خیال سے ایسی ٹرینیں چلائیں جن میں اسٹاپ کم سے کم ہو اور مسافروں کی بشری ضروریات کی فراہمی خود ٹرین میں مکمل کرنے کی کوشش کی۔ اب جہاں کہیں ٹرینیں رکتی ہیں تو سب کے لیے، جہاں نہیں رکتیں تو کسی کے لیے نہیں۔ یہ صورت حال زمانہ اعلیٰ حضرت کے حال سے مختلف ہے اس لیے آج حکم بھی مختلف ہوگا۔ جب ٹرین کسی فرد یا قوم یا جماعت کے خاص کام کے لیے نہیں روکی جاتی تو خاص نماز سے روکنے کا فاعل ریلوے محکمہ کو قرار نہیں دیا جاسکتا، کم از کم اتنا ضرور ماننا ہوگا کہ وہ منعِ نماز کا نہ مباشر ہے نہ اس کا سببِ قریب۔ اس لیے یہ منع اب منع مِن جهة العباد نہ رہا۔ [۱]

[۱]-• کہا جاتا ہے کہ:
ریلوے نظام الاوقات بنانے میں جیسے پرائیویٹ کمپنیاں خود مختار تھیں، ویسے ہی آج حکومت کا محکمۂ ریل بھی نظام الاوقات بنانے میں خود مختار ہے، اس لیے نماز کے اوقات میں ٹرین کا چلتے رہنا مانع من جهة العباد ہے۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۴۴، سنی دار الاشاعت مبارکپور

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ایک صدی پیش تر جب پرائیویٹ کمپنیاں ٹرین چلاتی تھیں تو وہ ریل کا نظام الاوقات بنانے میں خود مختار تھیں، کسی کو ان سے باز پرس کا کوئی حق نہ تھا، نہ ان کے نظام کے خلاف کوئی تحریک چلا سکتا تھا۔

مگر حکومت کا محکمۂ ریل ایسا خود مختار نہیں، اگر وہ ہمارے وضو و نماز کے لیے ہر نماز کے وقت میں اپنے ٹائم ٹیبل میں مناسب وقفہ بڑھا دے اور پانچوں اوقات میں ٹرینیں معمول سے زیادہ وقفہ کے لیے اسٹیشنوں پر رکیں اور جہاں اسٹاپ نہ ہو وہاں بھی رکیں تو پورے ہندوستان میں عوام کی طرف سے نہ تھمنے والا ہنگامہ کھڑا ہو جائے گا، تحریکیں چلیں گی، مظاہرے ہوں گے اور عجب نہیں کہ فسادات بھی شروع ہو جائیں، اس لیے حکومت بے بس ہے، وہ کسی مذہب کی عبادات کے لیے ٹائم ٹیبل میں غیر معمولی وقفہ بڑھانے اور جہاں اسٹاپ نہ ہو وہاں ٹرین روکنے میں خود مختار نہیں۔ مخالف موجود ہو، اس کا خوف ہو، مگر اس نے دھمکی نہ دی ہو تو عذر سماوی مانا جاتا ہے، اس لیے یہ عذر بھی آج سماوی ہوگا۔

ولو خاف بدون توعدٍ من العدو، فلا -- لأنّ الخوف أوقعه الله تعالى في قلبه.[1]

کھلی ہوئی بات ہے کہ پرائیویٹ کمپنیوں کے لیے ایسی کوئی مجبوری و بے بسی نہ تھی، اس لیے اس زمانے میں عذر از جانب بندہ تھا، اور مانع من جهة العباد۔

کہا جاتا ہے کہ "جس کے ہاتھ میں نظام الاوقات کا اختیار ہوتا ہے وہی مانع ہوتا ہے"۔ یہ صحیح ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ نظام الاوقات میں جس اسٹیشن پر ٹرین کا اسٹاپ ہوتا ہے وہاں وہ ضرور رکتی ہے اور جس اسٹیشن پر اس کا اسٹاپ نہیں ہوتا وہاں نہیں رکتی، یوں ہی رکنے کا جو وقفہ ہوتا ہے، اس سے زیادہ نہیں رکتی لیکن اگر نظام الاوقات بنانے والے خاص نماز کے لیے کسی اسٹیشن پر ٹرین روکنے یا زیادہ دیر تک روکنے میں کسی وجہ سے بے بس ہیں تو عذر سماوی قرار پائے گا، اور یہاں غیر مسلم اکثریتی ملک کا حال ایسا ہی ہے کہ وہ نماز کے لیے کسی اسٹیشن پر ٹرین روکنے یا زیادہ دیر تک روکنے میں عوامی احتجاج اور ہنگاموں کے خوف کے باعث بے بس ہیں۔

پھر بھی اگر کہا جائے کہ محکمۂ ریل خود مختار ہے اور نظام الاوقات میں نماز کا خصوصی لحاظ نہ رکھنے کے باعث وہی مانع ہے تو یہ منع من جهة العباد ہے، لہٰذا چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے پر اعادہ واجب ہوگا۔

تو ہم عرض کریں گے کہ یہی حکم ہوائی جہاز کا بھی ہونا چاہیے، کیوں کہ ہوائی جہاز کا محکمہ بھی اپنے نظام الاوقات میں اوقاتِ نماز کا لحاظ رکھنے میں خود مختار ہے، اور وہ اس کا لحاظ کر لے تو نمازی مسافروں کو یہ سہولت ضرور حاصل ہوگی کہ نماز پڑھ کر مثلاً سوار ہوں، اور اترنے کے بعد دوسری نماز پڑھیں۔

اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ "ہوائی جہاز وقتِ نماز میں روکا جائے تو بھی فضا میں ہی رہے گا زمین پر نہ ٹھہرے گا" یہ اس وقت ہے جب اس کے نظام الاوقات میں نماز کے اوقات کا لحاظ نہ رکھا گیا ہو، لیکن اگر اس میں نماز کے اوقات کا لحاظ کر لیا جائے اور پرواز اوقاتِ نماز کی رعایت کے ساتھ ہو تو وہ سوال ہی نہیں پیدا ہوگا کیوں کہ وقت نماز میں وہ کسی ایرپورٹ پر ٹھہرا ہوگا، تو جیسے ریلوے ٹائم ٹیبل میں اوقاتِ نماز کی عدم رعایت منع من جهة العباد کا سبب ہوگی ویسے ہی ہوائی جہاز کے ٹائم ٹیبل میں اوقاتِ نماز کی عدم رعایت بھی منع من جهة العباد کا سبب ہوگی۔ مگر حیرت ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز پڑھنے پر اعادہ کا حکم دیا جاتا ہے اور ہوائی جہاز میں نماز پڑھنے پر اعادہ کا حکم نہیں دیا جاتا۔ ارباب فقہ کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔

اور اگر ہوائی جہاز یا ریلوے ٹائم ٹیبل کو بے اثر مانتے ہوئے یہ کہیں کہ جب نماز کا وقت ہو جائے تو ٹرین رکی جائے خواہ

(۱) فتاوی رضویہ، ص:۶۱۶، ج:۱، سنی دار الاشاعت، مبارک پور

اس کی ایک دلیل خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی مذکورہ بالا عبارت ہے۔ اس لیے کہ حنفیہ کے نزدیک مفہومِ مخالف نصوص کتاب و سنت میں اگرچہ معتبر نہیں مگر عبارتِ فقہا و کلامِ علما میں ضرور معتبر ہے۔

"(ٹرین) انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع مِن جهة العباد ہوا۔"(۱)

اس عبارت سے واضح ہے کہ اول کے لیے روکنے اور دوم کے لیے نہ روکنے کے سبب منع مِن جهة العباد ہونے کا حکم ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوا کہ "اگر دونوں کے لیے روکی جائے تو سرے سے منع ہی نہیں اور اگر دونوں کے لیے نہ روکی جائے تو منع مِن جهة العباد نہیں۔"[۱]

وہاں اس کا اسٹاپ ہو یا نہ ہو تو اب ٹرین اور ہوائی جہاز کے احکام میں فرق ہوگا، مگر اس طرح ٹرین روزانہ نمازِ پنجگانہ کے لیے روکی جائے تو شدید احتجاج ناگزیر ہوگا، جیسا کہ ہم نے عرض کیا اور عن قریب اس پر مزید روشنی ڈالیں گے۔ (مرتب غفرلہ)

[۱]- ● یہاں اس کے تعلق سے ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ:

مفہومِ مخالف اس وقت معتبر ہوتا ہے جب وہ واقع کے خلاف نہ ہو، نیز کسی امرِ صریح، ثابت کے معارض نہ ہو۔ جب کہ فتاویٰ رضویہ کی عبارت کا مفہومِ مخالف امرِ صریح ثابت کے معارض بھی ہے اور خلافِ واقع بھی۔

عرض ہے کہ مفہومِ مخالف کے معتبر ہونے کے لیے جو شرطیں بیان کی گئی ہیں وہ صحیح ہیں لیکن فتاویٰ رضویہ کا مفہومِ مخالف واقع کے بھی مطابق ہے اور اس امرِ صریح کے بھی جو شرعاً ثابت ہے۔

عام مسافرین کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ سفر جلد سے جلد اور کم سے کم وقت میں طے ہو اور منزلِ مقصود تک پہنچ کر ہمارا وقت اصل کام میں صرف ہو، اسی لیے کثیر اہلِ استطاعت ہوائی جہاز کا سفر اختیار کرتے ہیں، جب کہ اس میں بھاری رقم دینی پڑتی ہے، لیکن وقت کی بچت اور کام کی اہمیت کے پیشِ نظر مسافر اسے بخوشی ادا کرتا ہے، مگر یہ سفر اکثر باشندگانِ ملک کی وسعت سے باہر ہے، اس لیے حکومت نے پسنجر ٹرینوں، تیز رفتار ٹرینوں اور اب نان اسٹاپ ٹرینوں کا انتظام کیا اور اس میں بھی سلیپر، اے۔ سی۔ فرسٹ کلاس، سکنڈ کلاس، تھرڈ کلاس وغیرہ درجات رکھے تاکہ ہر طرح کے مسافرین اپنی وسعت کے مطابق مقصودہ منزلوں تک پہنچ سکیں۔ ان ٹرینوں کے اوقات، وقفوں اور مقررہ کرایوں کا بھی اعلان کر دیا، مسافرین نے یہ سب جان کر اپنی وسعت اور سہولت کے مطابق جس کسی ٹرین کے کسی درجے کا ٹکٹ حاصل کر لیا تو طرفین سے عقدِ اجارہ مکمل ہو گیا، اب کسی اعلان شدہ محلِ وقوف پر ٹرین نہ روکنا، یا کسی غیر اعلان شدہ مقام پر بے سبب ناگہانی ٹرین روکنا، تنہا محکمۂ ریلوے کے اختیار میں نہ رہا۔ اس لیے کہ ایسا کرنے سے طے شدہ عقدِ اجارہ کی خلاف ورزی اور حقوقِ مسافرین کی پامالی ہوگی۔ اگر مسافرین صرف مسلمان ہوں اور وہ اپنے لیے کوئی ٹرین خاص کرالیں جو اوقاتِ نماز میں رکتی ہوئی چلے تو ظاہر ہے کہ اس پر کسی کو کوئی اعتراض نہ ہوگا، لیکن عام ٹرینوں کو اگر وہ اوقاتِ نماز میں روکنا چاہیں یا محکمۂ ریلوے غیر اعلان شدہ اوقات میں روکنا چلے تو عقد اور اعلان کی خلاف ورزی کی وجہ سے تمام بے نمازیوں اور غیر مسلموں کو سخت اعتراض ہوگا اور نوبت زبردست احتجاج اور عظیم فتنہ و فساد تک پہنچ سکتی ہے۔

اس لیے حق یہ ہے کہ بطریقِ معہود عقد کی تکمیل ہو جانے کے بعد محکمہ بھی بے بس ہے اور ان عام ٹرینوں پر اسپیشل

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۴۴، سنی دارالاشاعت مبارکپور۔

خود اسی عبارت سے مفہوم و مستفاد ہوا کہ اب ٹرین چوں کہ کسی فرد یا افراد کے کام کے لیے نہیں روکی جاتی تو منع من جھۃ العباد نہ رہا لہٰذا چلتی ٹرین پر ادائے نماز کے بعد اعادۂ نماز کا حکم بھی نہ رہا۔

دوسری دلیل: فتاویٰ رضویہ جلد اول (ص:۶۱۴) میں پانی سے عجز کی ۱۷۵ صورتوں کے ذکر اور جواز تیمم کے بیان میں صورت نمبر ۶۰ کے تحت ہے: "اگر اتر کر پانی لانے میں مال جاتے رہنے کا خوف ہو تو اعادہ بھی نہیں۔ اور یہ نمبر ۴۴ ہے۔ (نمبر ۴۴ یہ ہے: مال پاس ہے اپنا، خواہ امانت اور پانی پر ساتھ لے جانے کا نہیں، نہ یہاں کوئی محافظ، اگر پانی لینے جائے تو اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔ جب کہ وہ مال ایک درم سے کم نہ ہو، ص:۶۱۳) اور اگر ریل چلے جانے کا اندیشہ ہو جب بھی تیمم کرے اور اعادہ نہیں۔ یہ نمبر آئندہ کے حکم میں ہے۔" (نمبر آئندہ یہ ہے: نمبر ۶۱ ــ پانی میل سے کم مگر اتنی دور ہے کہ اگر یہ وہاں جائے تو قافلہ چلا جائے گا اور اس کی نگاہ سے غائب ہو جائے گا۔ (ص:۶۱۴)

کتب فقہ میں یہ صراحت ہے کہ جن اعذار کی وجہ سے تیمم جائز ہے ان کی وجہ سے چلتی سواری پر نماز بھی جائز ہے تو اتر کر نماز پڑھنے میں اگر مال جانے یا ٹرین چلی جانے کا اندیشہ ہو تو بھی چلتی ٹرین پر نماز جائز ہے اور اعادہ نہیں۔ قافلہ چھوٹ جانے یا نگاہ سے غائب ہو جانے کے باعث نمازی کو جو پریشانی ہوتی وہ مال جانے یا ٹرین چھوٹنے میں بھی ہے اس لیے یہاں بھی جواز بلا اعادہ کا حکم ہے۔ یہ خود اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی تصریحات بالا سے واضح ہے۔

الحاصل: موجودہ حالات میں چلتی ٹرین پر سنن و نوافل کی طرح فرض و واجب نمازوں کی ادائگی بھی صحیح ہے اور ان کا اعادہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سوال: چلتی ٹرین پر کسی نے اول وقت، یا درمیان وقت میں نماز پڑھ لی جب کہ اسے امید ہے کہ آخر وقت تک ٹرین رکے گی اور اسے زمین پر اتر کر، یا رکی ہوئی ٹرین پر نماز پڑھنے کا موقع مل جائے گا تو اس کی پڑھی ہوئی نماز ادا ہوئی یا نہیں؟

طے شدہ وقفات نماز والی ٹرین کا حکم جاری کرنا زیادتی اور فقہی اور ملکی دونوں قانون کی خلاف ورزی ہے۔ محکمہ جب روکنے کے معاملے میں بے بس ٹھہرا تو اس کی جانب سے نہ منع رہا، نہ منع من جھۃ العبد کا صدق ہوا تو اس عذر شدید کی وجہ سے چلتی ٹرین پر ادا شدہ نماز کے اعادے کا حکم بھی نہ رہا۔

امام اہل سنت قدس سرہ نے نماز کے لیے ٹرین نہ روکنے کو منع من جھۃ العبد اس زمانے میں قرار دیا ہے جب انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے ٹرین روکی جاتی تھی، حکومت بھی انگریزوں کی تھی، ہندوستانی مسلم و غیر مسلم اس تفریق کو برداشت کرتے تھے اور کسی فتنہ و فساد کا اندیشہ نہ تھا، اب نہ وہ صورت حال ہے، نہ فتنوں سے وہ بے خوفی، نہ وہ اختیار، نہ وہ حکم۔

مانعین کے بیان کردہ مفہوم موافق و مخالف کو مان کر بھی ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بطریق معہود عقد اجارہ کی تکمیل کے بعد محکمہ کے پاس اس کی خلاف ورزی کا اختیار نہ رہا تو منع من جھۃ العبد کا حکم بھی نہ رہا، جیسا کہ تفصیلاً ذکر ہوا۔ (مرتب غفرلہ)

جواب: ایسے شخص کی نماز صحیح ہے، اسے بعد میں دہرانے کی حاجت نہیں، کیوں کہ نماز کا وقت نماز کے لیے "ظرف" ہے۔ "معیار" نہیں، اور نماز کا سبب اس کے وقت کا وہ حصہ ہے جو نماز کی ادائگی سے متصل ہے۔ جیسا کہ اصول فقہ کی کتابوں میں اس کی صراحت موجود ہے تو اس نمازی نے سبب پائے جانے کے ساتھ نماز ادا کی اور چوں کہ عذر سماوی کی بنا پر بعض شرائط کی تکمیل سے قاصر تھا اس لیے اس کی نماز ہو گئی اور اعادہ کی حاجت نہیں کیوں کہ نمازی، نماز کے ارادہ اور آغاز ادا کی حالت کے اعتبار سے ہی شرائط وارکان کی ادائگی کا مکلف ہوتا ہے اور اس نے اپنی موجودہ قدرت کے اعتبار سے نماز ادا کرلی ہے۔ البتہ اس کے لیے نماز کو آخری وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ مسافر کو جب آخری وقت تک پانی ملنے کا یقین یا ظن غالب ہو تو اس کے لیے تیمم کو آخری وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے، واجب نہیں لہٰذا اگر وہ آخری وقت کا انتظار کیے بغیر اس سے پہلے ہی تیمم کر کے نماز پڑھ لے تو نماز صحیح ہے۔ اور وقت کے اندر پانی مل جانے کے بعد اس کو وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں۔ رد المحتار میں ایسا ہی ایک دوسرا مسئلہ بھی ہے۔[۱]

(ملاحظہ ہو تنویر الابصار، در مختار، رد المحتار باب التیمم۔ ج:۱، ص:۳۷۰، دار احیاء التراث العربی۔ بیروت، باب الوتر والنوافل، ج:۲، ص:۴۹۰، دار الکتب العلمیہ، بیروت طبع ثانی)

---

[۱]-• اور وہ اس مسئلے کی دوسری نظیر ہے۔ وہ دوسری نظیر یہ ہے کہ:

زمین ہر طرف ناپاک ہے اور بارش وغیرہ کے سبب بھیگی ہوئی ہے تو ظاہر یہ ہے کہ اشارے سے نماز پڑھ لے، ہاں اگر اسے ظن غالب ہو کہ وقت کے اندر پاک زمین تک پہنچ جائے گا تو اس وقت تک موخر کرنا مستحب ہے، واجب نہیں۔

درِ مختار میں پہلی نظیر کا ذکر اس طرح ہے:

(وندب لواجيه) رجاءً قويًا (آخر الوقت) المستحب، ولو لم يؤخر وتيمم و صلّى جاز إن كان بينه و بين الماء ميل، وإلّا لا.

اسی کے تحت رد المحتار میں ہے:

قوله (رجاء قويًا) المراد به غلبة الظن ومثله التيقن كما في الخلاصة وإلّا فلا يؤخر، لأن فائدة الانتظار أداء الصلاة باكمل الطهارتين-بحر- قوله : (المستحب) هذا هو الأصح، وقيل: وقت الجواز. وقيل: إن كان على ثقة من الماء فإلى آخر وقت الجواز. وإن كان على طمع فإلى آخر وقت الاستحباب-سراج- وفي البدائع: يؤخر إلى مقدار مالم يجد الماء لأمكنه أن يتيمم ويصلي فى الوقت. وفي التاتر خانية عن المحيط: ولا يفرط فى التاخير حتى لا تقع صلاة في وقت مكروه. (۱)

---

(۱) رد المحتار، ملخصًا، باب التيمم، ص: ۳۷۰، ج: ۱، دار احياء التراث العربي، بيروت، لبنان، ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸م

اور دوسری نظیر کا ذکر رد المحتار میں ان الفاظ میں ہے:

....ورأيت في تيمم الحلية عن المبتغى: مسافر لا يقدر أن يصلي على الأرض لنجاستها وقد ابتلت الأرض بالمطر يصلى بالإيماء إذا خاف فوت الوقت .اھ ثم قال: وظاهره أنه لا يجوز إذا لم يخف فوت الوقت . وفيه نظر، بل الظاهر الجواز، وإن لم يخف فوت الوقت كما هو ظاهر إطلاقهم. نعم الأولى أن لا يصلى إلا إذا خاف فوت الوقت بالتاخير كما في الصلاة بالتيمم. اھ وهذا عين ما بحثته أوّلاً فليتأمل. (1) ١٢ مرتب غفرله

(١) رد المحتار، ص: ٤٧١، ج: ١، دار احياء التراث العربى، بيروت، لبنان.

فیصلہ (٦٠)

جینٹک ٹیسٹ کا شرعی حکم

بسم اللہ الرحمن الرحیم -حامداً ومصلّیاً ومسلّماً

سوال: جینٹک ٹیسٹ کرانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جینٹک ٹیسٹ عام حالات میں جائز نہیں کہ اس میں کئی مفاسد ہیں:

اس ٹیسٹ میں مسلم عورت کے شکم کے زیریں حصے کو ایک اجنبی ڈاکٹر دیکھتا، چھوتا ہے اور یہ بلا ضرورتِ شرعیہ حرام ہے۔

اس ٹیسٹ کے اور طریقے بھی ہیں جو مفاسد سے خالی نہیں۔

یہ ٹیسٹ نہ مرتبۂ ضرورت دحاجت میں ہے، نہ مرتبۂ منفعت وزینت میں۔ بلکہ از قبیل فضول ہے۔ کیوں کہ اس ٹیسٹ سے مرد یا عورت کے صرف جین کی خرابی کا پتہ چلتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والے بچہ پر مرتب ہونے والے منفی اثرات کا تعین نہیں ہو سکتا۔

اگر جین خراب ہوں تو جنین میں بیماری کا محض اندیشہ ہے، کوئی ضروری نہیں کہ وہ بیمار بھی ہو، خصوصاً جب کہ دوسرے ایسے ٹیسٹ موجود ہیں جو مختلف قسم کے مہلک امراض کی تشخیص میں معاون ہوتے ہیں اس لیے یہ ٹیسٹ کرانا فضول کام ہے۔ پھر یہ کہ اس ٹیسٹ میں خطیر رقم صرف ہوتی ہے اس لیے مال کا ضیاع بھی ہے جو شرعاً جائز نہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

مراتب پانچ ہیں: ضرورت، حاجت، منفعت، زینت، فضول... فضول یہ کہ بے منفعت چیز میں حد سے زیادہ توسع وتدقیق... یہ بہ اختلاف مراتب مباح ومکروہ تنزیہی وتحریمی سے حرام تک (ہوتا ہے)۔ قال المحقق علی الإطلاق فی الفتح ثم السید الحموی فی الغمز (قاعدۃ: الضرر یزال) ھھنا خمسۃ مراتب: ضرورۃ وحاجۃ ومنفعۃ وزینۃ وفضول. فالضرورۃ بلوغہ حدا ان لم یتناول الممنوع

هلك او قارب، وهذا يبيح تناول الحرام. والحاجة: كالجائع الذى لولم يجد ماياكله لم يهلك غير أنه يكون فى جهد ومشقة، وهذا لايبيح الحرام ويبيح الفطر فى الصوم. والمنفعة: كالذي يشتهى خبزالبر ولحم الغنم والطعام الدسم، والزينة: كالمشتهى الحلوى والسكر. والفضول: التوسع بأكل الحرام والشبهة." (۱)

لہٰذا مسلمان یہ ٹیسٹ نہ کرائیں، اس سے بچیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

شرکائے سیمینار

(اکابر)

(۱) امین ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین قادری برکاتی دام ظلہ العالی — سجادہ نشیں، خانقاہ عالیہ برکاتیہ، مارہرہ، مطہرہ
(۲) عزیز ملت حضرت مولانا شاہ عبدالحفیظ دام ظلہ العالی — سربراہ اعلیٰ، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳) شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد احمد مصباحی دام ظلہ العالی — الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۴) شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالشکور عزیزی دام ظلہ العالی — الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور
(۵) مفتی محمد نظام الدین رضوی — ناظم مجلسِ شرعی، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

اصحابِ مقالات

(۶) مولانا قاضی فضل رسول مصباحی — مدرسہ سراج العلوم، مہراج گنج
(۷) مولانا قاضی فضل احمد مصباحی — مدرسہ ضیاء العلوم، بنارس
(۸) مفتی عبدالسلام رضوی مصباحی — مدرسہ انوار العلوم، بلرام پور
(۹) مولانا شبیر احمد مصباحی — مدرسہ سراج العلوم، مہراج گنج
(۱۰) مولانا محمد سلیمان مصباحی — جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۱۱) مولانا محمد مسیح احمد قادری مصباحی — مدرسہ انوار القرآن، بلرام پور
(۱۲) مولانا منظور احمد خاں عزیزی — جامعہ عربیہ، سلطان پور
(۱۳) مولانا مفتی محمد معراج القادری — جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

---

(۱)- فتاوی رضویہ، ج:۱، ص:۱۵۸، ۱۵۹، ملخصا، رضا اکیڈمی، ممبئی، بحوالہ: غمز العیون والبصائر شرح الأشباہ والنظائر قاعدۃ خامسۃ «الضرر یزال»، ج:۱، ص:۱۱۹، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ، کراچی

(۱۴) مولانا محمد اقبال احمد نوری	جامعہ احسن البرکات، مارہرہ
(۱۵) مولانا محمد انور نظامی مصباحی	مدرسہ فیض النبی، کنگھرا، ہزاری باغ
(۱۶) مولانا محمد نظام الدین قادری مصباحی	دارالعلوم علیمیہ، جمدا شاہی
(۱۷) مولانا معین الدین مصباحی	دارالعلوم بہار شاہ، فیض آباد
(۱۸) مولانا ابرار احمد امجدی برکاتی	مرکز تربیت افتا، اوجھاگنج
(۱۹) مفتی شہاب الدین نوری مدرسہ	مدرسہ فیض الرسول، براؤں شریف
(۲۰) مولانا ابرار احمد اعظمی	دارالعلوم ندائے حق، جلال پور
(۲۱) مولانا عبدالغفار اعظمی مصباحی	مدرسہ ضیاء العلوم، خیر آباد
(۲۲) مفتی محمد شہاب الدین اشرفی	استاذ جامع اشرف، کچھوچھہ شریف
(۲۳) مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی	استاذ مدرسہ فیض العلوم، فیض آباد
(۲۴) مولانا ساجد علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۵) مولانا محمد ناظم علی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۶) مولانا صدر الوریٰ مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۷) مفتی محمود علی مشاہدی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۸) مولانا اختر حسین فیضی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۲۹) مولانا دستگیر عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۰) مولانا محمد اختر کمال قادری مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۱) مفتی محمد ناصر حسین مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۲) مولانا شیر محمد مصباحی	استاذ دارالعلوم وارثیہ، لکھنؤ
(۳۳) مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی	استاذ مدرسہ فیض العلوم، محمد آباد
(۳۴) مفتی بدر عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۵) مفتی آل مصطفیٰ مصباحی	استاذ جامعہ امجدیہ، گھوسی
(۳۶) مولانا غلام محمد مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۷) مولانا عبدالحق رضوی مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۳۸) مولانا محمد عرفان عالم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۳۹) مفتی محمد نسیم مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۰) مولانا نفیس احمد مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۱) مولانا نور احمد قادری	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۲) مفتی زاہد علی سلامی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۴۳) مفتی محمد قاسم مصباحی	جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف
(۴۴) مولانا نوشاد ازہری	جامعہ احسن البرکات، مارہرہ شریف
(۴۵) مولانا محمد ہارون مصباحی	استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

بقیہ شرکائے سیمینار

(۴۶) حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی	دار القلم، دہلی
(۴۷) حضرت مولانا مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی	مالدہ
(۴۸) حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی	بریلی شریف
(۴۹) حضرت مولانا محمد عبد المبین نعمانی	چریا کوٹ
(۵۰) حضرت مولانا مفتی عبد المنان کلیمی	مرادآباد
(۵۱) حضرت مولانا مفتی محمد حبیب اللہ خان نعیمی	بلرام پور
(۵۲) حضرت مولانا مسعود احمد برکاتی	جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
(۵۳) حضرت مفتی ایاز احمد مصباحی	پونہ

علمائے اہلِ سنت شہر علی گڑھ

(۵۴) جناب مولانا سید نور عالم مصباحی	البرکات، علی گڑھ
(۵۵) جناب مولانا آل محمد	مولانا آزاد نگر، علی گڑھ
(۵۶) جناب مولانا محمد شمیم برکاتی	وحید نگر
(۵۷) جناب مولانا محمد ثاقب رضوی	ریاض کالونی
(۵۸) جنوب مولانا محمد عتیق ثقلینی	پٹواری کا نگلہ
(۵۹) جناب مولانا محمد عاصم رضا	پٹواری کا نگلہ
(۶۰) جناب حافظ دل دار	شہنشاہ آباد
(۶۱) جناب قاری شاہ محمد	بھجپورہ

(۶۲) جناب مولانا اخلاق	فردوس نگر
(۶۳) جناب مولانا محمد سمیر برکاتی	لائن پار
(۶۴) جناب مولانا ذاکر حسین نوری	لائن پار
(۶۵) جناب مولانا محمد مسعود خاں	زہرہ باغ
(۶۶) جناب مولانا محمد جاوید	کبیر کالونی
(۶۷) جناب حافظ شاغل	ترکمان گیٹ
(۶۸) جناب مولانا معین الدین قادری	جمال پور
(۶۹) جناب قاری محمد طارق رضا برکاتی	مدرسہ نور مصطفیٰ
(۷۰) جناب مولانا عبد القادر برکاتی	شاہ جمال
(۷۱) جناب مولانا محمد عالم اشرفی	شاہ جمال
(۷۲) جناب مولانا محمد اجمل حسین برکاتی	مدرسہ گلشن برکات
(۷۳) جناب مولانا طالب علی قادری	جیون گڑھ
(۷۴) جناب مولانا فرمود عالم برکاتی	شہنشاہ آباد
(۷۵) جناب مولانا شفیق احمد برکاتی	قلعہ روڈ
(۷۶) جناب قاری زریق احمد	فردوس نگر، بی
(۷۷) جناب مولانا محمد، آباد	دہلی گیٹ چوراہا
(۷۸) جناب حافظ اختر علی رضوی	مدرسہ قادریہ چشتیہ
(۷۹) جناب سید فرقان علی	اے ایم یو
(۸۰) جناب مولانا غلام غوث مصباحی	اے ایم یو
(۸۱) جناب مولانا محمد انتظار برکاتی	ہمدرد نگر، بی
(۸۲) جناب حافظ قدیم رضا برکاتی	فردوس نگر، سی
(۸۳) حافظ محمد عبد الجلیل برکاتی	مدرسہ علیمیہ عرفان القرآن
(۸۴) جناب مولانا محمد امام الدین مصباحی	مدرسہ علیمیہ عرفان القرآن
(۸۵) جناب مولانا محمد آصف صابری	ترکمان گیٹ
(۸۶) جناب مولانا عبد القاری	ذاکر نگر

(۸۷) جناب حافظ دلدار	لائن پار
(۸۸) جناب حافظ ارشاد	شہنشاہ آباد
(۸۹) جناب مولانا محمد مسلم رضا برکاتی	پڑواری کا نگلہ
(۹۰) جناب مولانا محمد شان محمد	جیون گڑھ
(۹۱) جناب مولانا محفوظ عالم	جیون گڑھ
(۹۲) جناب مولانا ناصر علی قادری	جیون گڑھ
(۹۳) جناب مولانا محمد فاروق	جیون گڑھ
(۹۴) جناب مولانا ظفر عالم نوری	مسجد دارالبقا

ماہرین علوم عصریہ

(۹۵) جناب مولانا ڈاکٹر افضل مصباحی	ایڈیٹر روزنامہ، انقلاب
(۹۶) جناب ڈاکٹر شاہد صدیقی	صدر شعبۂ کینسر، اے ایم یو، علی گڑھ
(۹۷) جناب ڈاکٹر تبسم شہاب	ماہر اطفال، اے ایم یو علی گڑھ
(۹۸) جناب ڈاکٹر فہیم	کوآرڈی نیٹر جامعۃ البرکات
(۹۹) جناب ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی	جوائنٹ سکریٹری، جامعۃ البرکات
(۱۰۰) جناب سید اشہر علی	شعبۂ کمپیوٹر، جامعۃ البرکات
(۱۰۱) جناب شعیب احمد	شعبۂ کمپیوٹر جامعۃ البرکات.

ان کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مختلف شعبہ جات کے تقریباً ۳۵؍ پروفیسر حضرات شریک ہوئے۔

☆☆☆☆☆

ضمیمہ

فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت

فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے

از: محمد نظام الدین رضوی برکاتی

فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت

فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے

☆تقریب

☆حالات کے اثر سے احکام میں تبدیلی کے مناظر (چار انواع میں)

☆پہلی نوع —

عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ کے بدلے ہوئے احکام

☆دوسری نوع —

فقہ حنفی کے احکام جو مشائخ حنفیہ کے عہد میں تبدیل ہوئے۔

☆تیسری نوع —

مذہبِ حنفی کے بدلے ہوئے مسائل جن کے مطابق فقیہ فقید المثال امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ دیا، آپ کے فتویٰ سے حکمِ سابق میں تبدیلی ہوئی

☆چوتھی نوع —

فتاویٰ رضویہ کے مسائل جو بعد کے فقہاے اہلِ سنت کے نئے فتاویٰ اور فیصلوں کے ذریعہ بدلے

تقریب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامداً و مصلّیاً و مسلّماً

دنیا جب سے وجود میں آئی اس میں نت نئی تبدیلیاں ہوتی رہیں اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، ہمارے مشاہدات واحساسات شاہد ہیں کہ جیسے جیسے دنیا کے حالات میں تبدیلیاں ہوتی رہیں ویسے ہی اس کی ضرورتیں اور تقاضے بھی بدلتے رہے۔

بچہ پیدا ہوتا ہے اور نشوونما کے مدارج طے کرتا ہوا سنِ شعور کو پہنچتا ہے، پھر جوان اور اس کے بعد بوڑھا ہوتا ہے۔ یہ حالاتِ زندگی کا تغیر ہے اور اس تغیر کے ساتھ سماجی زندگی کے احوال میں تغیر آنا ایک فطری عمل ہے۔ ابتدا میں بچے کو ننگے بدن رہنے میں کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا۔ کچھ دنوں کے بعد کپڑے میں ملبوس ہونا بہتر، پھر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ سنِ شعور کا کپڑا جوان رعنا کے بدن پر فٹ نہیں ہوتا اس لیے کپڑوں کا سائز بدلنا پڑتا ہے اور بچپنے کا کپڑا بڑھاپے کی عمر میں زیب نہیں دیتا۔ حالات بدل رہے ہیں تو کپڑے بھی بدل رہے ہیں۔ اس طرح کے روز مرہ کی زندگی میں سیکڑوں بدلے ہوئے حالات ہیں اور ان کی کوکھ سے جنم لینے والے سیکڑوں ضروریات وتقاضے۔

ان محسوسات اور مشاہدات کی روشنی میں شرعی احکام کو بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ یہ بھی ناگزیر حالات اور تقاضوں کے بدلنے کے ساتھ ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔

حضرت آدم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں جب بھائی بہن کے سوا اجنبی مرد وعورت کا وجود نہ تھا تو ایک پیدائش کی بہن کے ساتھ دوسری پیدائش کے بھائی کا نکاح حلال تھا مگر جب اجنبی مرد وعورت بھی پائے جانے لگے تو بھائی بہن کا باہم نکاح حرام ہو گیا۔

خود شریعت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ میں ابتدائے اسلام میں بہت سے احکام نافذ ہوئے جو بعد میں زمانے کے تقاضوں کے ساتھ بدلتے رہے اسے نسخ کہا جاتا ہے۔

عہدِ رسالت اور بعد کے ادوار کی تبدیلیِ احکام میں فرق:

حضور سید عالم ﷺ کے زمانِ برکت نشان میں جو احکام تبدیل ہوئے ان میں اور آج کے تغیر احوال سے بدلنے والے احکام میں فرق ہے۔ عہد رسالت میں جو احکام بدلے ہیں وہ علم الٰہی وعلم رسول میں ایک خاص مدت تک کے لیے نافذ ہوئے تھے اس لیے جب وہ مدت پوری ہوگئی تو حکم بدل گیا۔ اس بدلنے کو «نسخ» اور بدلے ہوئے حکم کو «منسوخ» کہا جاتا ہے اور جس حکمِ جدید سے تبدیلی ہوئی اسے «ناسخ» کہا جاتا ہے اس کا بیان قرآن حکیم کی اس آیت کریمہ میں ہے:

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰیَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَیْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا (۱۰۶، البقرۃ-۲)

(جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے۔)

اس کے تحت تفسیر خزائن العرفان میں ہے:

"قرآن کریم نے شرائع سابقہ (پہلی شریعتوں) وکتبِ قدیمہ کو منسوخ فرمایا تو کفار کو بہت توحش ہوا اور انھوں نے اس پر طعن کیے، اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ منسوخ بھی اللہ کی طرف سے ہے اور ناسخ بھی۔ دونوں عین حکمت ہیں اور ناسخ کبھی منسوخ سے زیادہ سہل وانفع (آسان اور فائدہ مند) ہوتا ہے۔ قدرت الٰہی پر یقین رکھنے والے کو اس میں جائے تردد نہیں۔ کائنات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دن سے رات کو، گرما سے سرما کو، جوانی سے بچپن کو، بیماری سے تندرستی کو، بہار سے خزاں کو منسوخ فرماتا ہے۔ یہ تمام نسخ وتبدیلی اس کی قدرت کے دلائل ہیں تو ایک آیت اور ایک حکم کے منسوخ ہونے میں کیا تعجب؟

نسخ در حقیقت حکم سابق کی مدت کا بیان ہوتا ہے کہ وہ حکم اس مدت کے لیے تھا اور عین حکمت تھا۔ کفار کی نافہمی کہ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں اور اہل کتاب کا اعتراض ان کے معتقدات کے لحاظ سے بھی غلط ہے انھیں حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کے احکام کی منسوخیت تسلیم کرنا پڑے گی یہ ماننا ہی پڑے گا کہ شنبہ کے روز دنیوی کام ان سے پہلے حرام نہ تھے، (پھر) ان پر حرام ہوئے، یہ بھی اقرار کرنا ناگزیر ہوگا کہ توریت میں حضرت نوح علیہ السلام کی امت کے لیے تمام چوپائے حلال ہونا بیان کیا گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بہت سے (چوپائے) حرام کردیے گئے۔ ان امور کے ہوتے ہوئے نسخ کا انکار کس طرح ممکن ہے۔

مسئلہ: نسخ کبھی صرف تلاوت کا ہوتا ہے، کبھی صرف حکم کا، کبھی تلاوت وحکم دونوں کا۔ بیہقی نے ابوامامہ سے روایت کی کہ ایک انصاری صحابی شب کو تہجد کے لیے اٹھے اور سورۂ فاتحہ کے بعد جو سورت ہمیشہ پڑھا کرتے تھے اس کو پڑھنا چاہا لیکن وہ بالکل یاد نہ آئی اور سوائے «بسم اللہ» کے کچھ نہ پڑھ سکے، صبح کو دوسرے اصحاب سے اس کا ذکر کیا ان حضرات نے فرمایا ہمارا بھی یہی حال ہے وہ سورت ہمیں بھی یاد تھی اور اب ہمارے حافظہ میں بھی نہ

رہی۔ سب نے سید عالم ﷺ کی خدمت میں واقعہ عرض کیا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: آج شب وہ سورت اٹھالی گئی اس کے حکم و تلاوت دونوں منسوخ ہوئے۔ جن کاغذوں پر وہ لکھی گئی تھی ان پر نقش تک باقی نہ رہے۔
(تفسیر خزائن العرفان)

اس کے برخلاف عہد رسالت و عہد صحابہ کے بعد جو اجتہادی غیر اجماعی احکام بدلے وہ کوئی خاص مدت گزر جانے کی وجہ سے نہیں بدلے، بلکہ جس بنیاد پر وہ قائم تھے وہ بنیاد حالات زمانہ کے بدلنے سے بدل گئی اس لیے ان پر مبنی احکام بھی بدل گئے۔

بدلنے کی بنیاد ہے: (۱) ضرورت (۲) حاجت (۳) عموم بلویٰ (۴) عرف (۵) تعامل (۶) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۷) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔

بلکہ عہد رسالت و عہد صحابہ کے بہت سے احکام جو شرعی بنیادوں میں سے کسی بنیاد پر قائم ہیں وہ بھی ان ساتوں بنیادوں پر بدل سکتے ہیں بلکہ بہت سے احکام تو بدل بھی چکے ہیں جیسا کہ آئندہ سطور کے مطالعے سے عیاں ہوگا۔

یہاں یہ امر واضح رہے کہ بدلے ہوئے احکام پر عمل کرنا فی الواقع صاحبِ مذہب کے ہی قول و مذہب پر عمل کرنا ہے، کیوں کہ اگر صاحبِ مذہب اس وقت موجود ہوتے تو وہ بھی یہی فرماتے جو، اب بدلے ہوئے حالات میں ان کے ماننے والے فقہا فرمارہے ہیں۔

دل نشین مثال کے ذریعہ تفہیم: یہ ایک باریک بات ہے، اسے فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے بڑے دل نشین انداز سے سمجھایا ہے۔ ہمارے قارئینِ کرام بھی اسے سمجھنے کی کوشش کریں، آپ فرماتے ہیں:

"(نبی کریم ﷺ اور ائمۂ مذاہب کے) اقوال دو طرح کے ہیں، صُوری اور ضروری۔ **صوری** تو قولِ منقول ہے، اور **ضروری** وہ قول ہے جس کی صراحت قائل نے خاص طور پر نہ کی ہو، البتہ ایسے عموم کے ضمن میں اسے بیان کردیا ہو جو بدیہی طور پر اس بات کا حکم لگائے کہ اگر قائل اس خاص مسئلے میں کلام کرتے تو ضرور ایسا ہی فرماتے اور بسا اوقات حکمِ ضروری حکمِ صوری کے مخالف ہوتا ہے، تو اس وقت اس پر حکمِ ضروری کو ترجیح دی جاتی ہے یہاں تک کہ صوری کو اختیار کرنا قائل کی مخالفت شمار کیا جاتا ہے، اور اس سے حکمِ ضروری کی طرف عدول قائل کی موافقت اور اتباع۔

جیسے زید ایک نیک انسان تھا، اس لیے عمرو نے اپنے خادموں کو کھلے لفظوں میں اس کی تعظیم کا حکم دیا اور بار بار انھیں اس بات کی ہدایت کی، اور وہ پہلے ان سے یہ بھی کہہ چکا تھا کہ تم لوگ ہمیشہ فاسق کی تعظیم سے بچتے رہنا، پھر

ایک زمانے کے بعد زید فاسقِ معلن ہوگیا تو اگر اب بھی عمرو کے خادم اس کے حکم اور اس کی بار بار کی ہدایت پر عمل پیرا رہ کر زید کی تعظیم و توقیر کریں تو وہ ضرور نافرمان قرار پائیں گے اور اگر اس کی تعظیم چھوڑ دیں تو اطاعت شعار ہوں گے۔

ائمۂ مذاہب کے اقوال میں بھی مذکورہ بالا اسبابِ تغییر میں سے کسی سبب کے باعث یہ تبدیلی ہوجاتی ہے، لہٰذا جب کسی مسئلے میں امام سے کوئی نص ہو، پھر ان اسبابِ تغییر میں سے کوئی سبب پیدا ہوجائے تو ہم یقینی طور پر یہ اعتقاد رکھیں گے کہ اگر یہ سبب امام کے زمانے میں رونما ہوا ہوتا تو ضرور ان کا قول اس کے تقاضے کے موافق ہوتا، اس کے خلاف، اور اس کے رد میں نہ ہوتا۔ تو ایسے وقت میں ان سے غیر منقول «قولِ ضروری» پر عمل فی الواقع انھیں کے قول پر عمل ہے اور ان کے «قولِ منقول» پر جمے رہنا در حقیقت ان کی مخالفت (اور ان کے مذہب سے ناآشنائی ہے)۔"(۱)

اجماعی احکام نہیں بدلتے: ساتھ ہی یہاں یہ امر بھی واضح رہے کہ حالات کے بدلنے سے صرف اجتہادی، فروعی احکام بدلتے ہیں، اجماعی احکام میں کبھی تبدیلی نہیں ہوتی، فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"فقہ میں اجماع، اَقوی الادِلّہ (سب سے زیادہ مضبوط دلیل) ہے کہ اجماع کے خلاف کا مجتہد کو بھی اختیار نہیں، اگرچہ وہ اپنی رائے میں کتاب و سنت سے اس کا خلاف پاتا ہو کہ یقیناً سمجھا جائے گا یہ (اس کی) فہم کی خطا ہے، یا یہ حکم منسوخ ہوچکا ہے، اگرچہ مجتہد کو اس کا ناسخ نہ معلوم ہو۔"(۲)

مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہے کہ آج سے دو، تین صدی پیش تر کے نوپیدا فروعی مسائل میں «اجماعِ شرعی» نہیں پایا جاتا، خاص کر اس صورت میں جب اس مسئلے میں علمائے امت کے درمیان اختلافِ رائے ہو کہ «اجماعِ شرعی» نام ہے «کسی امرِ دینی پر تمام فقہائے مجتہدین کے اتفاق» کا۔ اور یہاں «اتفاق» کے بجائے اختلاف ہے اور علمائے امت بھی ایک عرصۂ دراز سے مجتہد نہ رہے یہ الگ بات ہے کہ انھوں نے اپنی فقہِ خداداد سے بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اجماع کے تعلق سے یہ انکشاف فرمایا:

"سبحان اللہ! «اجماعِ شرعی» جس میں اتفاقِ مجتہدین پر نظر تھی، علما نے تصریح فرمائی کہ بوجہِ شیوع و انتشارِ علما فی البلاد دو صدی کے بعد اس کے ادراک کی کوئی راہ نہ رہی۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ «جو کسی امرِ دینی پر اجماع کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے» اور اس سے مراد موجودہ وقت میں نئے اجماع کے ظہور کا دعویٰ ہے۔"(۳)

اس عبارت سے یہ ثابت ہوا کہ بارہ سو برس سے فقہائے مجتہدین کے اجماع کے عرفان کی کوئی راہ نہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ (عربی سے ترجمہ) ج:۱، ص:۳۸۵، رسالہ اجلی الاعلام، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲) فتاویٰ رضویہ جلد:۱۱، ص:۵۶، ۵۷، مسائل کلامیہ، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۳) فتاویٰ رضویہ جلد:۸، ص:۲۱۰، رسالہ المنی والدرر، سنی دار الاشاعت، مبارک پور

رہی، اس لیے ایک ڈیڑھ صدی پہلے پیدا ہونے والے فروعی، اختلافی مسائل میں آج «اجماعِ شرعی» و «اجماعِ مسلمین» کا تصور بدرجہ اولیٰ نہیں ہو سکتا۔

فروعی مسائل میں اختلاف کا سبب: ان فروعی مسائل میں اختلاف کیوں ہوتا ہے اور اختلاف کرنے والے کسی عالم محقق پر طعن کا کیا حکم ہے؟

یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے سنیے، آپ فرماتے ہیں:

☆ «تفقُّه فی الدین» میں اختلافِ مراتب، باعثِ اختلاف ہوا، اور

☆ اُدھر مصلحتِ الٰہیہ، احادیث، مختلف آئیں۔

کسی صحابی نے کوئی حدیث سنی، اور کسی نے کوئی اور۔ وہ بلاد میں متفرق ہوئے (شہروں میں پھیل گئے) اور ہر ایک نے اپنا علم شائع فرمایا، یہ دوسرا باعثِ اختلاف ہوا۔

عبد اللہ بن عمر کا علم امام مالک کو آیا اور عبد اللہ بن عباس کا امام شافعی کو اور اَفْضَلُ العَبادِلة عبد اللہ بن مسعود کا علم ہمارے امامِ اعظم ابو حنیفہ کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین. (اس طرح ان چاروں اماموں میں اختلاف ہوا۔ن)

اجتہادی مسائل میں کسی پر طعن جائز نہیں، نہ کہ معاذ اللہ ایسا خیال [کہ کفر سمجھا جائے-مرتب]

«حلال کو حرام» یا «حرام کو حلال» قرار دینا جو کفر کہا گیا ہے وہ ان چیزوں میں ہے جن کا حرام یا حلال ہونا ضروریاتِ دین سے ہے، یا کم از کم نصوص قطعیہ سے ثابت ہو۔ (۱)

یہاں تک کہ حضرت سیدی و مرشدی مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو مشہور مسائل — سجدہ تعظیمی کا جواز وغیرہ — میں قولِ جمہور سے اختلاف کا حکم یہ بیان فرمایا:

"ان دونوں مسئلوں میں بعض صاحبوں نے اختلاف کیا ہے، اگرچہ وہ لائقِ التفات نہیں، مگر اس نے ان مبتلاؤں کو حکمِ فسق سے بچا دیا ہے، جو ان مخالفین کے قول پر اعتماد کرتے اور جائز سمجھ کر مرتکب ہوتے ہیں۔ (۲)

آج کے دورِ زوال میں شرعی احکام اور ان کے مصالح سے ناواقفی بہت عام ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہماری فقہی مجالس یا مراکز سے «کوئی شرعی بنیاد» بدل جانے کے باعث احکام کے بدل جانے کا اظہار کیا جاتا ہے تو کچھ اذہان میں ایک ہیجان سا بپا ہو جاتا ہے۔ ہم نے اپنے ایسے کرم فرما حضرات کو سمجھانے کے لیے

---

(۱) فتاویٰ رضویہ جلد: ۱۱، ص: ٤٤، مسائل کلامیه، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲)— فتاویٰ مصطفویه ص: ٤٥٦، کتاب الحظر والاباحة، رضا اکیڈمی، ممبئی

بالخصوص اور تمام اسلامی بھائیوں کو سمجھانے کے لیے بالعموم عہد رسالت سے لے کر آج کے دورِ انحطاط تک کے کچھ فقہی مسائل جمع کیے ہیں جن کے احکام حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے بدل گئے ہیں۔ اب آپ ان مسائل کو انصاف و دیانت کے جذبے سے سرشار ہو کر پڑھیں اور خود فیصلہ کریں کہ ہماری فقہی مجالس کا اقدام سلف صالحین اور اکابر امت کا اتباع ہے یا ان سے اختلاف و انحراف۔

خدارا قرآن حکیم کی یہ نصیحت ہر گھڑی یاد رکھیں:

اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى. (۸، المائدہ، ۵)

(انصاف کرو، یہ تقویٰ و پرہیز گاری سے قریب تر ہے۔)

وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى. (۱۵۲، انعام، ۶)

(اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمھارے رشتہ دار کا معاملہ ہو۔)

ہمارا مقصود رضائے الٰہی کے لیے علم دین کی اشاعت اور اصلاحِ ناس ہے وبس۔ خدائے پاک اپنے حبیبِ رؤف و رحیم ﷺ کے صدقے میں اسے قبول فرمائے اور اس کے نفع کو عام و تام کرے۔ آمین

اِنۡ اُرِيۡدُ اِلَّا الۡاِصۡلَاحَ مَا اسۡتَطَعۡتُ وَمَا تَوۡفِيۡقِىۡۤ اِلَّا بِاللّٰهِ، عَلَيۡهِ تَوَكَّلۡتُ وَاِلَيۡهِ اُنِيۡبُ.

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین۔

شب ۲۵ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ
۴ راگست ۲۰۱۳ء

محمد نظام الدین الرضوی
خادم درس و افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدُ للہِ ربّ العالمین والصّلوٰۃُ والسّلامُ علیٰ حبیبہٖ سیّدِ المرسلین خاتمِ النّبیین وعَلیٰ اٰلہٖ وأزواجِہٖ وصحبِہٖ اجمعین.

اسلام کے احکام دو طرح کے ہیں:

کچھ تو وہ احکام ہیں جو حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے نہیں بدلتے جیسے نماز کے اوقات، رکعتوں کی تعداد، افعالِ نماز میں ترتیب، ہر رکعت میں رکوع ایک اور سجدے دو ہونا، زکوٰۃ کا نصاب، زکوٰۃ کی مقدار، مطاف کی تعیین، وقوف کے لیے عرفہ و مُزدلِفہ کا تعین وغیرہ وغیرہ۔

اور کچھ احکام وہ ہیں جو حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں، کیوں کہ یہ احکام کسی "بنیاد" پر قائم ہوتے ہیں اس لیے جب وہ بنیاد بدل جاتی ہے تو حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً سخت بھوک اور پیاس کی وجہ سے جب اضطرار کی حالت پیدا ہو جائے اور جان جانے کا اندیشہ ہو تو قرآنِ حکیم نے بقدرِ ضرورت مُردار اور خنزیر کا گوشت کھانے اور خون پینے کی اجازت دی ہے۔ لہٰذا جب یہ حالت نہ ہو تو مردار اور خنزیر کا گوشت کھانے اور خون پینے کی اجازت نہ ہوگی۔ یوں ہی بارش اور کیچڑ کی وجہ سے گھروں میں نماز پڑھ لینے کی اجازت ہے لیکن جب یہ حالت نہ ہو تو جماعتِ مسجد کی حاضری واجب ہے۔

پہلے مسئلے میں خنزیر، مردار اور خون کے مباح ہونے کی بنیاد اضطرار ہے اور دوسرے مسئلے میں جماعتِ مسجد کی حاضری میں چھوٹ حرج کی بنیاد پر ہے۔ لہٰذا جب تک یہ بنیادیں پائی جائیں گی ان سے متعلق احکام بھی باقی رہیں گے اور جب یہ بنیادیں باقی نہ رہیں گی تو احکام بدل جائیں گے۔

اللہ کے رسول ﷺ نے ایک سال رمضان المبارک کی تین راتوں میں تراویح کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھائی پھر کبھی جماعت نہ کی اور تنہا تراویح پڑھتے رہے۔ اس کی وجہ آپ نے یہ بیان فرمائی:

"فلم یمنعنی من الخروج إلیکم إلّا أنّی خشیتُ أن یفرض علیکم" میں (جماعتِ تراویح کے لیے) حجرے سے باہر اس لیے نہیں آیا کہ مجھے تم پر جماعتِ تراویح کے فرض ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔[1]

---

(۱) صحیح مسلم شریف، ص: ۲۵۹، ج: ۱، باب الترغیب فی قیام رمضان وھو التراویح، مجلس البرکات.

حضور سید عالم ﷺ کے برابر جماعت قائم کرنے کی وجہ سے جماعتِ تراویح کے فرض ہونے کا اندیشہ تھا اس لیے آپ نے چوتھی شب سے جماعت قائم نہ کی، لیکن امت کے برابر جماعت قائم کرنے سے جماعتِ تراویح کے فرض ہونے کا قطعی کوئی اندیشہ نہیں۔ اس لیے خلیفۂ راشد حضرت فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جماعت اپنے عہد خلافت سے قائم کردی۔ [1] جس پر امت کا عمل جاری ہے۔ وجہ وہی ہے کہ بنیاد تھی "خوفِ افتراض" [فرض ہونے کا اندیشہ] وہ بدل گئی تو حکم بھی بدل گیا۔

اب اگر کوئی حدیثِ رسالت کے پیش نظر یہ کہے کہ حضور ﷺ نے تین دن سے زیادہ تراویح جماعت سے نہ پڑھی تو ہم بھی اسے تین دن سے زیادہ جماعت سے نہ پڑھیں گے۔ اور اسے اُسوۂ رسول کا اتباع سمجھے تو یہ بڑی نادانی ہوگی۔ اس طرح کی خام خیالی وہابیہ، غیر مقلدین کا شعار ہے۔ اہل حق اہل سنت و جماعت تو "فقہِ دین" کی نعمت سے نوازے گئے ہیں۔ وہ ایسا نہیں سوچ سکتے۔

شرعی احکام بدلنے کی بنیادیں

حکم کسی دلیلِ شرعی پر مبنی ہوتا ہے، مگر سات چیزیں ایسی ہیں جن کے باعث سابقہ حکم میں تبدیلی آجاتی ہے۔ وہ سات «شرعی بنیادیں» یہ ہیں: (۱)۔ضرورت۔ (۲)۔حاجت۔ (۳)۔عمومِ بلویٰ۔ (۴)۔عرف۔ (۵)۔ تعامل۔ (۶)۔دینی ضروری مصلحت کی تحصیل (۷)۔ازالۂ فساد۔ یہ فقہ اسلامی کے سات بنیادی اصول ہیں جو ہر دور میں اسلامی احکام میں آسانی و نرمی فراہم کرتے ہیں۔

مجدد اسلام اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے ایک جامع لفظ کے ذریعہ انھیں چھ میں منحصر فرما دیا ہے۔ آپ کے کلمات یہ ہیں:

"چھ باتیں ہیں جن کے سبب قولِ امام بدل جاتا ہے۔ لہٰذا قول ظاہر کے خلاف عمل ہوتا ہے۔ وہ چھ باتیں یہ ہیں:

(۱) ضرورت۔ (۲) دفع حرج۔ (۳) عرف۔ (۴) تعامل۔ (۵) دینی ضروری مصلحت کی تحصیل۔ (۶) کسی فساد موجود یا مظنون بظن غالب کا ازالہ۔ ان سب میں بھی حقیقۃً قول امام ہی پر عمل ہے۔" [2]

ان سات شرعی بنیادوں پر اگر فقہا حکمِ سابق سے عدول کرتے ہیں تو وہ بھی فی الواقع صاحبِ شرع اور

---

(۱) صحیح البخاری، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل من قام رمضان، ج:۱، ص:۲۸۵، مجلس البرکات.

(۲) فوائد رضویه بر حاشیه فتاویٰ رضویه: ج:۱، ص:۳۸۵، رساله اجلی الاعلام، رضا اکیڈمی ممبئی

صاحبِ مذہب کے ارشاد و مذہب پر ہی عمل مانا جاتا ہے، کیوں کہ ان بنیادوں کے بدلنے کے وقت اگر صاحبِ شرع یا صاحبِ مذہب موجود ہوتے تو وہ بھی یہی فرماتے جو آپ کے وارثین و نائبین فقہا کہہ رہے ہیں۔

اور اگر کوئی فقیہ ان بنیادوں سے صرف نظر کر کے صاحب مذہب کے قولِ قوی و راجح سے عدول کرتا ہے تو وہ «اختلاف»[1] کرتا ہے، اور صاحب مذہب سے مقلد کا اختلاف غیر مقبول و نامعتبر ہے، یہی حکم مذہب کے اصحابِ ترجیح و تخریج سے اختلاف کا بھی ہے۔

حالات کے اثر سے احکام میں تبدیلی کے مناظر

اب ہم کچھ فقہی احکام نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں جو حالات کے بدلنے سے بدل گئے۔

یہ فقہی احکام کئی انواع کے ہیں:

پہلی نوع: عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ کے احکام جو بعد کے ادوار میں بدل گئے۔

دوسری نوع: فقہ حنفی کے احکام جو بعد میں آنے والے مشائخ حنفیہ کے عہد میں بھی تبدیل ہوئے۔

تیسری نوع: مذہب حنفی کے بدلے ہوئے مسائل جن کے مطابق فقیہِ بے مثال امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ دیا، یا آپ کے فتوے سے حکمِ سابق میں تبدیلی ہوئی۔

چوتھی نوع: فتاویٰ رضویہ کے وہ مسائل جو بعد کے فقہائے اہل سنت کے نئے فتاویٰ اور فیصلوں کے ذریعہ بدلے۔

اب ہر نوع کے کچھ نمونے ملاحظہ فرمایئے تاکہ آپ کو یہ سمجھنے میں آسانی ہو کہ فقہِ حنفی میں کسی بھی دور میں جمود و تعطل کی گنجائش نہیں رہی ہے۔ اور اس نے ہر زمانے میں مذکورہ بالا ساتوں اصولوں کی بنیاد پر امتِ مسلمہ کی رہنمائی کی ہے۔

(پہلی نوع)

عہدِ رسالت و عہدِ صحابہ کے بدلے ہوئے احکام

(۱)- اب شبہات سے بچنے کا حکم بدل گیا۔

صدرِ اول میں شبہات سے بھی بچنے کا حکم تھا مگر احوالِ ناس کے پیش نظر فقہا نے اس میں چھوٹ اور رعایت کی روش اپنائی۔ یہ بات فتاویٰ رضویہ کے نیچے دیے ہوئے اقتباس سے عیاں ہوتی ہے۔

---

(۱) «اختلاف» کیا ہے، اسے سمجھنے کے لیے پڑھیے راقم الحروف کا مضمون: «فقہی اختلافات کے حدود حقائق و شواہد کے اجالے میں» یہ مضمون «مقدمہ» میں شامل ہے۔

"ہمارا زمانہ اِتِّقاے شبہات (شبہات سے بچنے) کا نہیں ہے، بلکہ آدمی آنکھوں دیکھے حرام سے بچے:

فی فتاوی الإمام قاضی خان: قالوا: لیس زماننا زمانَ اجتناب الشّبہات وانّما علی المسلم أن یتقی الحرام المعَایَن. اھ.

وفی تجنیس الإمام برھان الدین عن ابی بکر بن ابراھیم: لیس ھذا زمان الشبھات، انّ الحرام أغنانا یعنی إن اجتنبتَ الحرام کفاك. اھ ملخصًا.

(فتاویٰ امام قاضی خاں میں ہے کہ فقہا فرماتے ہیں کہ ہمارا زمانہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں ہے، اب مسلمان پر بس یہ فرض ہے کہ کھلے حرام سے بچے۔ اور تجنیسِ امام برہان الدین میں شیخ ابوبکر بن ابراہیم کے حوالے سے ہے کہ یہ شبہات سے بچنے کا زمانہ نہیں، ہمارے لیے حرام سے بچنا کافی ہے۔ نظام)

سبحان اللہ! جب چھٹی صدی بلکہ اس سے پہلے سے ائمۂ دین یوں ارشاد فرماتے آئے تو ہم پسماندوں کو اس چودھویں صدی میں کیا امید ہے فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

ایسی ہی وجوہ ہیں کہ حدیث میں آیا:

اِنّکم فی زمان مَن ترك منکم عُشر ما اُمِر به هلك. ثم یاتی زمانٌ مَن عمل منهم بعُشر ما اُمِر به نجا. أخرجه الترمذی وغیره عن أبی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وسلم.

(تم لوگ ایسے [بہتر] زمانے میں ہو کہ تم میں سے کوئی حکم شریعت کے دسویں حصہ کو چھوڑ دے تو ہلاک ہو جائے گا، پھر اس کے بعد ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ ان میں سے کوئی حکم شریعت کے دسویں حصے پر عمل پیرا ہو تو بھی نجات پا جائے گا۔ اس حدیث کو امام ترمذی وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انھوں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ نظام)

ہاں.... جو شخص بچنا چاہے...... بہتر و افضل۔ اور نہایت محمود عمل، مگر اس کے وَرع کا حکم صرف اسی کے نفس پر ہے، نہ کہ اس کے سبب اصلِ شے کو ممنوع کہنے لگے یا جو مسلمان اسے استعمال کرتے ہوں ان پر طعن و اعتراض کرے، انھیں اپنی نظر میں حقیر سمجھے اس سے تو اس ورع کا ترک ہزار درجہ بہتر تھا کہ شرع پر افترا اور مسلمانوں کی تشنیع و تحقیر سے تو محفوظ رہتا..... بھلا عوام بے چاروں کی کیا شکایت، آج کل بہت جُہّال، منتسب بنامِ علم و کمال یہی روش چلتے ہیں، مکروہات بلکہ مباحات بلکہ مستحبات جنھیں بزعم خود ممنوع سمجھ لیں ان سے تحذیر و تنفیر کو کیا کچھ نہیں لکھ دیتے، حتیٰ کہ نوبت تا بہ اطلاق شرک و کفر پہنچانے میں باک نہیں رکھتے۔ پھر یہ نہیں کہ شاید ایک آدھ جگہ قلم سے نکل جائے تو دس جگہ اس کا تدارک عمل میں آئے۔ نہیں نہیں! بلکہ اسے طرح طرح سے جمائیں۔

الٹی سیدھی دلیلیں لائیں پھر جب مواخذہ کیجیے تو ہوا خواہ بفحوائے "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" تاویل کریں کہ بنظرِ تخویف و ترہیب تشدّد مقصود ہے۔" ملخصاً(۱)

حالات کے بدل جانے سے احکام بدلنے کی یہ شہادت خود صاحبِ شرع، رسولِ کائنات، سرور دو عالم ﷺ دے رہے ہیں۔ جس میں حضور ﷺ کی طرف سے اپنے وارثینِ علم کے لیے یہ ہدایت بھی مضمر ہے کہ اچھے زمانے کے لوگوں کے احکام کو سامنے رکھ کر خراب اور برے زمانے کے لوگوں پر احکام مت صادر کر دینا۔

لہٰذا علمائے کرام کو خود صاحبِ عزیمت بننا چاہیے لیکن جو لوگ رخصت پر عمل کر رہے ہوں ان پر اعتراض وانکار نہیں کرنا چاہیے۔ کاش کہ ہمارے دینی بھائی اس مقام پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے جملہ ارشادات وہدایات کو اخلاصِ قلب کے ساتھ پڑھ کر اپنی زندگی کو اس کے سانچے میں ڈھالنے کی سعیِ محمود کرتے۔

روسر کی شکر سے متعلق اعلیٰ حضرت کا اپنا عمل

اور دوسروں کے لیے جواز کا فتویٰ

روسر کی شکر جس سے متعلق خبر تھی کہ اس کی صفائی ہڈیوں سے ہوتی ہے اس کی حلت وحرمت کے بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ سے سوال ہوا، تقریباً چالیس صفحات میں بہت ہی اہم تحقیقات پر مشتمل تفصیلی جواب رقم فرمایا، اس سے فی الجملہ اس شکر کی حلّت ثابت ہوتی ہے۔ مگر یہ حکم دوسروں کو مشقت سے بچانے اور شریعت کی دی ہوئی آسانی پہنچانے کے لیے تھا۔ خود اپنا حال بعد میں یہ تحریر فرماتے ہیں:

"فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے آج تک اس شکر کی صورت دیکھی، نہ کبھی اپنے یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد۔ مگر بایں ہمہ ہر گز ممانعت نہیں مانتا۔ نہ جو مسلمان استعمال کریں انھیں آثم (گنہگار) خواہ بے باک جانتا ہے۔ نہ تورّع واحتیاط کا نام بدنام کر کے عوام مومنین پر طعن کرے۔ نہ اپنے نفسِ ذلیل، مہین رذیل کے لیے ان پر ترفّع وتعلّی روا رکھے۔ وباللہ التوفیق۔"(۲)

آخری جملہ بار بار پڑھیے۔ انکسار وتواضع کا کامل نمونہ بھی ہے اور درسِ عبرت بھی۔ خصوصاً ان لوگوں کے لیے جو رخصت تو رخصت بتصریح خویش "معصیت" پر عمل کرنے کے لیے بھی ہمہ وقت کمربستہ رہتے ہیں اور دوسروں کے لیے نہ صرف عزیمت بلکہ ورع کی پابندی لازم قرار دیتے ہیں۔ حضرۃ الامام قدس سرہ کے

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، ص: ۱۲۳، ۱۲۴، باب الانجاس من کتاب الطہارۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۲، باب الانجاس ص:۱۲۵، رسالہ: احلی من السکر لطلبۃ سکر روسر، رضا اکیڈمی، ممبئی

انداز فکر و عمل سے کس قدر دوری پیدا ہو چکی ہے۔

(۲)-پہلے تارکِ نماز کافر شمار ہوتا تھا اور اب نہیں

عہدِ رسالت اور عہدِ صحابہ میں قصداً نماز ترک کرنے والا کافر شمار ہوتا تھا کیوں کہ ان اَدوار میں تمام مسلمان نماز پڑھتے تھے اور سوائے کافر کے قصداً کوئی نماز ترک نہیں کرتا تھا، مگر بعد کے ادوار میں مسلمانوں کا یہ شعار بدل جانے کی وجہ سے حکم کفر باقی نہ رہا، لہٰذا اب تارکِ نماز کو کافر نہیں شمار کیا جاتا۔ فتاویٰ رضویہ میں فقیہ اسلام سیدی اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے متعدد مقامات پر اس کی صراحت فرمائی ہے، ایک فتوے کا اقتباس آپ بھی ملاحظہ کریں۔

"بلا شبہہ صدہا صحابۂ کرام و تابعین عظام و مجتہدین اَعلام و ائمہ اسلام علیہم الرضوان کا بھی یہی مذہب ہے کہ قصداً تارکِ صلاۃ کافر ہے اور یہی متعدد صحیح حدیثوں میں منصوص اور خود قرآن کریم سے مستفاد "وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَ لَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝" نماز قائم کرو اور کافروں سے نہ ہو جاؤ۔

زمانۂ سلفِ صالح خصوصاً صدرِ اول کے مناسب یہی حکم تھا، اُس زمانہ میں ترکِ نماز علامتِ کفر تھا کہ واقع نہ ہوتا تھا مگر کافر سے، جیسے اب زُنّار باندھنا یا قشقہ لگانا علامتِ کفر ہے۔ جب وہ زمانۂ خیر گزر گیا اور لوگوں میں تہاوُن آیا وہ علامت ہونا جاتا رہا اور اصل حکم نے عود کیا کہ ترکِ نماز فی نفسہٖ کفر نہیں جب تک اسے ہلکا یا حلال نہ جانے یا فرضیتِ نماز سے نہ منکر ہو، یہی مذہب سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔

حنفی کہ ظنی طور پر اس کے خلاف کا معتقد ہو، خاطی ضرور ہے کہ اب یہ حکم خلاف تحقیق و نامنصور ہے مگر وہ اس کے سبب نہ معاذ اللہ گمراہ ٹھہرے گا نہ حنفیت سے خارج کہ مسئلہ فقہی ہے نہیں اور اکابر صحابہ و ائمہ کے موافق ہے اور معترضین کا کہنا کہ "تم امام پر حق پر فتوے لگاؤ" محض جہالت اور شانِ امام میں گستاخی ہے۔"(۱)

فتاویٰ رضویہ کے اس اقتباس سے روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ:

(الف)-حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے، حکم عہدِ رسالت کا تھا جو فرمانِ رسالت سے جاری ہوا مگر اس پر بھی حالات کا گہرا اثر پڑا اور اب کوئی فقیہ وہ حکمِ کفر جاری نہیں کرتا، مگر کسی بھی فہم میں یہ وہم نہیں آتا کہ یہ فرمانِ رسالت سے اختلاف اور مسلکِ صحابہ سے انحراف ہے۔

(ب)-ساتھ ہی اس فتوے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اچھے زمانے کا حکم آج کے خراب زمانے کے لوگوں پر جاری نہیں کیا جا سکتا ورنہ قصداً ترکِ نماز کی بنا پر آج بے شمار لوگوں پر حکم کفر جاری کرنا پڑے گا۔

(ج)-اسی کے ساتھ ایک بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ "شعارِ مذہبی" بھی بدل سکتا ہے کیوں کہ عہدِ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الصلاۃ، ج:۲، ص:۲۰۱، ۲۰۲، رضا اکیڈمی، ممبئی

رسالت وعہدِ صحابہ میں ترکِ نماز کفار کا شعارِ مذہبی تھا جیسے زُنّار وقشقہ ان کا شعارِ مذہبی ہے مگر وہ شعار بدل گیا تو حکم بھی بدل گیا۔ لہٰذا شعارِ قومی وشعارِ مذہبی میں اس حیثیت سے فرق نہیں کرنا چاہیے۔

(د)۔ "اور یہ بات تو خصوصیت کے ساتھ ذہن میں رکھنے کی ہے کہ کوئی حنفی عالم اگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کے خلاف ظنی طور پر تارک نماز کو کافر اعتقاد کرے تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی صراحت کے مطابق وہ حنفیت سے خارج نہ ہوگا، اور اس پر یہ اعتراض کہ "تم امام برحق پر فتوے لگاؤ" جہالت اور شانِ امام میں گستاخی ہے۔ یہ «درسِ رضا» ہر گھڑی یاد رکھیے اور اس سے غفلت ولا پروائی نہ کیجیے۔

(۳)۔ عہدِ صحابہ میں تارکِ جماعت منافق تھا، اب نہیں

عہدِ صحابہ کا عام معمول تھا کہ تمام صحابہ کرام جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے تھے اور سوائے منافقین کے کوئی جماعت سے غیر حاضر نہ رہتا تھا اِلّا یہ کہ کوئی بہت زیادہ کمزور اور چلنے پھرنے سے عاجز ہو۔ چناں چہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

لقد رأيتُنا وما يتخلّفُ عن الصّلاة الّا منافقٌ قد عُلِم نفاقُهٗ أو مريضٌ. إن كان المريضُ لَيمشي بين رَجلين حتى يأتي الصّلاة. وقال: اِنّ رسول الله صلى الله عليه وسلم علّمنا سُنن الهدىٰ وَاِنّ مِن سُنن الهُدىٰ الصلاة فى المسجد الذى يُؤذّنُ فيه.

ہمارا مشاہدہ ہے کہ نماز سے پیچھے نہیں رہتا مگر کھلا منافق، یا بیمار، اور بے شک بیمار کی یہ حالت ہوتی کہ دو شخصوں کے درمیان میں چلا کر نماز کو لاتے، اور فرماتے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہم کو سُنن الہدیٰ کی تعلیم فرمائی ہے اور جس مسجد میں اذان ہوتی ہے اس میں نماز پڑھنا سُنن الہدیٰ سے ہے۔ (۱)

یہ حدیث بہارِ شریعت میں بھی منقول ہے۔

مگر بعد کے ادوار میں کسی وقت یہ عادت تبدیل ہوگئی اور اب تو بے شمار مسلمان بغیر عذر و بیماری کے جماعت میں حاضر نہیں ہوتے، اس لیے اب جماعت سے پیچھے رہ جانے والے کو منافق نہیں کہا جاسکتا گو کہ عہدِ صحابہ میں وہ منافق ہوا کرتا تھا۔

فتاویٰ رضویہ میں اسے "فاسق" کہا گیا ہے: چناں چہ ایک فتوے میں ہے: "ترکِ جماعت اور ترکِ حاضریٔ مسجد کا عادی فاسق ہے، اور فاسق قابلِ اتباع نہیں۔" (۲)

---

(۱) صحیح مسلم شریف، ج:۱، ص:۲۳۲، باب فضل صلاة الجماعة وبيان التشديد فى التخلف عنها، مجلس البرکات.

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۳۸۰، سنی دار الاشاعت، مبارک پور.

نیز اسی میں ایک دوسرا فتویٰ ہے:

"تارکِ جماعت کہ بے کسی عذرِ شرعی قابل قبول کے قصداً جماعت میں حاضر نہ ہو مذہب صحیح معتمد پر اگر ایک بار بھی بالقصد ایسا کر گیا، گنہ گار ہوا، تارکِ واجب ہوا و العیاذ باللہ تعالیٰ. اور اگر عادی ہو کہ بارہا حاضر نہیں ہوتا اگرچہ بارہا حاضر بھی ہوتا ہو تو بلا شبہہ فاسق و فاجر، مردودُ الشہادۃ ہے۔ "فان الصغیرة بعد الإصرار کبیرة" (۱)

یہ حکم عہد صحابہ کا ہے جو حالات کے بدلنے سے یقیناً بدل چکا ہے اور اس سے بھی وہ امور بہت واضح طور پر ثابت ہوتے ہیں جو فتاویٰ رضویہ کے اول الذکر فتوے سے ثابت ہوتے ہیں، فرق صرف کفر و نفاق کا ہے مگر جب منافق کا نفاق بیّن اور کھلا ہوا ہو تو وہ بھی کافرِ مُجاہر کی طرح ہو جاتا ہے اور اس میں تو کوئی کلام نہیں کہ وہ بھی کافر ہی ہے۔

(۴)- عورتوں کی حاضریِ جمعہ و جماعت پر

عہد بہ عہد بدلتے ہوئے احکام

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں خواتین کو جمعہ و جماعت میں شرکت کی اجازت تھی۔

قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَاذَنَتْ أَحَدَكُمُ امْرَأَتُهُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَلَا يَمْنَعَنَّهَا. (۲)

(رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی کی عورت اس سے مسجد جانے کی اجازت لے تو وہ ہرگز اسے نہ روکے۔)

لَا تَمْنَعُوا إِمَاءَ اللهِ مَسَاجِدَ اللهِ. (۳)

(اللہ کی باندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔)

ایک صحابیہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا بیان ہے:

أَمَرَنَا أَنْ نُخْرِجَ الْحُيَّضَ يَوْمَ الْعِيدَيْنِ وَذَوَاتِ الْخُدُوْرِ فَيَشْهَدْنَ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِيْنَ وَدَعْوَتَهُمْ، وَتَعْتَزِلَ الْحُيَّضُ عَنْ مُصَلَّاهُنَّ قَالَتِ امْرَأَةٌ: يَارَسُوْلَ اللهِ، إِحْدَانَا لَيْسَ لَهَا

---

(۱) فتاویٰ رضویه، ج:۳، ص:۳۴۶، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

(۲) فتاویٰ رضویه، ج:۱، ص:۳۸۶، رساله أجلى الإعلام، بحواله احمد و بخاری و نسائی، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۳) فتاویٰ رضویه، ج:۱، ص:۳۸۶، رساله أجلى الإعلام، بحواله احمد مسلم، ابوداؤد وبخاری کتاب الجمعه، رضا اکیڈمی، ممبئی

جِلْبَابٌ قَالَ: لِتُلْبِسْهَا صَاحِبَتُهَا مِنْ جِلْبَابِهَا.

نبی کریم ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ عیدین کے روز حائضہ عورتیں اور پردہ نشین دوشیزائیں بھی نکلیں مسلمانوں کی جماعت اور ان کی دعا میں حاضر ہوں۔ البتہ حائضہ عورتیں مصلے سے الگ رہیں۔ ایک عورت نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی عورت کے پاس چادر نہیں ہوتی؟ تو آپ نے فرمایا کہ ساتھ والی اسے بھی اپنی چادر اڑھا دے۔ (۱)

پہلی دو روایتوں سے حاضریِ جماعت کی اجازت، اور تیسری روایت سے حکم ثابت ہوتا ہے۔ (گو یہ حکم استحبابی ہی ہو) اور یہ تعمیم بھی کہ بلا استثنا تمام بالغ عورتیں جمعہ و جماعت پنج گانہ و عیدین میں حاضر ہوں البتہ حیض والی عورتیں عید گاہوں سے دور رہیں ان کی حاضری صرف حصول برکت و دعا کے لیے ہے۔

لیکن عہد فاروقی میں جب زمان برکت نشان کی سی سعادت اور سادگی باقی نہ رہی اور خلیفۂ برحق سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان میں کچھ فساد کے آثار محسوس فرمائے تو عورتوں کی حاضریِ جماعت کی ممانعت فرمادی۔

امام اکمل الدین بابرتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

لَقَدْ نَهٰى عُمَرُ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهُ النِّسَآءَ عَنِ الْخُرُوْجِ إِلَى الْمَسَاجِدِ فَشَكَوْنَ إِلٰى عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَقَالَتْ: لَوْ عَلِمَ النَّبِيُّ ﷺ مَا عَلِمَ عُمَرُ مَا أَذِنَ لَكُنَّ فِي الْخُرُوْجِ. (۲)

(حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عورتوں کو مسجد جانے سے روک دیا تو انھوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا اگر نبی کریم ﷺ وہ حالات مشاہدہ فرماتے جو حضرت عمر مشاہدہ کر رہے ہیں تو وہ تم کو مسجد جانے کی اجازت نہ عطا فرماتے۔)

غور فرمائیے: سرکار دو عالم ﷺ عورتوں کی حاضریِ جماعت کو کتنا پسند فرما رہے ہیں کہ مردوں کو منع فرما رہے ہیں کہ عورتوں کو جماعتِ مسجد کی حاضری سے نہ روکیں، اور عورتوں کو حکم دے رہے ہیں کہ وہ جماعتِ عیدین میں بہر حال حاضر ہوں مگر حالات میں تھوڑا سا فرق آتے ہی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انھیں روک دیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس سے اتفاق فرمایا تو کیا صحابۂ کرام نے عہدِ رسالت کے متفق علیہ حکم اور فرمانِ رسالت سے اختلاف کیا؟ یہ تو کوئی سنی سوچ بھی نہیں سکتا۔

(۵)- عہد تابعین میں فقہاے حنفیہ رحمہم اللہ علیہم بالخصوص سراج الامۃ، کاشف الغمہ، امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۴، ص:۱۶۹، بحوالہ: صحیح بخاری شریف و صحیح مسلم شریف، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، جلد چہارم، ص:۱۷۰، (مطبع سنی دارالاشاعت مبارکپور) بحوالہ عنایہ شرح ہدایہ۔

نے بوڑھی عورتوں کو عشا و فجر میں مسجد میں حاضری کی اجازت دے دی کہ اس وقت فُسّاق و فُجّار کھانے اور سونے میں مشغول رہتے تھے تو فساد کا امکان وہ بھی بوڑھیوں کے لیے کم تھا۔

وَ يُكْرَهُ لَهُنَّ حُضُوْرُ الْجَمَاعَاتِ وَ لَا بَأْسَ لِلْعَجُوْزِ أَنْ تَخْرُجَ فِي الْفَجْرِ وَ الْعِشَآءِ. (۱)

(عورتوں کے لیے جماعت کی حاضری منع ہے۔ اور بوڑھی عورتوں کو عشا و فجر میں نکلنے میں کوئی حرج نہیں۔)

یہ حکم بھی بلا شبہہ عہدِ رسالت کے حکم سے الگ ہے مگر یقیناً یہ بھی حضرت شارع علیہ الصلاۃ والسلام سے اختلاف نہیں، بلکہ حالات کے بدلنے سے حکم کا بدل جانا ہے۔

(۶)- اور بعد میں لوگوں کے حالات جب آپ کے عہد سے زیادہ بُرے ہو گئے کہ ان کے فسق و فجور سے کوئی بھی وقت محفوظ نہ رہا، تو متاخرین فقہا نے بغیر کسی استثنا کے تمام عورتوں کے لیے علی الاطلاق ہر نماز کی حاضری کو فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد کی طرح سے منع فرما دیا۔

وَلَمَّا رَدَّ عَلَيْهِ الْبَحْرُ بِأَنَّ هٰذِهِ الْفَتْوىٰ مُخَالِفَةٌ لِمَذْهَبِ الْإِمَامِ وَصَاحِبَيْهِ جَمِيْعًا. فَإِنَّهُمَا اَبَاحَا لِلْعَجَائِزِ الْحُضُوْرَ مُطْلَقًا وَالإِمَامَ فِيْ غَيْرِ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ وَالْجُمُعَةِ. فَالْإِفْتَاءُ بِمَنْعِ الْكُلِّ فِى الكل مُخَالِفٌ لِلْكُلِّ فَالْمُعْتَمَدُ مَذْهَبُ الْإِمَامِ. إه بِمَعْنَاهُ.

أَجَابَ فِي النَّهْرِ قَائِلًا: فِيْهِ نَظَرٌ بَلْ هُوَ مَاخُوْذٌ مِّنْ قَوْلِ الْإِمَامِ وَذٰلِكَ أَنَّهُ إِنَّمَا مَنَعَهَا لِقِيَامِ الْحَامِلِ وَهُوَ فَرْطُ الشَّهْوَةِ بِنَاءً عَلٰى أَنَّ الْفَسَقَةَ لَا يَنْتَشِرُوْنَ فِي الْمَغْرِبِ لِأَنَّهُمْ بِالطَّعَامِ مَشْغُوْلُوْنَ وَفِي الْفَجْرِ وَالْعِشَاءِ نَائِمُوْنَ. فَاذَا فُرِضَ انْتِشَارُهُمْ فِي هٰذِهِ الْأَوْقَاتِ لِغَلَبَةِ فِسْقِهِمْ كَمَا فِي زَمَانِنَا بَلْ تَحَرِّيْهِمْ إِيَّاهَا كَانَ الْمَنْعُ فِيْهَا اَظْهَرَ مِنَ الظُّهْرِ اه.

قَالَ الشَّيْخُ إِسْمٰعِيْلُ وَهُوَ كَلَامٌ حَسَنٌ إِلَى الْغَايَةِ. اه. ش. (۲)

(اور صاحب بحر الرائق نے جب متاخرین پر یہ اعتراض کیا کہ ان کا یہ فتویٰ امام اعظم اور صاحبین سب کے مذہب کے خلاف ہے کیوں کہ صاحبین نے بوڑھی عورتوں کے لیے مسجد کی حاضری کو مطلقاً مباح قرار دیا ہے، اور امام اعظم نے ظہر، عصر، اور جمعہ کے علاوہ میں اجازت دی ہے تو تمام عورتوں کو سارے اوقات میں حاضری سے روکنا سب کے خلاف ہوا۔ لہٰذا لائق اعتماد امام کا مذہب ہے۔

تو نہر الفائق میں علامہ بحر کے اس تبصرے کو قابلِ غور قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ متاخرین کا یہ مسلک، امام ہی کے قول سے ماخوذ ہے کیوں کہ امام نے عورتوں کو ایک علت یعنی فُسّاق میں شہوت (پرستی) کی حد سے زیادتی کی وجہ

(۱) هدایه، ج:۱، ص:۱۰۵، مجلس البرکات.

(۲) فتاویٰ رضویه، ج:۱، ص:۳۸۶، رساله اجلی الاعلام، رضا اکیڈمی، ممبئی.

سے اس بنا پر منع فرمایا تھا کہ یہ ناخدا ترس مغرب کے وقت میں باہر نہیں رہتے، کیوں کہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اور فجر و عشا کے اوقات میں سوئے ہوتے ہیں مگر اب غلبۂ فسق کے باعث ان اوقات میں بھی پھیلے رہتے ہیں بلکہ ایسے ہی اوقات کی جستجو میں لگے رہتے ہیں جیسا کہ ہمارے زمانے کا یہی حال ہے تو ان اوقات میں ممانعت کا حکم بدرجۂ اولیٰ ہونا چاہیے۔

علامہ شیخ اسماعیل فرماتے ہیں یہ بڑی ہی اچھی بات ہے۔)

یہ ہے حالات زمانہ کی رعایت کہ **ایک ہی مسئلے میں تین بار تبدیلیِ احکام کا منظر دنیا کی نگاہوں** نے دیکھا۔ ایک بار تو یہ تبدیلی خود خلیفۂ رسول اللہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم سے ظہور میں آئی جو بظاہر عہدِ رسالت کے تعامل کے خلاف تھی۔ دوسری تبدیلی عہدِ تابعین میں سراج الامۃ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فتوے سے ہوئی اور تیسری بار تغییر کا یہ حکیمانہ کارنامہ فقہاے حنفیہ نے انجام دیا۔ مگر مصالحِ شریعت پر نظر رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ منشاے رسالت کے مطابق ہے اس کے خلاف تو وہ کہتے اور سمجھتے ہیں جو صحابہ و تابعین سب کی پیروی سے آزاد ہیں اور وہابیت کے آسیب نے انھیں مخبوط کر دیا ہے۔ اہل سنت کو تو صحابہ و تابعین اور امام اعظم کی روش اپنانی چاہیے۔

(۷)- پہلے چہرے کا پردہ واجب نہ تھا، اب واجب ہے

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں عورتوں پر چہرے کا پردہ واجب نہ تھا کیوں کہ وہ زمانہ بڑے تقویٰ اور خوف خدا کا تھا، عام طور پر لوگ گناہ سے بچتے تھے۔ مگر جب حالاتِ زمانہ بدل گئے تو حکم بھی بدل گیا اور علما نے «چہرہ چھپانے کا وجوبی حکم» صادر فرما دیا۔[1] اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

---

(۱) واضح ہو کہ آیتِ کریمہ «يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ» میں سر ڈھانکنے کا وجوبی حکم دیا گیا ہے۔ پوری آیت یہ ہے: «يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ» [اے نبی! اپنی بیبیوں اور صاحب زادیوں اور مومنین کی عورتوں سے فرما دیجیے کہ اپنے اوپر اپنی اوڑھنیاں لٹکا لیں، یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ وہ پہچانی جائیں گی اور ان کو ایذا نہیں دی جائے گی۔] (۵۹، سورۃ الاحزاب ۳۳)

حضرت مجاہد سے روایت ہے کہ دوپٹے اوڑھنے کا حکم اس لیے ہے تاکہ پتہ چلے کہ وہ حرّہ ہیں اور (باندی سمجھ کر) کوئی فاسق ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کرے۔ اور ابنِ عباس و مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ حرّہ باہر نکلتے وقت اپنی پیشانی اور سر ڈھک لے۔ اور حضرت عمر سے روایت ہے کہ وہ باندیوں کو مار مار کر فرماتے کہ اپنے سر کھلے رکھو اور آزاد عورتوں سے مشابہت نہ اختیار کرو۔ (احکام القرآن للجصاص، ص: ۴۲۵، ج: ۵، دار احیاء التراث العربی)

بہارِ شریعت میں ہے: "اجنبیہ عورت کے چہرے کی طرف اگرچہ نظر جائز ہے، جب کہ شہوت کا اندیشہ نہ ہو، مگر یہ زمانہ فتنہ کا ہے، اس زمانے میں ایسے لوگ کہاں جیسے اگلے زمانے میں تھے، لہٰذا اس زمانے میں اس کو دیکھنے کی ممانعت کی جائے گی، درِ مختار، ردالمحتار (بہارِ شریعت، ص: ۴۴۶، ج: ۱۶) مرتب غفرلہ

"ہماری شریعتِ مطہرہ اعلیٰ درجہ حکمت و متانت و مُراعاتِ دقائقِ مصلحت میں ہے، اور جو حکم عرف و مصالح پر مبنی ہوتا ہے انھیں چیزوں کے ساتھ دائر رہتا ہے، اور اعصار میں ان کے تبدیل سے متبدل ہوجاتا ہے اور وہ سب احکام، احکامِ شرع ہی قرار پاتے ہیں۔ مثلاً: زمانِ برکت نشان حضور سرور عالم ﷺ میں بوجہ کثرتِ خیر و نایابیِ فتنہ و شدتِ تقویٰ و قوتِ خوفِ خدا عورتوں پر ستر واجب تھا نہ حجاب۔..... پھر.... رفتہ رفتہ حاملانِ شریعت و حکمائے امت نے حکمِ حجاب دیا اور چہرہ چھپانا کہ صدرِ اول میں واجب نہ تھا واجب کردیا۔" نہایہ میں ہے:

"سدل الشيء علی وجهها واجبٌ."

(عورت کو اپنے چہرے پر نقاب وغیرہ کوئی چیز ڈالنا واجب ہے۔ مرتب)

شرح لباب میں ہے:

"دلّتِ المسئلة علی أنّ المرأة مَنْهِيَّةٌ عَلی إظهارِ وَجْهِهَا لِلأجانب بلا ضرورة."

(یہ مسئلہ اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کا اجنبی مردوں کے سامنے بلاضرورت اپنا چہرہ کھولنا ممنوع ہے۔ مرتب)

تنویر میں ہے: تُمنع من كشف الوجه بين رجالٍ لخوف الفتنة.

(عورت کو مردوں کے درمیان اپنا چہرہ کھولنے سے اندیشۂ فتنہ کی وجہ سے ممانعت ہے۔ مرتب)(1)

عہدِ رسالت کا حکم بجائے خود کس قدر اہمیت کا حامل ہے اس سے ہمارے تمام عوام و خواص آگاہ ہیں، کیا کوئی سنّی اس سے اختلاف یا انحراف کی بات سوچ سکتا ہے؟

پھر بھی یہ ایک زمینی حقیقت ہے کہ جو چیز عہدِ رسالت میں واجب نہ تھی وہ بعد کے اَدوار میں کسی وقت واجب کردی گئی اور آج کے ہمارے فقہائے اہلِ سنت بھی اسے واجب ہی مانتے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ عہدِ رسالت کے حکم سے اختلاف یا انحراف نہیں ہے بلکہ حالاتِ زمانہ کے اختلاف کی وجہ سے شریعت نے خود ہی یہ اختلافِ حکم تسلیم کرلیا ہے اور فقہا نے تو محض اس حقیقت کے چہرے سے نقاب اٹھایا ہے۔

(۸-۹)-اب صَرف و نحو کی تعلیم اور انگرکھا کا سیدھا پردہ واجب

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"واجبات اور محرمات ہماری شریعت میں دو قسم ہیں۔ ایک «لِعَيْنِهٖ» یعنی جس کی نفسِ ذات میں مقتضیِ ایجاب و تحریم موجود ہے، جیسے عبادتِ خدا کی فرضیت اور بُت پرستی کی حرمت۔ دوسرے «لِغَيْرِهٖ» یعنی وہ کہ امورِ خارجہ کا لحاظ ان کی ایجاب و تحریم کا اقتضا کرتا ہے، اگرچہ نفسِ ذات میں کوئی معنیٰ اس کو مقتضی نہیں، جیسے تعلیم صَرف

(۱) فتاویٰ رضویہ. ج:۸، ص:۴۴۳، ۴۴۴، رسالہ أنفس الفكر، سنی دار الاشاعت، مبارک پور.

ونحو کا وجوب کہ ہمارے رب تبارک وتعالیٰ کی کتاب اور ہمارے نبی ﷺ کا کلام زبانِ عربی میں ہے، اور اس کا فہم بے اس علم کے متعذّر، لہٰذا واجب کیا گیا، اور افیون اور بھنگ وغیرہا مُسکرات کی حرمت کہ ان کا پینا ایک ایسی نعمت یعنی عقل کو زائل کرتا ہے جو ہر خیر کی جالب اور ہر فتنہ وشر سے بچانے والی ہے۔

اسی قبیل سے ہے «شعار» کہ مثلاً انگرکھے کا سیدھا پردہ ہماری اصل شریعت میں واجب نہیں، بلکہ ہمارے شارع ﷺ نے کبھی انگرکھا نہ پہنا، نہ حضور ﷺ کے ملک میں اس کا رواج تھا، مگر اب کہ ملک ہندوستان میں شعارِ مسلمین قرار پایا اور اُلٹا پردہ کفّار کا شعار ہوا، تو اب سیدھا پردہ چھوڑ کر الٹا اختیار کرنا بلاشبہہ حرام۔“ (۱)

علمِ صرف ونحو کا سیکھنا، سکھانا عہدِ رسالت وعہدِ صحابہ میں واجب نہ تھا اور اب واجب ہے۔ یوں ہی انگرکھا کا سیدھا یا الٹا پردہ صرف مباح تھا، مگر اب سیدھا پردہ واجب اور الٹا پردہ حرام ہے۔

یہ ہے حالاتِ زمانہ کی اثر انگیزی کا کمال کہ جو چیز عہدِ رسالت میں واجب نہ تھی، حالات کے بدلنے سے واجب ہو گئی، اور جو چیز مباح تھی اب حرام قرار پائی۔

کیا یہ «خیر القرون» بالخصوص «قرنِ نبوی» سے اختلاف یا انحراف ہے، ایسا تو کوئی صاحبِ بصیرت عالمِ دین وفقیہ سوچ بھی نہیں سکتا تو اگر آج کچھ فقہائے محققین اسے «اُسوہ» مان کر وہی راہِ راست اپنائیں تو اسے بھی حالاتِ زمانہ کا اثر سمجھنا چاہیے اور اختلاف یا انحراف کا دل میں وسوسہ گزرے تو اسے زبان وقلم پر لانا معیوب سمجھنا چاہیے۔

(۱۰) - عہدِ رسالت میں جوتے پہن کر مسجد میں جانا جائز، اور اب ناجائز

عہدِ رسالت میں جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز اور موافقِ ادب تھا، خود حضور سید المرسلین ﷺ اپنے نعلین شریفین کے ساتھ نماز پڑھ لیتے۔ صحابۂ کرام سے بھی جوتے پہن کر نماز پڑھنا ثابت ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ شریف ج:۳، ص:۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۵، ۴۵۰، سے ثابت ہے۔ مگر اب لوگوں کا عرف اور حال بدل جانے کی وجہ سے ممنوع اور خلافِ ادب ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ایک مقام پر ہے:

”اور مسجد میں تو استعمالی جوتے پہنے جانا بھی ممنوع وناجائز ہے، نہ کہ مسجد میں یہ جوتا پہنے شرکتِ جماعت۔“ (۲)

نیز فتاویٰ رضویہ میں ہی ایک دوسرے مقام پر ہے:

مسجد میں جوتا پہن کر جانا خلافِ ادب ہے۔ فتاویٰ سراجیہ وفتاویٰ عالم گیری میں ہے:

”دخول المسجد متنعّلًا مكروه.“ اھ.

---

(۱) فتاوىٰ رضويه. ج:۸، ص:٤٤٤، رساله أنفس الفكر، سنى دار الاشاعت، مبارك پور.

(۲) فتاوىٰ رضويه. ج:۳، ص:٤٤٤، سنى دار الاشاعت، مبارك پور.

(مسجد میں جوتے پہنے داخل ہونا مکروہ ہے۔)

ردالمحتار میں عمدۃ المفتی سے ہے:

"دخولُ المسجد مُتنَعِّلًا من سوء الأدب." اھ.

(مسجد میں جوتا پہنے جانا بے ادبی ہے۔)

ادب کی بنا عرف و رواج ہی پر ہے اور وہ اختلاف زمانہ و ملک و قوم سے بدلتا ہے۔ عرب میں باپ سے اَنتَ کہ کر خطاب کرتے ہیں یعنی تو ـــ زمانۂ اقدس نبی ﷺ میں بھی یوں ہی خطاب ہوتا تھا۔ سیدنا اسماعیل علیہ الصلاۃ والسلام نے اپنے والد ماجد سیدنا ابراہیم شیخ الانبیاء خلیلِ کبریا علیہ الصلاۃ والسلام سے عرض کی "اے میرے باپ تو کر جس بات کا تجھے حکم دیا جاتا ہے۔" اب اگر کوئی بے ادب اسے حجت بنا کر اپنے باپ کو تو تو کہا کرے ضرور گستاخ، مستحقِ سزا ہے۔ نماز حاضریِ بارگاہ بے نیاز ہے کسی نواب کے دربار میں تو آدمی جوتا پہن کر جائے۔"(۱)

عرفِ ناس اور حالات زمانہ کا شرعی احکام پر کتنا گہرا اثر پڑتا ہے اس کا اندازہ اِس فتوے سے لگایا جاسکتا ہے کہ جو بات عہد رسالت و عہد صحابہ میں موافقِ ادب تھی وہ بھی مسجد اور نماز کا ادب، وہ آج کے عہد میں خلافِ ادب ہو گئی اور اس کی بنیاد پر حکم شرع بھی "جواز" کی جگہ "عدمِ جواز" ہو گیا۔

(۱۱)- عہدِ رسالت میں تعلیم قرآن پر اجرت لینا حرام، اب حلال

تعلیم قرآن پر اجرت لینا عہد رسالت میں حرام تھا مگر بعد کے ادوار میں کسی وقت اس کی اجازت ہو گئی۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: "قرآن کریم پر اجرت لینے سے نہی میں احادیث کثیرہ وارد، یہاں تک کہ حدیث اقدس میں ہے تعلیم قرآن پر عُبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک کمان بھیجی گئی انھوں نے خیال کیا کہ یہ کوئی مال نہیں اور جہاد میں کام دے گی۔ رسول اللہ ﷺ سے عرض کی۔ فرمایا: إن اَرَدْتَّ ان يُّطوِّقَكَ الله طوقاً من النّار فاقبلْها.

(اگر تو چاہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گلے میں آگ کا طوق ڈالے تو اسے لے لے۔)

رواه ابو داؤد و ابن ماجه، وفی الباب عن عبد الرحمٰن بن شبل و ابی هريرة و عبد الرحمٰن بن عوف و اُبی بن کعب و ابن بريدة و ابی الدرداء و غيرهم رضی الله تعالیٰ عنهم.

اور قیاس بھی اسی پر شاہد: لان القربة متی حصلت وقعت عن العامل ولهذا يعتبر اهليته فلا يجوز اخذ الأجرة من غيره كالصوم والصلاة كما فی الهداية.

اور ہمارے علمائے کرام کا مذہب بھی تحریم اور صدرِ اول میں قطعاً رواج معدوم۔ بایں ہمہ عرف

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۳، ص:۴۵۰، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

حادث وضرورت کے سبب جواز پر فتویٰ ہوا۔ "بستان الفقه إمام ابی اللیث" میں ہے:

اما اذا عَلَّمَ بالاجرة فقد اختلف الناس، فقال أصحابنا المتقدمون: لايجوز أخذ الأجرة، وقال جماعة من علماء المتأخرين: يجوز فالأفضلُ أن لا يشترط للحفظ بل لتعليم الهجاء والكتابة فلو شرط لتعليم القرأن ارجو ان لا بأس به لأَنَّ النَّاس قد توارثوا ذلك واحتاجوا اليه. اھ مختصراً.

(اجرت پر قرآن حکیم کی تعلیم دینے کے بارے میں فقہاے کرام کے درمیان اختلاف ہے۔ ہمارے فقہاے متقدمین فرماتے ہیں کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینا ناجائز ہے اور علماے متاخرین کی ایک جماعت اجازت دیتی ہے۔ تو افضل یہ ہے کہ حفظ قرآن کے لیے اجرت کی شرط نہ لگائی جائے بلکہ ہجے اور لکھنا سکھانے کے لیے اجرت طے کی جائے اور اگر تعلیم قرآن کے لیے اجرت کی شرط رکھی تو مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہ ہوگا، اس لیے کہ تعلیم قرآن پر اجرت لینے کے سلسلے میں مسلمانوں کا عمل پہلے سے جاری ہے اور اس کی حاجت بھی ہے۔ مرتب) [1]

جو کام عہدِ رسالت میں حرام تھا وہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے حلال ہوگیا، یہ فرمانِ رسالت سے اختلاف نہیں، نہ ہی کسی سنّی کو اس کا خیال گزرتا ہے کیوں کہ یہ "شریعت کے مصالحِ سبعہ" میں سے کسی ایک کے مطابق ہے۔

(۱۲)- عہدِ رسالت میں بٹائی پر زمین دینا حرام تھا، اب حلال ہے

عہد رسالت میں بٹائی پر زمین دینے کی ممانعت تھی اور اب اجازت ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"بٹائی پر زمین اٹھانے سے احادیثِ صحیحہ معتبرہ میں منع وارد، یہاں تک کہ حدیثِ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ہے:

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: من لم يذر المخابرة. فليؤذن بحربٍ من الله ورسوله. جو بٹائی نہ چھوڑے وہ اللہ و رسول سے لڑائی کا اعلان کرے۔ رواه ابوداؤد و الطحاوی. وفی الباب عن رافع بن خديج و ثابت بن الضحاك و زيد بن ثابت و انس بن مالك و ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعين.

اور قیاس بھی بوجوہ کثیرہ اسی کا مساعد، ولہٰذا ہمارے امام رضی اللہ تعالیٰ عنہ باتباعِ جماعتِ صحابہ و تابعین محرمین مانعین، حرام و فاسد جانتے ہیں۔ بایں ہمہ صاحبین نے بوجہِ تعامل اجازت دی اور اسی پر فتویٰ قرار پایا۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الاجارہ، ج:۸، ص:۲۱۲، سنی دارالاشاعت.

ہدایہ میں ہے:

قال ابو حنیفة رحمة الله تعالیٰ علیه: المزارعةُ بالثُّلث والرُّبُع باطلة. وقالا جائزة. له: ماروی أنّه صلّی الله تعالیٰ علیه وسلم نهی عن المخابرة وهی المزارعة...... إلّا ان الفتوی علی قولهما لحاجة الناس الیها ولظهور تعامل الأمّة بها والقیاس یترك بالتّعامل کما فی الاستصناع. اھ مختصرًا.

(ترجمہ: امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ تہائی اور چوتھائی پیداوار کے بدلے میں کھیت بٹائی پر دینا باطل ہے اور صاحبین۔ امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ۔ نے فرمایا کہ بٹائی جائز و صحیح ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دلیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کھیت بٹائی پر دینے سے ممانعت فرمائی ہے۔... مگر فتویٰ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کے قول پر ہے کیوں کہ لوگوں کو بٹائی کی حاجت ہے اور اس پر امت کا تعامل بھی ظاہر و عام ہے اور قیاس تعامل کی وجہ سے ترک کر دیا جاتا ہے جیسا کہ استصناع یعنی «فرمائشی بیع» میں قیاس کو تعاملِ عام کی وجہ سے ترک کر دیا گیا ہے۔ عبارت اختصار کے ساتھ ختم ہوئی۔ مرتب) [1]

جب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بٹائی سے ممانعت فرمادی تو ظاہر ہے کہ خیر القرون بالخصوص عہد صحابہ میں اس پر عمل ہوا ہوگا اور یہی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب بھی ہے، پھر بعد میں کسی وقت اس میں تبدیلی ہوئی جو یقیناً حالاتِ زمانہ کے بدلنے کا اثر ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل خیر میں اس کے باعث کبھی کوئی ہیجان پانہ ہوا تو ہمیں بھی انھیں کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

(دوسری نوع)

فقہ حنفی کے احکام

جو مشائخ حنفیہ کے عہد میں تبدیل ہوئے

اس نوع کے مسائل بے شمار ہیں: چند ملاحظہ فرمائیے:

(۱)- یہودیوں کی پوشاک طیلسان پہلے ناجائز تھی اور اب جائز

طیلسان ایک خاص قسم کی چادر ہے جسے کسی زمانے میں صرف یہود استعمال کرتے تھے۔ اس لیے علما نے مسلمانوں کو اس کے استعمال سے ممانعت فرمادی تھی، پھر جب یہ چادر یہودیوں کا شعار نہ رہ گئی تو اجازت دے دی۔

(۱) فتاویٰ رضویہ، ص: ۱۱۲، ۱۱۳، ج: ۸، رسالہ المنیٰ والدُّرر، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔

فتاویٰ رضویہ کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے: امام قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں:

امّا ما ذکرہ ابن القیم من قصۃ الیھود، فقال الحافظ ابن حجر: انما یصحّ الاستدلال بہ فی الوقت الذی تکون الطّیالسۃ من شعارھم، وقد ارتفع ذلک فی ھذہ الأزمنۃ، فصار داخلاً فی عموم المباح، وقد ذکرہ ابن عبد السلام رحمہ اللہ تعالیٰ فی أمثلۃ البدعۃ المباحۃ اھ.

(ترجمہ: ابن القیم نے یہودیوں کا جو قصہ ذکر کیا ہے اس کے بارے میں علامہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سے استدلال اس زمانے میں درست ہوتا جب طیلسان چادریں ان کا شعار تھیں اور اس زمانے میں وہ چادریں ان کا شعار نہ رہیں اس لیے ان کا استعمال مباح ہے اور امام ابن عبد السلام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے بدعتِ مباحہ کی مثالوں میں ذکر کیا ہے۔)(۱)

جو حکم فقہ اسلامی میں ناجائز و ممنوع تھا، وہ حالات کے بدل جانے کے باعث بعد میں جائز و مباح ہو گیا۔

(۲)- خطاے اعراب کے حکم میں تبدیلی

خطافی الاعراب کے باب میں ہمارے ائمہ مذہب رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا مسلک یہ ہے کہ اگر اعراب کی غلطی سے معنی میں فساد آجائے تو نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

وَالْقَاعِدَۃُ عِنْدَ الْمُتَقَدِّمِیْنَ أَنَّ مَا غَیَّرَ الْمَعْنٰی تَغْیِیْرًا یَکُوْنُ اعْتِقَادُہٗ کُفْرًا یُفْسِدُ فِیْ جَمِیْعِ ذٰلِکَ سَوَاءٌ کَانَ فِی الْقُرْاٰنِ أَوْلَا ... وَاِنْ لَّمْ یَکُنِ التَّغْیِیْرُ کَذٰلِکَ، فَاِنْ لَّمْ یَکُنْ مِثْلُہٗ فِی الْقُرْاٰنِ وَالْمَعْنٰی بَعِیْدٌ مُتَغَیِّرٌ تَغَیُّرًا فَاحِشًا یُفْسِدُ أَیْضًا... وَاِنْ کَانَ مِثْلُہٗ فِی الْقُرْاٰنِ وَالْمَعْنٰی بَعِیْدٌ وَلَمْ یَکُنْ مُتَغَیِّرًا فَاحِشًا تفسد أَیْضًا عِنْدَ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمُحَمَّدٍ. اھ ملخصًا. (۲)

(۲)

متقدمین کا ضابطہ یہ ہے کہ جس غلطی سے معنی ایسا بدل جائے کہ اس کا اعتقاد کفر ہو تو خواہ وہ لفظ قرآن پاک میں ہو، یا نہ ہو، نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر تبدیلی ایسی تو نہ ہو مگر اس کا مثل لفظ بھی قرآن پاک میں نہ ہو اور معنیٰ دور از مقصود ہو، نیز قبیح حد تک بدل جائے تو یہ غلطی بھی نماز کو فاسد کر دے گی۔ اور اگر اس کا مثل قرآن حکیم میں موجود ہو اور معنی بھی قبیح حد تک نہ بدلے مگر معنیٰ مقصود سے دور ہو تو بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔ یہ مسلک امام اعظم ابو حنیفہ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، ص:۹۱، ج:۹، رضا اکیڈمی، ممبئی/ مواہب لدنیہ، ج:۶، ص:۳۱۱، باب صفۃ ازارہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، برکات رضا پور بندر، گجرات۔

(۲) ردالمحتار، ص:۴۲۴، ج:۱، باب مایفسد الصلوۃ وما یکرہ فیھا. مسائل زلّۃ القاری، دار الکتب العلمیۃ، بیروت

اور امام محمد رحمہما اللہ کا ہے۔

لیکن بعد کے فقہاے کرام نے جب اپنے زمانے کے حالات کا جائزہ لے کر یہ محسوس کیا کہ عوام اکثر وجوہِ اعراب کے مابین کوئی امتیاز کیے بغیر قراءت میں غلطی کر بیٹھتے ہیں تو انھوں نے اپنے ائمہ کرام کے مذہب کے بر خلاف اس باب میں مطلقاً صحتِ نماز کا فیصلہ سنا دیا کہ "فساد" کا مسلک اختیار کرنے میں اکثر عوامِ اہلِ اسلام کی نمازوں کو برباد کرنا اور انھیں تارکِ فرض و مرتکب کبیرہ بنانا لازم آرہا تھا جو امت پر حرج و تنگی کا باعث تھا لہٰذا آسانی کی فراہمی و صیانتِ صلوٰۃ کے بلند مقصد کے پیش نظر انھوں نے اصل مذہب سے عدول کیا اور یہ فتویٰ جاری کر دیا کہ:

"اب خطائی الاعراب سے نماز نہ فاسد ہوگی۔"

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"خطائی الاعراب یعنی حرکت، سکون، تشدید، تخفیف، قصر، مد کی غلطی میں علماے متاخرین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا فتویٰ تو یہ ہے کہ علی الاطلاق اس سے نماز نہیں جاتی۔

فی الدّر المختار: وزلّة القاری لو فی إعراب لا تفسد وإن غیّر المعنی، به یفتیٰ.

ردالمحتار میں ہے:

لا تفسد فی الکلّ، وبه یفتیٰ. بزازیة وخلاصة.

(قاری سے اعراب میں غلطی ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ معنیٰ بدل جائے، اسی پر فتویٰ ہے۔ ردالمحتار میں ہے کہ اعرابی غلطی کی تمام صورتوں میں نماز فاسد نہ ہوگی۔ بزازیہ، خلاصہ۔ مرتب)[1]

"مسائل زلۃ القاری" کے زیرِ عنوان شامی میں کئی ایک مسئلے ہیں جن میں عمومِ بلویٰ یا دفعِ حرج کی بنا پر مشائخ نے مسلکِ متقدمین کے بر خلاف جواز کا فتویٰ دیا ہے۔[2]

اور بہر حال ان سب مسائل سے یہ بات کھل کر ثابت ہوتی ہے کہ جو غلطی مذہبِ حنفی میں فسادِ نماز کا باعث تھی، حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے بعد میں وہ فسادِ نماز کا باعث نہ رہی، اور اب فتاویٰ رضویہ کے مطابق علی الاطلاق اس سے نماز نہ جائے گی۔

(۳)- بہار آنے سے پہلے پھلوں کی بیع

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب القراءۃ، ج:۳، ص:۹۲، ۹۳، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) رد المحتار، کتاب الصلاۃ/ باب ما یفسد الصلاۃ وما یکرہ فیها، ص: ۲۹۳ — ۲۹۶، ج:۲، دار الکتب العلمیة، بیروت

باغ کے کچھ پھل نکل چکے ہیں اور کچھ باقی ہیں تو ظاہرِ مذہب میں ان پھلوں کی بیع ناجائز و باطل ہے مگر بعد میں فقہانے تعامل ناس کی وجہ سے اس بیع کی اجازت دے دی۔ فتاویٰ رضویہ رسالہ «المنی والدرر» میں ہے:

بحر الرائق میں امام جلیل ابو بکر محمد بن فضل فضلی سے ہے۔

استحسن فیه لتعامل الناس فانّهم تعاطوا بیع ثمار الکرم بهذه الصفة ولهم فی ذلك عادةٌ ظاهرةٌ، وفی نزع الناس عن عاداتهم حرج. اھ

(میں اسے لوگوں کے تعامل کی وجہ سے اچھا سمجھتا ہوں کہ لوگ انگور کے پھلوں کی بیع اسی طور پر کرتے ہیں یہ ان کی عادتِ ظاہرہ ہے اور لوگوں کی عادت چھڑانے میں حرج ہے۔)

ردالمحتار میں ہے:

قلتُ: لایخفیٰ تحقّقُ الضرورة فی زماننا لا سیما فی مثل دمشق کثیرة الأشجار والثّمار فانّه لغلبة الجهل علی الناس لایمکن إلزامهم بالتخلّص بأیدی الطّرق المذکورة وان أمکن بالنّسبة الی بعض أفراد الناس لایمکن بالنسبة الی عامّتهم وفی نزعهم عن عادتهم حرج کما علمت و یلزم تحریمُ اکلِ الثمارِ فی هذه البلدان اذ لاتباع إلّا کذلك. اھ.

(ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانے میں اس ضرورت کا تحقق کوئی مخفی امر نہیں خصوصاً دمشق جیسے علاقے میں جو کثیر باغات اور پھلوں کا علاقہ ہے کیوں کہ لوگوں کو جہالت کے غلبے کی وجہ سے انھیں درج بالا طریقوں کا پابند کرنا ممکن نہیں ہاں کچھ لوگ وہ طریقے اختیار کر سکتے ہیں، مگر سب ایسا نہیں کر سکیں گے اور ان کی عادت چھڑانے میں حرج لاحق ہوگا جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا ہے، پھر لازم آئے گا کہ اس علاقے میں لوگ حرام پھل کھائیں کیوں کہ وہاں باغات کے پھل اسی طور پر بیچے جاتے ہیں۔ مرتب)۔[1]

یہ فقہ حنفی کا بہت ہی اہم مسئلہ تھا کہ بہار آنے سے پہلے پھلوں کی بیع ناجائز و باطل ہے اور ان کا کھانا حرام، باطل کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ لیکن حالاتِ زمانہ کی اثر انگیزی سے باطل بھی موجود و متحقق اور حرام کے بجائے حلال ہو گیا پھر بھی یہ مذہبِ حنفی سے اختلاف یا انحراف نہیں، بلکہ صاحبِ مذہب کا اتباع ہے۔

(۴)۔ عورت کا اپنی مرضی سے غیر کفو کے ساتھ نکاح جائز، پھر باطل و ناجائز

آزاد، عاقل، بالغ عورت اپنی مرضی سے اپنا نکاح غیر کفو کے ساتھ کر لے تو امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ نکاح جائز و منعقد ہے البتہ ولیِ اقرب کو اس پر حقِ اعتراض حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو فسخ کرا دے اور چاہے تو باقی رکھے ایسا ہی عامۂ کتبِ فقہ میں ہے۔ لیکن بعد میں فسادِ زمان کی وجہ سے مشائخ مذہب نے حضرت

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الاجارہ، ج:۸، ص:۲۰۷، ۲۰۸، سنی دارالاشاعت، مبارک پور۔

امام حسن بن زیاد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس روایت پر فتویٰ دیا کہ نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔ امام قاضی خان اور امام احمد رضا خان علیہما الرحمۃ والرضوان کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

شرح وقایہ میں ہے:

وأما مسألة الكفؤ ففي ظاهر الرواية: النكاح من غير كفؤ ينعقد لكن للولي الاعتراض ان شاء فسخ وان شاء اجاز. وفي رواية الحسن عن ابي حنيفة: لا ينعقد. اھ وفيه ايضاً وعليه فتوىٰ قاضي خان.

(ترجمہ: ظاہر الروایہ یہ ہے کہ عورت غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلے تو نکاح منعقد ہوجائے گا لیکن ولی کو (ننگ وعار کا ضرر دور کرنے کے لیے) اعتراض کا حق حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو فسخ کردے اور چاہے تو نافذ کردے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے امام حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ نکاح منعقد نہ ہو۔ اور اسی پر امام قاضی خان کا فتویٰ ہے۔(مرتب) [1]

فتاویٰ رضویہ میں ہے:

اور روایتِ مفتی بہا مختار للفتویٰ یہ ہے کہ بالغہ ذات الاولیا جو اپنا نکاح غیر کفو سے کرے وہ اسی وقت صحیح ہوسکتا ہے کہ ولیِ شرعی پیش از نکاح صراحۃً اپنی رضامندی ظاہر کرے اور وہ جانتا بھی ہو کہ یہ شخص کفو نہیں۔........

در مختار میں ہے:

ويُفتى في غير الكفو بعدم جوازه أصلاً، وهو المختار للفتوىٰ لفساد الزمان فلا تحل مطلقة ثلثا نكحت غير كفؤ بلا رضا ولي بعد معرفته اياه، فليحفظ...وفي ردالمحتار: هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد فلا يفيد الرضى بعده.

(ترجمہ: عورت نے اپنے طور پر غیر کفو کے ساتھ نکاح کرلیا تو فتویٰ یہ ہے کہ نکاح بالکل منعقد نہ ہوگا، فسادِ زمانہ کی وجہ سے یہی قول مختار للفتویٰ ہے۔ لہٰذا اگر تین طلاق والی عورت نے کسی غیر کفو سے نکاح کرلیا اور ولی اس غیر کفو سے آگاہ ہوکر اس سے رضامند نہ ہوا تو وہ پہلے شوہر کے لیے حلال نہ ہوگی۔ رد المحتار میں ہے کہ یہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے امام حسن بن زیاد کی روایت ہے اور یہ حکم اس وقت ہے جب اس کے لیے کوئی ولی ہو اور عقدِ نکاح سے پہلے اس پر راضی نہ ہو کہ بعدِ عقد رضا سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ مرتب) [2]

یہاں فسادِ زمان کی وجہ سے فقہا کے ایک گروہ نے اصل مذہب سے عدول کیا ہے اب اگر حالات کروٹ لیں اور اس سے بڑا فساد اصل مذہب سے عدول میں در آئے تو حکم ہوگا کہ اپنے اصل مذہب کی طرف لوٹ چلیں

---

(۱) شرح وقايه، ج:۲، ص:۲٤، ۲٥ باب الولي، كتاب النكاح، مجلس البركات، مبارك پور.

(۲) فتاوىٰ رضويه، كتاب النكاح، باب الكفاءة، ج:٥، ص:٤٤٠، رضا اكيڈمی، ممبئی

چناں چہ امام احمد رضا قدس سرہ نے اسپرٹ آمیز پڑیا کے مسئلے میں حالات زمانہ کے کروٹ بدلنے سے ایسا ہی کیا جیساکہ آرہا ہے۔

(۵)-تالاب کا اجارہ پہلے ناجائز اور اب جائز

تالاب کا اجارہ اصل مذہب پر ناجائز ہے لیکن بعد میں فقہانے عموم بلویٰ کی وجہ سے اس کی اجازت دی۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک سوال کے جواب میں تفصیل کے ساتھ اس پر تحقیقی گفتگو کی ہے۔ ہم یہاں سوال کے ساتھ جواب کا مختصر اقتباس پیش کرتے ہیں۔

سوال: زید کا ایک تالاب ہے اس کو بعوض بیس روپیہ ایک ماہ کی میعاد مقرر کر کے عمرو کے تصرف میں دیا اور کہا ایامِ معینہ کے اندر تم اس تالاب کے پانی سے بہر طور انتفاع حاصل کر سکتے ہو، اور اس تالاب کی مچھلی پکڑ سکتے ہو، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: عامۂ کتب میں اس اجارے کو محض حرام و ناجائز و باطل فرمایا اور یہی موافقِ اصول و قواعد مذہب ہے...... اور جامع المضمرات میں جواز پر فتویٰ دیا:

فی الدر المختار: جاز اجارۃ القناۃ والنهر مع الماء، به یفتی، لعموم البلویٰ. مضمرات. انتهی.

(در مختار میں ہے کہ نالے اور دریا کا اجارہ پانی کے ساتھ جائز ہے اور عموم بلویٰ کی وجہ سے اسی پر فتویٰ ہے۔ مضمرات۔ مرتب)

اور احوط یہ ہے کہ تالاب کے کنارے کی چند گز زمین محدود معین کرائے پر دے اور پانی وغیرہ سے انتفاع مباح کر دے، یوں اِسے کرایہ اور اُسے پانی مچھلی گھاس جائز طور پر مل جائیں گے ...... یا زراعت کو کنارے کی زمین اور تالاب جس سے اس زمین کو پانی دیا جائے سب ملا کر کرائے پر دے کہ تالاب کا اجارہ بھی بالتبع جائز ہو جائے۔[1]

آگاہی: نوع اول میں جو مسائل بیان کیے گئے ہیں وہ سوائے بعض کے سب یہاں بھی مثال میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ مذہب حنفی کے ایسے مسائل ہیں جن سے بعد کے ائمہ نے عدول کیا ہے۔

فقہ حنفی کے یہ پانچ مسائل ہوئے۔

- یہودیوں کا شعار، طیلسان نامی چادر اوڑھنا پہلے ناجائز تھا، پھر جائز ہوا۔
- تلاوتِ قرآن کی اعرابی غلطیاں نماز میں ہوں تو پہلے نماز فاسد تھی اور اب صحیح ہے، مطلقًا

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الاجارہ، ج:۸، ص:۱۵۷، سنی دارالاشاعت، مبارک پور۔

فساد کا حکم نہیں۔

- بہار آنے سے پہلے پھلوں کی بیع پہلے باطل تھی، اب منعقد و جائز ہے۔
- غیر کفو کے ساتھ عورت کا خود نکاح کر لینا پہلے جائز و منعقد تھا پھر باطل و غیر منعقد کہا گیا۔
- تالاب کا اجارہ پہلے ناجائز تھا اب جائز قرار پایا۔

یہ تمام مسائل اس حقیقتِ واقعہ کے شواہد ہیں کہ شرعی احکام مصالح پر قائم ہیں وہ ان کے گردش کرنے سے خود بھی گردش کرتے رہتے ہیں اور بسا اوقات گردش اصل مذہب سے نئے حکم کی طرف ہوتے ہوتے پھر اصلِ مذہب کی طرف ہو جاتی ہے الغرض جیسے جیسے بنیاد بدلتی رہتی ہے حکم بھی بدلتا رہتا ہے۔

(تیسری نوع)

مذہب حنفی کے بدلے ہوئے مسائل جن کے مطابق فقیہ فقید المثال امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ دیا۔ یا آپ کے فتویٰ سے حکم سابق میں تبدیلی ہوئی

اس نوع کے مسائل بھی کثیر ہیں پہلی اور دوسری نوع میں بیان کیے گئے مسائل بھی اس نوع سے یک گونہ مناسبت رکھتے ہیں اور نیچے دیے گئے مسائل کا تعلق اس نوع سے زیادہ ہے۔

(۱)- اسپرٹ آمیز پڑیا کی طہارت کا حکم اور بار بار حکم میں تبدیلی

فتاویٰ رضویہ میں ہے کہ "اسپرٹ بدترین شراب اور حرام اور پیشاب کی طرح نجاستِ غلیظہ ہے۔"(۱)

نیز فتاویٰ رضویہ میں ہی ایک دوسرے مقام پر ہے:

"قول منصور و مختار میں ہر مسکر پانی کا قطرہ قطرہ مثل شراب حرام و ناروا ہے، اور نہ صرف حرام بلکہ پیشاب کی طرح مطلقاً نجاست غلیظہ ہے یہی مذہب معتمد اور اسی پر فتویٰ ہے۔ تنویر الابصار میں ہے:

حرّم محمد مطلقاً. وبه يفتى.(۲)

(امام محمد نے مطلقاً حرام قرار دیا، اور اسی پر فتویٰ ہے۔)

اصل مذہب جو شیخین کا مذہب ہے یعنی امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ کا، وہ اس سے

---

(۱) فتاویٰ رضویہ (عربی سے ترجمہ) باب الانجاس، رسالہ احلی من السکر لطلبہ سکر روسر، ج:۲، ص: ۱۲۰، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۱۱، ص:۵۱، ادارہ اشاعت تصنیفات رضا بریلی شریف۔

مختلف ہے اور وہ بھی دلیل کے لحاظ سے بہت باقوت ہے مگر کچھ وجوہ کی بنا پر مشائخ حنفیہ اور خود امام احمد رضا علیہم الرحمۃ والرضوان نے اس سے عدول فرما کر امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا پھر حالات زمانہ نے کروٹ بدلی اور اس کے پیش نظر امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے مذہب امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عدول کر کے مذہب شیخین پر فتویٰ دیا یعنی ایک بار عدول ہوا اصل مذہب حنفی سے قولِ امام محمد کی طرف اور دوبارہ عدول ہوا امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول سے مذہبِ شیخین کی طرف جو اپنا اصل مذہب ہے۔ اب اس کی ایک شہادت ملاحظہ فرمایئے۔

آج سے ۱۱۸ رسال پہلے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے یہ سوال ہوا کہ:

"مصری ایک سرخ رنگ کے کاغذ میں جس کی نسبت قوی گمان ہے کہ پڑیا کے رنگ میں رنگا گیا ہو بندھی تھی اس کی سرخی فی الجملہ مصری میں آگئی تو وہ مصری کھائی جائے یا نہیں، اور نہ کھائیں تو پھینک دیں یا کیا کریں؟"

یہ سوال اس لیے ہوا تھا کہ لوگ پڑیا میں اسپرٹ ملنے کا گمان رکھتے تھے اور جیسا کہ فتاویٰ رضویہ کے حوالے سے بیان ہوا اسپرٹ پیشاب کی طرح ناپاک اور حرام ہے، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"پڑیا میں اسپرٹ کا ملنا اگر بطریقۂ شرعی ثابت بھی ہو تو اس میں شک نہیں کہ ہندیوں کو اس کی رنگت میں ابتلائے عام ہے اور عمومِ بلویٰ نجاستِ متفق علیہا میں باعثِ تخفیف حتیٰ فی موضع النص القطعی کما فی ترشّش البول قدر رُؤوس الابر، کما حققہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر.

(یہاں تک کہ جن چیزوں کی نجاست و حرمت نص قطعی سے ثابت ہے ان میں بھی تخفیف ہو جاتی ہے جیسے کہ سوئی کی نوک کی مقدار پیشاب کے چھینٹے میں محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں اس کی تحقیق فرمائی۔ مرتب)

☆ نہ کہ محل اختلاف میں جو زمانۂ صحابہ سے عہدِ مجتہدین تک برابر اختلافی چلا آیا۔

☆ نہ کہ جہاں صاحبِ مذہب حضرت امام اعظم و امام ابو یوسف کا اصل مذہب طہارت ہو اور وہی امام ثالث امام محمد سے بھی ایک روایت اور اسی کو امام طحاوی وغیرہ ائمۂ ترجیح و تصحیح نے مختار و مرجّح رکھا ہو۔

☆ نہ کہ ایسی حالت میں جہاں اس مصلحت کو بھی دخل نہ ہو جو متاخرینِ اہلِ فتویٰ اصل مذہب سے عدول اور روایتِ اخری امام محمد کے قبول پر باعث ہوئی۔

☆ نہ کہ جب مصلحت اُلٹی اس کے ترک اور اصل مذہب پر افتا کی مُوجب ہو۔

تو ایسی جگہ بلا وجہ، بلکہ بر خلافِ وجہ، مذہبِ مہذب صاحبِ مذہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ترک کر کے مسلمانوں کو ضیق و حرج میں ڈالنا اور عامۂ مومنین و مومنات جمیع دیار و اقطار ہندیہ کی نمازیں معاذ اللہ باطل اور انھیں آثم (گنہگار) و مُصِر

علی الکبیرۃ (گناہِ کبیرہ پر اصرار کرنے والا) قرار دینا روشِ فقہی سے یکسر دور پڑتا ہے۔ وباللہ التوفیق۔ (۱)

اس فتوے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ وضاحت فرمائی ہے کہ اصل مذہب سے عدول کر کے امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قول پر جس مصلحت کی بنا پر مشائخ نے فتویٰ دیا تھا وہ مصلحت یہاں بدل چکی ہے۔ اور اہل ہند پڑیا کی رنگت میں عام طور پر مبتلا ہیں اس لیے اب صاحب مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب سے عدول کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ اور مذہبِ امام اعظم پر پڑیا پاک ہے۔ لہٰذا اب بوجہِ عموم بلویٰ فقیر کا فتویٰ یہی ہے کہ مصری پاک ہے اور اس کا کھانا جائز۔

دیکھ رہے ہیں آپ، اصل مذہب حنفی امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب ہے مگر حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے مصلحت کا تقاضا روایتِ امام محمد پر فتوے کا ہوا، تو فقہا نے اصل مذہب سے ہٹ کر امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت پر فتوے صادر کرنے شروع فرمادیے، اور ایک بار پھر جب مصلحت امام احمد رضا قادری قدس سرہ کے زمانے میں بدلی تو آپ پھر اصل مذہبِ حنفی کی طرف پلٹ گئے۔ ایک عامی بار بار احکام بدلنے کا یہ منظر دیکھ کر مذہب سے انحراف سمجھے گا، مگر مصالحِ فقہیہ پر گہری نظر رکھنے والے خوب سمجھتے ہیں کہ یہ مذہب سے انحراف نہیں، بلکہ در حقیقت صاحبِ مذہب کا اتباع ہے۔

(۲)- دیہات میں جمعہ کی اجازت اور اصل مذہب سے عدول

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے متعدد فتاویٰ میں یہ وضاحت فرمائی ہے کہ دیہات میں جمعہ کی نماز جائز نہیں۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کا مذہب یہی ہے مگر ایک فتوے میں آپ نے بعض دینی مصالح کی بنا پر اس سے عدول کر کے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایتِ نادرہ پر عمل کی اجازت دی ہے۔ وہ فتویٰ آپ بھی پڑھیں۔

آپ رقم طراز ہیں:

"فی الواقع دیہات میں جمعہ وعیدین باتفاق ائمۂ حنفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ممنوع وناجائز ہے کہ جو نماز شرعاً صحیح نہیں اس سے اشتغال روا نہیں۔

فی الدر المختار: وفی القنیة: صلاة العید فی القری تکره تحریما أی لأنه اشتغال بما لایصح. اهـ فی ردالمحتار: ومثلهُ الجمعة. ح.

جمعہ میں اس کے سوا اور بھی عدمِ جواز کی وجہ ہے: کما بیّنّاہ فی فتاوانا.

ہاں ایک روایت، نادرہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ سے آئی ہے کہ جس آبادی میں اتنے مسلمان مرد عاقل، بالغ ایسے تندرست جن پر جمعہ فرض ہو سکے آباد ہوں کہ اگر وہ وہاں کی بڑی سے بڑی مسجد میں جمع ہوں تو نہ سما سکیں

(۱) فتاویٰ رضویہ، باب الانجاس، ج:۲، ص:۴۹، رضا اکیڈمی، ممبئی.

یہاں تک کہ انھیں جمعہ کے لیے مسجد جامع بنانی پڑے وہ صحتِ جمعہ کے لیے شہر سمجھی جائے گی۔ امام اکمل الدین بابرتی عنایہ شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں:

"(وعنه) اى عن ابى يوسف انهم (إذا اجتمعوا) اى اجتمع من تجب عليهم الجمعة لا كلٌّ من يسكن فى ذلك الموضع من الصبيان والنساء والعبيد. قال ابن شجاع: أحسنُ ما قيل فيه: اذا كان اهلها بحيث لو اجتمعوا (فى اكبر مساجدهم لم يسعهم) ذلك حتى احتاجوا الى بناء مسجد آخر للجمعة الخ.

جس گاؤں میں یہ حالت پائی جائے اس میں اس روایت نوادر کی بنا پر جمعہ و عیدین ہو سکتے ہیں اگر چہ اصل مذہب کے خلاف ہے مگر اسے بھی ایک جماعت متاخرین نے اختیار فرمایا اور جہاں یہ بھی نہیں وہاں ہرگز جمعہ خواہ عید مذہبِ حنفی میں جائز نہیں ہو سکتا بلکہ گناہ ہے۔" (۱)

اس فتوے کے بعد بھی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے دیہات میں جمعہ کے عدمِ جواز کا حکم جاری کیا ہے اس کی وجہ اس ناچیز راقم السطور کے خیال میں یہ ہے کہ جواز کا فتویٰ کسی اہم دینی مصلحت کی بنا پر دیا تھا اس لیے جہاں وہ مصلحت پائی جائے حکم جواز کا ہوگا اور جہاں نہ پائی جائے وہاں حکم اصل مذہب کے مطابق عدم جواز کا ہوگا۔

(۳)-گیہوں کی بیع میں وزن کا اعتبار

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

"چار چیزوں کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیلی فرمایا ہے: گیہوں، جو، چھوہارے، نمک۔ یہ چاروں ہمیشہ کیلی رہیں گی اگر چہ لوگ انھیں وزن سے بیچنے لگیں تو اب اگر گیہوں کے بدلے گیہوں برابر تول کر بیچے تو حرام ہوگا بلکہ ناپ میں برابر کرنا چاہیے۔ اور دو کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وزنی فرمایا ہے۔ سونا، چاندی۔ یہ ہمیشہ وزنی رہیں گے۔ ان چیزوں کے سوا باقی کا رعرف و عادت پر ہے جو چیزیں عرف میں تل کر بکتی ہیں وہ وزنی ہیں اور جو گزوں یا گنتی سے بکتی ہیں وہ اندازہ سے خارج۔" (۲)

مگر اس کے برخلاف آپ نے اپنے ایک فتوے میں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے گیہوں میں وزن کا اعتبار کیا ہے۔ چناں چہ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ زید سے بکر نے ماہ کاتک میں بغرض تخم ریزی ایک من گیہوں لیا اور فصل کٹنے پر ماہ چیت میں ایک من کا ایک من گیہوں واپس دیا یعنی کچھ کمی بیشی نہیں ہوئی، جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) فتاوىٰ رضويه، باب الجمعه، ج:۳، ص:۷۰۱، ۷۰۲، سنى دار الاشاعت، مبارك پور، بحواله عنايه شرح هدايه.
(۲) فتاوىٰ رضويه، ج:۷، ص:۸۰، سنى دار الاشاعت، مبارك پور.

الجواب: جائز ہے عملاً بقول الامام ابی یوسف مِن اعتبار العرف فی الکیل والوزن مطلقاً وقد تعامل به الناس وشاع بینهم استقراض الحنطة وزناً. ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم.

(یہ حکم امام ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس قول پر عمل کر کے دیا ہے کہ ناپ اور وزن میں مطلقاً عرف کا اعتبار ہے اور اس پر یقیناً لوگوں کا عرف و تعامل ہے اور ان کے درمیان گیہوں کا قرض لین دین وزناً شائع ہے۔ مرتب)(۱)

(۴)- اسباب مسجد کے حکم میں تبدیلی

کسی مسجد کے آلات و اسباب گو کہ اس کی ضروریات سے فاضل ہوں انھیں دوسری مسجد میں تملیک، بلکہ عاریت کے طور پر بھی دینا جائز نہیں۔

"لَا یَجُوْزُ نَقْلُهٗ وَلَا نَقْلُ مَالِهٖ إِلٰی مَسْجِدٍ أٰخَرَ. اھ (۲)

(مسجد اور اس کے مال کو دوسری مسجد میں منتقل کرنا جائز نہیں۔)

یَجُوْزُ لِلْقَیِّمِ شِرَی الْمُصَلَّیَاتِ لِلصَّلَاةِ عَلَیْهَا وَلَا یَجُوْزُ إِعَارَتُهَا لِمَسْجِدٍ اٰخَرَ. اھ ملخصا.

(مسجد کے منتظم کو فرش «مثلاً چٹائی، دری» نماز پڑھنے کے لیے خریدنا جائز ہے اور دوسری مسجد میں ان چیزوں کو عاریت دینا جائز نہیں۔)(۳)

حتیٰ کہ اگر مسجد ویران ہو چکی ہو تو بھی اصل مذہب یہ ہے کہ اس کے اسباب کو دوسری مسجد میں منتقل نہیں کر سکتے۔

مگر بعد کے فقہائے کرام نے جب اپنے زمانے کے بدلے ہوئے حالات کا مشاہدہ کیا کہ لوگوں میں خدا ناترسی پہلے سے بڑھ گئی ہے اور وہ امانت و دیانت کے خلاف کوئی کام کر گزرنے میں کسی طرح کا عار، یا باک نہیں محسوس کرتے تو انھوں نے اصل مذہب کے برخلاف ایسی مسجدوں کے اسباب کو دوسری مسجد میں منتقل کرنے کی اجازت دے دی۔ چناں چہ امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج:۷، ص:۷۳، ۷۴، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب الوقف، ج:۶، ص:۴۲۸، وغیرہ سنی دارالاشاعت مبارک پور بحواله ردالمحتار کتاب الوقف مطلب فی نقل أنقاض المسجد.

(۳) فتاویٰ رضویہ، کتاب الوقف، ج:۶، ص:۴۵۵، سنی دارالاشاعت، بحواله فتاویٰ عالم گیری، ص:۹۴، ج:۴، کتاب الکراهیه.

"جو مسجد ویران ہو چکی ہو اس کی آبادی کی کوئی صورت نہ ہو، اور اس کے آلات کی حفاظت نہ ہو سکے تو اب فتویٰ اس پر ہے کہ اس کے کڑی، تختے وغیرہ دوسری مسجد میں دیے جاسکتے ہیں۔"[1]

(۵)- عورت کے ارتداد سے فسخ نکاح کے حکم میں تبدیلی

ظاہر مذہب یہ ہے کہ زوجین میں سے کوئی اسلام سے پھر جائے تو اس کا نکاح فوراً فسخ ہو جائے گا۔

لیکن اب فتویٰ اس پر ہے کہ عورت ارتداد کے سبب نکاح سے خارج نہیں ہوتی۔ مجدد اسلام امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"اب فتویٰ اس پر ہے کہ مسلمان عورت معاذ اللہ مرتد ہو کر بھی نکاح سے نہیں نکل سکتی۔ وہ بدستور اپنے مسلمان شوہر کے نکاح میں ہے۔"[2]

"وَمِنْ ذٰلِكَ إِفْتَائِي مِرَارًا بِعَدْمِ انْفِسَاخِ نِكَاحِ امْرَأَةِ مُسْلِمٍ بِارْتِدَادِهَا لِمَا رَأَيْتُ مِنْ تَجَاسُرِهِنَّ مُبَادَرَةً إِلَى قَطْعِ الْعِصْمَةِ كَمَا بَيَّنْتُهُ فِي السِّيَرِ مِنْ فَتَاوَانَا وَكَمْ لَهُ مِنْ نَظِيْرٍ." [3]

(اسی وجہ سے میں نے بارہا فتویٰ دیا کہ مسلمان کی بیوی کا نکاح اس کے مرتد ہونے سے فسخ نہ ہوگا۔ کیوں کہ میں نے عورتوں کو عصمت نکاح سے نکلنے میں جلد باز و جری دیکھا۔ میں نے اسے اپنے فتاویٰ کی «کتاب السیر» میں بیان کیا اور اس کی بہت سی نظیریں ہیں۔ مرتب)

(۶)- پہلے نفل اور سنت نمازیں گھر میں پڑھنا افضل تھا، اور اب مسجد میں

نفل اور سنت نمازیں گھر میں پڑھنا افضل ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"علیکم بالصلوٰۃ فی بیوتکم فانّ خیر صلاۃ المرء فی بیتہ إلّا المکتوبۃ."

(تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھو کہ مرد کی بہتر نماز اس کے گھر میں ہے۔ سوائے فرض کے۔)[4]

اور ابوداؤد شریف میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) فوائد رضویہ حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص:۳۹۳، رسالہ اجلی الاعلام.
(۲) فوائد رضویہ حاشیہ فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص:۳۹۳، رسالہ اجلی الاعلام.
(۳) فتاویٰ رضویہ جلد اول، ص:۳۹۳، ۳۹٤، رسالہ اجلی الاعلام.
(۴) مسلم شریف، ج:۱، ص:۲٦٦، باب استحباب صلاۃ النافلہ فی بیتہ، مجلس برکات و فتاویٰ رضویہ ج:۳، ص:٤٥٧.

"صلاةُ المرء فی بیته افضل من صلاته فی مسجدی هذا إلّا المکتوبة."

(اپنے گھر میں مرد کی نماز میری اس مسجد میں اس کی نماز سے افضل ہے سوائے فرض نماز کے۔)(۱)

مگر اب افضل یہ ہے کہ سنن بھی مسجد میں ہی پڑھیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"سنن و نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل اور یہی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادتِ طیبہ۔۔۔۔۔۔ مگر اب عام عملِ اہلِ اسلام سنن کے مساجد ہی میں پڑھنے پر ہے اور اس میں مصالح ہیں کہ ان میں وہ اطمینان کم ہوتا ہے جو مساجد میں۔ اور عادتِ قوم کی مخالفت موجبِ طعن و انگشت نمائی و انتشارِ ظنون و فتحِ بابِ غیبت ہوتی ہے اور حکم صرف استحبابی تھا تو ان مصالح کی رعایت اس پر مرجح ہے۔ ائمۂ دین فرماتے ہیں:

"الخروج عن العادة شهرة و مکروه."

عادت کے خلاف کرنا شہرت پسندی و مکروہ ہے۔(۲)

(۷ تا ۲۳)- خرید و فروخت کے بہت سے معاملات جو پہلے ناجائز تھے اب جائز ہو گئے

کتبِ فقہ میں ایسی کثیر بیعوں کا ثبوت ملتا ہے جو کسی زمانے میں شرط فاسد کی وجہ سے فاسد قرار دی جاتی تھیں، بعد میں ان شرطوں کے متعارف ہو جانے کی وجہ سے وہ تمام بیعیں جائز ہو گئیں۔ جیسے گھڑیوں، برقی پنکھوں، بیٹری، انورٹر، فریج، واشنگ مشین، کولر، شوٹ کیس اور دوسری مختلف قسم کی مشینوں میں گارنٹی یا وارنٹی کی شرط جو اصل مذہب کے لحاظ سے ناجائز اور اب تعارف و تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ اس کی بنیاد فقہ کا یہ ضابطۂ کلیہ ہے:

"کل شرط لا یقتضیه العقد و فیه منفعة لأحد المتعاقدین یُفسِده إلّا ان یکون متعارفاً لان العرف قَاضٍ علی القیاس."

(جو شرط بیع کے تقاضے کے خلاف ہو اور اس میں عاقدین میں سے کسی کا نفع ہو وہ عقد فاسد کر دے گی، مگر یہ کہ وہ شرط متعارف ہو تو عقد جائز رہے گا، اس لیے کہ عرف قیاس پر حجت ہے اس کی وجہ سے قیاس کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔)(۳)

بہارِ شریعت میں ہے:

---

(۱) سنن ابی داؤد شریف، ج:۱، ص:۱۳۴، باب صلوٰة الرجل التطوع فی بیته، نول کشور، وفتاویٰ رضویه، ج:۳، ص:۴۵۷.

(۲)- فتاویٰ رضویه، ج:۲، ص:۴۵۸، ۴۵۹، باب الوتر والنوافل، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

(۳)- هدایه، ج:۳، ص:۴۳، باب البیع الفاسد مجلس البرکات.

"یا وہ شرط ایسی ہے جس پر مسلمانوں کا عام طور پر عمل درآمد ہے جیسے آج کل گھڑیوں میں گارنٹی سال، دو سال کی ہوا کرتی ہے کہ اس مدت میں خراب ہوگی تو درستی کا ذمہ دار بائع ہے۔ ایسی شرط بھی جائز ہے۔" (۱)

فتاویٰ رضویہ ج:۸، ص:۲۰۴ تا ۲۰۸ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے ایسی بہت سی بیعوں کا ذکر فقہی عبارتوں کے ساتھ کیا ہے جو اصالۃً ناجائز و فاسد اور بوجہ عرف و تعامل جائز ہیں، مثلاً:

"بیعِ نعل اس شرط پر کہ دوسری اس کے ساتھ کی بنادے اس میں تسمہ لگادے۔ بیعِ چرم بشرطیکہ اس کا جوتا سی دے، کھڑاؤں کی بیع میں پٹھے لگادینے کی شرط، بُنی ہوئی اون کی بیع بایں شرط کہ اس کی ٹوپی کردے، ٹوپی اس شرط سے بیچے کہ استر اپنے پاس سے لگائے، پھٹے پرانے موزے یا کپڑے کی بیع میں پیوند کی شرط، کھال اس شرط پر بیچے کہ اس کا موزہ بنادے۔ اس طرح اور بھی بہت سی بیعیں ہیں جو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد تھیں اور بعد میں جب ان شرطوں کا تعارف و تعامل ہوگیا تو فقہا نے ان کے جواز کا حکم صادر فرمادیا۔"

(۲۴ تا ۴۴)- متعدد ناجائز اوقاف و بیوع و قرض کی اجازت

ایسے بھی کثیر مسائل ہیں جو اصل مذہب میں ناجائز تھے بعد میں عرفِ حادث کی وجہ سے جائز قرار پائے۔ جیسے اشیائے منقولہ کا وقف اصل مذہب میں ناجائز ہے۔ لیکن جب بہت سی اشیائے منقولہ کے وقف کا مسلمانوں میں تعامل ہوگیا تو فقہا نے ایسے سارے اوقاف جائز قرار دیے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے فتاویٰ رضویہ ج:۸، کے صفحات مذکورہ بالا میں ایسے بائیس امور کا تذکرہ فقہی جزئیات کے ساتھ کیا ہے وہ امور یہ ہیں:

"جنازہ کے لیے چارپائی، چادروں اور غسل میت کے لیے گھڑوں، لوٹوں کا وقف، اہل حاجت کے لیے کلہاڑی، بسولے، آرے، پھاوڑوں کا وقف، مسافروں کے لیے طشت، ہانڈی، بڑی دیگ کا وقف، مساجد کے لیے قندیل کی رسی، زنجیر کا وقف، قرآن مجید و کتب و غلہ و گاؤ و دراہم و دنانیر کا وقف، آٹے بیسنے [؟] تاتول کر بیچنا، نہ ناپ سے، تول پر آٹا قرض لینا، روٹیوں کی بیعِ سلم گنتی سے، روٹیوں کا گن کر قرض لینا، اموالِ ستۂ ربویہ (گیہوں، جو، کھجور، نمک، سونا، چاندی) میں کیل و وزن کا عرف بدلنے پر امام ابو یوسف کا اعتبارِ عرف فرمانا۔ یہ سب برخلافِ اصل و قیاس ہیں جنھیں ائمہ و علمائے اعلام نے تعامل و عرف پر مبنی فرمایا۔" (۲)

یہ فقہ حنفی کے جزئیات اور ضوابط سے ہٹے ہوئے بلفظ دیگر حالاتِ زمانہ کے اثر سے بدلے ہوئے ایسے چوالیس مسائل ہیں جو فتاویٰ رضویہ میں موجود یا کھلے طور پر اس سے ماخوذ ہیں۔ گارنٹی کا مسئلہ بہارِ شریعت سے لیا گیا ہے۔ اور بہر حال اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے فقہی

---

(۱)- بہارِ شریعت، حصہ ۱۱، ص:۷۰۱، مکتبۃ المدینہ۔

(۲) فتاویٰ رضویہ ج:۸، ص:۲۰۸، ۲۰۹، رسالہ المنیٰ والدرر، رضا اکیڈمی، ممبئی

فروعی مسائل میں حالاتِ زمانہ کی رعایت کتنے اہتمام کے ساتھ کی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کہیں حالات کے بدلنے کے باعث خود ہی حکم کے بدل جانے کا فتویٰ دیا ہے اور کہیں اپنے پیش رو فقہاے کرام کے بدلے ہوئے مسائل کو برقرار رکھ کر اپنے موقف کی طرف رہنمائی فرمائی ہے۔

(چوتھی نوع)

فتاویٰ رضویہ کے مسائل جو بعد کے فقہاے اہل سنت کے نئے فتاویٰ اور فیصلوں کے ذریعہ بدلے

اس نوع کے مسائل کی تعداد بھی بہت ہے اگر کوئی صاحبِ نظر عالم دین ان مسائل کا احاطہ کریں تو ایک مناسب کتاب تیار ہو سکتی ہے، لیکن یہ عاجز بے مایہ صرف ''بحرِ عطایا نبویہ و فتاویٰ رضویہ'' کے ساحل کی ایک سیر کرانا چاہتا ہے اس لیے صرف چند نمونے پیش کرنا کافی سمجھتا ہے۔ خدا کرے یہ نمونے چشم کشا اور عبرت آمیز ہوں۔

(۱)- برقی پنکھا اور برقی لائٹ مسجد اور گھر میں لگانے کی ممانعت اور اب اجازت

آج کے دور میں عام طور پر اپنے گھروں اور مساجد میں برقی پنکھے اور برقی لائٹیں استعمال کی جاتی ہیں مگر شرعی نقطۂ نظر سے یہ جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ تحقیق طلب ہے۔ ایک صدی پیش تر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے ایک اہم فتویٰ جاری کیا تھا جس میں آپ نے گھروں اور مساجد میں برقی لائٹ اور پنکھے لگانا ممنوع و ناجائز و حرام قرار دیا تھا۔ اس کے مختلف اسباب تھے، ہم یہاں فتاویٰ رضویہ سے پہلے سوالات، پھر ان کے جوابات نقل کرتے ہیں تاکہ قارئین پر یہ واضح ہو سکے کہ وہ کون سے شرعی اسباب تھے جن کی بنیاد پر برقی روشنی اور برقی پنکھے کی ممانعت کا فتویٰ جاری ہوا پھر وہیں سے یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ وہ اسباب آج موجود نہیں ہیں۔

سوالات

۱۶ر رجب ۱۳۳۴ھ کو بمبئی کا میکر اسٹریٹ سے ایک صاحب نے یہ سوالات کیے:

(۱)-..............................

(۲)- مسجد ایسی جگہ واقع ہے جس کے چاروں طرف کوئی مکان نہیں ہے اور دیواروں میں بڑے بڑے

جنگلے بکثرت بنائے گئے ہیں، ہوا ہر وقت موجود رہتی ہے بلکہ بعض وقت کثرتِ ہوا کے سبب کھڑکیاں بند کی جاتی ہیں پس ایسی صورت میں مالِ وقف سے برقی پنکھے مسجد میں نصب کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۳)- تجربتاً یہ امر ظاہر ہے کہ جب برقی پنکھا چلایا جاتا ہے اس وقت اس سے ایک آواز آتی ہے جو ضرور مخلِّ نماز و مبطل خشوع و خضوع ہے۔ بناءً علیہ اس طرح کے پنکھے بلا ضرورت بصرفِ مالِ مسجد بنانا شرعاً جائز ہیں یا نہیں؟

(۴)- یہ امر بتحقیقِ تمام ثبوت کو پہنچا ہے کہ پنکھا چلانے کے ڈبے میں جو گریس ڈالا جاتا ہے وہ اشیاے ناپاک و نجس سے مخلوط ہے اس صورت خاص میں بھی ان پنکھوں کے مسجد میں لگانے کا بصرفِ مالِ وقف شرعاً کیا حکم ہے؟

(۵)- ماہرین فن الیکٹری سے یہ بات بخوبی معلوم ہوئی ہے کہ بہ نسبت گیس کی روشنی کے الیکٹری کی روشنی و برقی پنکھوں میں زیادہ تر خوفِ آتش زدگی ہے، چناں چہ الیکٹری سے اس قسم کی آتش زدگی کے واقعات بہت ہو چکے ہیں جس سے بہت لوگ واقف ہیں، پس صورت مذکورہ میں ایسی خوف ناک و حشت آمیز چیز کا نصب کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

(۶)- یہ امر بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ بقولِ اطبا روشنی برقی مضرِّ بصارت ہے اور برقی پنکھوں کی ہوا بھی نقصان رسانِ صحت ہے چناں چہ اس قبیل کا ایک مضمون اخبار طبیب مورخہ یکم جون سنہ رواں مطبوع ہے جو کہ سرپرستی جنابِ حاذق الملک مولوی حکیم اجمل خان صاحب بہادر رئیس اعظم دہلی نکالا کرتا ہے پس ایسی مضرّت رسانِ صحت کا مسجد میں آویزاں کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟[1]

جوابات

(۱)- ....

(۲)- **اولاً** ہم نے اپنے فتاویٰ میں بیان کیا ہے کہ مسجد میں فرشی پنکھا لگانا مطلقاً ناپسندیدہ ہے، مدخل الی الشریعۃ میں ہے:

"قد منع علماؤنا رحمهم الله تعالى المراوح؛ إذ أنّ اتخاذها في المسجد بدعة."

(ہمارے علمار حمہم اللہ تعالیٰ نے پنکھے سے ممانعت فرمائی ہے کیوں کہ انھیں مسجد میں لگانا بدعت ہے۔)

ثانیاً جب یہ حالت ہے کہ حاجت اصلاً نہیں تو اپنے مال سے بھی جائز نہیں، نہ کہ مالِ وقف سے۔

قال الله تعالى: لا تسرفوا ان الله لا يحب المسرفين.

(اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فضول خرچی نہ کرو بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

وقال ﷺ: انّ الله تعالى كره لكم ثلثا: قيل و قال و كثرة السّؤال و إضاعة المال.

(اور اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھارے لیے تین باتیں ناپسند رکھتا ہے۔ فضول

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الوقف، ج:۶، ص:۳۸۲، رضا اکیڈمی، ممبئی

بک بک، زیادہ سوال کرنا اور مال ضائع و برباد کرنا۔)

ثالثاً: یہ وقف میں صرفِ جدید کا احداث ہے جس کی اجازت متولی کو نہیں ہو سکتی، کما بینا.

رابعاً: طباً اس پنکھے کی ہوا مضرِ صحت ہو تو اس کا کسی مسلمان کے گھر میں بھی اپنے یا اس کے مال خاص سے بھی لگانا جائز نہ ہوگا، نہ کہ مسجد میں، نہ کہ مال وقف سے، کما یأتی.

بے شک مسجد میں ایسی چیز کا احداث ممنوع بلکہ ایسی جگہ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

تنویر الابصار و در مختار میں ہے:

"کره وقت حضور طعام تاقت نفسه اليه وكذا كل ما يشغل بالهٗ عن افعالها ويُخل بخشوعها كائنا ماكان."

(کھانے کی خواہش ہو تو نماز پڑھنی مکروہ ہے، یوں ہی کوئی چیز جو دل کو افعالِ نماز سے ہٹادے اور خشوع میں خلل ڈالے باعث کراہت ہے۔ن)

نیز شرح تنویر میں ہے:

"ولذا تكره في طاحون."

(گھر میں چکی چل رہی ہو تو وہاں نماز مکروہ ہے۔ن)

ردالمحتار میں ہے:

"لعل وجهه شغل البال بصوتها."

(شاید اس کی وجہ چکی کی آواز سے دل کا نماز سے ہٹ جانا ہے۔ن)

(۴)-اس صورت میں وہ پنکھا مطلقاً خود ہی ناجائز ہے اگرچہ (اوپر ذکر کردہ) چار وجہ (فضول خرچی، وقف میں نیا مصرف نکالنا، مضرِ صحت ہونا، نماز میں خلل انداز ہونا) نہ بھی ہوتیں۔

تنویر الابصار میں ہے:

"كره ادخال نجاسة فيه فلا يجوز الاستصباح بدهن نجس فيه."

(مسجد میں ناپاک چیز لے جانا مکروہِ تحریمی ہے۔ لہٰذا مسجد میں ناپاک تیل سے چراغ جلانا جائز نہیں۔ن)

(۵)-یہ بھی کافی وجہ اس روشنی اور پنکھے کی ممانعت کی ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"اذا نمتم فأطفئوا السراج فان الفارة تاخذ الفتيلة فتحرق اهل البيت. رواه أحمد والطبراني والحاكم بسند صحيح عن عبد الله بن سرجس والحديث في الصحيحين من وجوه."

(جب تم سونا چاہو تو چراغ بجھا دیا کرو، اس لیے کہ چوہا اس کی بتی لے کر گھر والوں کو جلا سکتا ہے۔ اس

حدیث کو احمد، طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح حضرت عبداللہ بن سرجس سے روایت کیا اور یہ حدیث صحیح بخاری و صحیح مسلم میں متعدد اسانید کے ساتھ موجود ہے۔ن)

(۶)-جب از روئے طب ان کا مضر ہونا ثابت ہو تو یہ ایک اعلیٰ وجہِ عدم جواز ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ضرر رسانی ہے اور یہ حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "لا ضرر و لا ضرار." رواه احمد و ابن ماجة عن عُبادة رضی الله تعالیٰ عنهم. نہ ضرر دو، نہ ضرر لو۔ اس حدیث کو احمد وابن ماجہ نے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔)

اس میں مسلمانوں کی بدخواہی ہوئی اور یہ خلاف دین ہے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

"إن الدين النصيحة لله ولكتابه ولرسوله ولأئمّة المسلمين وعامّتِهم." رواه احمد و مسلم و ابو داؤد و النسائی عن تمیم الداری رضی الله تعالیٰ عنه. [1]

(بے شک دین خیر خواہی ہے اللہ کے لیے، کتاب اللہ کے لیے، مسلمانوں کے ائمہ و حکمرانوں کے لیے، اور تمام مسلمانوں کے لیے۔ یہ حدیث احمد و مسلم و ابوداؤد و نسائی نے حضرت تمیم داری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی۔ن)

یہ ہے فقیہ بے مثال کا فتویٰ جو آج کے حالات میں جاری نہیں کیا جاسکتا، نہ کہیں سے جاری ہوتا ہے۔ خود مرکز کے دارالافتا بھی آج اس سلسلے میں خاموش ہیں بلکہ اس کے بر خلاف سارے عوام و خواص اپنے گھروں اور مسجدوں میں برقی روشنی اور برقی پنکھے استعمال کرتے ہیں۔ وہ بھی اس شانِ بے نیازی کے ساتھ کہ ان کے ناجائز و حرام ہونے کا کسی کو وہم، گمان بھی نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا ہمارے تمام عوام و خواص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کے مسلک سے منحرف ہو گئے ہیں؟

ایسا ہرگز نہیں۔

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی در کار
یہ حقائق ہیں، تماشائے لبِ بام نہیں

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جن شرعی بنیادوں پر یہ احکام جاری کیے ہیں وہ سب آپ کے پیش نظر ہیں وہ بنیادیں آج بھی فراہم ہوں تو حکم وہی عدمِ جواز کا ہوگا، مگر سچائی یہ ہے کہ آج وہ ساری بنیادیں حالاتِ زمانہ کے بدلنے کے ساتھ بدل چکی ہیں اور عموماً گھر اور مسجد ہر جگہ ان کی حاجت پیش آتی ہے اور آج بلا نکیر ساری دنیا میں انھیں استعمال کیا جاتا ہے۔ لہٰذا برقی لائٹ اور برقی پنکھا گھر اور مسجد ہر جگہ لگانا اور استعمال کرنا جائز ہے۔ اِلّا یہ کہ کہیں کوئی استثنائی حالت در پیش ہو۔

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الفقود، ج:۶، ص:۳۸۳، ۳۸۴، سنی دارالاشاعت، مبارک پور۔

(۲)-لاپتہ شوہر کی بیوی کیا کرے؟

شوہر لاپتہ ہوجائے اور یہ بھی معلوم نہ ہوسکے کہ وہ زندہ ہے یا مردہ تو بھی عورت پر فرض ہے کہ دوسری جگہ اپنا نکاح نہ کرے بلکہ شوہر کا انتظار کرے۔ جب اس کی عمر پیدائش کی تاریخ سے کامل ستّر سال ہوجائے تو قاضی کے یہاں استغاثہ کرے وہ اس کے شوہر کی موت کا حکم صادر کردے پھر یہ چار مہینے دس دن عدتِ وفات گزار کر چاہے تو دوسرے کے ساتھ نکاح کرلے۔

یہ ہے حنفی مذہب جسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے متعدد فتاویٰ میں بیان کیا ہے۔ مثلاً ایک فتویٰ میں لکھتے ہیں:

"اور ہمارے مذہب میں عورت پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ شوہر کی عمر سے (اس کے وقتِ پیدائش سے) ستر برس گزر جائیں، اگر پچاس برس کی عمر میں مفقود ہوا ہے تو بیس برس انتظار کرے اور ساٹھ برس کی عمر میں (مفقود ہوا ہے تو) دس برس کے بعد اس کی موت کا حکم دیا جائے اور عورت چار مہینے دس دن عدت کرے، پھر دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے، یہی مذہب امام شافعی کا ہے، اسی طرف انھوں نے رجوع فرمائی، اور یہی قول امام احمد کا ہے اور دوسرا قول مثلِ امام مالک ہے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔"(۱)

ایک دوسرے فتوے میں رقم طراز ہیں:

"مذہبِ ائمۂ حنفیہ و جمہورِ ائمۂ کرام میں زنِ مفقود پر انتظار فرض ہے یہاں تک کہ اتنا زمانہ گزر جائے کہ عادۃً موتِ مفقود (لاپتہ شوہر کی موت) مظنون ہو اور اس کی تقدیر مفتیٰ بہ مؤید بحدیث صحیح یہ ہے کہ روزِ ولادتِ مفقود سے ستر سال گزر جائیں۔ امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی دربارۂ مالِ مفقود یہی حکم دیتے ہیں مگر دربارۂ زن خلاف کرتے ہیں۔"(۲)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں یہی فرمان جاری کرتے رہے مگر آپ کے وصال کے ایک عرصہ بعد ادارۂ شرعیہ پٹنہ کے قیام کے وقت جب رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فقہائے اہل سنت کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش کیا تو ان حضرات نے بحث و نظر کے بعد بوجہِ ضرورتِ شرعیہ زوجۂ مفقود الخبر کے بارے میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مذہب پر عمل کی اجازت ان الفاظ میں دی:

"ضرورت و مصلحت کے وقت مذہبِ امام مالک پر عمل کرتے ہوئے قاضی حنفی بھی تفریق کرسکتا ہے جیسا کہ علامہ شامی نے رد المحتار میں «مسئلۂ ممتدۃُ الطُّہر» کے بارے میں فرمایا ہے۔"(۳)

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب المفقود، ج:٦، ص:٣١٨، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب المفقود، ج:٦، ص:٣١٩، سنی دارالاشاعت، مبارک پور.

(۳) قُضاۃ کے فرائض و مسائل، ص:٤، مرتب حضرت مولانا مفتی عبید الرحمٰن رشیدی صاحب مد ظلہ العالی

اور پیرِ طریقت حضرت مولانا مفتی عبید الرحمٰن رشیدی دام ظلہ العالی سجادہ نشین خانقاہ رشیدیہ جون پور کے ذریعہ معلوم ہوا کہ حضرت ملک العلما مولانا ظفر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شمس الہدیٰ پٹنہ سے ریٹائرڈ ہو کر جب جامعہ لطیفیہ بحر العلوم، عملہ ٹولی، کٹیہار، بحیثیت صدر مدرس تشریف لے گئے تو وہاں آپ کی خدمت میں ایک زوجۂ مفقود الخبر نے استغاثہ پیش کیا اور آپ نے تفتیش و تحقیق کے بعد مذہبِ امام مالک پر فیصلہ صادر فرمایا۔ مفتی صاحب موصوف نے بتایا کہ اس وقت وہ ہدایۃ النحو کے طالب علم تھے۔

ہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے اپنے ایک فتوے میں امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب نقل کر کے یہ لکھا ہے کہ:

"حنفی وقتِ تحققِ ضرورتِ صحیحہ اس پر عمل کر سکتا ہے۔"(۱)

مگر آپ کے فتاویٰ سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ آپ نے اپنے دور میں ضرورتِ صحیحہ کا تحقق مانا۔ اس کے بر خلاف آپ کے شہزادے حبرِ الاُمّت، مفتی اعظم، حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے دور میں ضرورتِ شرعیہ کا تحقق تسلیم کیا اور فقہائے اہل سنت کے صدرِ اعلیٰ کی حیثیت سے مذہب امام مالک پر قاضی کو فیصلے کی اجازت دی اور اس وقت سے ہمارے علما اسی کے مطابق فتوے اور فیصلے صادر کرتے ہیں۔

(۳)- اب معدومۃ النفقہ کا نکاح فسخ کرنے کی اجازت

عورت کو شوہر کی طرف سے نان و نفقہ نہ ملے تو اسے «معدومۃ النفقہ» کہتے ہیں۔ مذہبِ حنفی میں نفقہ سے محرومی کی وجہ سے اس کا نکاح شوہر سے فسخ کرنے کی اجازت نہیں، لہٰذا بغیر شوہر کی موت یا طلاق کے میاں بیوی کے درمیان تفریق نہیں ہو سکتی۔ فقیہِ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا فتویٰ بھی یہی ہے۔ چناں چہ آپ اپنے ایک فتوے میں رقم طراز ہیں:

"بے افتراق بموت یا طلاق دوسرے سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ ہمارے نزدیک غَیبَت (شوہر کے غائب ہونے) خواہ عُسرت (شوہر کے مفلس و تنگ دست ہونے) کے سبب اَدائے نَفقہ سے شوہر کا عجز یا تحصیلِ نفقہ سے عورت کی محرومی باعثِ تفریق نہیں۔"(۲)

مگر اس کے بر خلاف ہمارے بعد کے اکابر علمائے اہلِ سنت رحمہم اللہ تعالیٰ نے یہ موقف اختیار فرمایا کہ نفقہ سے عجز کی دونوں صورتوں میں فسخِ نکاح و تفریق کی اجازت ہے، کلمات یہ ہیں:

"معدومۃُ النفقہ: ایسی عورت جس کو شوہر کی جانب سے نان و نفقہ نہ ملتے ہوں۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

پہلی صورت: شوہر موجود ہے مگر افلاس و غربت کی وجہ سے اپنی بیوی کو نان و نفقہ دینے سے عاجز

(۱) فتاویٰ رضویہ ج:۶، ص:۳۲۰، سنی دار الاشاعت، مبارک پور۔
(۲) فتاویٰ رضویہ، ج:۵، ص:۵۰۱، کتاب الطلاق، رضا اکیڈمی، ممبئی

ہے۔ ایسی صورت میں اگر عورت قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو قاضی بعدِ ثبوتِ عجز، زن و شوہر کے درمیان تفریق کر دے۔

دوسری صورت: شوہر نان و نفقہ دینے پر قادر ہے مگر غائب ہونے کی وجہ سے نان و نفقہ نہیں دے رہا ہے اور عورت شوہر کے مال سے نان و نفقہ وغیرہ حاصل کرنے پر قدرت نہیں رکھتی ہے، ایسی صورت میں اگر عورت قاضی سے تفریق کا مطالبہ کرے تو بعدِ ثبوتِ صحتِ دعویٰ قاضی زن و شو کے درمیان تفریق کر دے۔

یہ دونوں صورتیں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مسلک پر ہیں، مگر ضرورت و مصلحت کے پیشِ نظر ہمارے کچھ علما نے اس پر فتویٰ دیا ہے، جیسا کہ «مجمع الانہر» میں ہے۔"

عبدہُ المذنب
محمد عبید الرحمٰن غفرله ربُّه
کتبــــــــــــــــــــه
صدر مدرس مدرسه فیض العلوم جمشید پور
۲۶ جمادی الآخرہ ۱۳۸۹ھ

(۱) صح الجواب بعون الملك الوهاب والمجیب العلّام مصیب و مُثاب
عبد العزیز عفی عنه، دار العلوم اشرفیه، مبارك پور

(۲) الجواب صحیح .والله تعالیٰ اعلم ـ محمد شریف الحق امجدی
جامعه عربیه انوار القرآن، بلرام پور، گونڈہ

(۳) فقیر اس فتویٰ کی تصدیق و توثیق کے ساتھ اس کے محرِّک و مرتب کے لیے اجرِ عظیم کی دعا کرتا ہے۔
فقیر عبد الباقی برهان الحق جبلفوری
۲۷ رمضان، یوم لیلة القدر ۱۳۸۹ھ

قُضاۃ کے فرائض و مسائل

بسم الله الرحمٰن الرحیم * الیٰ سادۃ علماء الاسلام

سالِ گزشتہ دار القُضاۃ کے قیام کے سلسلے میں مشاہیر علمائے اہلِ سنت سے ایک استفتا کیا گیا جس کے جواب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) ـ آج کے ہندوستان میں اپنے ان معاملات کے فیصلے کے لیے جن میں "مسلمان حاکم" ہونے کی شرط ہے، جمہور مسلمین کو شرعاً یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ کسی عالمِ باشرع کو اپنا قاضی مقرر کر لیں۔ ایسے قاضی کا فیصلہ اپنے

حدودِ خاص میں جائز و نافذ ہوگا۔ (شامی، جامع الفصولین، فتاویٰ رضویہ، بہارِ شریعت)

(۲)۔ مفقود الخبر، معدومۃ النفقہ، عِنّین، مجنون، معلّقہ وغیرہا مسائل میں از روے شرع مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی عورت کی درخواست پر زن و شوہر کے درمیان تفریق بھی کرا سکتا ہے اور عند الضرورۃ الشدیدۃ غائب پر حکم بھی نافذ کر سکتا ہے۔ (فتح القدیر، شامی، جامع الرموز، مجمع الانہر)

(۳)۔ مسلمانوں کا مقرر کردہ قاضی بہ شرائطِ مخصوصہ و معہودہ فریقین کے بیانات سننے کے بعد اپنی صواب دید پر مقدمات کا فیصلہ کر سکتا ہے اور شرعاً اس کا فیصلہ نافذ ہوگا۔ (شامی وغیرہ)

مذکورہ بالا جوابات کی جن علماے اہلِ سنت نے توثیق فرمائی تھی، ان کے اسماے گرامی یہ ہیں:

(۱) تاج دارِ اہلِ سنت حضور مفتیِ اعظم ہند دامت برکاتہم القدسیہ

(۲) سید العلما حضرت مولانا سید شاہ آلِ مصطفیٰ صاحب قبلہ دام ظلہ العالی

(۳) استاذ العلما حضرت مولانا عبد العزیز صاحب قبلہ دام ظلہ العالی

(۴) امینِ شریعت حضرت مولانا رفاقت حسین صاحب قبلہ مد ظلہ العالی

(۵) مجاہدِ ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قبلہ دامت برکاتہم

(۶) حضرت علامہ قاضی شمس الدین صاحب قبلہ جون پوری دام ظلہ العالی

(۷) حضرت علامہ الحاج عبد الرشید خان صاحب قبلہ مفتیِ ناگ پور دام ظلہ العالی

(۸) حضرت علامہ مفتی شریف الحق صاحب امجدی مفتیِ اشرفیہ دام ظلہ العالی

و حضرات علماے فیض الرسول براؤں شریف [1]

ان تاریخی فیصلوں کو امام اعظم ابو حنیفہ نیز دوسرے فقہاے حنفیہ اور امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اختلاف نہیں کہا جا سکتا۔ تو پھر آج ان بزرگوں کے نقشِ قدم کی پیروی کو بھی اختلاف نہیں «اتباع» سمجھنا چاہیے۔

(۴)۔ سیپ کا چونا حرام یا حلال؟

(۱) قضاۃ کے فرائض و مسائل، ص: ۱

علماے اہلِ سنت کی متفقہ قرار داد کا نام آسانی کے لیے راقم الحروف نے «قضاۃ کے فرائض و مسائل» رکھا ہے۔ یہ فل اسکیپ سائز کے بارہ صفحات پر مشتمل ہے، یہ قرار داد مجھے محبِ گرامی حضرت مولانا محمد علی فاروقی صاحب دام مجدہم مہتمم یتیم خانہ اصلاح المسلمین (راے پور، چھتیس گڑھ) کے ذریعہ ۲۰ر شوال المکرم ۱۴۳۴ھ بدھ کو قبلِ عصر ملی۔ ہم اس کے لیے مولانا موصوف کے تہِ دل سے شکر گزار ہیں خداے پاک انھیں جزاے خیر عطا فرمائے اور انھیں یہ قرار داد خود قائدِ ملت، رئیس القلم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ سے بدست ملی۔ ہم یہ پوری قرار داد افادۂ عام کے لیے «مجلسِ شرعی کے فیصلے» کے مقدمہ میں شائع کر رہے ہیں۔ (مرتب غفرلہ)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے سیپ کا چونا کھانا فتاویٰ رضویہ اور فوائد رضویہ میں حرام لکھا ہے۔ فوائد کے الفاظ یہ ہیں:

"سیپ کا چونا حرام ہے، جس پان پر وہ چونا لگا ہو اس کا کھانا حرام ہے۔" (۱)

لیکن علمائے بہار نے اسے حلال قرار دیا ہے، چناں چہ شارح بخاری حضرت العلام مفتی محمد شریف الحق امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

"علمائے بہار سیپ کا چونا حلال جانتے ہیں، بعض حضرات نے اس کی حلت کا فتویٰ بھی تحریر فرمایا ہے۔" (۲)

سیپ جنسِ ارض سے ہے اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اسے حرام فرمایا مگر بہار، چمپارن اور اس کے آس پاس کے یوپی کے لوگ سیپ کو آگ میں جلا کر راکھ کو پانی میں ملا کر چونا بناتے اور پان وغیرہ کے ساتھ اسے کھاتے تھے اور اس میں ان علاقوں کے عوام و خواص سبھی مبتلا تھے تو عمومِ بلویٰ کی وجہ سے ان علاقوں میں حکم میں نرمی و تخفیف ہو گئی مگر عامۂ بلاد اتر پردیش میں اس وقت عمومِ بلویٰ قطعاً نہ تھا، اس لیے یہاں حکم وہی تھا جو فتاویٰ رضویہ میں مرقوم ہے کہ سیپ کا چونا حرام ہے۔

یہ علمائے بہار کا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے اختلاف نہیں ہے بلکہ حالات کے بدلنے سے احکام کے بدلنے کا اظہار ہے۔

(۵)- فوٹو کھنچوانا کب حرام اور کب حلال؟

کسی انسان کو اپنا فوٹو کھنچوانا حرام و گناہ ہے، اس سلسلے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے متعدد فتاویٰ ہیں اور ایک فتویٰ تو بہت تحقیقی ہے جو باضابطہ کتاب کی شکل میں "عطایا القدیر فی احکام التصویر" کے نام سے بارہا چھپ چکا ہے۔ یہی فتویٰ میرے مرشد برحق حضور مفتیِ اعظم اور حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی رحمہما اللہ تعالیٰ کا بھی ہے، ان بزرگوں کی شان تو بہت نرالی تھی، یہ حرام کہتے تھے تو ممکن حد تک اس سے بچتے بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان بزرگوں نے حجِ کعبہ کا عزمِ سفر اس وقت تک نہیں کیا جب تک کہ انھیں بغیر فوٹو حج کی اجازت نہیں مل گئی، سچ ہے: ع

"جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں"

مگر بعد میں حضرت مولانا مفتی محمد اجمل شاہ سنبھلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حجِ فرض کے لیے فوٹو کھنچوانے کی اجازت دے دی، اس موضوع پر ان کا تفصیلی فتویٰ "فوٹو کا جواز در حق عازمانِ حجاز" کئی بار چھپ چکا ہے۔

---

(۱) فوائد رضویہ بر حاشیہ فتاویٰ رضویہ، باب التیمم، ص:۷۰۱، ج:۱، رضا اکیڈمی، ممبئی
(۲) اسلام اور چاند کا سفر، عنوان: معذرت، ص:۲۰، دائرۃ البرکات، گھوسی

پھر جب ۱۴۱۵ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۴ء میں مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کے دوسرے فقہی سیمینار (۱) کے موقع پر حضرت علامہ ارشد القادری صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حق رائے دہی کے لیے فوٹو کے لزوم کے تعلق سے چیف الیکشن کمشنر آف انڈیا، ٹی این سیشن کے اعلان اور اس کے فوائد و نقصانات کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے "تصویر کشی" کے مسئلے پر بحث و نظر کی تحریک پیش کی تو اس پر مختلف حیثیتوں سے بحثیں ہوئیں پھر بوجہِ ضرورت فوٹو کھنچوانے کے جواز پر تمام فقہاے سیمینار کا اتفاق ہو گیا۔

اس پر ایک اعتراض یہ ہوا کہ ابھی ضرورتِ شرعیہ موجود نہیں تو جانشین مفتیِ اعظم حضرت علامہ اختر رضا خاں ازہری دام ظلہ العالی نے فرمایا کہ:

"عند الطلب ضرورتِ شرعیہ کی بنا پر فوٹو کھنچوانے کی اجازت ہے۔"

پھر آپ نے ہی فیصلہ املا کرایا، جس کا متن یہ ہے:

"چوں کہ اس صورت میں عند الطلب ضرورتِ ملجئہ یا حاجتِ شدیدہ متحقق ہوگی۔ لہٰذا خاص شناختی کارڈ کے لیے تصویر کھنچانے کی اجازت ہوگی۔ الضرورات تبیح المحظورات —— والحاجة تنزل منزلة الضرورة —وما ابیح للضرورة یتقدر بقدرها—— کذا فی الاشباہ- واللہ تعالیٰ اعلم.

بقلم محمد احمد مصباحی

فقیر محمد اختر رضا قادری ازہری غفرلہ شب ۲۲ رجب ۱۴۱۵ھ

تصدیقاتِ علماے کرام:

[۱] محمد شریف الحق امجدی (صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۲] ارشد القادری غفرلہ (بانی جامعہ نظام الدین دہلی) [۳] ضیاء المصطفیٰ قادری (صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۴] عبد الحفیظ عفی عنہ (سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۵] جلال الدین احمد الامجدی (صدر شعبۂ افتا، فیض الرسول، براؤں شریف) [۶] بہاء المصطفیٰ قادری (استاذ دار العلوم منظر اسلام، بریلی شریف) [۷] شبیر حسن رضوی (مفتی الجامعۃ الاسلامیہ، رونا ہی، فیض آباد) [۸] خواجہ مظفر حسین (صدر المدرسین دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد) [۹] محمد عبد المبین نعمانی (صدر المدرسین دار العلوم قادریہ، چریا کوٹ، مئو) [۱۰] محمد نظام الدین رضوی (نائب مفتی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۱۱] محمد عبد الحق رضوی (استاذ جامعہ اشرفیہ، مبارک پور) [۱۲] محمد معراج القادری (رکن مجلسِ شرعی، مبارک پور) [۱۳] قاضی شمس الدین اشرفی (ناظم و مفتی مدنی عربک کالج ہبلی) [۱۴] عابد حسین مصباحی (مفتی فیض العلوم، جمشید پور) [۱۵] اختر حسین قادری (استاذ دار العلوم ربانیہ، باندہ) [۱۶] قاضی شہید عالم (مفتی

---

(۱) یہ سیمینار ۱۹ر تا ۲۲ر رجب ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۳ر تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۹۴ء جمعہ تا دوشنبہ جامعہ اشرفیہ کی سنٹرل بلڈنگ کے کمرہ نمبر: ۷، میں منعقد ہوا تھا۔ مرتب غفرلہ۔

مدرسہ شمس العلوم، بدایوں)[۱۷] زاہد علی سلامی (ناظم تعلیمات مدرسہ فیض العلوم سنبھل)

کیا ان علما نے فتاویٰ رضویہ اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے اختلاف کیا تھا؟ ایسا نہیں، بلکہ سچ یہ ہے کہ ان حضرات نے حالات بدل جانے کی وجہ سے حکم شرعی کے بدلنے کا اظہار فرمایا تھا۔

(۶)- پیشاب کی چھینٹوں سے آلودہ کپڑے سے پانی ناپاک ہوگا یا نہیں؟

پیشاب کی بہت باریک چھینٹیں کپڑے پر پڑجائیں تو کپڑا ناپاک نہ ہوگا، لیکن وہ کپڑا تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہوگا یا نہیں اس بارے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں کہ ناپاک ہوجائے گا۔ اس کے بعد صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ موقف اختیار کیا کہ ناپاک نہیں ہوگا۔ شہادت کے لیے فتاویٰ رضویہ کے فوائد اور بہارِ شریعت کی درج ذیل تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

فوائد رضویہ میں ہے:

”سوئی کی نوک برابر باریک باریک بُندکیاں نجس پانی یا پیشاب کی، کپڑے یا بدن پر پڑگئیں معاف رہیں گی اگرچہ جمع کرنے سے روپے بھر سے زائد جگہ میں ہوجائیں مگر پانی پہنچا اور نہ بہا، یا غیر جاری پانی میں وہ کپڑا اگر گیا تو پانی نجس ہوجائے گا اور اب اس کی نجاست سے کپڑا بھی ناپاک ٹھہرے گا۔“ (۱)

اور بہارِ شریعت میں ہے:

”پیشاب کی نہایت باریک چھینٹیں سوئی کی نوک برابر کی بدن یا کپڑے پر پڑجائیں تو کپڑا اور بدن پاک رہے گا۔ جس کپڑے پر پیشاب کی ایسی باریک چھینٹیں پڑگئیں، اگر وہ کپڑا پانی میں پڑگیا تو پانی بھی ناپاک نہ ہوگا۔“ (۲)

بلاشبہہ بہارِ شریعت کا یہ حکم فوائد رضویہ کے درج بالا حکم سے الگ ہے۔ کیا یہ فتاویٰ رضویہ سے انحراف ہے یا صدر الشریعہ جیسے مؤدب مرید و تلمیذ نے اپنے مرشدِ کریم و استاذِ جلیل سے اختلاف کیا ہے؟

قطعاً ایسا نہیں، یہاں نہ انحراف ہے نہ اختلاف۔

واقعہ یہ ہے کہ سوئی کی نوک برابر پیشاب کی چھینٹوں سے آلودہ ہونے میں عموم بلویٰ ہے مگر ایسے کپڑے کے پانی میں گرنے میں عموم بلویٰ نہیں، اس لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے پہلی صورت میں کپڑے کو پاک اور دوسری صورت میں پانی کو ناپاک بتایا مگر کچھ عرصہ بعد حضرتِ صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احوالِ ناس پر نگاہ ڈالی اور یہ محسوس کیا کہ دوسری صورت میں بھی عموم بلویٰ ہوچکا ہے کیوں کہ لوگ ایسے کپڑے عام طور پر دھونے کے لیے

---

(۱)- حاشیہ فتاویٰ رضویہ، ج:۱، ص:۱۳۵، باب الغسل، کتاب الطہارۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲)- بہارِ شریعت، ج:۱، حصہ:۲، نجاستوں کا بیان، مسئلہ: ۲۳، ۲۴، مکتبۃ المدینہ (دعوتِ اسلامی)

پانی میں ڈال دیتے ہیں، اور پانی کی ناپاکی کا انھیں کوئی خیال بھی نہیں آتا اس لیے آپ نے اسے بھی عفو کے خانے میں رکھتے ہوئے اس پانی اور کپڑے کے پاک ہونے کا حکم دیا، تو حق یہ ہے کہ یہ اختلاف وانحراف نہیں، بلکہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے حکم کے بدلنے کا اظہار ہے۔

پھر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے حکم ظاہر کے خلاف صدر الشریعہ کا یہ حکم بھی صرف ایک مختصر عرصے (بہارِ شریعت پر تصدیق رقم فرمانے سے پہلے تک) کے لیے ہے کیوں کہ بہارِ شریعت حصہ دوم پر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی تصدیق جلیل ہے، جو بہار شریعت کے درج بالا حکم سے اتفاق اور اس کی تائید ہے۔ لہٰذا اب اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کا بھی موقف وہی ہے جو بہارِ شریعت میں ہے۔

ہم پہلے یہ ذکر کر آئے ہیں کہ ضرورت، حاجت وغیرہ ساتوں شرعی اسباب کی بنا پر جو حکم بدلتا ہے وہ صاحب مذہب سے اختلاف نہیں ہے کیوں کہ اگر صاحب مذہب اس "سبب شرعی" کے پائے جانے کے وقت موجود ہوتے تو وہی حکم دیتے جو اَب دیا جا رہا ہے۔ اس کی واضح شہادت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان کی یہ تصدیق جلیل ہے کہ عموم بلویٰ نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے پانی کی ناپاکی کا حکم دیا تھا پھر جب حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے عموم بلویٰ پائے جانے کی وجہ سے پاکی کا حکم دیا اور حسنِ اتفاق کہ ابھی اس وقت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ باحیات تھے، آپ نے اس سے اتفاق کر لیا۔

حضرت صدر الشریعہ اور اعلیٰ حضرت علیہما الرحمۃ والرضوان کا یہ عمل بعد والوں کے لیے درسِ عبرت ہے۔ ان سے عقیدت رکھنے والے حضرات کو بھی یہی روش اختیار کرنی چاہیے۔

(۷)- لڑکیوں اور عورتوں کو لکھنا سکھانا ممنوع یا مباح؟

لڑکیوں اور عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

"عورتوں کو لکھنا سکھانا شرعاً ممنوع وسنتِ نصاریٰ وفتحِ بابِ ہزاراں فتنہ اور مستانِ سرشار کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے جس کے مفاسد شدیدہ پر تجاربِ جدیدہ شاہدِ عدل ہیں۔ متعدد حدیثیں اس سے ممانعت میں وارد ہیں جن میں بعض کی سند عند التحقیق خود قوی ہے اور اصل متن حدیث کے معروف ومحفوظ ہونے کا امام بیہقی نے افادہ فرمایا اور پھر تعددِ طرق دوسری قوت ہے اور عملِ امت وقبولِ علما تیسری قوت اور محلِ احتیاط وسدِ فتنہ چوتھی قوت تو حدیث لا اقل (کم سے کم) حسن ہے اور ممانعت میں اس کا نص صریح ہونا خود روشن ہے۔" (۱)

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، ج:۹، ص:۱۵٤، رضا اکیڈمی، ممبئی

اسی فتویٰ کے اواخر میں ہے:

"بعدِ تلاش و تفحص صرف معدود نسا (چند عورتوں) کی کتابت کا پتہ چلنا ہی بتا دیتا ہے کہ سلفاً خلفاً علما و عامۂ مومنین کا عمل اس کے ترک ہی پر رہا ہے۔ مرد ہر زمانے میں لاکھوں کاتب ہوئے اور عورتیں تیرہ سو برس میں معدود۔ بظاہر کتابت ایک عظیم نافع چیز ہے، اگر کتابتِ نسا (عورتوں کے لکھنے) میں حرج نہ ہوتا جمہور امت، سلف سے آج تک اس کے ترک پر کیوں اتفاق کرتی، بالجملہ سبیلِ سلامت اسی میں ہے، لہٰذا ان اجلۂ علماے کرام امام حافظ الحدیث ابو موسیٰ و امام علامہ تورپشتی و امام ابن الاثیر جزری و علامہ طیبی و امام جلال الدین سیوطی و علامہ طاہر فتنی و شیخ محقق مولانا عبد الحق محدث دہلوی وغیرہم رحمۃ اللہ علیہم نے اس طرف میل فرمایا وہ ہر طرح ہم سے اعلم (زیادہ علم والے) تھے اب جو اجازت کی طرف جائے یا حالِ زمانہ سے غافل ہے یا امتِ مرحومہ کی خیر خواہی سے عاطل۔" (۱)

مگر آج کے علماے اہلِ سنت کا عمل اس کے بر خلاف یہ ہے کہ وہ اپنی بچیوں کو دینی اور دنیوی درس گاہوں میں دیگر علوم و فنون کے ساتھ لکھنا سیکھنے، سکھانے کی بھی تعلیم دلاتے ہیں جس سے ظاہر یہی ہے کہ ان کا موقف جواز کا ہے بلکہ پچیس تیس سال کے اندر طالبات کے لیے بہت سے مدرسے علما نے قائم کیے جن میں لکھنا بھی سکھایا جاتا ہے، اور ان مدارس کو عوام و خواص کا تعاون، تائید اور سرپرستی بھی حاصل ہے، ہم یہاں چند علما کے نام ذکر کرتے ہیں۔

(۱)- بحر العلوم حضرت مفتی عبد المنان صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

(۲)- محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قبلہ۔

حضرت بحر العلوم ایک عرصۂ دراز تک دار العلوم اہلِ سنت شمس العلوم گھوسی کے شیخ الحدیث اور مفتیِ جلیل الشان تھے آپ کے زمانے میں ہی شمس العلوم کا مدرسۂ نسواں بلا انکار نکیر قائم ہوا اور وہ شان کے ساتھ چل رہا ہے۔

اور حضرت محدث کبیر نے تو خود ہی "کلیۃ البنات" قائم کیا ہے جس میں بیرونی طالبات کے قیام و طعام کا بھی معقول بند و بست ہے اور ایک باضابطہ دار العلوم کے طور پر حضرت اسے چلا رہے ہیں۔

ایک سن رسیدہ بزرگ ہیں الحاج شیخ اسماعیل جانی جو علما کی صحبت سے خوب فیض یاب ہیں اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ و فتاویٰ رضویہ کے تو عاشق ہیں انھوں نے خود مہاراشٹر کے ایک شہر رتناگیری میں "دار العلوم امام احمد رضا" کے نام سے ایک بڑا ادارہ قائم کیا ہے، اور اس میں لڑکیوں کی تعلیم کا اعلیٰ انتظام ہے۔ اور اس تعلیم میں لکھنا سکھانا بھی شامل ہے۔ وہ دار العلوم جس کی نسبت امام احمد رضا کی طرف ہو اس میں بظاہر آپ ہی کے فتوے کے خلاف

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحظر والاباحۃ، ج:۹، ص:۱۵۸، رضا اکیڈمی، ممبئی۔

عورتوں کو لکھنے کی تعلیم ہو کیا اس نام اور کام میں آپ کوئی تضاد محسوس کر رہے ہیں؟

کیا یہ تمام حضرات فتاویٰ رضویہ سے منحرف ہو چکے؟ ایسا کہنا بڑی بے ادبی ہوگی، جو صاحب چاہیں ہمارے موجودہ علما سے رابطہ قائم کر لیں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ مطمئن فرما دیں گے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے یا کچھ اور دینی و ملی مصالح کی بنا پر یہ اقدام کیا گیا ہے اور جب زمانے کے حالات یا مصالح بدلتے ہیں تو احکام بھی بدل جایا کرتے ہیں۔

(۸)- اب وادیِ مُحسّر میں وقوف کی اجازت

جو لوگ حج کے لیے جاتے ہیں ان پر واجب ہے کہ طلوعِ صبح صادق سے لے کر طلوعِ آفتاب سے کچھ پہلے تک مُزدَلِفہ میں ٹھہر کر اللہ عزوجل کا ذکر و عبادت کریں، اسے فقہ کی اصطلاح میں "وقوفِ مزدلفہ" کہا جاتا ہے، مُزدَلفہ کے حدود میں ایک وادی ہے "وادیِ مُحسّر" یہاں اصحابِ فیل پر ابابیل کا عذاب نازل ہوا تھا جس کا ذکر "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝" میں ہے، یہ وادی "مُزدَلِفہ" سے نہیں کیوں کہ جس جگہ خدائے قہار کا عذاب نازل ہوا وہاں سے تیزی کے ساتھ گزر جانے کا حکم ہے پھر وہ جگہ ذکر و عبادت کے لیے "جائے وقوف" کیوں کر ہو سکتی ہے۔ اسی لیے فقہائے مذہب نے حاجیوں کو وہاں سے جلد گزر جانے کا حکم دیا ہے اور وقوف کی اجازت نہیں دی، یہی حنفیہ کا مذہبِ مشہور ہے اور اسی پر فتویٰ۔ اس کے برخلاف ایک حنفی فقیہ صاحب بدائع کی اپنی رائے ہے کہ "وادی محسّر میں بھی وقوف کراہت کے ساتھ جائز ہے۔" مگر فقہائے مذہب نے اسے اختیار نہیں فرمایا اور خود فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا اور صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت مولانا امجد علی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی اس سے صرف نظر فرما کر قولِ مشہور پر ہی عمل کا حکم دیا، فتاویٰ رضویہ، رسالہ "انور البشارۃ" کے الفاظ یہ ہیں:

"جب وادیِ محسّر پہنچو، پانچ سو پینتالیس ہاتھ بہت جلد تیزی کے ساتھ چل کر نکل جاؤ مگر نہ وہ تیزی کہ جس سے کسی کو ایذا ہو اور اس عرصہ میں یہ دعا کرتے جاؤ۔ اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ. الٰہی اپنے غضب سے ہمیں قتل نہ کر، اور اپنے عذاب سے ہمیں ہلاک نہ کر اور اس سے پہلے ہمیں عافیت دے۔"(۱)

"وادی محسّر کیا ہے؟" اس کے بارے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یہ منیٰ، مزدلفہ کے بیچ میں ایک نالہ ہے، دونوں کی حدود سے خارج، مُزدلِفہ سے منیٰ کو جاتے بائیں ہاتھ کو جو پہاڑ پڑتا ہے اس کی چوٹی سے شروع ہو کر ۵۴۵ ہاتھ تک ہے، یہاں اصحاب الفیل آکر ٹھہرے تھے اور ان پر

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ٤، ص: ۷۱۰، رضا اکیڈمی، ممبئی

"عذابِ ابابیل" اترا تھا، اس سے جلد گزرنا اور عذابِ الٰہی سے پناہ مانگنا چاہیے۔"(۱)

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا مقامِ فقہ و تحقیق بہت ہی بلند ہے اس لیے آپ نے جو تحریر فرمادیا ہم اسے بلا چون وچرا تسلیم کرتے ہیں۔

مگر اب شرعی کونسل آف انڈیا، بریلی شریف کا موقف اس کے برخلاف یہ ہے کہ عذرِ ناگزیر ہو تو "وادیِ محسّر" میں وقوف کیا جاسکتا ہے، فیصلے کے اصل الفاظ یہ ہیں:

"سیمینار کے مندوبین بھی اسی پر متفق ہیں۔ عذرِ ناگزیر کی صورت میں قولِ بدائع پر عمل کر سکتا ہے۔"(۲)

"قولِ بدائع" اوپر گزر چکا کہ:

"وادیِ مُحسّر میں وقوف کراہت کے ساتھ جائز ہے۔"(۳)

تو شرعی کونسل کے فیصلے کی عبارت کا مطلب یہ ہوا کہ عذرِ ناگزیر ہو تو وادیِ مُحسِّر میں وقوف کر سکتا ہے۔ اس سے واجب کراہت کے ساتھ ادا ہو جائے گا۔

وقوف مزدلفہ میں شرعاً عذر کا اعتبار ہے اور خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ارشاد کے مطابق شریعت نے معذورین کا اس درجہ لحاظ کیا ہے کہ ان سے «وقوفِ مزدلفہ» کو ہی ساقط فرمادیا ہے، آپ لکھتے ہیں:

"اور عورتوں اور نہایت کمزور مردوں اور بیماروں کو بخوفِ ہجوم خود شرع بھی رات سے چل دینے کی اجازت (عطا) فرماتی ہے، انھیں کوئی جرمانہ نہ دینا ہوگا۔"(۴)

مگر اب شاید کوئی "عذرِ ناگزیر" ایسا پیدا ہو گیا ہے جس کی بنا پر وقوفِ مزدلفہ چھوڑے بغیر وادیِ محسّر میں وقوف کی اجازت دی گئی ہے میں تو حسنِ ظن کی بنا پر یہی سمجھتا ہوں کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے کسی خاص قسم کے معذور کو "وادیِ عذاب" میں وقوف کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی گئی ہے اور حقیقتِ حال خدائے علیم و خبیر کو خوب معلوم ہے۔

(۹)- الکحل آمیز دواؤں کا حکم

اَلکُحل کا معنی ہے روح شراب، خالص شراب اسے دواؤں کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، انگریزی دواؤں میں تقریباً ہر رقیق دوامیں، اور کچھ انجکشنوں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے اور ہومیوپیتھک کی سو فیصد

---

(۱) حاشیہ فتاویٰ رضویہ، کتاب الحج، ج:٤، ص:٧١٠، رسالہ أنور البشارۃ، رضا اکیڈمی، ممبئی

(۲) مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان ماہنامہ سنی دنیا، بریلی شریف، شرعی کونسل آف انڈیا کا فقہی سیمینار نمبر، بریلی شریف، شمارہ ستمبر ۲۰۰۹ء، ص:۷۷۔

(۳) قول بدائع، ۸۸/ ۳۔

(۴) فتاویٰ رضویہ، کتاب الحج، ص:٦٦٨، ج:٤، سنی دارالاشاعت، مبارک پور۔

دواؤں میں اس کی آمیزش ہوتی ہے اور الکحل ہی ان کا جزو اعظم ہوتا ہے، مذہب مفتی بہ پر ایسی دواؤں کا استعمال حرام ہے۔ فتاویٰ رضویہ میں ہے:

"صحیح یہ ہے کہ مائعاتِ مسکرہ یعنی جتنی چیزیں رقیق وسیال ہو کر نشہ لاتی ہیں خواہ وہ مہوہ سے بنائی جائیں یا گڑ یا اناج یا لکڑی کسی بلا سے وہ سب شراب ہیں، ان کا ہر قطرہ حرام بھی اور پیشاب کی طرح نجس وناپاک بھی اور ان سے نشے میں شراب کی طرح حد بھی ہے اور صحیح یہ ہے کہ دوا میں بھی ان کا استعمال حرام ہی ہے۔ در مختار میں ہے:

"حرّمها محمد مطلقًا قليلها وكثيرها. وبه يفتي." (۱)

اس فتوے کے ایک صدی بعد جب حالات بہت زیادہ بدل گئے اور لوگوں کا الکحل آمیز دواؤں سے بچنا دشوار ہو گیا تو جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں اس موضوع پر فقہی سیمینار ہوا، یہ مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ کا پہلا فقہی سیمینار تھا جس میں ستر علمائے اہل سنت شریک ہوئے ان میں بڑے نمایاں نام یہ تھے:

(۱) جانشین حضور مفتی اعظم حضرت علامہ اختر رضا خان ازہری دامت برکاتہم العالیہ، بریلی شریف (۲) نائب مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ سرپرست مجلس شرعی (۳) بحر العلوم حضرت مولانا مفتی عبد المنان اعظمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم اہل سنت شمس العلوم، گھوسی (۴) حضرت مولانا سید ظہیر احمد زیدی تلمیذ رشید حضرت صدر الشریعہ علیہما الرحمۃ، علی گڑھ (۵) محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری، صدر مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ (۶) فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین امجدی علیہ الرحمہ، دار العلوم فیض الرسول، براؤں شریف (۷) حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی، صدر المدرسین دار العلوم نور الحق، چرہ محمد پور، فیض آباد (۸) حضرت مولانا مفتی محمد اعظم صاحب ٹانڈوی شیخ الحدیث دار العلوم منظر اسلام وصدر مفتی رضوی دار الافتا، بریلی شریف (۹) حضرت مولانا قاضی عبد الرحیم بستوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مفتی مرکزی دار الافتا، بریلی شریف۔

شرکائے سیمینار نے تمام مقالات کی سماعت اور بحث وتمحیص کے بعد یہ نتیجہ بحث فیصل بورڈ کو پیش کیا۔

"الکحل آمیز دواؤں کا استعمال جائز ہے یا نہیں محل غور ہے اکثر شرکا کا رجحان جواز کا ہے۔"

پھر ۳؍۴؍ شعبان ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۶؍۱۷؍ جنوری ۱۹۹۴ء (شنبہ ویک شنبہ وشبِ دوشنبہ) فیصل بورڈ کا اجلاس بنارس میں ہوا جس میں علمائے بنارس اور علمائے اشرفیہ بھی شریک تھے وہاں بھی بحثیں ہوئیں، پھر فیصل بورڈ نے یہ فیصلہ تحریر کیا:

"مجلس شرعی کی ساری ابحاث اور حضرات مفتیان کرام کے موصولہ مقالات پر غور کرنے کے بعد فیصل بورڈ اس نتیجے پر پہنچا ہے:

"اس عہد میں انگریزی دواؤں یعنی اسپرٹ، الکحل اور ٹنکچر آمیز دواؤں کا استعمال عموم بلویٰ کی حد تک پہنچ

---

(۱) فتاویٰ رضویہ، ج: ۱۱، ص: ۸۵، ادارہ اشاعت تصنیفات رضا۔

چکا ہے۔ مجدد اعظم اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے پڑیا کی رنگت کے بارے میں عموم بلویٰ اور دفع حرج کی بنیاد پر طہارت اور جواز کا فتویٰ دیا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ ج:۲، ص:۴۵ اور ص:۵۰ رنیز فتاویٰ رضویہ جلد یازدہم، ص:۵۴ رسالہ الفقه التسجيلي فی عجین النار جیلی میں ہے۔ اس ارشاد کی روشنی میں فیصل بورڈ کے ارکان اس بات پر متفق ہیں کہ مذکورہ انگریزی دواؤں کے استعمال کی بھی بوجہ عموم بلویٰ، دفع حرج کے لیے اجازت ہے البتہ یہ اجازت صرف انھیں صورتوں کے ساتھ خاص ہے جن میں ابتلائے عام اور حرج متحقق ہو۔“[1]

فیصل بورڈ تین علما پر مشتمل تھا:

(۱)-جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ دام ظلہ العالی۔

(۲)-محدث کبیر حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ صاحب قادری دام ظلہ العالی۔

(۳)-فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔

ان حضرات کا یہ فیصلہ یقیناً فتاویٰ رضویہ سے انحراف نہیں کہا جاسکتا، بلکہ فی الواقع یہ حالات کے بدلنے سے حکم کے بدلنے کا اظہار ہے۔

ہمیں آج کے اصحابِ فقہ و تحقیق علمائے کرام کی تحقیقات کو بھی اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔

(۱۰)-چلتی ریل میں نماز کا حکم

ریل کوئی ڈیڑھ صدی پہلے کی ایجادات سے ہے۔ اس لیے اس کا حکم کتب مذہب میں نہیں ملتا۔ ہمارے فقہائے حنفیہ نے چلتے چوپائے اور کشتی میں نماز کے احکام کو سامنے رکھ کر چلتی ریل میں نماز کے احکام پر تحقیقی مطالعہ کیا مگر ان کی تحقیقات مختلف ہوگئیں کچھ نے جواز کا قول کیا۔[2] کچھ نے عدم جواز کا، اور کچھ نے عدم جواز کو

---

(۱) صحیفۂ مجلس شرعی، ج:۱، ص:۳۰، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(۲) مثلاً: حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی، لکھنوی۔ آپ نے اپنے مجموعۃ الفتاویٰ میں چلتی ریل میں نماز کو درست کہا ہے چناں چہ جواز کے ایک فتوے پر تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: شکے نیست دریں کہ نماز خواہ فرض باشد یا غیر آں در ریل گاڑی خواہ متحرک باشد یا ساکن جائز ست واعذار مذکورۂ سوال مؤکد ہستند واللہ تعالیٰ اعلم۔ حررہ ابو الحسنات محمد عبد الحی عفا اللہ عنہ۔ (مجموعۃ الفتاویٰ کتاب الصلوٰۃ بر حاشیہ خلاصۃ الفتاویٰ، ج:۱، ص:۹۸) عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ میں بھی ایسا ہی ہے، محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی التعلیق المجلی میں یہ انکشاف فرمایا ہے کہ کچھ علما چلتی ٹرین میں نماز کی صحت کا موقف رکھتے ہیں۔ اور بعد میں بھی بلاد اسلام کے بہت سے علما چلتی ریل میں جوازِ نماز کے قائل رہے ہیں اور آج بھی ہیں مثلاً فقیہ اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی قادری بانی دار العلوم حنفیہ بصیر پور نے چلتی ٹرین میں جوازِ نماز کی صراحت اپنے متعدد فتاویٰ میں کی ہے۔ ایک فتوے کا اقتباس یہ ہے۔

مہر نیم روز کی طرح واضح ہوا کہ ریل رواں میں فرض جائز ہے...... اور چلتی گاڑی میں جوازِ نماز کی تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر مسافر کو اترنے میں جان کا، یا بیمار ہونے، یا بیماری بڑھنے کا یا درندہ یا دشمن کا خطرہ یا گاڑی چلنے کا خطرہ ہو تو ایسی صورت میں چلتی گاڑی پر نماز

"زیادہ احتیاط" قرار دیا۔ چودھویں صدی ہجری کے ایک مایہ ناز فقیہ و محدث اور بلند پایہ محقق حضرت مولانا وصی احمد محدث سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے احوط عدم جواز کو بتایا، مگر جس تحقیق پر جمہور فقہاے اہلِ سنت نے عام طور پر اعتماد و عمل کیا وہ تحقیق ہے فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز کی۔ آپ کے فتوے کا ایک اقتباس یہ ہے:

"فرض اور واجب جیسے وتر و نذر اور ملحق بہ یعنی سنت فجر چلتی ریل پر نہیں ہو سکتے اگر ریل نہ ٹھہرے اور وقت نکلتا دیکھے پڑھ لے پھر بعد استقرار اعادہ کرے۔ تحقیق یہ ہے کہ استقرار بالکلیہ ولو بالوسائط زمین یا تابع زمین پر کہ زمین سے متصل باتصال قرار ہو ان نمازوں میں شرط صحت ہے مگر بہ تعذر۔ ولہذا دابہ (چوپایہ) پر بلا عذر جائز نہیں ...... بخلاف کشتی رواں جس سے نزول میسر نہ ہو کہ اسے اگر روکیں گے بھی استقرار پانی پر ہوگا، نہ کہ زمین پر ۔ لہٰذا سیر و وقوف برابر، لیکن اگر ریل روک لی جائے تو زمین ہی پر ٹھہرے گی اور مثلِ تخت ہو جائے گی۔ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جهة العباد ہوا اور ایسے منع کی حالت میں حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور بعدِ زوالِ مانع اعادہ کرے۔" (۱)

اس فتوے میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے چند باتوں کا افادہ فرمایا ہے:

(الف)۔ فرض اور واجب اور سنت فجر کے صحیح ہونے کے لیے زمین پر ایک جگہ قرار ضروری ہے۔ چلتے ہوئے پڑھیں گے تو نماز نہ ہوگی۔

(ب)۔ ہاں اگر عذر ہو تو چلتے ہوئی حق سنتان ئے پر بھی یہ سب نمازیں صحیح ہیں اور عذر سے مراد عذر سماوی ہے۔ ی کی دو وجہیں فیصلے میں مذکور ہیں

(ج)۔ چلتی ہوئی ریل میں لہٰذ رکنے اور ٹرینوں سے اترنے اور ان پر جب ریل چل رہی ہو تو اس سے اتر نہیں سکتے۔

(د)۔ مگر یہ عذرِ سماوی نہیں ۔ کلام کی گنجائش موجود ہے لیکیرہ کے لیے ریل روکی جاتی ہے اور نماز کے

جائز ہے۔" (فتاویٰ نوریہ، جلد اول، ص: ۱۲۸) ایسا ہی ص: ۵۹ر وغیرہ پر بھی ہے۔
اس سے ظاہر ہے کہ چلتی ٹرین میں نماز کے صحیح ہونے، نہ ہونے کا مسئلہ ابتدا سے ہی اختلافی رہا ہے اور آج بھی اختلافی ہے، یہ مسئلہ نہ اجماعی تھا نہ ہے، پھر اجماع نام ہے تمام فقہاے مجتہدین کے اتفاق کا اور عرصۂ دراز سے اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ صدیوں سے مجتہدین پائے ہی نہیں گئے، اس لیے اب کسی مسئلے میں «اجماعِ شرعی» متصور نہیں اور «محفلِ میلاد شریف» جو فی الواقع «محفلِ ذکرِ رسول» ﷺ ہے اس کے جواز و استحسان کو علما نے «اجماعی» فرمایا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے اصول کتاب و سنت سے ثابت اور اجماعی ہیں۔ شامی میں ہے: «اجمع العلماء علی استحباب الذكر سلفاً و خلفاً»۔ (مرتب غفرلہ)

(۱) فتاوی رضویه، کتاب الصلاة، باب اماکن الصلاة، ج:۳، ص:٤٤، سنی دارالاشاعت، مبارک پور

لیے نہیں۔ تو یہ بندے کے اپنے اختیار سے پیدا کیا ہوا عذر ہے۔ بندہ اپنے اختیار سے عذر پیدا کر دے تو حکم وہی ہے کہ نماز پڑھ لے اور عذر ختم ہونے کے بعد دُہرا لے۔

جب انگریز چلے گئے اور ۱۹۵۰ء میں ریلوے نظام حکومت ہند کے ہاتھوں میں آیا تو اب سارے مسافروں کے کھانے وغیرہ کے لیے ٹرین روکی جانے لگی۔ بیس، بائیس سال پہلے جب محکمہ ریل نے ٹرین کے اندر ہی مسافروں تک کھانا پہنچانے کا انتظام کر دیا تو اس کے بعد سے ٹرین کسی کے کھانے کے لیے نہیں روکی جاتی۔

تقریباً ایک صدی پہلے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جس بنیاد پر چلتی ریل میں نماز صحیح نہ ہونے کا فتویٰ دیا تھا وہ بنیاد بیسویں صدی کی آخری دہائی میں بدل چکی تھی اس لیے اب حکم بھی بدل جانا چاہیے تھا۔

غور و فکر کا پہلا مرحلہ

مگر اس کے لیے غور و فکر اور نظر ثانی کی ضرورت تھی آپ کو یہ سن کر مسرت ہوگی کہ بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس فتوے پر نظر ثانی کا کام خود آپ کے گھر سے شروع ہوا اور وہ بھی آپ کے بواسطہ جانشین حضرت تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان ازہری دام ظلہ العالی کی قائم کردہ شرعی کونسل آف انڈیا، جامعۃ الرضا بریلی شریف سے۔

۲۰۰۳ء میں جب نوپیدا مسائل کے شرعی احکام کی تحقیق کے لیے شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف قائم ہوئی تو اس میں سب سے پہلے اسی مسئلے کو سامنے ... نے جواز کا قول کیا۔ (۲) کچھ فقہائے اہل سنت کو اس موضوع پر تحقیقی مقالات لکھنے کی دعوت دی گئی۔ ہا نے بدلے ہوئے حالات کی بنا پر نماز کے جواز و صحت پر مقالے لکھے اور ج: ۱، ص: ۳۰، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور پر خوب بحثیں ہوئیں۔ کوئی صاحب عدم جواز کی دلیل پیش کرتے، تو کوئی جواز ... لکھنوی۔ آپ نے اپنے مجموعۃ الفتاویٰ میں حامل تھے، اور کسی بھی دلیل کو مسترد کرنا مشکل امر تھا، اس لیے فیصل بورڈ بھی کوئی فیصلہ نہ ... نیست دریں کہ نماز خواندن ... علیہ ... حررہ کے زیر عنوان دفعہ ۳ر و ۴ر میں یہ لکھ کرا سے زیر غور کر دیا کہ:

(۳) باقی یہ صورتیں زیر غور ہیں کہ موجودہ حالات میں ٹرینوں کے سفر میں مذہب شافعی کے مطابق اسٹیشن پر، یا رکی ہوئی ٹرین پر دو نمازوں کو جمع کر کے پڑھنا جائز ہے یا نہیں۔

(۴) "اسی طرح چلتی ٹرین سے اترنے میں جب کہ ضیاع جان و مال کا خطرہ ہو تو ٹرین میں پڑھی ہوئی نماز کا اعادہ بمعنی قضا ہے یا بمعنی وجوب احتیاطی (بھی زیر غور ہے) واللہ تعالیٰ اعلم۔" (۱)

---

(۱) مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان، ماہنامہ سنی دنیا بریلی شریف، شرعی کونسل آف انڈیا کا فقہی سیمینار نمبر ص: ۲۳۰۔ فیصلہ کا عنوان ہے

اس طرح فتاویٰ رضویہ کا وہ تحقیقی فتویٰ جو تقریباً ایک صدی سے تمام علماے اہل سنت کے نزدیک معتمد اور مقبول اور واجب العمل تھا پہلے موضوع بحث بنا، پھر قابلِ غور ہوا۔ پانچ سال تک شش و پنج کی کیفیت رہی اور چلتی ٹرین میں نماز کے جواز اور عدم جواز کا مسئلہ زیرِ غور ہی رہا پھر ۲۴ / ۲۵ رجب ۱۴۳۰ھ مطابق ۱۸ / ۱۹ جولائی ۲۰۰۹ء کو شرعی کونسل نے یہ «بحث» رقم کی:

"ٹرینوں پر نماز کے جواز و عدم جواز سے متعلق بحثوں کے بعد یہ طے ہوا کہ ٹرینوں کا روکنا و چلانا اختیارِ عبد میں ہے اس میں اعذارِ معتبرہ فی التیمم میں سے کوئی عذر متحقق نہیں ہے کہ چلتی ٹرینوں میں فرض و واجب کے ادا کرنے سے اِسقاط فرض و واجب ہو سکے۔ لہٰذا وقت جا رہا ہو تو جس طرح پڑھنا ممکن ہو پڑھ لے جب موقع ملے اسے دوبارہ پڑھے۔

اعلیٰ حضرت کے زمانے سے لے کر آج تک ٹرینوں کے چلنے، رکنے اور ٹرینوں سے اترنے اور اس پر چڑھنے وغیرہ کے حالات میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے اس لیے ان کے فتویٰ سے عدول کی کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔" (۱)

یہ شرعی کونسل بریلی شریف کے فیصل بورڈ کی اعلیٰ درجہ کی احتیاط اور مثالی دیانت داری ہے کہ "عطایاے نبویہ" کے ایک تحقیقی فتویٰ کو پانچ سال تک معلق اور زیرِ غور رکھنے کے بعد جب انھیں اس سے عدول کی کوئی وجہ معقول نہ ملی تو اسی فتوے کو جاری کر دیا اور یہی حق شناسی کا تقاضاے حسن بھی ہے۔

اس فتویٰ سے عدول نہ کرنے کی دو وجہیں فیصلے میں مذکور ہیں:

(الف) "ٹرینوں کے چلنے، رکنے اور ٹرینوں سے اترنے اور ان پر چڑھنے وغیرہ کے حالات میں کوئی تغیر نہیں ہوا ہے۔"

اس کلیے میں کئی طرح سے کلام کی گنجائش موجود ہے لیکن ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ جیسے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے زمانے میں ٹرینیں چلتی، رکتی تھیں ویسے ہی آج بھی چلتی رکتی ہیں اور جیسے لوگ اس زمانے میں ٹرینوں سے اترتے اور چڑھتے تھے ویسے ہی آج بھی اترتے اور چڑھتے ہیں اور یہ بالکل صحیح ہے، یہ طریقہ نہ بدلا ہے نہ اس کے بدلنے کی توقع ہے۔

(ب) "ٹرینوں کا روکنا اور چلانا اختیارِ عبد میں ہے۔"

یہ بھی صحیح ہے کہ ڈرائیور ٹرین کو چلاتا بھی ہے، روکتا بھی ہے۔ یہ عطایاے نبویہ کے فتوے پر نظر ثانی کا پہلا

سفر میں جمع بین الصلاتین»۔

(۱) ماہنامہ سنی دنیا شمارہ ستمبر ۲۰۰۹ء، ص: ۹۵۔

مرحلہ تھا جو گھوم پھر کر وہیں پہنچا جہاں سے شروع ہوا تھا۔

غور و فکر کا دوسرا مرحلہ

مجلس شرعی جامعہ اشرفیہ، مبارک پور نے شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اس کے پہلے سیمینار کی بحثوں اور مقالات کی روشنی میں کلامِ رضا کو سمجھنے کی کوشش کی، اور یہ طے کیا کہ خود "کلامِ رضا" سے آج کے بدلے ہوئے حالات میں جواز کا کوئی راستہ نکلتا ہے تو اس پر چلا جائے ورنہ جو شاہراہ عمل متعین ہو چکی ہے اس سے ایک ذرہ برابر بھی ادھر اُدھر نہ ہوں۔

مجلس شرعی "کلامِ رضا" کو خود کلامِ رضا سے سمجھنے کو ترجیح دیتی ہے، اسے یہاں بھی برقرار رکھا جیسا کہ ذیل کی سطور سے آپ کو اندازہ ہو گا۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے ان الفاظ کو بغور پڑھیے:

"انگریز کے کھانے وغیرہ کے لیے [ریل] روکی جاتی ہے اور نماز کے لیے نہیں تو منع من جهة العباد ہوا (یعنی بندے کا نماز سے روکنا)۔"

بندے کا نماز سے روکنا کب پایا جائے گا؟

اس کے لیے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے دو شرطیں ذکر کی ہیں:

ایک: انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے ریل کا روکا جانا، اور دوسری شرط: نماز کے لیے نہ روکا جانا۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ جب دونوں شرطیں پائی جائیں گی تو منع من جهة العباد یعنی بندے کا نماز سے روکنا پایا جائے گا اور جب دونوں شرطیں نہ پائی جائیں: "نہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکنا۔ نہ نماز کے لیے روکنا۔"

تو "منع مِن جهة العباد" یعنی بندے کا نماز سے روکنا۔ نہ پایا جائے گا۔ یہ اپنی طرف سے کوئی بات نہیں، بلکہ خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کے کلامِ جامع کا مفہوم و مراد ہے۔

اور آج کے بدلے ہوئے حالات میں ۲۰ / ۲۲ سال سے ریل نہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے، نہ کسی اور مذہب کے مسافروں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکی جاتی ہے اور نہ ہی نماز کے لیے روکی جاتی ہے، یہ بات ہر عام و خاص پر ظاہر ہے اور محسوسات و مشاہدات سے ہے جس سے کسی صاحبِ نظر اور صاحبِ انصاف کو انکار نہ ہو گا۔

اس لیے خود سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلام سے ثابت ہوا کہ آج کے زمانے میں ٹرین میں نماز سے "منع مِن جهة العباد" (یعنی بندے کا نماز سے روکنا) نہیں پایا جاتا، یہ نہایت سیدھا سادہ مفہوم ہے جو کلامِ

رضا سے کھلے طور پر سمجھا جاتا ہے۔

اور جب "منع من جهة العباد" یعنی "بندے کا نماز سے روکنا" نہ ہو تو چلتی ہوئی سواری پر جو نماز پڑھی جائے اسے دہرانے کی حاجت نہیں ہوتی۔

یہاں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ایک ساتھ دو باتوں کا افادہ فرمایا ہے۔ ان میں سے ایک تو «ظاہر و منطوق» ہے اور دوسری بات «خفی و مسکوت»۔ اور وہ ہے کلام کا «مفہوم مخالف»۔

ظاہر و منطوق:- تو یہ ہے کہ جب مذکورہ دونوں شرطیں پائی جائیں تو "بندے کا نماز سے روکنا" پایا جائے گا اور پڑھی ہوئی نماز دُہرانی پڑے گی۔

اور مفہوم مخالف:- یہ ہے کہ جب مذکورہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں تو "بندے کا نماز سے روکنا" نہ پایا جائے گا اور پڑھی ہوئی نماز دہرانے کی حاجت نہ ہوگی۔

اور کلامِ فقہا میں مفہوم مخالف بھی حجت و دلیل ہے، متعدّد مقامات پر خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اسے صاف صاف لکھا ہے مثلاً آپ کی ایک عبارت ہے:

"کلامِ صحابہ اور بعد کے کلامِ علما میں مفہوم مخالف بے خلافِ مخالف مرعی و معتبر۔ جیسا کہ تحریر الاصول اور نہر فائق اور در مختار وغیرہا کتب میں اس کی صراحت ہے اور ہم نے اپنے رسالہ «القطوف الدانیه لِمَن اَحسَنَ الجماعة الثانیة» میں ان کتابوں کی عبارتیں نقل کی ہیں۔" (۱)

پھر یہ بات بھی مسلمات سے ہے کہ جب شرط نہ رہے تو اس پر مبنی حکم بھی باقی نہیں رہتا اور یہاں ایسا ہی ہے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے شرط ہی باقی نہ رہی۔ اس کی نظیر برقی پنکھوں اور بلبوں کا استعمال ہے جس کا بیان بہت تفصیل سے گزرا۔

صحابہ کرام اور بعد کے علمائے عظام کے کلام کے مفہوم سے استدلال برابر حجت رہا ہے اور یہ صحابہ و علما کے کلام سے ہی استدلال تسلیم کیا جاتا رہا ہے تو آج اگر فقیہ بے مثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کلام کے مفہوم مخالف سے استدلال کیا جاتا ہے تو یہ بھی «کلامِ رضا» سے ہی استدلال ہے۔ اسے "اختلاف" کہنا شان فقہا سے بعید ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ ٹرینوں پر چلنے، اترنے کا طریقہ نہیں بدلا ہے مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس پر حکم کی بنیاد بھی نہیں رکھی ہے، آپ نے بنیاد اس کے سوا دو شرطوں پر رکھی ہے جیسا کہ اس پر گفتگو ہو چکی۔

رہ گئی یہ بات کہ: "ٹرینوں کا رکنا، چلنا اختیار عبد میں ہے۔"

---

(۱) عربی عبارت کے ترجمے کے ساتھ۔ فتاویٰ رضویہ، باب الاوقات، ج:۲، ص:۳۹۵، رسالہ حاجز البحرین۔

یہ صحیح ہے۔ ڈرائیور قانون کے مطابق ریل چلاتا اور روکتا ہے مگر قانون کے خلاف ریل چلانا اور روکنا شرعاً اس کے اختیار میں نہیں کیوں کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے متعدد فتاویٰ میں حکومت کے قانون کی خلاف ورزی کو ناجائز و گناہ بتایا ہے، پھر خلافِ قانون ریل روکنے، چلانے سے دل میں جو خوف پیدا ہوگا وہ اللہ عزوجل کی جانب سے ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں اس کی بھی صراحت ہے۔

ہمارے فقہاے کرام اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ دو مسئلے بظاہر ایک طرح کے ہوتے ہیں مگر کسی باریک فرق کی وجہ سے ان کے احکام الگ الگ ہوجاتے ہیں ایسے مسائل ہدایہ میں بہت ہیں اور الاشباہ والنظائر میں تو ایسے ہی مسائل کو سمجھانے کے لیے محقق ابن نجیم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "فن جمع و فرق" کا عنوان قائم کر کے بڑے بسط کے ساتھ فقہی جزئیات بیان کیے ہیں۔ بلکہ فی الواقع ایسے ہی مسائل کو "اشباہ ونظائر" کہا جاتا ہے، یہاں "اختیارِ عبد" میں ہونے نہ ہونے کا مسئلہ بھی انھیں مسائلِ اشباہ و نظائر سے ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دور میں بھی بندہ ریل کو چلاتا، روکتا تھا اور آج کے دور میں بھی بندہ چلاتا روکتا ہے مگر اس مشابہت کے باوجود دونوں کے احکام میں فرق ہے، ایک صدی پہلے ریلوے نظام خود مختار کمپنیوں کے ہاتھوں میں تھا وہ نماز کے لیے ریل روک سکتی تھیں جیسا کہ انگریزوں کے کھانے وغیرہ کے لیے روکتی تھیں اور وہ کسی قانون کے دباؤ کی وجہ سے بے بس نہ تھیں جب کہ آج ریلوے نظام حکومت کے ہاتھوں میں ہے اور خود حکومت کے لوگ ریل کا قانون نافذ ہوجانے کے بعد قانون کے دباؤ کی وجہ سے بے بس ہیں۔

خود فتاویٰ رضویہ میں اس نوع کے کثیر مسائل ہیں، یہاں خاص دو مسئلے ایسے پیش کیے جاتے ہیں جہاں "منع" بظاہر بندے کی طرف سے ہے مگر صراحت فرمائی ہے کہ ایک جگہ عذر بندے کی طرف سے ہے اور دوسری جگہ سماوی ہے۔

فتاویٰ رضویہ ص: ۶۱۴، ج: ۱، رسالہ «حسن التعمّم» میں ہے:

(۱) — ریل میں ہے اور اس درجے میں پانی نہیں اور دروازہ بند ہے تو تیمم کرے مگر جب پانی پائے طہارت کر کے نماز پھیرے۔ لان المانع من جهة العباد.

(۲) — اور اگر (ریل سے) اتر کر پانی لانے میں مال جاتے رہنے کا خوف ہو تو اعادہ بھی نہیں، اور اگر (اتر کر پانی لانے میں) ریل چلے جانے کا اندیشہ ہو جب بھی تیمم کرے اور اعادہ نہیں۔ یہ اس مسئلے کے حکم میں ہے کہ پانی میل سے کم ہے مگر اتنی دور ہے کہ اگر یہ وہاں جائے تو قافلہ چلا جائے گا اور اس کی نگاہ سے غائب ہوجائے گا۔

اقول: یا اگرچہ ابھی نگاہ سے غائب نہ ہوگا مگر یہ ایسا کمزور ہے کہ (قافلہ سے) مل نہ سکے گا:

"قال في البحر: عن ابي يوسف: إذا كان بحيث لو ذهب إليه و توضأ تذهب القافلة

وتغیب عن بصرہ فھو بعید ویجوز لہ التیمم واستحسن المشایخ ھذہ الروایۃ، کذا فی التجنیس. اھ"

(بحرالرائق میں ہے کہ امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب پانی اتنے فاصلے پر ہو کہ وہاں جاکر وضو کرے تو قافلہ چلتے چلتے نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گا تو وہ پانی دور مانا جائے گا، اور اس کے لیے تیمم جائز ہوگا۔ مشایخ نے اس روایت کو مستحسن قرار دیا، ایسا ہی "تجنیس" میں ہے۔)

ان مسائل کی روشنی میں ریل کے درپیش مسئلے کو سمجھا جاسکتا ہے۔

انداز بیاں گرچہ بہت شوخ نہیں ہے شاید کہ ترے دل میں اتر جائے مری بات

جیسے عہد رسالت سے آج تک سیکڑوں مسائل میں حالات زمانہ کے بدلنے سے احکام بدل گئے ہیں پھر بھی وہ صاحب مذہب کی پیروی قرار پاتے ہیں ٹھیک اسی طرح سے چلتی ٹرین میں نماز کا مسئلہ بھی حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے بدل گیا ہے اور یہ بھی صاحبِ مذہب کی پیروی اور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا اتباع ہے۔[1]

(۱۱)- پینٹ، شرٹ، کوٹ، پتلون پہننا سخت حرام، مگر اب؟

آج سے کوئی ایک سو بیس سال پہلے ۱۷ر جمادی الآخرہ ۱۳۱۴ھ کو مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے یہ فتویٰ جاری کیا تھا:

"انگریزی وضع کے کپڑے پہننا حرام، سخت حرام، اشد حرام، اور انھیں پہن کر نماز مکروہ تحریمی، قریب بہ حرام، واجب الاعادہ۔ کہ جائز کپڑے پہن کر نہ پھیرے تو گنہگار مستحق عذاب والعیاذ باللہ العزیز الغفار۔ اھ"[2]

ذرا فقیہ بے مثال کے فتوے کا حال دیکھیے کہ انگریزی وضع کے کپڑے -پینٹ، شرٹ، کوٹ، پتلون پہننا نہ صرف حرام ہے بلکہ سخت حرام ہے، بلکہ بہت سخت حرام ہے۔

اب حالات زمانہ پر نگاہ ڈالیے اور غور فرمایئے کہ کیا آج کے دور میں کوئی اس پر عامل اور اس کا قائل ہے؟

اب تو عام طور سے مسلمانانِ عالم یہ لباس اچھا سمجھ کر پہنتے اور بچوں کو پہناتے ہیں اور کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ یہ لباس سخت حرام یا ناجائز یا مکروہ بھی ہے۔ بلکہ کتنے مقامات ایسے ہیں جہاں بہت سے علما بھی یہ لباس زیب تن کرتے ہیں اور انھیں احساسِ حرمت بڑی بات ہے احساسِ کراہت تک نہیں ہوتا۔

---

(۱) یہ مسئلہ یہاں بہت واضح اور مبسوط انداز میں لکھا گیا ہے جو ناظر منصف کے لیے کافی ہونا چاہیے۔ ضرورت ہوئی تو اسے مزید دلائل و شواہد اور شرح و بسط سے محکم و مؤید کیا جاسکتا ہے۔ واللہ خیر موفق ومعین۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، باب مکروھات الصلاۃ، جلد: ۳، ص: ۴۲۲، ۴۲۳، سنی دارالاشاعت، مبارک پور۔

اور راقم الحروف کو دور حاضر کے کسی عالم، مفتی، فقیہ، قاضی کے بارے میں نہیں معلوم کہ انھوں نے انگریزی لباس کو حرام و ناجائز قرار دیا ہو۔

تو کیا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے اس موقف سے تمام عوام و خواص منحرف ہو گئے، یا وہ اس فتوے کے مخالف ہیں؟

اللہ کی پناہ، ایسا ہرگز نہیں، اس طرح کی سوچ کسی عامی کی ہو سکتی ہے، عالم کی نہیں ہو سکتی۔ کیوں کہ عالم اس حقیقت سے خوب آگاہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے آج سے سوا سو سال پہلے جب انگریزی طرز کے کپڑوں کو سخت اور بہت سخت حرام قرار دیا تھا اس وقت یہ کپڑے انھیں انگریزوں کا شعارِ خاص تھے وہ لوگ اپنے اس لباس سے پہچانے جاتے تھے اور غیر قوم کے شعار کو پسندیدگی کے ساتھ اپنانا سخت حرام اور بسا اوقات کفر بھی ہوتا ہے جیسا کہ فتاویٰ رضویہ جلد نہم میں اس کی صراحت ہے۔

مگر آج وہ لباس انگریزوں کا شعار نہیں رہ گئے اور عام طور پر اقوامِ عالم نے اس لباس کو اختیار کر لیا ہے، اور اب یہ کسی بھی قوم کی پہچان نہیں، غرض یہ کہ جس بنیاد پر فتاویٰ رضویہ میں اسے حرام یا سخت تر حرام قرار دیا گیا تھا وہ بنیاد ہی باقی نہ رہی اس لیے کوئی بھی رمز شناس عالم آج کے زمانے میں اسے حرام نہیں کہہ سکتا، تو اگر آج مسلمانوں کے اس لباس کو اختیار کرنے پر علما و فقہا خاموش ہیں تو ایسا نہیں کہ وہ امر بالمعروف کی ذمہ داری نہیں نبھا رہے ہیں، بلکہ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ حالات زمانہ کے بدلنے سے حکم ہی بدل گیا ہے۔

(۱۴)- سامان کے وجود میں آنے سے پہلے اس کی خرید و فروخت کا حکم

جو چیزیں فرمائش کر کے بنوائی جاتی ہیں اور ان کے بننے سے پہلے ہی ان کی خرید و فروخت ہو جاتی ہے یہ جائز ہے یا فاسد؟

اس سلسلے میں حکم شرع یہ ہے کہ اگر اسی طور پر ان چیزوں کی خرید و فروخت پر عرفِ عام اور تعامل ہو اور سامان دینے، لینے کی مدت دو چار، دس روز ہو، یا زیادہ ہو تو بھی ایک ماہ سے کم ہو تو وہ بیع جائز و درست ہے۔ ایسی بیع کو «بیعِ استصناع» اور «فرمائشی بیع» کہتے ہیں۔ اور اگر سامان کے لین دین کی مدت ایک ماہ یا اس سے زیادہ ہو تو بیعِ سَلَم کی تمام شرطوں کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ عقد فاسد و ناجائز ہوگا۔ فقہائے حنفیہ کا یہی مذہب ہے اور فقیہِ بے مثال اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا یہی فتویٰ اور مسلکِ مختار ہے۔

لیکن اس کے برخلاف شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف نے حرجِ شدید کو دور کرنے کے لیے اسے جائز و درست قرار دیا اور مذہب امام اعظم کو چھوڑ کر مذہبِ صاحبین (امام ابو یوسف و امام محمد) پر عمل کی اجازت دی۔ اس کی وجہ سوائے اس کے کیا ہو سکتی ہے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے سے حکم بدل گیا۔ اب آپ شرعی کونسل کے فیصلے کا

اصل متن پڑھیے:

"جدید طریقۂ بیع کی شرعی حیثیت"

جدید طریقۂ تجارت کے تحت یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ مبیع موجود و مقبوض ہونے سے قبل ہی بیچنے اور خریدنے کا عمل اہل تجارت میں عام طور پر رائج ہو گیا ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص سے مال تیار کرنے کو کہہ کر اسے خرید لیتا ہے اور مال موجود بھی نہیں ہے وہ دوسرے کو بیچ دیتا ہے حالاں کہ ابھی وہ مال موجود و مقبوض نہیں ہے اور ھلمذا وہ دوسرا تیسرے شخص کو وغیرہ۔ اس میں سوال یہ ہے کہ یہ بیع کی کس قسم میں داخل ہے؟

(۱)- یہ طے ہوا کہ بیع اول استصناع ہے اور یہ تعامل کی وجہ سے جائز ہے۔ لہٰذا جن جن اشیا میں ایسی بیع رائج ہو گئی ہے وہ جائز ہے اور یہاں تعامل کے لیے یہی کافی ہے کہ اس کا رواج ہو اور علما سے بعدِ علم اس پر نکیر نہ پائی جائے۔

مذکورہ بالا بیع استصناع میں بسا اوقات ایک ماہ یا اس سے زائد کی اجل (میعاد) مذکور ہوتی ہے جو مذہب امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر استصناع کے بجائے سَلَم ہو جاتی ہے اور اس میں جملہ شرائط سَلَم صحتِ عقد کے لیے لازم ہیں، اور حضرات صاحبین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مذہب پر ایک ماہ یا زائد کی مدت استعجال کے لیے ہوتی ہے نہ کہ بطور شرط۔ تو کیا اس مسئلہ میں قول امام سے عدول درست ہے، اگر درست ہے تو کس بنا پر؟

(۲)- باتفاق رائے یہ طے ہوا کہ استصناع میں ایک ماہ یا اس سے زائد کی اجل کا ذکر بطور استعجال ہے جو صاحبین کا قول ہے۔ اس مسئلہ میں قول امام سے عدول (امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب چھوڑ کر ان کے دو خاص شاگردوں کا قول اپنانا) دفعِ حرج شدید کی بنا پر درست ہے۔"[1]

بادی النظر میں دیکھا جائے تو یہ فیصلہ سراج الامۃ امام اعظم کے مذہب کے خلاف ہے اور دورِ آخر میں مذہب حنفی کے بے مثال فقیہ امام احمد رضا قدس سرہ کے فتویٰ کے بھی خلاف ہے یہاں تک کہ بہارِ شریعت کے بھی خلاف ہے۔ مگر جب حرج شدید کو دور کرنے کے لیے یہ موقف اختیار کیا گیا ہے تو یہ سب کے موافق ہے کیوں کہ حالات کے بدلنے سے یہ حکم بدلا ہے اور حرج شدید کی بنا پر مذہب صاحبین پر فیصلہ فی الواقع مذہب امام اعظم پر عمل ہے اس طور پر یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ سے بھی اختلاف نہ ہوا۔ بات ہر حال میں اسی طرح انصاف کی ہونی چاہیے اس لیے حالاتِ زمانہ پر نظر رکھنے والے فقہا جب اس طرح کے فیصلے صادر کریں تو اس کا خیر مقدم ہونا چاہیے۔

---

(۱) مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان ماہ نامہ سنی دنیا کا فقہی سیمینار نمبر، ص: ۸۳۔

(۱۴۳)-امانت میں خیانت تنگ حال کے لیے جائز

حدیث پاک میں ہے کہ حضور سید عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: منافق کی تین نشانیاں ہیں۔(۱) جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔(۲) وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔(۳) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔[1]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

"زرِ امانت میں اس کو تصرف حرام ہے۔ یہ ان مواضع میں ہے جن میں دراہم و دنانیر (چاندی سونے کے روپے) متعین ہوتے ہیں، اس کو جائز نہیں کہ اس روپے کے بدلے دوسرا روپیہ رکھ دے اگرچہ بعینہٖ ویسا ہی ہو، اگر کرے گا امین نہ رہے گا اور تاوان دینا آئے گا۔"[2]

بہار شریعت میں ہے:

"زکوٰۃ دینے والے نے وکیل کو زکوٰۃ کا روپیہ دیا... اور اگر وکیل نے پہلے اس روپیہ کو خود خرچ کر ڈالا، بعد کو اپنا روپیہ زکوٰۃ میں دیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی بلکہ یہ تبرع ہے اور موکل کو تاوان دے گا۔"[3]

اب شرعی کونسل کے بانیان اور اس کے فیصل بورڈ کے اہم ارکان اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بواسطہ جانشین حضرت علامہ ازہری صاحب قبلہ اور حضرت صدر الشریعہ کے جانشین حضرت محدث کبیر صاحب قبلہ دام ظلہما کا فیصلہ پڑھیے پھر آپ خود فیصلہ کیجیے کہ احکام پر حالات زمانہ کا اثر پڑا ہے یا نہیں؟ فیصلہ یہ ہے:

"اگر زکوٰۃ کا مذکورہ بالا محصل ذاتی عسرت و تنگی میں پڑ جائے تو وہ وصول شدہ رقم میں سے بقدرِ ضرورت بطور قرض لے سکتا ہے اگر متبادل سبیل نہ ہو، اور اس پر واجب ہے کہ عند الطلب اتنا ہی مال ناظم ادارہ کو دے۔ اور چوں کہ اسے صراحتاً یا عرفاً مالِ امانت میں حق تصرف حاصل ہے تو اس کا قرض لینا درست ہے۔

مگر چوں کہ اپنے اوپر خرچ کے لیے قرض لے رہا ہے اس لیے اس میں عسرت شرط ہے تو عسرت و تنگی جتنے سے دفع ہو سکتی ہے اتنا ہی لے اس سے زیادہ لینے کی اس کو اجازت نہیں۔"[4]

کیا ان بزرگوں نے اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ رحمۃ اللہ علیہما سے اختلاف یا انحراف کیا ہے۔ جواب وہی ہے جو بار بار گزر چکا ہے کہ نہ اختلاف کیا ہے نہ انحراف بلکہ اپنے طور پر حالات کے ساتھ انصاف کیا ہے کیوں کہ جن

---

(۱) صحیح مسلم شریف، ص:٥٦، ج:۲، مجلس البرکات، مبارک پور۔
(۲) فتاویٰ رضویہ، کتاب الامانات، ج:۸، ص:۳۱، رضا اکیڈمی، ممبئی۔
(۳) بہارِ شریعت، زکاۃ کا بیان، ص:۲۰، حصہ:۵، بحوالہ درمختار و شامی، مکتبۃ المدینہ۔
(۴) مسلک اعلیٰ حضرت کا پاسبان ماہ نامہ سنی دنیا کا فقہی سیمینار نمبر (شرعی کونسل آف انڈیا بریلی شریف) ص:۹۰۔

سات بنیادوں پر شرعی احکام میں نرمی اور لچک آتی ہے ان میں سے ایک سبب یہاں ان حضرات نے تسلیم کیا ہے یعنی ضرورت یا حاجت۔ عسرت و تنگی فرقِ مراتب کے لحاظ سے حاجت کے زمرے میں بھی جا سکتی ہے، اور ضرورت کے زمرے میں بھی۔

البتہ اس بات پر نظر ثانی ہونی چاہیے کہ وکیل کو اپنی ضروریات کے لیے صراحتہً یا عرفاً مالِ امانت میں حق تصرف حاصل ہے۔ بلادِ ہند میں محصّل کو زکوٰۃ کی رقم اسے اپنے تصرف میں لانے کے لیے نہیں دیتے بلکہ محفوظ طور پر مدرسے تک پہنچانے کے لیے دیتے ہیں، تاہم مجھے اس سے غرض نہیں کہ عرف کیا ہے میں تو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ایک سببِ شرعی کی بنیاد پر شرعی کونسل نے فتاویٰ رضویہ اور بہارِ شریعت سے عدول کیا ہے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت آج بھی ہو رہی ہے۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم   جنید و شبلی و عطار شد مست

یہ فتاویٰ رضویہ کے تیرہ مسائل ہیں جن کی تحقیق اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمائی اور انھیں فتویٰ کے لیے اختیار فرمایا۔

مگر بعد کے علما و فقہا جو آپ ہی کے خوانِ علم کے ریزہ خوار تھے یا اب بھی ریزہ خوار ہیں حالات زمانہ کے بدل جانے کی وجہ سے ان کے خلاف احکام صادر فرمائے یا اس کے خلاف امت کا عام عمل و ابتلا مشاہدہ کرنے کے باوجود اس سے ممانعت نہ فرمائی بلکہ خود بھی تمام افراد امت کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو کر اس کے جواز کا اشارہ فرمادیا۔ جیسے گھروں اور مسجدوں میں برقی لائٹ اور پنکھے لگانا، اور کثیر اہل اسلام کا کوٹ، پتلون اور پینٹ، شرٹ پہننا، یہ سب اسی بنا پر ہوا کہ حالات بدل رہے ہیں یا بدل چکے ہیں تو غور ہونا چاہیے اور حالات کے بدلنے سے حکم کی بنیاد بدلنے کا اذعان ہو جائے تو امت کو اس بدلے ہوئے حکم سے آگاہ کر دینا چاہیے۔

اس لیے یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے اختلاف و انحراف نہ ہوا تو انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ تمام علمائے محققین کو اسی نظریے سے دیکھا جائے، پھر یہ کوئی آج کی بدعت نہیں بلکہ یہ طریقۂ حسنہ سلف صالحین سے چلا آرہا ہے جس کے کچھ نمونے آپ نے ملاحظہ فرمائے۔ تو آں کے نائبین اگر ان کی سنت مرضیہ کو اختیار کرتے اور بدلے ہوئے حالات میں امت کو بدلے ہوئے احکام کی رہنمائی کرتے ہیں تو اخلاصِ قلب کے ساتھ ان کا احترام کیا جائے۔

☆☆☆☆
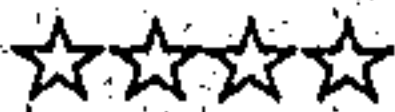
مآخذ و مصادر

مآخذ و مصادر

اسمائے کتب	اسمائے مصنفین	سنہ وفات ہجری
قرآنِ کریم	(خدائے حیّ وقیوم کا کلام اور پوری شریعت اسلامیہ کا ماخذ و سرچشمہ)	
	تفاسیر و اصول	
الجامع لاحکام القرآن	امام ابوبکر احمد بن علی الرازی الجصاص الرازی	۳۷۰ھ
تفسیرات احمدیہ	علامہ شیخ احمد بن ابوسعید ملاجیون جون پوری امیٹھوی	۱۱۳۰ھ
الاتقان فی علوم القرآن	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
بیضاوی شریف	علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی	۶۹۱ھ
	کتب حدیث:	
موطا امام محمد	امام ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
کتاب الآثار	امام ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
مسند امام احمد بن حنبل	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱ھ
سنن بیہقی	علامہ ابوبکر احمد بن حسین بن علی	۴۵۸ھ
مستدرک للحاکم	علامہ ابوعبداللہ حاکم	۴۰۵ھ
سنن ابن ماجہ	امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ	۲۷۳ھ
جامع ترمذی	امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی	۲۷۹ھ
جامع المسانید	علامہ محمد بن محمود خوارزمی	۶۶۵ھ
مجمع الزوائد	علامہ نورالدین علی ابن ابی بکر ہیثمی	۸۰۷ھ
مشکوٰۃ المصابیح	علامہ شیخ ولی الدین عراقی	۷۴۲ھ

شروحِ حدیث:

عمدۃ القاری	علامہ بدر الدین ابی محمد محمود بن احمد عینی	۸۵۵ھ
فتح الباری	علامہ شہاب الدین احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
اشعۃ اللمعات	شیخ عبد الحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ

کتبِ فقہ:

کتاب الاصل	امام عبد اللہ محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ
المبسوط	علامہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی	۴۸۳ھ
المحیط	علامہ شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی	۴۸۳ھ
فتح القدیر	امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد	۸۶۱ھ
الفتاویٰ الخیریہ لنفع البریہ	علامہ خیر الدین بن احمد بن علی رملی	۱۰۸۱ھ
تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ	علامہ محمد امین بن عمر شامی	۱۲۵۲ھ
المسلک المتقسط	علامہ علی بن سلطان، ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
طحطاوی علی الدر المختار	علامہ سید احمد طحطاوی	۱۳۰۲ھ
المدخل	علامہ محمد بن محمد، المشہور ابن الحاج	۷۳۷ھ
لباب المناسک	شیخ رحمۃ اللہ سندھی مکی	۱۰۱۴ھ
کنز الدقائق	علامہ عبد اللہ بن احمد بن محمود	۷۱۰ھ
منحۃ الخالق	علامہ محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
بحر الرائق	علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم	۹۷۰ھ
میزان الشریعۃ الکبریٰ	شیخ عبد الوہاب شعرانی	۹۷۳ھ
الکواکب الدریہ	....	....
جمیلہ ارباب المقاصد شرح عقیلۃ اتراب القصائد		
المنتقیٰ	حاکم شہید ابو الفضل محمد بن محمد بن احمد	۳۳۴ھ
حاشیۃ الشلبی علی تبیین الحقائق	علامہ شیخ شہاب الدین احمد بن یونس شلبی حنفی	۱۰۱۰ھ
خزانۃ الروایات	قاضی جکن، حنفی، ہندی	

کتاب	مصنف	سن وفات
فتاویٰ عتابیہ	امام احمد بن محمد بن عمرو ابو نصر عتابی	۵۸۶ھ
جامع المضمرات	علامہ جمال الدین یوسف بن محمد بن عمر بن یوسف صوفی ماذرونی	....
کافی	حاکم شہید محمد بن محمد حنفی	....
الحدیقۃ الندیۃ	علامہ عبد الغنی نابلسی	۱۱۴۳ھ
جامع الرموز	علامہ شمس الدین محمد خراسانی	۹۶۲ھ
مختصر القدوری	علامہ ابو الحسین احمد بن محمد قدوری حنفی	۴۲۸ھ
الجوہرۃ النیرۃ	علامہ ابو بکر بن علی بن محمد بن ابی المفاخر	۵۶۵ھ
تبیین الحقائق	علامہ فخر الدین عثمان بن علی زیلعی	۷۴۳ھ
بدایۃ المجتہد	امام ابی الولید محمد بن احمد بن محمد بن القرطبی	۵۹۵ھ
الاختیار لتعلیل المختار	ابو الفضل مجد الدین عبد اللہ بن محمود بن مودود موصلی حنفی	۶۸۳ھ
ہدایہ	حضرت شیخ الاسلام مولانا برہان الدین علی بن ابی بکر مرغینانی، حنفی	۵۹۳ھ
عنایہ	علامہ اکمل الدین محمد بن محمد بابرتی	۷۸۶ھ
بنایہ	امام بدر الدین ابو محمد عینی	۸۵۵ھ
کفایہ	علامہ جلال الدین بن شمس الدین خوارزمی	۸۰۰ھ
در مختار	علامہ علاء الدین حصکفی	۱۰۸۸ھ
رد المحتار	علامہ محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
النہر الفائق	علامہ سراج الدین عمرو بن نجیم مصری	۱۰۰۵ھ
شرح نقایہ	علامہ علی بن سلطان ملا علی قاری	۱۰۱۴ھ
فتاویٰ قاضی خان	علامہ حسن بن منصور قاضی خاں	۵۹۲ھ
فتاویٰ بزازیہ	علامہ محمد بن محمد بن شہاب بن بزار	۸۲۷ھ
ملتقی الابحر	شیخ ابراہیم بن محمد حلبی، حنفی	۹۵۶ھ
مجمع الانہر	شیخ عبد اللہ بن محمد بن سلیمان	۱۰۷۸ھ
الحاوی	علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی	۹۱۱ھ
غنیۃ المستملی	علامہ محمد ابراہیم بن محمد حلبی	۹۵۶ھ
نہایہ	علامہ حسام الدین حسن بن علی سغناقی حنفی	۷۱۱ھ

فتاویٰ تاتار خانیہ	علامہ بن علاء انصاری، دہلوی	۷۸۶ھ
الاشباہ والنظائر	علامہ زین الدین بن ابراہیم بن نجیم	۹۷۰ھ
غمز العیون والبصائر	علامہ احمد بن محمد، محمودی مکی	۱۰۹۸ھ
بدائع الصنائع	علامہ علاء الدین بن ابی بکر مسعود کاسانی	۵۸۷ھ
فتاویٰ عالم گیری	علامہ شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ	۱۱۶۱ھ
محیط برہانی	علامہ برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد بن عبد العزیز	۶۱۶ھ
رسالہ: تنبیہ ذوی الافہام	علامہ محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
رسالہ نشر العرف فی بناء الاحکام علی العرف	علامہ محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
رسالہ شرح عقود رسم المفتی	علامہ محمد امین ابن عابدین شامی	۱۲۵۲ھ
فتاویٰ رضویہ	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری، برکاتی	۱۳۴۰ھ
جد الممتار	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری، برکاتی	۱۳۴۰ھ
حجۃ اللہ البالغہ	علامہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی	۱۱۷۹ھ
الملفوظ	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری، برکاتی	۱۳۴۰ھ
بہار شریعت	صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی رضوی	۱۳۶۷ھ
قامع الواہیات	صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی رضوی	۱۳۶۷ھ
فتاویٰ امجدیہ	صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی رضوی	۱۳۶۷ھ

رسائل رضویہ

حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلاتین	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ	۱۳۴۰ھ
النہی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ	۱۳۴۰ھ
اجلی الاعلام ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ	۱۳۴۰ھ
القطوف الدانیہ لمن احسن الجماعۃ الثانیہ	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ	۱۳۴۰ھ
الاحلی من السکر	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ	۱۳۴۰ھ
المنیٰ والدرر لمن عمد منی آرڈر	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ	۱۳۴۰ھ
شمائم العنبر فی ادب النداء امام المنبر	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ	۱۳۴۰ھ

حاشیۂ ازاحتہ الآثام لمانعی عمل المولد والقیام	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
الطراز المعلم	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
تبیان الوضوء	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
الھبۃ الاحمدیہ	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
اراءۃ الادب لفاضل النسب	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
اجود القریٰ لطالب الصحۃ فی القریٰ	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
اقامۃ القیامۃ علی طاعن القیام لنبی تہامہ	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
جلی النص فی اماکن الرخص	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
الفقہ التسجیلی فی عجین النار جیلی	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ
انور البشارۃ فی مسائل الحج والزیارۃ	مجدد اعظم امام احمد رضا قادری رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۳۴۰ھ

کتب اصولِ فقہ

المستصفی من علم الاصول	حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی	۵۰۵ھ
مسلم الثبوت	علامہ محب اللہ بہاری	۱۱۱۹ھ
فواتح الرحموت	علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الکنوی	۱۲۲۵ھ
نور الانوار	علامہ احمد بن ابو سعید معروف بہ ملا جیون	۹۱۱ھ
قمر الاقمار	علامہ عبد الحلیم فرنگی محلی	۱۲۸۵ھ
الفقیہ والمتفقہ	علامہ خطیب بغدادی	....
تحریر الاصول	امام ابن الہمام کمال الدین حنفی	۶۸۱ھ
اصول الرشاد لقمع مبانی الفساد	علامہ نقی علی خاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ	۱۲۹۷ھ

کتب فقہ مالکی

مختصر العلامۃ الخلیل	....	....
منح الجلیل	شیخ محمد بن احمد بن محمد علیش	۱۲۹۹ھ

تاریخ وسیر

تاریخ الخلفاء	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء — شاہ ولی اللہ محدث دہلوی — ۱۱۷۹ھ
اسلام اور چاند کا سفر — مفتی محمد شریف الحق امجدی — ۱۴۲۱ھ

طبعیات ولغات

مخزن الادویہ — جدید طریقۂ تجارت
ایجادات کی کہانی — توانائی کے ذرائع
بجلی کی کہانی — بھارگواز ڈکشنری کلاں
ایڈوانس ٹوینتھ سنچری ڈکشنری

☆.-.☆.-.☆

ضمیمہ کے مآخذ ومصادر

● قرآن حکیم ● احکام القرآن للإمام الجصّاص الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ ● تفسیر خزائن العرفان ● صحیح البخاری ● صحیح مسلم ● جامع الترمذی ● سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ ● سنن النسائی ● شرح معانی الآثار للإمام الطحاوي ● مواہب لدنّیہ ● ہدایہ ● عنایہ ● شرح وقایہ ● تنویر الابصار ● درِ مختار ● رد المحتار ● فتاویٰ رضویہ ، جلد ۱، ۲، ۳، ٤، ٥، ٦، ۷، ۸، ۱۱. رسائل امام احمد رضا : أجلی الاعلام، الاحلیٰ مِن السکر، انور البشارۃ، حاجز البحرین، المنیٰ والدُّرر، الفقہ التسجیلی ● فتاویٰ مصطفویہ ● بہارِ شریعت ● مجموعۃ الفتاویٰ لمولانا عبد الحی الفرنجی محلی رحمہ اللہ تعالیٰ ● فتاویٰ نوریہ ● اسلام اور چاند کا سفر ● ماہ نامہ سنی دنیا، فقہی سیمینار نمبر.

بعض قلمی فیصلوں اور مندوبین کے دستخطوں کے عکوس

☆- شناختی کارڈ سے متعلق فیصلے کا عکس

☆- چلتی ٹرین پر نماز کے جواز سے متعلق فیصلے کا عکس

☆- سترہویں فقہی سیمینار کے شرکا اور ان کے دستخطوں کے عکوس

چلتی ٹرین پر نماز کے جواز سے متعلق فیصلے کا عکس

Majlis-e-Sharyee مجلس شرعی
AL-JAMIATUL ASHRAFIA الجامعۃ الاشرفیہ
Mubarakpur Azamgarh, (UP) Pin-276404, India Tel.: 05462, 250092, Fax: 251448 مبارک پور، اعظم گڑھ (یوپی) ۲۷۶۴۰۴، انڈیا
Email: aljamiatulashrafia@rediffmail.com

Ref.: ۷ رجب ۱۴۳۴ھ / ۱۸ مئی ۲۰۱۳ء، شنبہ Date:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس بات پر جملہ مندوبین کرام کا اتفاق ہے کہ موجودہ ریلوے نظام کے تحت چلنے والی ٹرینوں میں جب وہ چلتی ہوئی ہوں اس وقت بھی فرض و واجب نمازوں کی ادائیگی بھی جائز و صحیح ہے، اور بعد میں ان کا اعادہ نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

[illegible]
[illegible]
[illegible]

محمد احمد مصباحی صدر المدرسین جامعہ اشرفیہ مبارک پور
[illegible]

[illegible] دار العلوم، دار الخیر، دہلی

محمد نظام الدین الرضوی خادم الافتاء دار العلوم الاشرفیہ مبارکپور

محمد عبد المبین نعمانی [illegible] دار العلوم قادریہ چریاکوٹ ضلع مئو (یوپی)

[illegible] مرادآباد

محمد حنیف خان رضوی صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

محمد [illegible] خادم تدریس جامعہ [illegible] مبارک پور ضلع اعظم گڑھ

قاضی فضل احمد مصباحی [illegible] جامعہ [illegible] مطلع العلوم بنارس

[illegible]

مجلس شرعی سے متعلق علمائے کرام کے گراں قدر تأثرات

فقیہ ملت حضرت مولانا مفتی جلال الدین احمد امجدی، حضرت مولانا خواجہ مظفر حسین رضوی

حضرت مولانا مفتی اختر حسین رضوی علیہم الرحمہ

مجلس شرعی کا قیام وقت کی ایک اہم ضرورت ہے اور جامعہ اشرفیہ کا ملک کی دیگر علمی و دینی ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ اس طرف متوجہ ہونا باعث مبارک باد اور لائق تحسین ہے۔

جامعہ کی خدمات پورے ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوئی ہیں اور اب اس کا دائرۂ عمل دیگر ممالک کو بھی محیط ہو رہا ہے۔ جامعہ اشرفیہ نے ہر میدان میں بہترین افراد پیدا کیے۔ اور اس سیمینار میں بھی اکثر مصباحی حضرات نے ہی مقالات پیش کیے۔ جو اس بات کی دلیل ہے کہ جامعہ نے اپنے طرز تعلیم میں علمی بالغ نظری کے ساتھ قلمی پختگی اور فقہی دقیقہ سنجی بھی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔

سیمینار کی بحثیں نہایت سنجیدہ اور خوشگوار ماحول میں خالص علمی انداز میں جاری رہیں جب تک کوئی مسئلہ منقح نہ ہو گیا فیصلہ نہ کیا گیا۔ یہی اہل علم اور اہل تقویٰ کی شان ہے۔ یقیناً ان تمام امور میں مجلس شرعی کے ارکان اور جامعہ اشرفیہ کے اساتذہ کا خاص حصہ ہے۔ اساتذہ ہی کا یہ فیضان ہے کہ ان کے فارغ شدہ تلامذہ اتنے دقیق علمی مسائل پر بحث کر سکے اور مقالات لکھے ان کے حسن تعلیم و تربیت کو فراموش کرنا بہت بڑی ناسپاسی ہوگی۔ (صحیفہ مجلس شرعی، ج:۱، ص:۲۱، ۲۲، تاثر بموقع پہلا فقہی سیمینار)

حضرت علامہ قاضی عبد الرحیم بستوی علیہ الرحمہ، بریلی شریف: یہ اجلاس مقرر ہوا ہے فقہی سیمینار کا، اس سے پہلے بہت سے سیمینار ہو چکے ہیں۔ سیمینار سے جو اختلافی مسائل ہیں جن میں علما کو تردد ہے، ان کی تنقیح ہو جاتی ہے اور علم کا ایک خزانہ محفوظ ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے سیمینار بہت مفید ہے۔ آپ حضرات کی حاضری سے بہت خوشی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس دینی خدمت میں کافی حصہ لینے کا موقع دے اور آپ کے علم و فہم میں برکت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ اس سیمینار کو بہت اچھے پیمانے پر کامیاب فرمائے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ اپریل ۲۰۱۰ء، ص:۱۳، تاثر بموقع سترہواں فقہی سیمینار)

شیخ القرآن حضرت علامہ عبد اللہ خان عزیزی علیہ الرحمہ: اس اہم اجلاس میں شریک ہو کر مسرت یہ ہوتی ہے کہ یہاں جتنے مسائل پر اصولی طور پر بحث ہوتی ہے وہ فقہ حنفی کی رو سے ہوتی ہے، اور امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تحقیقات کی روشنی میں مسائل کا حل تلاش کیا جاتا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ کو چھوڑے ہوئے تقریباً بائیس سال کا عرصہ گزر گیا اس سے پہلے کی تاریخ کا جب ہم سرسری نظر سے مطالعہ کرتے ہیں تو ہم کو یہ نظر نہیں آتا ہے کہ کسی سنی ادارہ میں اتنی بھاری تعداد میں علما و فقہا نے اکٹھا ہو کر کسی مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کیا ہو۔ ہمارے لیے یہ مسرت کی بات ہے کہ مفتیان کرام نے نہایت سلیقہ سے مسائل پر مباحثہ کیا اور شرکائے اجلاس نے نظم و ضبط ایسا برقرار رکھا جو ان کی شایان شان ہے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، مئی ۲۰۰۸ء، ص:۴۷، تاثر بموقع پندرہواں فقہی سیمینار)

مفکر اسلام حضرت علامہ قمر الزماں اعظمی: آپ کا یہ سیمینار جو ہر سال منعقد ہوتا ہے، فقہ کی تاریخ میں تحقیق و ریسرچ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس سے پہلے میرے مطالعے اور میری معلومات میں کوئی ایسا مجمع، کوئی ایسی اکیڈمی نہیں تھی جہاں اتنے علما بیٹھ کر کسی مسئلے پر غور کریں، دلائل فراہم کریں اور پھر اجتماعی نتیجے تک پہنچیں۔ خدائے وحدہ قدوس سیمینار کے اس سسٹم کو قیامت تک قائم رکھے۔ فقہ حنفی کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ہر دور کے لیے، ہر عصر کے لیے اور ہر زمانے کے

لیے قابل عمل، لائق عمل اور قبولیت کی مکمل صلاحیت رکھتا ہے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ اپریل ۲۰۱۱ء، ص:۱۱، تاثر بموقع ۱۸ اررواں فقہی سیمینار)

حضرت مولانا غلام عبد القادر علوی، براؤں شریف: الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور نے اپنی جماعت میں سب سے پہلے مجلس شرعی قائم کی اور وقفہ وقفہ سے اس کی مجالس کا انعقاد ہوتا رہا، اس گیارہویں سیمینار میں پورے ملک کے اصحاب دار الافتا اور فقہی مسائل میں جدو جہد کرنے والے مفتیان کرام کی واضح اور بھرپور نمائندگی ہے اور ان چھ نشستوں میں جن ضروری اور انتہائی اہم مسائل پر گفتگو ہوئی، مسائل منقح ہوئے اور نوجوان مفتیانِ کرام نے جس انداز میں بحثوں میں حصہ لیا وہ یقیناً ہمارے تابناک مستقبل کی طرف واضح اشارہ ہے اور انشاء اللہ جب اس سیمینار کے طے شدہ مسائل کی رپورٹ قوم کے سامنے آئے گی تو سب پر عیاں ہو جائے گا کہ ہماری جماعت کے علما میں جمود نہیں بلکہ سرگرمیاں اپنے پورے عروج پر ہیں۔ (ماہ نامہ اشرفیہ جون ۲۰۰۵ء، ص:۴۷، تاثر بموقع دسواں فقہی سیمینار)

حضرت مولانا محمد ہاشم صاحب مرادآبادی، استاذ جامعہ نعیمیہ مرادآباد: برادرانِ ملت! ان سیمیناروں کے بے شمار فوائد ہیں، سامنے کا فائدہ یہ ہے کہ ہماری جماعت کا جو ایک بہت بڑا المیہ اور رونا تھا کہ ہم میں انتشار ہے اتحاد نہیں اور ہم میں کوئی تنظیم نہیں تو ان سیمیناروں نے اور جامعہ اشرفیہ نے ان سیمیناروں کے ذریعہ سلاسل، مساجد اور مدارس کی باہم چپقلشوں سے بہت اوپر اٹھ کر سب کو ایک جگہ جمع کر کے آنے والے اتحاد کے لیے راستہ بنا دیا ہے اور تنظیم کا جو رونا تھا میں سمجھتا ہوں کہ آنے والا وقت بتائے گا کہ وہ رونا بھی ختم ہو جائے گا اور یہ فقہی سیمینار ہے مگر ملت کے مسائل صرف فقہی نہیں ہیں بلکہ بے شمار مسائل ہیں جیسا کہ عزیز ملت نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں فرمایا تھا امید ہے کہ ان کے حل کے لیے بھی کوئی راہ نکلے گی، اس سیمینار کا دوسرا فائدہ سامنے کا یہ بھی ہے کہ ہمارے نوجوان محققین و مدققین کو تحقیق و تدقیق اور مطالعہ و مباحثہ کا موقع ملتا ہے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ جون ۲۰۰۵ء، ص:۴۷، تاثر بموقع دسواں فقہی سیمینار)

حضرت مولانا یٰسین اختر مصباحی، دار القلم، دہلی: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: بڑے اطمینان اور مسرت کی بات ہے کہ نہایت کامیابی کے ساتھ یہ چودھواں فقہی سیمینار اختتام پذیر ہوا۔ ہمارے اس سیمینار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ائمہ متقدمین و متاخرین نے ہمارے لیے جو نقوش فکر متعین کیے ہیں، ہم اسی پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ الحمد للہ ان بزرگوں کا فیضان اور ان کی برکت ہے کہ کہیں بھی کوئی انحراف ہمارے کسی بھی فیصلے میں نہیں ہوتا۔ یہ بہت بڑی سعادت کی بات ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ آئندہ تمام سیمیناروں میں بھی ہمیں توفیق جمیل عطا فرمائے۔ (ماہنامہ اشرفیہ، جون ۲۰۰۷ء، ص:۴۰، تاثر بموقع ۱۴ اررواں فقہی سیمینار)

حضرت مولانا بدر القادری مصباحی، ہالینڈ: فقہی سیمینار عالمی پیمانے پر رونما ہونے والے مسائل کو حل کرنے کی ایک عالمی تحریک ہے اور الجامعۃ الاشرفیہ اس سلسلے میں بھی مقدم ہے اور یہ ہمارے بہت پرانے خوابوں کی تعبیر ہے۔ جس زمانے میں یہاں ویرانہ تھا اور چند ایک عمارتیں تھیں اس زمانے میں ہم لوگ سوچا کرتے تھے کہ لوگ سیمینار اور کانفرنس کیسے کر لیتے ہیں اور سب کرتے ہیں، ہم کیوں نہیں کر پاتے؟ الحمد للہ! حضور حافظ ملت اور ہمارے تمام اکابر کی روحانیت کا نتیجہ ہے کہ یہ فقہی سیمینار ہو رہا ہے۔ حضور حافظ ملت کے خاص کرم سے میں نے بین الاقوامی سیمینار بھی دیکھے اور بہت کچھ دیکھا لیکن میں دعوے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ علمی بنیادوں پر جتنے مضبوط مقالے آپ حضرات لکھ کر محنت و مشقت کر کے اپنے موضوع پر تیاری کرتے ہیں ان میں سے پانچ فیصد حصے کی تیاری بھی ان کانفرنسوں میں نہیں کی جاتی۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، جون ۲۰۰۷ء، ص:۴۰، تاثر بموقع چودھواں فقہی سیمینار)

حضرت مفتی عبد المنان کلیمی مصباحی، مرادآباد: آج اس عظیم الشان اجلاس کو دیکھ کر تاریخ میں فقہ حنفی کی تدوین کا جو طریقہ مذکور ہے بلاشبہ اس کی یاد تازہ ہو گئی۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ آج فقہ حنفی کی تدوین ہو رہی ہے۔ لیکن یقیناً فقہ حنفی کی روشنی میں جدید مسائل ... تعلق سے ایک بہت بڑا کام ہو رہا ہے۔ اور یہ ایک بہت بڑا علمی ذخیرہ ہے جو ہمارے پاس ہے۔

(ماہ نامہ اشرفیہ مئی ۲۰۰۸ء، ص:۴۷، تاثر بموقع پندرہواں فقہی سیمینار)